

# اسلامی معاشیات

حجت محمد تقی میرزا

کتابخانہ اسلامیہ  
لاہور

اسلامی معاشیات

تقریباً

۱۹۴۵ء

# اسلامی معاشیات

حضرت سید مناظر احسن گیلانی<sup>۲</sup>

ناشر

دارالانشاء کراچی

مقابل پولی مشافیر خانہ اردو بازار، کراچی ۷۵

# فہرس

## باب اول اسلامی معاشیات

۶	ایک تاریخی بیان.....	۱	خاتمہ الکتاب.....
۷	قرآن کے تاریخی بیان کا تجزیہ.....	۱	عالمین پیدائش اور اسلام.....
۸	مساخ گریز و جذبات کا اخروی انجام نسق ہے.....	۱	مساخی و مسائی کی نشان دہی انسانی کم
۹	اسلام کے مذہبی خدام کی خصوصیت.....	۲	اندر اور باہر.....
۱۰	معاشی مسائل کی اہمیت حدیثوں میں.....	۲	عالم کا نظام تاخیر کننا بری کو نظام ہے.....
۱۱	امت کی معاشی خوشحالی کیلئے پیغمبر کی دعا.....	۲	موجودہ حالت کا معاشی پیدائش میں مساوی متہ.....
۱۲	مسلمانوں کی معاشی پریشانی کو دیکھ کر پیغمبر کا	۲	اجرت بمقتدار رحمت.....
۱۳	پریشان ہر جائے.....	۲	مراہ اور قرآن.....
۱۴	خوشحالی کو دیکھ کر پیغمبر کے چہرے کا لوگ اٹھتا	۲	رحمت اور قرآن.....
۱۵	اپنی آپ مدد پر لوگوں کو آمادہ کرتا.....	۲	رحمت کی آسانی ہی مشکل.....
۱۶	مساخی سہولت کے لئے ایک فرض نماز کی	۲	تسکیم اور قرآن.....
۱۷	فرضیت سا قد کر دی گئی.....	۲	تسکیمی کاروبار کے مزدوری مثالی.....
۱۸	حضرت عمر کا ایک دلچسپ فلسفی واقعہ.....	۲	مغرب کے راجہ پانڈ اور مشرق کے بوجہ پانڈ
۱۹	قیامت بھی قائم چودہویں چوبیس ہی معاشی	۳	خداوت.....
۲۰	کاروبار کو ترک نہ کرنا چاہئے.....	۳	دنیاوی نعمتوں کی نفرت اخروی نعمتوں
۲۱	زمین کی آباد کاری بھی مسلمانوں کے قرآنی	۳	کی نفرت کا مقدمہ ہے.....
۲۲	فرائض جیسا ہے.....	۳	ترک لذائذ میں خواب کا کوئی پہلو نہیں.....
۲۳	آخرت کی بنیادی کے لئے دنیا کو آباد کرنا.....	۳	زراعت اور باجیانی کے ساتھ قرآنی کا
۲۴	کائنات کے جانی پہلوؤں کی طرف چند	۳	خصوصی تعلق.....
۲۵	قرآنی اشارے.....	۳	مساخی گریز و رجحانات کے متعلق قرآن کا

طباعت:

ناشر: دارالاشاعت کراچی

ملنے کی جگہ:

دارالاشاعت اردو بازار کراچی  
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی  
ادارۃ المعارف کورنگی کراچی  
ادارۃ اسلامیات کراچی  
مکتبہ برہان اردو بازار کراچی

۱۲ مردوں کے ساتھ ہی اس کو جہاں تک نظر  
 ۲۳ بدلتا وہ پیشانی کی شکل ہے  
 " دارمی کے متنی کرتے ہیں ایک دیکھو انہ  
 " درندوں کی حرکت  
 " اسلام اور اس کی کاری  
 " خدا ہی جیسا کہ جہاں کو بند کرتا ہے۔  
 " جس کی حرکت عمل کا جہت خدا کو محبوب ہے  
 " معاشی جہد جہد جہاد فی سبیل اللہ ہے  
 " چند الفاظ میں ان مقامات کا انشا پڑھو  
 " کی طرف تشریف آ رہی ہیں  
 " قرآن کے حکم اور اس کی قیمت  
 " خدا بجا دات کی نعمت کچھ نہیں ہے۔  
 " بے ہمتوں کو مستحق پیغمبر نہ ہونے  
 " غیر اقسام کی ہر ہمتوں کے یکجہتی  
 " پیغمبر اور صحابہ کا اجماع  
 " جہد جہاد میں روئی دیا ہے  
 " روئی دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 " نے خود بندہ ایسا  
 " جیسا کہ اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم  
 " سجدوں کے ہر کی تاریخ  
 " سجدہ نبوی میں کر سکی  
 " انگریزی دوا اور مسلمان  
 " عربی کی توجہ پڑائی کی فوں کو ترجیح دیتی  
 " جہد جہاد میں جہاد کی پوری جہاد میں  
 " جہاد کی قوت کی طرف قرآن کا ایک اشارہ  
 " خاص و عوامی امور کے معاشی نتائج  
 " ایک مثال کے لئے انزال  
 " اسلامی جہاد کی فہم فہمی  
 " عربی تائید کی ایک لفظ

۳۸ انسان و زمین کی برکتیں اور ایمان و تقویٰ  
 " شکل کثرت تقویٰ سے  
 " ایمان و ایمان کو زمین پر کھڑوں کے  
 " نتائج میں بسایا جائے  
 " پانی برساتے کے قرآنی طریقہ  
 " اصول معاش کا قرآنی طریقہ  
 " دعائی تیر کی کامیابی و ناکامی  
 " کیا دعا صرف عقلی شئی ہے  
 " بعض دعائی آیتوں کے متعلق غلط فہمی  
 " پیغمبروں کی بھی ہر دعا قبول نہیں ہوتی  
 " جنگ میں پیغمبر کے ساتھ دعائی اضطرار  
 " دعائی تیر کے ساتھ عقلی تیر  
 " دونوں طریقوں کی اہمیت میں فرق  
 " قرآن کی ایک ہروری صورت میں حق تعالیٰ کو  
 " ان الفاظ میں بتائے کا سبب  
 " انسانی نظام معاشی نظام ہے  
 " معذرت  
 " اس دشواری کے حل کی سہولت  
 " اللہ کے یا زہد و عواصم کے متعلق قرآن کی بیان  
 " حق تعالیٰ کو صرف اللہ شہادت کے ساتھ  
 " حق تعالیٰ کو صرف اللہ شہادت کے ساتھ  
 " معاشی ضرورتوں کو شہادے مانگ آوی کو  
 " نکل اور ناکارہ بنا دیتا ہے  
 " سلطان و غیر سلطان قرائین کا فرق  
 " ان کے سلطان اور ذوال کی حقیت  
 " غیر مسلم اقوام کی دنیاوی کامیابیوں کا دور  
 " امریکہ و یورپ کی کامیابیوں  
 " علمی معاشیات کے متعلق ایک سرسری  
 " تاریخی تبصرہ

۹۲ { ۹۳ { ۹۴ { ۹۵ { ۹۶ { ۹۷ { ۹۸ { ۹۹ { ۱۰۰ { ۱۰۱ { ۱۰۲ { ۱۰۳ { ۱۰۴ { ۱۰۵ { ۱۰۶ { ۱۰۷ { ۱۰۸ { ۱۰۹ { ۱۱۰ { ۱۱۱ { ۱۱۲ { ۱۱۳ { ۱۱۴ { ۱۱۵ { ۱۱۶ { ۱۱۷ { ۱۱۸ { ۱۱۹ { ۱۲۰ { ۱۲۱ { ۱۲۲ { ۱۲۳ { ۱۲۴ { ۱۲۵ { ۱۲۶ { ۱۲۷ { ۱۲۸ { ۱۲۹ { ۱۳۰ { ۱۳۱ { ۱۳۲ { ۱۳۳ { ۱۳۴ { ۱۳۵ { ۱۳۶ { ۱۳۷ { ۱۳۸ { ۱۳۹ { ۱۴۰ { ۱۴۱ { ۱۴۲ { ۱۴۳ { ۱۴۴ { ۱۴۵ { ۱۴۶ { ۱۴۷ { ۱۴۸ { ۱۴۹ { ۱۵۰ { ۱۵۱ { ۱۵۲ { ۱۵۳ { ۱۵۴ { ۱۵۵ { ۱۵۶ { ۱۵۷ { ۱۵۸ { ۱۵۹ { ۱۶۰ { ۱۶۱ { ۱۶۲ { ۱۶۳ { ۱۶۴ { ۱۶۵ { ۱۶۶ { ۱۶۷ { ۱۶۸ { ۱۶۹ { ۱۷۰ { ۱۷۱ { ۱۷۲ { ۱۷۳ { ۱۷۴ { ۱۷۵ { ۱۷۶ { ۱۷۷ { ۱۷۸ { ۱۷۹ { ۱۸۰ { ۱۸۱ { ۱۸۲ { ۱۸۳ { ۱۸۴ { ۱۸۵ { ۱۸۶ { ۱۸۷ { ۱۸۸ { ۱۸۹ { ۱۹۰ { ۱۹۱ { ۱۹۲ { ۱۹۳ { ۱۹۴ { ۱۹۵ { ۱۹۶ { ۱۹۷ { ۱۹۸ { ۱۹۹ { ۲۰۰ { ۲۰۱ { ۲۰۲ { ۲۰۳ { ۲۰۴ { ۲۰۵ { ۲۰۶ { ۲۰۷ { ۲۰۸ { ۲۰۹ { ۲۱۰ { ۲۱۱ { ۲۱۲ { ۲۱۳ { ۲۱۴ { ۲۱۵ { ۲۱۶ { ۲۱۷ { ۲۱۸ { ۲۱۹ { ۲۲۰ { ۲۲۱ { ۲۲۲ { ۲۲۳ { ۲۲۴ { ۲۲۵ { ۲۲۶ { ۲۲۷ { ۲۲۸ { ۲۲۹ { ۲۳۰ { ۲۳۱ { ۲۳۲ { ۲۳۳ { ۲۳۴ { ۲۳۵ { ۲۳۶ { ۲۳۷ { ۲۳۸ { ۲۳۹ { ۲۴۰ { ۲۴۱ { ۲۴۲ { ۲۴۳ { ۲۴۴ { ۲۴۵ { ۲۴۶ { ۲۴۷ { ۲۴۸ { ۲۴۹ { ۲۵۰ { ۲۵۱ { ۲۵۲ { ۲۵۳ { ۲۵۴ { ۲۵۵ { ۲۵۶ { ۲۵۷ { ۲۵۸ { ۲۵۹ { ۲۶۰ { ۲۶۱ { ۲۶۲ { ۲۶۳ { ۲۶۴ { ۲۶۵ { ۲۶۶ { ۲۶۷ { ۲۶۸ { ۲۶۹ { ۲۷۰ { ۲۷۱ { ۲۷۲ { ۲۷۳ { ۲۷۴ { ۲۷۵ { ۲۷۶ { ۲۷۷ { ۲۷۸ { ۲۷۹ { ۲۸۰ { ۲۸۱ { ۲۸۲ { ۲۸۳ { ۲۸۴ { ۲۸۵ { ۲۸۶ { ۲۸۷ { ۲۸۸ { ۲۸۹ { ۲۹۰ { ۲۹۱ { ۲۹۲ { ۲۹۳ { ۲۹۴ { ۲۹۵ { ۲۹۶ { ۲۹۷ { ۲۹۸ { ۲۹۹ { ۳۰۰ { ۳۰۱ { ۳۰۲ { ۳۰۳ { ۳۰۴ { ۳۰۵ { ۳۰۶ { ۳۰۷ { ۳۰۸ { ۳۰۹ { ۳۱۰ { ۳۱۱ { ۳۱۲ { ۳۱۳ { ۳۱۴ { ۳۱۵ { ۳۱۶ { ۳۱۷ { ۳۱۸ { ۳۱۹ { ۳۲۰ { ۳۲۱ { ۳۲۲ { ۳۲۳ { ۳۲۴ { ۳۲۵ { ۳۲۶ { ۳۲۷ { ۳۲۸ { ۳۲۹ { ۳۳۰ { ۳۳۱ { ۳۳۲ { ۳۳۳ { ۳۳۴ { ۳۳۵ { ۳۳۶ { ۳۳۷ { ۳۳۸ { ۳۳۹ { ۳۴۰ { ۳۴۱ { ۳۴۲ { ۳۴۳ { ۳۴۴ { ۳۴۵ { ۳۴۶ { ۳۴۷ { ۳۴۸ { ۳۴۹ { ۳۵۰ { ۳۵۱ { ۳۵۲ { ۳۵۳ { ۳۵۴ { ۳۵۵ { ۳۵۶ { ۳۵۷ { ۳۵۸ { ۳۵۹ { ۳۶۰ { ۳۶۱ { ۳۶۲ { ۳۶۳ { ۳۶۴ { ۳۶۵ { ۳۶۶ { ۳۶۷ { ۳۶۸ { ۳۶۹ { ۳۷۰ { ۳۷۱ { ۳۷۲ { ۳۷۳ { ۳۷۴ { ۳۷۵ { ۳۷۶ { ۳۷۷ { ۳۷۸ { ۳۷۹ { ۳۸۰ { ۳۸۱ { ۳۸۲ { ۳۸۳ { ۳۸۴ { ۳۸۵ { ۳۸۶ { ۳۸۷ { ۳۸۸ { ۳۸۹ { ۳۹۰ { ۳۹۱ { ۳۹۲ { ۳۹۳ { ۳۹۴ { ۳۹۵ { ۳۹۶ { ۳۹۷ { ۳۹۸ { ۳۹۹ { ۴۰۰ { ۴۰۱ { ۴۰۲ { ۴۰۳ { ۴۰۴ { ۴۰۵ { ۴۰۶ { ۴۰۷ { ۴۰۸ { ۴۰۹ { ۴۱۰ { ۴۱۱ { ۴۱۲ { ۴۱۳ { ۴۱۴ { ۴۱۵ { ۴۱۶ { ۴۱۷ { ۴۱۸ { ۴۱۹ { ۴۲۰ { ۴۲۱ { ۴۲۲ { ۴۲۳ { ۴۲۴ { ۴۲۵ { ۴۲۶ { ۴۲۷ { ۴۲۸ { ۴۲۹ { ۴۳۰ { ۴۳۱ { ۴۳۲ { ۴۳۳ { ۴۳۴ { ۴۳۵ { ۴۳۶ { ۴۳۷ { ۴۳۸ { ۴۳۹ { ۴۴۰ { ۴۴۱ { ۴۴۲ { ۴۴۳ { ۴۴۴ { ۴۴۵ { ۴۴۶ { ۴۴۷ { ۴۴۸ { ۴۴۹ { ۴۵۰ { ۴۵۱ { ۴۵۲ { ۴۵۳ { ۴۵۴ { ۴۵۵ { ۴۵۶ { ۴۵۷ { ۴۵۸ { ۴۵۹ { ۴۶۰ { ۴۶۱ { ۴۶۲ { ۴۶۳ { ۴۶۴ { ۴۶۵ { ۴۶۶ { ۴۶۷ { ۴۶۸ { ۴۶۹ { ۴۷۰ { ۴۷۱ { ۴۷۲ { ۴۷۳ { ۴۷۴ { ۴۷۵ { ۴۷۶ { ۴۷۷ { ۴۷۸ { ۴۷۹ { ۴۸۰ { ۴۸۱ { ۴۸۲ { ۴۸۳ { ۴۸۴ { ۴۸۵ { ۴۸۶ { ۴۸۷ { ۴۸۸ { ۴۸۹ { ۴۹۰ { ۴۹۱ { ۴۹۲ { ۴۹۳ { ۴۹۴ { ۴۹۵ { ۴۹۶ { ۴۹۷ { ۴۹۸ { ۴۹۹ { ۵۰۰ { ۵۰۱ { ۵۰۲ { ۵۰۳ { ۵۰۴ { ۵۰۵ { ۵۰۶ { ۵۰۷ { ۵۰۸ { ۵۰۹ { ۵۱۰ { ۵۱۱ { ۵۱۲ { ۵۱۳ { ۵۱۴ { ۵۱۵ { ۵۱۶ { ۵۱۷ { ۵۱۸ { ۵۱۹ { ۵۲۰ { ۵۲۱ { ۵۲۲ { ۵۲۳ { ۵۲۴ { ۵۲۵ { ۵۲۶ { ۵۲۷ { ۵۲۸ { ۵۲۹ { ۵۳۰ { ۵۳۱ { ۵۳۲ { ۵۳۳ { ۵۳۴ { ۵۳۵ { ۵۳۶ { ۵۳۷ { ۵۳۸ { ۵۳۹ { ۵۴۰ { ۵۴۱ { ۵۴۲ { ۵۴۳ { ۵۴۴ { ۵۴۵ { ۵۴۶ { ۵۴۷ { ۵۴۸ { ۵۴۹ { ۵۵۰ { ۵۵۱ { ۵۵۲ { ۵۵۳ { ۵۵۴ { ۵۵۵ { ۵۵۶ { ۵۵۷ { ۵۵۸ { ۵۵۹ { ۵۶۰ { ۵۶۱ { ۵۶۲ { ۵۶۳ { ۵۶۴ { ۵۶۵ { ۵۶۶ { ۵۶۷ { ۵۶۸ { ۵۶۹ { ۵۷۰ { ۵۷۱ { ۵۷۲ { ۵۷۳ { ۵۷۴ { ۵۷۵ { ۵۷۶ { ۵۷۷ { ۵۷۸ { ۵۷۹ { ۵۸۰ { ۵۸۱ { ۵۸۲ { ۵۸۳ { ۵۸۴ { ۵۸۵ { ۵۸۶ { ۵۸۷ { ۵۸۸ { ۵۸۹ { ۵۹۰ { ۵۹۱ { ۵۹۲ { ۵۹۳ { ۵۹۴ { ۵۹۵ { ۵۹۶ { ۵۹۷ { ۵۹۸ { ۵۹۹ { ۶۰۰ { ۶۰۱ { ۶۰۲ { ۶۰۳ { ۶۰۴ { ۶۰۵ { ۶۰۶ { ۶۰۷ { ۶۰۸ { ۶۰۹ { ۶۱۰ { ۶۱۱ { ۶۱۲ { ۶۱۳ { ۶۱۴ { ۶۱۵ { ۶۱۶ { ۶۱۷ { ۶۱۸ { ۶۱۹ { ۶۲۰ { ۶۲۱ { ۶۲۲ { ۶۲۳ { ۶۲۴ { ۶۲۵ { ۶۲۶ { ۶۲۷ { ۶۲۸ { ۶۲۹ { ۶۳۰ { ۶۳۱ { ۶۳۲ { ۶۳۳ { ۶۳۴ { ۶۳۵ { ۶۳۶ { ۶۳۷ { ۶۳۸ { ۶۳۹ { ۶۴۰ { ۶۴۱ { ۶۴۲ { ۶۴۳ { ۶۴۴ { ۶۴۵ { ۶۴۶ { ۶۴۷ { ۶۴۸ { ۶۴۹ { ۶۵۰ { ۶۵۱ { ۶۵۲ { ۶۵۳ { ۶۵۴ { ۶۵۵ { ۶۵۶ { ۶۵۷ { ۶۵۸ { ۶۵۹ { ۶۶۰ { ۶۶۱ { ۶۶۲ { ۶۶۳ { ۶۶۴ { ۶۶۵ { ۶۶۶ { ۶۶۷ { ۶۶۸ { ۶۶۹ { ۶۷۰ { ۶۷۱ { ۶۷۲ { ۶۷۳ { ۶۷۴ { ۶۷۵ { ۶۷۶ { ۶۷۷ { ۶۷۸ { ۶۷۹ { ۶۸۰ { ۶۸۱ { ۶۸۲ { ۶۸۳ { ۶۸۴ { ۶۸۵ { ۶۸۶ { ۶۸۷ { ۶۸۸ { ۶۸۹ { ۶۹۰ { ۶۹۱ { ۶۹۲ { ۶۹۳ { ۶۹۴ { ۶۹۵ { ۶۹۶ { ۶۹۷ { ۶۹۸ { ۶۹۹ { ۷۰۰ { ۷۰۱ { ۷۰۲ { ۷۰۳ { ۷۰۴ { ۷۰۵ { ۷۰۶ { ۷۰۷ { ۷۰۸ { ۷۰۹ { ۷۱۰ { ۷۱۱ { ۷۱۲ { ۷۱۳ { ۷۱۴ { ۷۱۵ { ۷۱۶ { ۷۱۷ { ۷۱۸ { ۷۱۹ { ۷۲۰ { ۷۲۱ { ۷۲۲ { ۷۲۳ { ۷۲۴ { ۷۲۵ { ۷۲۶ { ۷۲۷ { ۷۲۸ { ۷۲۹ { ۷۳۰ { ۷۳۱ { ۷۳۲ { ۷۳۳ { ۷۳۴ { ۷۳۵ { ۷۳۶ { ۷۳۷ { ۷۳۸ { ۷۳۹ { ۷۴۰ { ۷۴۱ { ۷۴۲ { ۷۴۳ { ۷۴۴ { ۷۴۵ { ۷۴۶ { ۷۴۷ { ۷۴۸ { ۷۴۹ { ۷۵۰ { ۷۵۱ { ۷۵۲ { ۷۵۳ { ۷۵۴ { ۷۵۵ { ۷۵۶ { ۷۵۷ { ۷۵۸ { ۷۵۹ { ۷۶۰ { ۷۶۱ { ۷۶۲ { ۷۶۳ { ۷۶۴ { ۷۶۵ { ۷۶۶ { ۷۶۷ { ۷۶۸ { ۷۶۹ { ۷۷۰ { ۷۷۱ { ۷۷۲ { ۷۷۳ { ۷۷۴ { ۷۷۵ { ۷۷۶ { ۷۷۷ { ۷۷۸ { ۷۷۹ { ۷۸۰ { ۷۸۱ { ۷۸۲ { ۷۸۳ { ۷۸۴ { ۷۸۵ { ۷۸۶ { ۷۸۷ { ۷۸۸ { ۷۸۹ { ۷۹۰ { ۷۹۱ { ۷۹۲ { ۷۹۳ { ۷۹۴ { ۷۹۵ { ۷۹۶ { ۷۹۷ { ۷۹۸ { ۷۹۹ { ۸۰۰ { ۸۰۱ { ۸۰۲ { ۸۰۳ { ۸۰۴ { ۸۰۵ { ۸۰۶ { ۸۰۷ { ۸۰۸ { ۸۰۹ { ۸۱۰ { ۸۱۱ { ۸۱۲ { ۸۱۳ { ۸۱۴ { ۸۱۵ { ۸۱۶ { ۸۱۷ { ۸۱۸ { ۸۱۹ { ۸۲۰ { ۸۲۱ { ۸۲۲ { ۸۲۳ { ۸۲۴ { ۸۲۵ { ۸۲۶ { ۸۲۷ { ۸۲۸ { ۸۲۹ { ۸۳۰ { ۸۳۱ { ۸۳۲ { ۸۳۳ { ۸۳۴ { ۸۳۵ { ۸۳۶ { ۸۳۷ { ۸۳۸ { ۸۳۹ { ۸۴۰ { ۸۴۱ { ۸۴۲ { ۸۴۳ { ۸۴۴ { ۸۴۵ { ۸۴۶ { ۸۴۷ { ۸۴۸ { ۸۴۹ { ۸۵۰ { ۸۵۱ { ۸۵۲ { ۸۵۳ { ۸۵۴ { ۸۵۵ { ۸۵۶ { ۸۵۷ { ۸۵۸ { ۸۵۹ { ۸۶۰ { ۸۶۱ { ۸۶۲ { ۸۶۳ { ۸۶۴ { ۸۶۵ { ۸۶۶ { ۸۶۷ { ۸۶۸ { ۸۶۹ { ۸۷۰ { ۸۷۱ { ۸۷۲ { ۸۷۳ { ۸۷۴ { ۸۷۵ { ۸۷۶ { ۸۷۷ { ۸۷۸ { ۸۷۹ { ۸۸۰ { ۸۸۱ { ۸۸۲ { ۸۸۳ { ۸۸۴ { ۸۸۵ { ۸۸۶ { ۸۸۷ { ۸۸۸ { ۸۸۹ { ۸۹۰ { ۸۹۱ { ۸۹۲ { ۸۹۳ { ۸۹۴ { ۸۹۵ { ۸۹۶ { ۸۹۷ { ۸۹۸ { ۸۹۹ { ۹۰۰ { ۹۰۱ { ۹۰۲ { ۹۰۳ { ۹۰۴ { ۹۰۵ { ۹۰۶ { ۹۰۷ { ۹۰۸ { ۹۰۹ { ۹۱۰ { ۹۱۱ { ۹۱۲ { ۹۱۳ { ۹۱۴ { ۹۱۵ { ۹۱۶ { ۹۱۷ { ۹۱۸ { ۹۱۹ { ۹۲۰ { ۹۲۱ { ۹۲۲ { ۹۲۳ { ۹۲۴ { ۹۲۵ { ۹۲۶ { ۹۲۷ { ۹۲۸ { ۹۲۹ { ۹۳۰ { ۹۳۱ { ۹۳۲ { ۹۳۳ { ۹۳۴ { ۹۳۵ { ۹۳۶ { ۹۳۷ { ۹۳۸ { ۹۳۹ { ۹۴۰ { ۹۴۱ { ۹۴۲ { ۹۴۳ { ۹۴۴ { ۹۴۵ { ۹۴۶ { ۹۴۷ { ۹۴۸ { ۹۴۹ { ۹۵۰ { ۹۵۱ { ۹۵۲ { ۹۵۳ { ۹۵۴ { ۹۵۵ { ۹۵۶ { ۹۵۷ { ۹۵۸ { ۹۵۹ { ۹۶۰ { ۹۶۱ { ۹۶۲ { ۹۶۳ { ۹۶۴ { ۹۶۵ { ۹۶۶ { ۹۶۷ { ۹۶۸ { ۹۶۹ { ۹۷۰ { ۹۷۱ { ۹۷۲ { ۹۷۳ { ۹۷۴ { ۹۷۵ { ۹۷۶ { ۹۷۷ { ۹۷۸ { ۹۷۹ { ۹۸۰ { ۹۸۱ { ۹۸۲ { ۹۸۳ { ۹۸۴ { ۹۸۵ { ۹۸۶ { ۹۸۷ { ۹۸۸ { ۹۸۹ { ۹۹۰ { ۹۹۱ { ۹۹۲ { ۹۹۳ { ۹۹۴ { ۹۹۵ { ۹۹۶ { ۹۹۷ { ۹۹۸ { ۹۹۹ { ۱۰۰۰ { ۱۰۰۱ { ۱۰۰۲ { ۱۰۰۳ { ۱۰۰۴ { ۱۰۰۵ { ۱۰۰۶ { ۱۰۰۷ { ۱۰۰۸ { ۱۰۰۹ { ۱۰۱۰ { ۱۰۱۱ { ۱۰۱۲ { ۱۰۱۳ { ۱۰۱۴ { ۱۰۱۵ { ۱۰۱۶ { ۱۰۱۷ { ۱۰۱۸ { ۱۰۱۹ { ۱۰۲۰ { ۱۰۲۱ { ۱۰۲۲ { ۱۰۲۳ { ۱۰۲۴ { ۱۰۲۵ { ۱۰۲۶ { ۱۰۲۷ { ۱۰۲۸ { ۱۰۲۹ { ۱۰۳۰ { ۱۰۳۱ { ۱۰۳۲ { ۱۰۳۳ { ۱۰۳۴ { ۱۰۳۵ { ۱۰۳۶ { ۱۰۳۷ { ۱۰۳۸ { ۱۰۳۹ { ۱۰۴۰ { ۱۰۴۱ { ۱۰۴۲ { ۱۰۴۳ { ۱۰۴۴ { ۱۰۴۵ { ۱۰۴۶ { ۱۰۴۷ { ۱۰۴۸ { ۱۰۴۹ { ۱۰۵۰ { ۱۰۵۱ { ۱۰۵۲ { ۱۰۵۳ { ۱۰۵۴ { ۱۰۵۵ { ۱۰۵۶ { ۱۰۵۷ { ۱۰۵۸ { ۱۰۵۹ { ۱۰۶۰ { ۱۰۶۱ { ۱۰۶۲ { ۱۰۶۳ { ۱۰۶۴ { ۱۰۶۵ { ۱۰۶۶ { ۱۰۶۷ { ۱۰۶۸ { ۱۰۶۹ { ۱۰۷۰ { ۱۰۷۱ { ۱۰۷۲ { ۱۰۷۳ { ۱۰۷۴ { ۱۰۷۵ { ۱۰۷۶ { ۱۰۷۷ { ۱۰۷۸ { ۱۰۷۹ { ۱۰۸۰ { ۱۰۸۱ { ۱۰۸۲ { ۱۰۸۳ { ۱۰۸۴ { ۱۰۸۵ { ۱۰۸۶ { ۱۰۸۷ { ۱۰۸۸ { ۱۰۸۹ { ۱۰۹۰ { ۱۰۹۱ { ۱۰۹۲ { ۱۰۹۳ { ۱۰۹۴ { ۱۰۹۵ { ۱۰۹۶ { ۱۰۹۷ { ۱۰۹۸ { ۱۰۹۹ { ۱۱۰۰ { ۱۱۰۱ { ۱۱۰۲ { ۱۱۰۳ { ۱۱۰۴ { ۱۱۰۵ { ۱۱۰۶ { ۱۱۰۷ { ۱۱۰۸ { ۱۱۰۹ { ۱۱۱۰ { ۱۱۱۱ { ۱۱۱۲ { ۱۱۱۳ { ۱۱۱۴ { ۱۱۱۵ { ۱۱۱۶ { ۱۱۱۷ { ۱۱۱۸ { ۱۱۱۹ { ۱۱۲۰ { ۱۱۲۱ { ۱۱۲۲ { ۱۱۲۳ { ۱۱۲۴ { ۱۱۲۵ { ۱۱۲۶ { ۱۱۲۷ { ۱۱۲۸ { ۱۱۲۹ { ۱۱۳۰ { ۱۱۳۱ { ۱۱۳۲ { ۱۱۳۳ { ۱۱۳۴ { ۱۱۳۵ { ۱۱۳۶ { ۱۱۳۷ { ۱۱۳۸ { ۱۱۳۹ { ۱۱۴۰ { ۱۱۴۱ { ۱۱۴۲ { ۱۱۴۳ { ۱۱۴۴ { ۱۱۴۵ { ۱۱۴۶ { ۱۱۴۷ { ۱۱۴۸ { ۱۱۴۹ { ۱۱۵۰ { ۱۱۵۱ { ۱۱۵۲ { ۱۱۵۳ { ۱۱۵۴ { ۱۱۵۵ { ۱۱۵۶ { ۱۱۵۷ { ۱۱۵۸ { ۱۱۵۹ { ۱۱۶۰ { ۱۱۶۱ { ۱۱۶۲ { ۱۱۶۳ { ۱۱۶۴ { ۱۱۶۵ { ۱۱۶۶ { ۱۱۶۷ { ۱۱۶۸ { ۱۱۶۹ { ۱۱۷۰ { ۱۱۷۱ { ۱۱۷۲ { ۱۱۷۳ { ۱۱۷۴ { ۱۱۷۵ { ۱۱۷۶ { ۱۱۷۷ { ۱۱۷۸ { ۱۱۷۹ { ۱۱۸۰ { ۱۱۸۱ { ۱۱۸۲ { ۱۱۸۳ { ۱۱۸۴ { ۱۱۸۵ { ۱۱۸۶ { ۱۱۸۷ { ۱۱۸۸ { ۱۱۸۹ { ۱۱۹۰ { ۱۱۹۱ { ۱۱۹۲ { ۱۱۹۳ { ۱۱۹۴ { ۱۱۹۵ { ۱۱۹۶ { ۱۱۹۷ { ۱۱۹۸ { ۱۱۹۹ { ۱۲۰۰ { ۱۲۰۱ { ۱۲۰۲ { ۱۲۰۳ { ۱۲۰۴ { ۱۲۰۵ { ۱۲۰۶ { ۱۲۰۷ { ۱۲۰۸ { ۱۲۰۹ { ۱۲۱۰ { ۱۲۱۱ { ۱۲۱۲ { ۱۲۱۳ { ۱۲۱۴ { ۱۲۱۵ { ۱۲۱۶ { ۱۲۱۷ { ۱۲۱۸ { ۱۲۱۹ { ۱۲۲۰ { ۱۲۲۱ { ۱۲۲۲ { ۱۲۲۳ { ۱۲۲۴ { ۱۲۲۵ { ۱۲۲۶ { ۱۲۲۷ { ۱۲۲۸ { ۱۲۲۹ { ۱۲۳۰ { ۱۲۳۱ { ۱۲۳۲ { ۱۲۳۳ { ۱۲۳۴ { ۱۲۳۵ { ۱۲۳۶ { ۱۲۳۷ { ۱۲۳۸ { ۱۲۳۹ { ۱۲۴۰ { ۱۲۴۱ { ۱۲۴۲ { ۱۲۴۳ { ۱۲۴۴ { ۱۲۴۵ { ۱۲۴۶ { ۱۲۴۷ { ۱۲۴۸ { ۱۲۴۹ { ۱۲۵۰ { ۱۲۵۱ { ۱۲۵۲ { ۱۲۵۳ { ۱۲۵۴ { ۱۲۵۵ { ۱۲۵۶ { ۱۲۵۷ { ۱۲۵۸ { ۱۲۵۹ { ۱۲۶۰ { ۱۲۶۱ { ۱۲۶۲ { ۱۲۶۳ { ۱۲۶۴ { ۱۲۶۵ { ۱۲۶۶ { ۱۲۶۷ { ۱۲۶۸ { ۱۲۶۹ { ۱۲۷۰ { ۱۲۷۱ { ۱۲۷۲ { ۱۲۷۳ { ۱۲۷۴ { ۱۲۷۵ { ۱۲۷۶ { ۱۲۷۷ { ۱۲۷۸ { ۱۲۷۹ { ۱۲۸۰ { ۱۲۸۱ { ۱۲۸۲ { ۱۲۸۳ { ۱۲۸۴ { ۱۲۸۵ { ۱۲۸۶ { ۱۲۸۷ { ۱۲۸۸ { ۱۲۸۹ { ۱۲۹۰ { ۱۲۹۱ { ۱۲۹۲ { ۱۲۹۳ { ۱۲۹۴ { ۱۲۹۵ { ۱۲۹۶ { ۱۲۹۷ { ۱۲۹۸ { ۱۲۹۹ { ۱۳۰۰ { ۱۳۰۱ { ۱۳۰۲ { ۱۳۰۳ { ۱۳۰۴ { ۱۳۰۵ { ۱۳۰۶ { ۱۳۰۷ { ۱۳۰۸ { ۱۳۰۹ { ۱۳۱۰ { ۱۳۱۱ { ۱۳۱۲ { ۱۳۱۳ { ۱۳۱۴ { ۱۳۱۵ { ۱۳۱۶ { ۱۳۱۷ { ۱۳۱۸ { ۱۳۱۹ { ۱۳۲۰ { ۱۳۲۱ { ۱۳۲۲ { ۱۳۲۳ { ۱۳۲۴ { ۱۳۲۵ { ۱۳۲۶ { ۱۳۲۷ { ۱۳۲۸ { ۱۳۲۹ { ۱۳۳۰ { ۱۳۳۱ { ۱۳۳۲ { ۱۳۳۳ { ۱۳۳۴ { ۱۳۳۵ { ۱۳۳۶ { ۱۳۳۷ { ۱۳۳۸ { ۱۳۳۹ { ۱۳۴۰ { ۱۳۴۱ { ۱۳۴۲ { ۱۳۴۳ { ۱۳۴۴ { ۱۳۴۵ { ۱۳۴۶ { ۱۳۴۷ { ۱۳۴۸ { ۱۳۴۹ { ۱۳۵۰ { ۱۳۵۱ { ۱۳۵۲ { ۱۳۵۳ { ۱۳۵۴ { ۱۳۵۵ { ۱۳۵۶ { ۱۳۵۷ { ۱۳۵۸ { ۱۳۵۹ { ۱۳۶۰ { ۱۳۶۱ { ۱۳۶۲ { ۱۳۶۳ { ۱۳۶۴ { ۱۳۶۵ { ۱۳۶۶ { ۱۳۶۷ { ۱۳۶۸ { ۱۳۶۹ { ۱۳۷۰ { ۱۳۷۱ { ۱۳۷۲ { ۱۳۷۳ { ۱۳۷۴ { ۱۳۷۵ { ۱۳۷۶ { ۱۳۷۷ { ۱۳۷۸ { ۱۳۷۹ { ۱۳۸۰ { ۱۳۸۱ { ۱۳۸۲ { ۱۳۸۳ { ۱۳۸۴ { ۱۳۸۵ { ۱۳۸۶ { ۱۳۸۷ { ۱۳۸۸ { ۱۳۸۹ { ۱۳۹۰ { ۱۳۹۱ { ۱۳۹۲ { ۱۳۹۳ { ۱۳۹۴ { ۱۳۹۵ { ۱۳۹۶ { ۱۳۹۷ { ۱۳۹۸ { ۱۳۹۹ { ۱۴۰۰ { ۱۴۰۱ { ۱۴۰۲ { ۱۴۰۳ { ۱۴



# فاتحہ الکتاب

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على عباده الذين اصطفى۔  
اسلامی معاشات کے نام جو کتاب آپ کے سامنے پیش ہو رہی ہے جس کے متفرق  
اہم باب مختلف مقاموں کی شکل میں ہندوستان کے بعض علمی محلات (معارف، علم گڑھ، سیاست  
چند رنگا بادکنک وغیرہ) میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

بہرینہ مختصر مقاموں یا کسی مخصوص سائے کے سوا جہاں تک میں جانتا ہوں اس موضوع پر اردو  
میں نہیں بلکہ عربی یا اسی قسم کی دوسری زبانوں میں بھی غائب اب تک کوئی مستقل کتاب نہیں ہے جس پر  
تعمدًا ایک باطل نئی مادہ شمس میں پرچنے کا ارادہ کیا گیا تھا۔ یہ ظاہر ہندوستان کی مذہبیت کا یہ نتیجہ ہے کہ  
محمد اہل علم و نظر کی طرف سے مقالات کے اس سلسلہ کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ قدیم و جدید  
دونوں حلقوں سے صنعت کی کافی ہمت افزائیاں ہو گئیں۔ بلکہ ان مقالات کو کتابی شکل میں شائع  
کرنے کی ہمت ان ہی غیر معمولی قدر فرمایوں نے پیدا کی۔

جس سائنسی و بے مبالغہ کتاب میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس قدر سادگی  
چیزیں کتابوں میں ہیں۔ لیکن اسلام اور اسلامیات کے ہر حصہ سے ان ہی مویوں کا پختہ اور چمکا کر  
اس طریقہ سے ان کو مرتب کرنا کہ اضافی معاشات کے دوسرے نظاموں کے مقابل میں اسلام کا  
بھی ایک مستقل معاشی نظام کو گول کے سامنے آگیا ہے۔ یہ ظاہر آسان نہ تھا اور کچھ قویہ ہے کہ  
بادجو داس کو کوشش کے جو اس راہ کی پہلی اور ابتدائی کوشش ہے۔ مجھے اعزاز کرنا چاہیے کہ  
اسی میں کی دشواریاں باقی ہیں اور بہت زیادہ باقی ہیں۔ صحیح معنوں میں وہی آدمی اس راہ  
میں کامیاب ہو سکتا ہے جو ایک طرف فنی طور پر عصر حاضر کے جدید علم (معاشیات) کا اہل علم ہو  
اور دوسری طرف اسلامی حقائق و مسائل کے حقیقی سرچشموں تک اس کی رسائی ہو۔ قرآن و سنت  
اور ان کی روشنی میں اگر اسلام نے اسلامی آئین کو جس شکل میں مرتب کیا ہے، ابراہامی ماست ان کے  
مطابق اس کو موقع ملے گا لیکن انھوں نے یہ کہ فیصلی نظام کی فراہمی اب تک اس قسم کی جامع قابلیت  
رکھنے والوں کی پیدائش میں خدیر کاوش کی شکل اختیار کئے ہوئے ہے۔

جامعہ خزانہ کا شعبہ دینیات پہاڑیسی ادارہ ہے جس میں اس قسمی مافات کی کافی  
کی کوشش ایک حد تک کی گئی ہے اور جس چیزوں کی ضرورت ہے ان کی طرف قدم اٹھایا جا رہا ہے

۳۱۵	.....	۳۱۵	.....
۳۱۶	.....	۳۱۶	.....
۳۱۷	.....	۳۱۷	.....
۳۱۸	.....	۳۱۸	.....
۳۱۹	.....	۳۱۹	.....
۳۲۰	.....	۳۲۰	.....
۳۲۱	.....	۳۲۱	.....
۳۲۲	.....	۳۲۲	.....
۳۲۳	.....	۳۲۳	.....
۳۲۴	.....	۳۲۴	.....
۳۲۵	.....	۳۲۵	.....
۳۲۶	.....	۳۲۶	.....
۳۲۷	.....	۳۲۷	.....
۳۲۸	.....	۳۲۸	.....
۳۲۹	.....	۳۲۹	.....
۳۳۰	.....	۳۳۰	.....
۳۳۱	.....	۳۳۱	.....
۳۳۲	.....	۳۳۲	.....
۳۳۳	.....	۳۳۳	.....
۳۳۴	.....	۳۳۴	.....
۳۳۵	.....	۳۳۵	.....
۳۳۶	.....	۳۳۶	.....
۳۳۷	.....	۳۳۷	.....
۳۳۸	.....	۳۳۸	.....
۳۳۹	.....	۳۳۹	.....
۳۴۰	.....	۳۴۰	.....
۳۴۱	.....	۳۴۱	.....
۳۴۲	.....	۳۴۲	.....
۳۴۳	.....	۳۴۳	.....
۳۴۴	.....	۳۴۴	.....
۳۴۵	.....	۳۴۵	.....
۳۴۶	.....	۳۴۶	.....
۳۴۷	.....	۳۴۷	.....
۳۴۸	.....	۳۴۸	.....
۳۴۹	.....	۳۴۹	.....
۳۵۰	.....	۳۵۰	.....
۳۵۱	.....	۳۵۱	.....
۳۵۲	.....	۳۵۲	.....
۳۵۳	.....	۳۵۳	.....
۳۵۴	.....	۳۵۴	.....
۳۵۵	.....	۳۵۵	.....
۳۵۶	.....	۳۵۶	.....
۳۵۷	.....	۳۵۷	.....
۳۵۸	.....	۳۵۸	.....
۳۵۹	.....	۳۵۹	.....
۳۶۰	.....	۳۶۰	.....
۳۶۱	.....	۳۶۱	.....
۳۶۲	.....	۳۶۲	.....
۳۶۳	.....	۳۶۳	.....
۳۶۴	.....	۳۶۴	.....
۳۶۵	.....	۳۶۵	.....
۳۶۶	.....	۳۶۶	.....
۳۶۷	.....	۳۶۷	.....
۳۶۸	.....	۳۶۸	.....
۳۶۹	.....	۳۶۹	.....
۳۷۰	.....	۳۷۰	.....
۳۷۱	.....	۳۷۱	.....
۳۷۲	.....	۳۷۲	.....
۳۷۳	.....	۳۷۳	.....
۳۷۴	.....	۳۷۴	.....
۳۷۵	.....	۳۷۵	.....
۳۷۶	.....	۳۷۶	.....
۳۷۷	.....	۳۷۷	.....
۳۷۸	.....	۳۷۸	.....
۳۷۹	.....	۳۷۹	.....
۳۸۰	.....	۳۸۰	.....
۳۸۱	.....	۳۸۱	.....
۳۸۲	.....	۳۸۲	.....
۳۸۳	.....	۳۸۳	.....
۳۸۴	.....	۳۸۴	.....
۳۸۵	.....	۳۸۵	.....
۳۸۶	.....	۳۸۶	.....
۳۸۷	.....	۳۸۷	.....
۳۸۸	.....	۳۸۸	.....
۳۸۹	.....	۳۸۹	.....
۳۹۰	.....	۳۹۰	.....
۳۹۱	.....	۳۹۱	.....
۳۹۲	.....	۳۹۲	.....
۳۹۳	.....	۳۹۳	.....
۳۹۴	.....	۳۹۴	.....
۳۹۵	.....	۳۹۵	.....
۳۹۶	.....	۳۹۶	.....
۳۹۷	.....	۳۹۷	.....
۳۹۸	.....	۳۹۸	.....
۳۹۹	.....	۳۹۹	.....
۴۰۰	.....	۴۰۰	.....
۴۰۱	.....	۴۰۱	.....
۴۰۲	.....	۴۰۲	.....
۴۰۳	.....	۴۰۳	.....
۴۰۴	.....	۴۰۴	.....
۴۰۵	.....	۴۰۵	.....
۴۰۶	.....	۴۰۶	.....
۴۰۷	.....	۴۰۷	.....
۴۰۸	.....	۴۰۸	.....
۴۰۹	.....	۴۰۹	.....
۴۱۰	.....	۴۱۰	.....
۴۱۱	.....	۴۱۱	.....
۴۱۲	.....	۴۱۲	.....
۴۱۳	.....	۴۱۳	.....
۴۱۴	.....	۴۱۴	.....
۴۱۵	.....	۴۱۵	.....
۴۱۶	.....	۴۱۶	.....
۴۱۷	.....	۴۱۷	.....
۴۱۸	.....	۴۱۸	.....
۴۱۹	.....	۴۱۹	.....
۴۲۰	.....	۴۲۰	.....
۴۲۱	.....	۴۲۱	.....
۴۲۲	.....	۴۲۲	.....
۴۲۳	.....	۴۲۳	.....
۴۲۴	.....	۴۲۴	.....
۴۲۵	.....	۴۲۵	.....
۴۲۶	.....	۴۲۶	.....
۴۲۷	.....	۴۲۷	.....
۴۲۸	.....	۴۲۸	.....
۴۲۹	.....	۴۲۹	.....
۴۳۰	.....	۴۳۰	.....
۴۳۱	.....	۴۳۱	.....
۴۳۲	.....	۴۳۲	.....
۴۳۳	.....	۴۳۳	.....
۴۳۴	.....	۴۳۴	.....
۴۳۵	.....	۴۳۵	.....
۴۳۶	.....	۴۳۶	.....
۴۳۷	.....	۴۳۷	.....
۴۳۸	.....	۴۳۸	.....
۴۳۹	.....	۴۳۹	.....
۴۴۰	.....	۴۴۰	.....
۴۴۱	.....	۴۴۱	.....
۴۴۲	.....	۴۴۲	.....
۴۴۳	.....	۴۴۳	.....
۴۴۴	.....	۴۴۴	.....
۴۴۵	.....	۴۴۵	.....
۴۴۶	.....	۴۴۶	.....
۴۴۷	.....	۴۴۷	.....
۴۴۸	.....	۴۴۸	.....
۴۴۹	.....	۴۴۹	.....
۴۵۰	.....	۴۵۰	.....
۴۵۱	.....	۴۵۱	.....
۴۵۲	.....	۴۵۲	.....
۴۵۳	.....	۴۵۳	.....
۴۵۴	.....	۴۵۴	.....
۴۵۵	.....	۴۵۵	.....
۴۵۶	.....	۴۵۶	.....
۴۵۷	.....	۴۵۷	.....
۴۵۸	.....	۴۵۸	.....
۴۵۹	.....	۴۵۹	.....
۴۶۰	.....	۴۶۰	.....
۴۶۱	.....	۴۶۱	.....
۴۶۲	.....	۴۶۲	.....
۴۶۳	.....	۴۶۳	.....
۴۶۴	.....	۴۶۴	.....
۴۶۵	.....	۴۶۵	.....
۴۶۶	.....	۴۶۶	.....
۴۶۷	.....	۴۶۷	.....
۴۶۸	.....	۴۶۸	.....
۴۶۹	.....	۴۶۹	.....
۴۷۰	.....	۴۷۰	.....
۴۷۱	.....	۴۷۱	.....
۴۷۲	.....	۴۷۲	.....
۴۷۳	.....	۴۷۳	.....
۴۷۴	.....	۴۷۴	.....
۴۷۵	.....	۴۷۵	.....
۴۷۶	.....	۴۷۶	.....
۴۷۷	.....	۴۷۷	.....
۴۷۸	.....	۴۷۸	.....
۴۷۹	.....	۴۷۹	.....
۴۸۰	.....	۴۸۰	.....
۴۸۱	.....	۴۸۱	.....
۴۸۲	.....	۴۸۲	.....
۴۸۳	.....	۴۸۳	.....
۴۸۴	.....	۴۸۴	.....
۴۸۵	.....	۴۸۵	.....
۴۸۶	.....	۴۸۶	.....
۴۸۷	.....	۴۸۷	.....
۴۸۸	.....	۴۸۸	.....
۴۸۹	.....	۴۸۹	.....
۴۹۰	.....	۴۹۰	.....
۴۹۱	.....	۴۹۱	.....
۴۹۲	.....	۴۹۲	.....
۴۹۳	.....	۴۹۳	.....
۴۹۴	.....	۴۹۴	.....
۴۹۵	.....	۴۹۵	.....
۴۹۶	.....	۴۹۶	.....
۴۹۷	.....	۴۹۷	.....
۴۹۸	.....	۴۹۸	.....
۴۹۹	.....	۴۹۹	.....
۵۰۰	.....	۵۰۰	.....

اگر یہ رفتار جیسی کہ چاہئے ہو جو مختلف تیز نہیں ہے۔  
تایم سٹیشن میں اگر کچھ فرق کی جاسکتی ہے تو اسی ادارہ کے نظم یا فائدہ افرادی سے  
کی جاسکتی ہے۔

کچھ لوہے تو جس بڑی جلی ناص اور ادھوری شکل میں بہن بھی جو مرتب ہو سکی ہے  
وہ جامعہ خانیہ اور اس کے شبہ و نسیات کے قیسی ماحول میں کا یہ تجربہ ہے۔

اس کتاب کے متفرق ابواب جس وقت شاخ ہونے کے لئے پڑیں ہیں دیئے گئے تھے  
اُس وقت بھی میں نے اس کا اظہار کیا تھا کہ شبہ و نسیات کے ایم۔ اے میں ایک امیدوار اور  
عزیز مولوی محمد وسعت الدین ایم۔ اے نے اپنے استانی مقالہ کا عنوان اسی مضمون کو قرار  
دیا تھا۔ اور ان کے اصرار سے خاکسار نے ان کی اس قسم کی نگرانی کی ذمہ داری اپنے  
سرلی سٹی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس مضمون کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ میری یہ نگرانی ہی تھی  
خدا کا شکر ہے کہ برادر موصوف نے نہ صرف ایم۔ اے کے استانی مقالہ کے تیار کرنے میں  
کامیابی حاصل کی، بلکہ ایم۔ اے پاس ہو جانے کے بعد گئے ہاتھ مجلس تحقیقات  
علیہ اور میرٹ بورڈ کی زیر نگرانی اسی موضوع پر ڈاکٹریٹ کے لئے بھی مقالہ تیار کر کے  
کیا جائزت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ شبہ و نسیات کے صدر استاد مجلس ڈاکٹر  
انور اقبال قریشی صاحب ہلی۔ ایک۔ ڈی کی خصوصی امداد اور بخوشی بہت خاکسار کی راہنمائی  
میں انہوں نے اسلام کے معاشی نظریے کے عنوان سے دو ضخیم جلدوں میں ڈاکٹریٹ کے  
اس مقالے کو مرتب کر کے مجلس کے سامنے پیش بھی کر دیا ہے۔ حشریب اس کا نتیجہ شاخ  
ہو جائے گا۔ ایک طرف تو اس سلسلہ میں ان کا یہ کام مکمل ہو گیا اور دوسری طرف خاکسار کو بھی اس  
راہ میں جو چیزیں ملیں وہ اس کتاب کی شکل میں پیش ہو چکی ہیں۔ میں ڈاکٹریٹ کا وہ مقالہ جو برادر موصوف  
نے عرب کیا ہے اور خاکسار کی کتاب ہو دونوں کے دونوں کام شبہ و نسیات ہی کے خصوصی نظام تعلیم  
ہی کے تحت قرار پائے ہیں گویا ان دونوں کاموں کی راہ سے اور زبان میں ایک قلمی ہدیہ  
جدید برپا ہے اور اس سرمایہ کا کافی ذخیرہ انشائیں اور مہیا ہو جائے گا۔ اور یہ توقع ہے جا  
نہیں ہے کہ آئندہ اس راہ پر کام کرنے والوں کے لئے شبہ و نسیات اور اس کے ماحول  
کی یہ خدمت ایک اچھے معیار کا کام دے گی۔

اس موقع پر اس کا اظہار بھی خائبانہ مناسب نہ ہو گا کہ ٹھیکہ کی حسد تک تو  
یہ دونوں کتابیں ایک ہی موضوع پر ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ افادہ کے لحاظ سے ان میں  
سے ہر ایک کام بھائے خود اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔

ایم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی معاشیات کے مطالعہ کرنے والے ان میں سے کسی ایک  
کتاب کو دیکھ کر دوسرے کے مطالعہ سے بے نیاز اور مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔ برادر موصوف کے

سامنے تو ان کے مضمین ہیں، لیکن خاکسار نے کئی لوگوں کو پیش نظر رکھ کر کام کیا ہے۔ اس کا  
صحیح اندازہ کچھ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ خصوصاً اس کتاب کے کچھ ابواب کو  
مقالوں کی شکل میں اب تک شاخ نہیں کرایا گیا تھا اور ان کی وضاحت بھی کافی ہے۔ ان  
ابواب میں نہ صرف اسلام کے معاشی نظام کے بعض اساسی کلیات ہی میں گئے بلکہ شرعی  
آیتوں کے ایک بڑے حصے کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلی دفعہ اس کی تفسیر اور ان کے  
مطالب کے متعین کرنے کی اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ روز بروز ہم  
قرآن کی جن آیتوں کی سرسری طور پر تلاوت کرتے ہیں حذر کرتے کے بعد ان میں کیسے عجیب  
غریب حقائق و اسرار پوشیدہ نظر آتے ہیں۔ بغیر کے نزدیک کتاب کا یہ حصہ خاص اہمیت  
رکھتا ہے۔ تاہم اس سے امید ہے کہ ذرا تھم کر تو ہم کے ساتھ کتاب کے اس حصہ کا مطالعہ  
فرمائیں گے۔ گویا یہ کہ ممکن ہوں کہ کئی حیثیت سے علماء معاشیات کی نگاہوں میں خواہ  
یہ کتاب اہمیت حاصل کرے یا نہ کرے۔ لیکن قرآن کے مطالعہ کرنے والوں کو انشائیں اور  
اس کتاب کے ذریعہ سے بعض ایسی چیزیں مل سکتی ہیں جو اس کے سوا نادر کہیں نہیں  
میں گی اور قرآن کے ایک خادم سے کچھ پرچینے تو اسی قسم کی خدمات کی صحیح توقع کر لی جائے  
معاشیات ذمہ دار اعلیٰ مضمون ہے اور مجھے اقرار کرنا چاہیے کہ اس قسم کے مطالعہ کا بھی شعور  
بہت محدود اگر کچھ ہے تو اس کی حیثیت بالکل ایک سرسری اور ابتدائی مطالعہ کی ہے  
اور وہ بھی دارالترجمہ سرکار عالی کا مدد ہے کہ اس کی بعض ترجمہ کرانی ہوئی کتابوں تک  
میری رسائی ہو سکتی تھی۔ اور اب اس کا افسوس ہوتا ہے کہ بجائے قلم طریقہ تعلیم کے اپنی  
قلمی زندگی میں کاش ایسے ہی کسی ایسے ادارے میں پڑھنے کا موقع مل جیسا کہ جامعہ خانیہ  
شبہ و نسیات ہے، تو غالباً اس ناقص کام کو زیادہ بہتر اور مکمل شکل میں پیش کرنے کا فخر  
مجھے بھی حاصل ہوتا۔ لیکن بالکل پرانے قلم نگار کی درس کے ایک مستفید کی طرف سے جو کچھ  
بھی میں صورت میں یہ ذریعہ پیش کر رہا ہے۔ میری معذوریوں کو سامنے رکھ کر کہتا ہوں کہ  
سے لوگ چشم پوشی کریں گے، یہ ایک نرسنگ کی بات ہے جو ایک رسمی تعلیم کے ایک طالب علم کی طرف  
سے پیش ہو رہی ہے۔ انشائیں اور آئندہ اسی کو سامنے رکھ کر کام کرنے والے اس کام کو تیز کرنا  
مکمل کر لیں گے۔ تاہم انکے معاشیات کی دنیا میں اسلامی معاشیات بھی اپنی ایک مستقل جگہ اور

دارالترجمہ سرکاری کتابوں کے پروفیسر ایچ آس برنی اور ڈاکٹر ذکریہ خان صاحب کی بعض  
تکلیفوں اور مشاغل کے پڑنے کا بھی موقع اس سلسلہ میں ملے گا۔ اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ اپنے ہمارے  
عزیز مولوی سید ظہیر حسین گیلانی ایم۔ اے کو اور معاشیات کی جگہ شہداء بادر کی یاد کی بھی شہرہ ہے کہ ان کی  
تکلیفوں کے بعد کچھ ایسے مضمون قلم کی جاتا ہے۔ ظہیر مولوی صاحب نے مولانا محمد علی صاحب

# اسلامی معاشیات

حالیہ پیدائش | اسلامی معاشیات جو بری اس کتاب کا عنوان بحث ہے قبل تفسیل مباحث کے پیش کیا جاتا ہے اور اسلام | ہوں کہ پہلے معاشی سہ تہوں کے فرائض یا حالیہ پیدائش FACTURES OF PRODUCTION۔ معاشی سے اقتصاد کے شوق اسلام کا جو نقطہ نظر ہے۔ اس پر ایک اجمالی تبصرہ اسلامی وفاق دستورات کی روشنی میں کریں، آئندہ مباحث کے سمجھنے میں اضافہ بخائی اس سے بڑی مدد ملے گی۔

معاشی وسائل کی نشان دہی | واضح ہے کہ انسان کے اندر جن بے پناہ فطری قوتوں کا پتہ قرآن نے انسانی کے اقدار اور باہر | اپنے مشہور سکے حفاظت میں دیا ہے اور ان قوتوں کی بنا پر آدمی سے باہر معاشی زمین ہی نہیں بلکہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کی پیداواروں پر خداوند تعالیٰ کا (رق ۱۱) روز کا بندوں کے لئے ہے۔

کی زندگی میں اگر نیک انسان کے رزقی اور معاشی کام میں جو غیر محدود و فراخی اور بے تباہ کشادگی پیدا کی ہے اگر اس کو پیش نظر رکھا جائے تو کچھ معاشی کی مشہور فقیر۔

ابرو بادور و خود شہرہ و کار و خد | تا قرآن نے کھن آری و بظنیت زغری معاش کا نظام بنائے | کی بنیاد پر یہ کہتا ہے کہ انسان سے خالی ہو گا کہ اسلام کے نقطہ نظر سے کائنات کا یہ سارا نظام کچھ آری کا نظام ہے | آئے کھن آری کا نظام ہے۔ یعنی قدرت نے اس نظام کو اس لئے قائم فرمایا ہے تاکہ انسان معاشی سہ تہوں کے لئے بار و واسطہ یا واسطہ آدمی اس سے اقتصاد کرے، فنی اخلتے پھر کھن آری کے اس سبب اور عظیم کارخانے کو قرآن کا انسان کے سامنے رکھتا اور زمین کے اندر فنی و فکری امور کا جو ذریعہ و معنایا گیا ہے اس کی طرف

توجہ دلا کر رکھ دئے اقوات و خدائی خدا سے چھو افراتھا۔ (م سہد ح ۱)

کے انکشاف میں اشارہ کرتے ہیں سورۃ النحل ۱۱۱۔

کام سے عام اور ان تمام معاشی پیداواروں کو فضل اللہ کے اعزازی نام سے مرسوم کر کے بعد میں تقاضا کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم

مرد و عورت کا معاشی میدان میں مساوی حصہ | کے تشریحی حکم سے بیدار کرنا اور اس میں کھن آری کے ساتھ بیکار

محکم مقام حاصل کرنے والا اس میں اصلاح ما استطعت وما توفیق الا باللہ علیہ توفیق و توفیق انیب۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس مشہور کو پیش نظر رکھ کر یہ کتاب لکھی گئی ہے اس کی مدد سے اس چیز کام سے درست فرمائے، اور وہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔  
دل آزد و بار بار بیٹھے بہ فراز | یعنی ان جاں نثان رفتہ رفتہ باز رہاں  
کاش از زندہ اسلام | مردہ مسلمانوں کی زندگی کا پھر اسی طرح سبب بن جائے جیسے کسی زمانے میں بنا ہوا تھا۔ پند اور اسلام۔

شکریہ

## منظر احسن گیلانی

۱۲۔ رمضان المبارک ایک بچے شب ملائق  
یکم ستمبر ۱۳۹۵ھ | جوا و جلا و خزانہ حیدر آباد دکن



جلد چہارم | غیر ملکی صدر سے ۲۰۰۷ء تک ہے اور ساری میں اس کتاب کے جس ایڈیٹر کو لکھ پڑے ہے  
وہ ان کو بہر حال اس حصہ کا بطور مزدور کا چاہئے کہ کتاب کی جالی ہی صدر ہے ۱۲

لہذا مال فقیہ سدا اکتسب اور  
لکن لو فقیہ معاہدہ کنجی و ناکم  
میں ان کے حصہ میں سے نہیں لیں  
وہ حصہ ایک حصہ میں سے نہیں لیں

تاکہ ایک طرف تو معلوم ہو کہ ان ممالک و ممالک کے ساتھ  
مختص نہیں ہے بلکہ مردوں اور عورتوں اور غلاموں کے ساتھ  
کر دیا گیا کہ قرآن کا شہرہ قدرتی قانون

اپنی سچائی پر محنت لیں فلا انسان الا ماسی  
وہی سچائی صرف پر ہی (مجموعہ ۲۲)  
نہیں ہے کہ ان کے لئے یہی جو اس نے کیا  
قرب ہے کہ وہ ان کے لئے اپنی کیا

کاشق جس طرح انفرادی ممالک اور ممالک سے ہے اسی طرح یہ قانون دنیاوی کا رد ہوا پر ہی چسپاں ہے  
سادہ انداز میں ہر شخص اس کے پالنے کا حقدار ہو گا جو اس نے کیا ہے اور اس کے سامنے اس کی کیا  
ہی نتیجہ کی شکل میں پیش ہوگی۔ یوں ہی ماسی زندگی میں ہر ایک کا فیصلہ اور محنت اور مشقت  
کاوش کی نسبت ہی پر مبنی ہے۔ وہ جتنی محنت وہاں فتنائی کرتا ہے اسی حساب سے وہ حصہ بھی لے گا جو اس کا  
سوائے اور قرآن (سورۃ النساء کی آیت)

ولا تفرقوا ما مابینہما و ما بیکما بالحق  
چل اللہ لکم فیما  
میں جو کہ ممالک کو اپنے ممالک سے  
بیکہ شریعت سے سہا

اور اصل کو انہی کے ممالک کے قیام و بقا کا خاص طریقہ اور اس  
مستاد ہے کہ ایک فریانی اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتلے ہیں  
محنت اور قرآن ان خیرات و استجرت اللہ  
الامین (التقصیر ۲)  
تو وہ ممالک و ممالک والا

محنت کی کے انداز سے جہانی محنت و مزدوری کی بنیاد کو دو ٹوکوں آفری اور ایمان کے ذریعہ  
اسی سچائی کا ہر کرتا یعنی اس قسم کے کاروبار کے لئے جس کی سرپرستی میں داغ سے زیادہ ہاتھ پاؤں کی  
حرکت کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ دانی جاتی ہے کہ کس کام کی امید اسی وقت لگائی جاسکتی ہے۔ جب کام  
کرتے دے جہانی قوت کے ساتھ ساتھ اپنے فرض اور خدمت کی بجائے انہی میں خیانت اور بد رفتاری سے کام  
نہیں لے کر آتے ہیں۔

تسلیم اور قرآن ہر حضرت یونس علیہ السلام کے قتلے میں بادشاہ و مہر سے ان کی گنگی اس گنگی میں محنت  
ہر اسلام کا سچائی کا رد ہمارے سلسلے میں فرما کر  
اجعلنی حلی خزائن الارض وانی

خیر علیہم (سورۃ یونس ۶۵)  
کرتے ممالک و ممالک  
میں جو کہ ممالک و ممالک

تسلیمی کاروبار کے اس زمین کی پیداوار اور ممالک و ممالک کے قلم و ترتیب اور ہر ممالک کے لئے جب  
ضروری خزانہ محنت نے اپنے آپ کو پیش کیا تو اس وقت تکھی کا رد ہمارے لئے جس محنت کی ضرورت

ہر کسی دو ٹوکوں (مختص و معلوم) کی شکل میں ظاہر فرمایا مطلب یہ تھا کہ اس قسم کے کام میں ایک شخص (یعنی  
نفاذ و نگرانی و دیگر ممالک کا سلیقہ ناگزیر ہے) دوسرے علم (یعنی قلم کرنے والے کی معلومات کو دیکھنا چاہیے)

پا جہانی وقت سے زیادہ اس مسئلے میں دینی اور دنیاوی سوا کی ضرورت ہے ابنا ہر قرآن کے چند اشارے  
نہیں ہے بلکہ مردوں اور عورتوں اور غلاموں کے ساتھ  
کر دیا گیا کہ قرآن کا شہرہ قدرتی قانون

اپنی سچائی پر محنت لیں فلا انسان الا ماسی  
وہی سچائی صرف پر ہی (مجموعہ ۲۲)  
نہیں ہے کہ ان کے لئے یہی جو اس نے کیا  
قرب ہے کہ وہ ان کے لئے اپنی کیا

کاشق جس طرح انفرادی ممالک اور ممالک سے ہے اسی طرح یہ قانون دنیاوی کا رد ہوا پر ہی چسپاں ہے  
سادہ انداز میں ہر شخص اس کے پالنے کا حقدار ہو گا جو اس نے کیا ہے اور اس کے سامنے اس کی کیا  
ہی نتیجہ کی شکل میں پیش ہوگی۔ یوں ہی ماسی زندگی میں ہر ایک کا فیصلہ اور محنت اور مشقت  
کاوش کی نسبت ہی پر مبنی ہے۔ وہ جتنی محنت وہاں فتنائی کرتا ہے اسی حساب سے وہ حصہ بھی لے گا جو اس کا  
سوائے اور قرآن (سورۃ النساء کی آیت)

ولا تفرقوا ما مابینہما و ما بیکما بالحق  
چل اللہ لکم فیما  
میں جو کہ ممالک کو اپنے ممالک سے  
بیکہ شریعت سے سہا

اور اصل کو انہی کے ممالک کے قیام و بقا کا خاص طریقہ اور اس  
مستاد ہے کہ ایک فریانی اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتلے ہیں  
محنت اور قرآن ان خیرات و استجرت اللہ  
الامین (التقصیر ۲)  
تو وہ ممالک و ممالک والا

محنت کی کے انداز سے جہانی محنت و مزدوری کی بنیاد کو دو ٹوکوں آفری اور ایمان کے ذریعہ  
اسی سچائی کا ہر کرتا یعنی اس قسم کے کاروبار کے لئے جس کی سرپرستی میں داغ سے زیادہ ہاتھ پاؤں کی  
حرکت کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ دانی جاتی ہے کہ کس کام کی امید اسی وقت لگائی جاسکتی ہے۔ جب کام  
کرتے دے جہانی قوت کے ساتھ ساتھ اپنے فرض اور خدمت کی بجائے انہی میں خیانت اور بد رفتاری سے کام  
نہیں لے کر آتے ہیں۔

تسلیم اور قرآن ہر حضرت یونس علیہ السلام کے قتلے میں بادشاہ و مہر سے ان کی گنگی اس گنگی میں محنت  
ہر اسلام کا سچائی کا رد ہمارے سلسلے میں فرما کر  
اجعلنی حلی خزائن الارض وانی

خیر علیہم (سورۃ یونس ۶۵)  
کرتے ممالک و ممالک  
میں جو کہ ممالک و ممالک

تسلیمی کاروبار کے اس زمین کی پیداوار اور ممالک و ممالک کے قلم و ترتیب اور ہر ممالک کے لئے جب  
ضروری خزانہ محنت نے اپنے آپ کو پیش کیا تو اس وقت تکھی کا رد ہمارے لئے جس محنت کی ضرورت



المسنة ولا شام ولا طم (۱) وروايت في الحديث ان

کاملاً کہتا ہے یعنی وہی ہے کہ جس قدرت سے انسان اور انسان کی قدرت بنائی ہے۔ اسی سے آدمی کی  
جنت میں ان لوگوں کی گرامانی پیدا کی ہے۔ جیسا کہ فقہ ترمذی کے جہول میں کا انشاء ہے  
یعنی ان لوگوں کی پسندیدگی اور ان کے مثبت و میلان کو آدمی نے خود اپنے اختیار سے اپنے اعدائے پیدا کر  
ہے۔ بلکہ پیدا کرنے والے نے آدمی کو ان امور کے میلان اور رغب کے ساتھ پیدا کیا ہے اور آدمی کی قدرت  
سے طاقت ہے وہ جانتا ہے کہ دائرہ میں ہے اور ان امور کو کسی نہ کسی حد تک ضروریات معاشی میں یہی  
ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ لیکن قرآن قرآن صاف انکوں میں ہے (۱) وروايت في الحديث ان  
آسانش و رست و استقامت و نیت و خیر و کے ساتھ ساتھ انکے شوق و رغبت و ان کے فطری ہی پر قدرت نہیں  
کہہ دے بلکہ ذہنیت اثر اور العیبات میں ازرق (۱) کے استعمال سے گریز کرنے والوں کو اس کتابی استفہام  
قل من حرم من یمنہ اللہ الحق و من حرم من یمنہ اللہ الحق  
مخرج لیباد و العیبات من الزرق  
ماں تھی ہونے کی

وینادی منتوں کی نفرت انہوں کی ہے کہ جو لوگ قدرت کی ان منتوں سے الیہ اللہ دنیا اور منتوں  
منتوں کی نفرت کا مقدمہ ہے | مذکور میں اس سے جہاں جہاں کہہ دے اللہ عادل ہے اور کراہت پیدا کرنے کے  
ان کے کراہت نہ کہ رطب یا خشکی منتوں کی قدرت کا کھتا ہے یا تو وہ کہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہم سب کو  
ہی کو نہیں بلکہ مسلمانوں کے سب سے بڑے روحانی میثرا سیدنا خلیفہ الصلوٰۃ و السلام تک کو  
خود خلیفہ یا ایہا انبیاء اللہ اقرحوا من | نے ہی بکرم و مرام کہہ دے ہیں آپ اس بزرگ  
سے سوالی | اللہ تک (۱) تمام ہے  
جسے ملایا ہے اللہ نے آپ کے لئے

کے اللہ سے حق تعالیٰ نے مطلب فرمایا جس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ تو مانتے کے بندہ سے بڑھ کر ہم تک  
جس ان چیزوں سے گریزا جنہیں قدرت نے معاشی استفادہ کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے سفید  
کیا ہو گا۔ بلکہ باحث فیزی ہر سکتا ہے۔ علامہ ابوبکر بن الجصاص اس بیان پر فرماتے ہیں۔  
تکلیف نہ تفرق رطب | ان لا فضیلة فی التمتع | جمیعہ و کذا و ذلک حل فرمایا کہ ہر کوئی سکتا  
کا کوئی پہلو نہیں ہے | اکھا (۱) (۲) | ہر کوئی سکتا ہے کہ ان فیہا من نہیں ہے  
روایت کی انہوں نے فطری معاشی ضرورتوں کے ساتھ معاشی ضرورتوں کے ساتھ کہہ دے کہ جو سب شایع سازد سادہ کی

ملائے بہ ہندوں کا ایک گروہ ہے اور وہ یہ مذکور ہے کہ اس میں بھی نہیں ہے کہ وہ دونوں سے اس قسم کی کیا ہے یہاں کہہ دے کیا ہوگی  
یا فطرت کا سبب سخت محنت ہے اور اس سے ملنے میں ملے ہوئے رطوبت و خشک کے جہاں کا خیال ہے کہ تو رسول تک کہہ دے کہ  
ملی مشورہ کم کی است اپنے پیچیدگی و دشواری ہے۔ یاد دہانہ کہ منتوں میں نہایت کامیابی ہے۔ انکے ترسے کہ تو رسول کے  
مت بلکہ میں مال کی نہ بھی شکل کا یہاں کیا کیا یا بلی فرما یا سکتی ہے بلکہ وہ تو حق کے میدان میں نہیں کیا (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰) (۱۰۱) (۱۰۲) (۱۰۳) (۱۰۴) (۱۰۵) (۱۰۶) (۱۰۷) (۱۰۸) (۱۰۹) (۱۱۰) (۱۱۱) (۱۱۲) (۱۱۳) (۱۱۴) (۱۱۵) (۱۱۶) (۱۱۷) (۱۱۸) (۱۱۹) (۱۲۰) (۱۲۱) (۱۲۲) (۱۲۳) (۱۲۴) (۱۲۵) (۱۲۶) (۱۲۷) (۱۲۸) (۱۲۹) (۱۳۰) (۱۳۱) (۱۳۲) (۱۳۳) (۱۳۴) (۱۳۵) (۱۳۶) (۱۳۷) (۱۳۸) (۱۳۹) (۱۴۰) (۱۴۱) (۱۴۲) (۱۴۳) (۱۴۴) (۱۴۵) (۱۴۶) (۱۴۷) (۱۴۸) (۱۴۹) (۱۵۰) (۱۵۱) (۱۵۲) (۱۵۳) (۱۵۴) (۱۵۵) (۱۵۶) (۱۵۷) (۱۵۸) (۱۵۹) (۱۶۰) (۱۶۱) (۱۶۲) (۱۶۳) (۱۶۴) (۱۶۵) (۱۶۶) (۱۶۷) (۱۶۸) (۱۶۹) (۱۷۰) (۱۷۱) (۱۷۲) (۱۷۳) (۱۷۴) (۱۷۵) (۱۷۶) (۱۷۷) (۱۷۸) (۱۷۹) (۱۸۰) (۱۸۱) (۱۸۲) (۱۸۳) (۱۸۴) (۱۸۵) (۱۸۶) (۱۸۷) (۱۸۸) (۱۸۹) (۱۹۰) (۱۹۱) (۱۹۲) (۱۹۳) (۱۹۴) (۱۹۵) (۱۹۶) (۱۹۷) (۱۹۸) (۱۹۹) (۲۰۰) (۲۰۱) (۲۰۲) (۲۰۳) (۲۰۴) (۲۰۵) (۲۰۶) (۲۰۷) (۲۰۸) (۲۰۹) (۲۱۰) (۲۱۱) (۲۱۲) (۲۱۳) (۲۱۴) (۲۱۵) (۲۱۶) (۲۱۷) (۲۱۸) (۲۱۹) (۲۲۰) (۲۲۱) (۲۲۲) (۲۲۳) (۲۲۴) (۲۲۵) (۲۲۶) (۲۲۷) (۲۲۸) (۲۲۹) (۲۳۰) (۲۳۱) (۲۳۲) (۲۳۳) (۲۳۴) (۲۳۵) (۲۳۶) (۲۳۷) (۲۳۸) (۲۳۹) (۲۴۰) (۲۴۱) (۲۴۲) (۲۴۳) (۲۴۴) (۲۴۵) (۲۴۶) (۲۴۷) (۲۴۸) (۲۴۹) (۲۵۰) (۲۵۱) (۲۵۲) (۲۵۳) (۲۵۴) (۲۵۵) (۲۵۶) (۲۵۷) (۲۵۸) (۲۵۹) (۲۶۰) (۲۶۱) (۲۶۲) (۲۶۳) (۲۶۴) (۲۶۵) (۲۶۶) (۲۶۷) (۲۶۸) (۲۶۹) (۲۷۰) (۲۷۱) (۲۷۲) (۲۷۳) (۲۷۴) (۲۷۵) (۲۷۶) (۲۷۷) (۲۷۸) (۲۷۹) (۲۸۰) (۲۸۱) (۲۸۲) (۲۸۳) (۲۸۴) (۲۸۵) (۲۸۶) (۲۸۷) (۲۸۸) (۲۸۹) (۲۹۰) (۲۹۱) (۲۹۲) (۲۹۳) (۲۹۴) (۲۹۵) (۲۹۶) (۲۹۷) (۲۹۸) (۲۹۹) (۳۰۰) (۳۰۱) (۳۰۲) (۳۰۳) (۳۰۴) (۳۰۵) (۳۰۶) (۳۰۷) (۳۰۸) (۳۰۹) (۳۱۰) (۳۱۱) (۳۱۲) (۳۱۳) (۳۱۴) (۳۱۵) (۳۱۶) (۳۱۷) (۳۱۸) (۳۱۹) (۳۲۰) (۳۲۱) (۳۲۲) (۳۲۳) (۳۲۴) (۳۲۵) (۳۲۶) (۳۲۷) (۳۲۸) (۳۲۹) (۳۳۰) (۳۳۱) (۳۳۲) (۳۳۳) (۳۳۴) (۳۳۵) (۳۳۶) (۳۳۷) (۳۳۸) (۳۳۹) (۳۴۰) (۳۴۱) (۳۴۲) (۳۴۳) (۳۴۴) (۳۴۵) (۳۴۶) (۳۴۷) (۳۴۸) (۳۴۹) (۳۵۰) (۳۵۱) (۳۵۲) (۳۵۳) (۳۵۴) (۳۵۵) (۳۵۶) (۳۵۷) (۳۵۸) (۳۵۹) (۳۶۰) (۳۶۱) (۳۶۲) (۳۶۳) (۳۶۴) (۳۶۵) (۳۶۶) (۳۶۷) (۳۶۸) (۳۶۹) (۳۷۰) (۳۷۱) (۳۷۲) (۳۷۳) (۳۷۴) (۳۷۵) (۳۷۶) (۳۷۷) (۳۷۸) (۳۷۹) (۳۸۰) (۳۸۱) (۳۸۲) (۳۸۳) (۳۸۴) (۳۸۵) (۳۸۶) (۳۸۷) (۳۸۸) (۳۸۹) (۳۹۰) (۳۹۱) (۳۹۲) (۳۹۳) (۳۹۴) (۳۹۵) (۳۹۶) (۳۹۷) (۳۹۸) (۳۹۹) (۴۰۰) (۴۰۱) (۴۰۲) (۴۰۳) (۴۰۴) (۴۰۵) (۴۰۶) (۴۰۷) (۴۰۸) (۴۰۹) (۴۱۰) (۴۱۱) (۴۱۲) (۴۱۳) (۴۱۴) (۴۱۵) (۴۱۶) (۴۱۷) (۴۱۸) (۴۱۹) (۴۲۰) (۴۲۱) (۴۲۲) (۴۲۳) (۴۲۴) (۴۲۵) (۴۲۶) (۴۲۷) (۴۲۸) (۴۲۹) (۴۳۰) (۴۳۱) (۴۳۲) (۴۳۳) (۴۳۴) (۴۳۵) (۴۳۶) (۴۳۷) (۴۳۸) (۴۳۹) (۴۴۰) (۴۴۱) (۴۴۲) (۴۴۳) (۴۴۴) (۴۴۵) (۴۴۶) (۴۴۷) (۴۴۸) (۴۴۹) (۴۵۰) (۴۵۱) (۴۵۲) (۴۵۳) (۴۵۴) (۴۵۵) (۴۵۶) (۴۵۷) (۴۵۸) (۴۵۹) (۴۶۰) (۴۶۱) (۴۶۲) (۴۶۳) (۴۶۴) (۴۶۵) (۴۶۶) (۴۶۷) (۴۶۸) (۴۶۹) (۴۷۰) (۴۷۱) (۴۷۲) (۴۷۳) (۴۷۴) (۴۷۵) (۴۷۶) (۴۷۷) (۴۷۸) (۴۷۹) (۴۸۰) (۴۸۱) (۴۸۲) (۴۸۳) (۴۸۴) (۴۸۵) (۴۸۶) (۴۸۷) (۴۸۸) (۴۸۹) (۴۹۰) (۴۹۱) (۴۹۲) (۴۹۳) (۴۹۴) (۴۹۵) (۴۹۶) (۴۹۷) (۴۹۸) (۴۹۹) (۵۰۰) (۵۰۱) (۵۰۲) (۵۰۳) (۵۰۴) (۵۰۵) (۵۰۶) (۵۰۷) (۵۰۸) (۵۰۹) (۵۱۰) (۵۱۱) (۵۱۲) (۵۱۳) (۵۱۴) (۵۱۵) (۵۱۶) (۵۱۷) (۵۱۸) (۵۱۹) (۵۲۰) (۵۲۱) (۵۲۲) (۵۲۳) (۵۲۴) (۵۲۵) (۵۲۶) (۵۲۷) (۵۲۸) (۵۲۹) (۵۳۰) (۵۳۱) (۵۳۲) (۵۳۳) (۵۳۴) (۵۳۵) (۵۳۶) (۵۳۷) (۵۳۸) (۵۳۹) (۵۴۰) (۵۴۱) (۵۴۲) (۵۴۳) (۵۴۴) (۵۴۵) (۵۴۶) (۵۴۷) (۵۴۸) (۵۴۹) (۵۵۰) (۵۵۱) (۵۵۲) (۵۵۳) (۵۵۴) (۵۵۵) (۵۵۶) (۵۵۷) (۵۵۸) (۵۵۹) (۵۶۰) (۵۶۱) (۵۶۲) (۵۶۳) (۵۶۴) (۵۶۵) (۵۶۶) (۵۶۷) (۵۶۸) (۵۶۹) (۵۷۰) (۵۷۱) (۵۷۲) (۵۷۳) (۵۷۴) (۵۷۵) (۵۷۶) (۵۷۷) (۵۷۸) (۵۷۹) (۵۸۰) (۵۸۱) (۵۸۲) (۵۸۳) (۵۸۴) (۵۸۵) (۵۸۶) (۵۸۷) (۵۸۸) (۵۸۹) (۵۹۰) (۵۹۱) (۵۹۲) (۵۹۳) (۵۹۴) (۵۹۵) (۵۹۶) (۵۹۷) (۵۹۸) (۵۹۹) (۶۰۰) (۶۰۱) (۶۰۲) (۶۰۳) (۶۰۴) (۶۰۵) (۶۰۶) (۶۰۷) (۶۰۸) (۶۰۹) (۶۱۰) (۶۱۱) (۶۱۲) (۶۱۳) (۶۱۴) (۶۱۵) (۶۱۶) (۶۱۷) (۶۱۸) (۶۱۹) (۶۲۰) (۶۲۱) (۶۲۲) (۶۲۳) (۶۲۴) (۶۲۵) (۶۲۶) (۶۲۷) (۶۲۸) (۶۲۹) (۶۳۰) (۶۳۱) (۶۳۲) (۶۳۳) (۶۳۴) (۶۳۵) (۶۳۶) (۶۳۷) (۶۳۸) (۶۳۹) (۶۴۰) (۶۴۱) (۶۴۲) (۶۴۳) (۶۴۴) (۶۴۵) (۶۴۶) (۶۴۷) (۶۴۸) (۶۴۹) (۶۵۰) (۶۵۱) (۶۵۲) (۶۵۳) (۶۵۴) (۶۵۵) (۶۵۶) (۶۵۷) (۶۵۸) (۶۵۹) (۶۶۰) (۶۶۱) (۶۶۲) (۶۶۳) (۶۶۴) (۶۶۵) (۶۶۶) (۶۶۷) (۶۶۸) (۶۶۹) (۶۷۰) (۶۷۱) (۶۷۲) (۶۷۳) (۶۷۴) (۶۷۵) (۶۷۶) (۶۷۷) (۶۷۸) (۶۷۹) (۶۸۰) (۶۸۱) (۶۸۲) (۶۸۳) (۶۸۴) (۶۸۵) (۶۸۶) (۶۸۷) (۶۸۸) (۶۸۹) (۶۹۰) (۶۹۱) (۶۹۲) (۶۹۳) (۶۹۴) (۶۹۵) (۶۹۶) (۶۹۷) (۶۹۸) (۶۹۹) (۷۰۰) (۷۰۱) (۷۰۲) (۷۰۳) (۷۰۴) (۷۰۵) (۷۰۶) (۷۰۷) (۷۰۸) (۷۰۹) (۷۱۰) (۷۱۱) (۷۱۲) (۷۱۳) (۷۱۴) (۷۱۵) (۷۱۶) (۷۱۷) (۷۱۸) (۷۱۹) (۷۲۰) (۷۲۱) (۷۲۲) (۷۲۳) (۷۲۴) (۷۲۵) (۷۲۶) (۷۲۷) (۷۲۸) (۷۲۹) (۷۳۰) (۷۳۱) (۷۳۲) (۷۳۳) (۷۳۴) (۷۳۵) (۷۳۶) (۷۳۷) (۷۳۸) (۷۳۹) (۷۴۰) (۷۴۱) (۷۴۲) (۷۴۳) (۷۴۴) (۷۴۵) (۷۴۶) (۷۴۷) (۷۴۸) (۷۴۹) (۷۵۰) (۷۵۱) (۷۵۲) (۷۵۳) (۷۵۴) (۷۵۵) (۷۵۶) (۷۵۷) (۷۵۸) (۷۵۹) (۷۶۰) (۷۶۱) (۷۶۲) (۷۶۳) (۷۶۴) (۷۶۵) (۷۶۶) (۷۶۷) (۷۶۸) (۷۶۹) (۷۷۰) (۷۷۱) (۷۷۲) (۷۷۳) (۷۷۴) (۷۷۵) (۷۷۶) (۷۷۷) (۷۷۸) (۷۷۹) (۷۸۰) (۷۸۱) (۷۸۲) (۷۸۳) (۷۸۴) (۷۸۵) (۷۸۶) (۷۸۷) (۷۸۸) (۷۸۹) (۷۹۰) (۷۹۱) (۷۹۲) (۷۹۳) (۷۹۴) (۷۹۵) (۷۹۶) (۷۹۷) (۷۹۸) (۷۹۹) (۸۰۰) (۸۰۱) (۸۰۲) (۸۰۳) (۸۰۴) (۸۰۵) (۸۰۶) (۸۰۷) (۸۰۸) (۸۰۹) (۸۱۰) (۸۱۱) (۸۱۲) (۸۱۳) (۸۱۴) (۸۱۵) (۸۱۶) (۸۱۷) (۸۱۸) (۸۱۹) (۸۲۰) (۸۲۱) (۸۲۲) (۸۲۳) (۸۲۴) (۸۲۵) (۸۲۶) (۸۲۷) (۸۲۸) (۸۲۹) (۸۳۰) (۸۳۱) (۸۳۲) (۸۳۳) (۸۳۴) (۸۳۵) (۸۳۶) (۸۳۷) (۸۳۸) (۸۳۹) (۸۴۰) (۸۴۱) (۸۴۲) (۸۴۳) (۸۴۴) (۸۴۵) (۸۴۶) (۸۴۷) (۸۴۸) (۸۴۹) (۸۵۰) (۸۵۱) (۸۵۲) (۸۵۳) (۸۵۴) (۸۵۵) (۸۵۶) (۸۵۷) (۸۵۸) (۸۵۹) (۸۶۰) (۸۶۱) (۸۶۲) (۸۶۳) (۸۶۴) (۸۶۵) (۸۶۶) (۸۶۷) (۸۶۸) (۸۶۹) (۸۷۰) (۸۷۱) (۸۷۲) (۸۷۳) (۸۷۴) (۸۷۵) (۸۷۶) (۸۷۷) (۸۷۸) (۸۷۹) (۸۸۰) (۸۸۱) (۸۸۲) (۸۸۳) (۸۸۴) (۸۸۵) (۸۸۶) (۸۸۷) (۸۸۸) (۸۸۹) (۸۹۰) (۸۹۱) (۸۹۲) (۸۹۳) (۸۹۴) (۸۹۵) (۸۹۶) (۸۹۷) (۸۹۸) (۸۹۹) (۹۰۰) (۹۰۱) (۹۰۲) (۹۰۳) (۹۰۴) (۹۰۵) (۹۰۶) (۹۰۷) (۹۰۸) (۹۰۹) (۹۱۰) (۹۱۱) (۹۱۲) (۹۱۳) (۹۱۴) (۹۱۵) (۹۱۶) (۹۱۷) (۹۱۸) (۹۱۹) (۹۲۰) (۹۲۱) (۹۲۲) (۹۲۳) (۹۲۴) (۹۲۵) (۹۲۶) (۹۲۷) (۹۲۸) (۹۲۹) (۹۳۰) (۹۳۱) (۹۳۲) (۹۳۳) (۹۳۴) (۹۳۵) (۹۳۶) (۹۳۷) (۹۳۸) (۹۳۹) (۹۴۰) (۹۴۱) (۹۴۲) (۹۴۳) (۹۴۴) (۹۴۵) (۹۴۶) (۹۴۷) (۹۴۸) (۹۴۹) (۹۵۰) (۹۵۱) (۹۵۲) (۹۵۳) (۹۵۴) (۹۵۵) (۹۵۶) (۹۵۷) (۹۵۸) (۹۵۹) (۹۶۰) (۹۶۱) (۹۶۲) (۹۶۳) (۹۶۴) (۹۶۵) (۹۶۶) (۹۶۷) (۹۶۸) (۹۶۹) (۹۷۰) (۹۷۱) (۹۷۲) (۹۷۳) (۹۷۴) (۹۷۵) (۹۷۶) (۹۷۷) (۹۷۸) (۹۷۹) (۹۸۰) (۹۸۱) (۹۸۲) (۹۸۳) (۹۸۴) (۹۸۵) (۹۸۶) (۹۸۷) (۹۸۸) (۹۸۹) (۹۹۰) (۹۹۱) (۹۹۲) (۹۹۳) (۹۹۴) (۹۹۵) (۹۹۶) (۹۹۷) (۹۹۸) (۹۹۹) (۱۰۰۰) (۱۰۰۱) (۱۰۰۲) (۱۰۰۳) (۱۰۰۴) (۱۰۰۵) (۱۰۰۶) (۱۰۰۷) (۱۰۰۸) (۱۰۰۹) (۱۰۱۰) (۱۰۱۱) (۱۰۱۲) (۱۰۱۳) (۱۰۱۴) (۱۰۱۵) (۱۰۱۶) (۱۰۱۷) (۱۰۱۸) (۱۰۱۹) (۱۰۲۰) (۱۰۲۱) (۱۰۲۲) (۱۰۲۳) (۱۰۲۴) (۱۰۲۵) (۱۰۲۶) (۱۰۲۷) (۱۰۲۸) (۱۰۲۹) (۱۰۳۰) (۱۰۳۱) (۱۰۳۲) (۱۰۳۳) (۱۰۳۴) (۱۰۳۵) (۱۰۳۶) (۱۰۳۷) (۱۰۳۸) (۱۰۳۹) (۱۰۴۰) (۱۰۴۱) (۱۰۴۲) (۱۰۴۳) (۱۰۴۴) (۱۰۴۵) (۱۰۴۶) (۱۰۴۷) (۱۰۴۸) (۱۰۴۹) (۱۰۵۰) (۱۰۵۱) (۱۰۵۲) (۱۰۵۳) (۱۰۵۴) (۱۰۵۵) (۱۰۵۶) (۱۰۵۷) (۱۰۵۸) (۱۰۵۹) (۱۰۶۰) (۱۰۶۱) (۱۰۶۲) (۱۰۶۳) (۱۰۶۴) (۱۰۶۵) (۱۰۶۶) (۱۰۶۷) (۱۰۶۸) (۱۰۶۹) (۱۰۷۰) (۱۰۷۱) (۱۰۷۲) (۱۰۷۳) (۱۰۷۴) (۱۰۷۵) (۱۰۷۶) (۱۰۷۷) (۱۰۷۸) (۱۰۷۹) (۱۰۸۰) (۱۰۸۱) (۱۰۸۲) (۱۰۸۳) (۱۰۸۴) (۱۰۸۵) (۱۰۸۶) (۱۰۸۷) (۱۰۸۸) (۱۰۸۹) (۱۰۹۰) (۱۰۹۱) (۱۰۹۲) (۱۰۹۳) (۱۰۹۴) (۱۰۹۵) (۱۰۹۶) (۱۰۹۷) (۱۰۹۸) (۱۰۹۹) (۱۱۰۰) (۱۱۰۱) (۱۱۰۲) (۱۱۰۳) (۱۱۰۴) (۱۱۰۵) (۱۱۰۶) (۱۱۰۷) (۱۱۰۸) (۱۱۰۹) (۱۱۱۰) (۱۱۱۱) (۱۱۱۲) (۱۱۱۳) (۱۱۱۴) (۱۱۱۵) (۱۱۱۶) (۱۱۱۷) (۱۱۱۸) (۱۱۱۹) (۱۱۲۰) (۱۱۲۱) (۱۱۲۲) (۱۱۲۳) (۱۱۲۴) (۱۱۲۵) (۱۱۲۶) (۱۱۲۷) (۱۱۲۸) (۱۱۲۹) (۱۱۳۰) (۱۱۳۱) (۱۱۳۲) (۱۱۳۳) (۱۱۳۴) (۱۱۳۵) (۱۱۳۶) (۱۱۳۷) (۱۱۳۸) (۱۱۳۹) (۱۱۴۰) (۱۱۴۱) (۱۱۴۲) (۱۱۴۳) (۱۱۴۴) (۱۱۴۵) (۱۱۴۶) (۱۱۴۷) (۱۱۴۸) (۱۱۴۹) (۱۱۵۰) (۱۱۵۱) (۱۱۵۲) (۱۱۵۳) (۱۱۵۴) (۱۱۵۵) (۱۱۵۶) (۱۱۵۷) (۱۱۵۸) (۱۱۵۹) (۱۱۶۰) (۱۱۶۱) (۱۱۶۲) (۱۱۶۳) (۱۱۶۴) (۱۱۶۵) (۱۱۶۶) (۱۱۶۷) (۱۱۶۸) (۱۱۶۹) (۱۱۷۰) (۱۱۷۱) (۱۱۷۲) (۱۱۷۳) (۱۱۷۴) (۱۱۷۵) (۱۱۷۶) (۱۱۷۷) (۱۱۷۸) (۱۱۷۹) (۱۱۸۰) (۱۱۸۱) (۱۱۸۲) (۱۱۸۳) (۱۱۸۴) (۱۱۸۵) (۱۱۸۶) (۱۱۸۷) (۱۱۸۸) (۱۱۸۹) (۱۱۹۰) (۱۱۹۱) (۱۱۹۲) (۱۱۹۳) (۱۱۹۴) (۱۱۹۵) (۱۱۹۶) (۱۱۹۷) (۱۱۹۸) (۱۱۹۹) (۱۲۰۰) (۱۲۰۱) (۱۲۰۲) (۱۲۰۳) (۱۲۰۴) (۱۲۰۵) (۱۲۰۶) (۱۲۰۷) (۱۲۰۸) (۱۲۰۹) (۱۲۱۰) (۱۲۱۱) (۱۲۱۲) (۱۲۱۳) (۱۲۱۴) (۱۲۱۵) (۱۲۱۶) (۱۲۱۷) (۱۲۱۸) (۱۲۱۹) (۱۲۲۰) (۱۲۲۱) (۱۲۲۲) (۱۲۲۳) (۱۲۲۴) (۱۲۲۵) (۱۲۲۶) (۱۲۲۷) (۱۲۲۸) (۱۲۲۹) (۱۲۳۰) (۱۲۳۱) (۱۲۳۲) (۱۲۳۳) (۱۲۳۴) (۱۲۳۵) (۱۲۳۶) (۱۲۳۷) (۱۲۳۸) (۱۲۳۹) (۱۲۴۰) (۱۲۴۱) (۱۲۴۲) (۱۲۴۳) (۱۲۴۴) (۱۲۴۵) (۱۲۴۶) (۱۲۴۷) (۱۲۴۸) (۱۲۴۹) (۱۲۵۰) (۱۲۵۱) (۱۲۵۲) (۱۲۵۳) (۱۲۵۴) (۱۲۵۵) (۱۲۵۶) (۱۲۵۷) (۱۲۵۸) (۱۲۵۹) (۱۲۶۰) (۱۲۶۱) (۱۲۶۲) (۱۲۶۳) (۱۲۶۴) (۱۲۶۵) (۱۲۶۶) (۱۲۶۷) (۱۲۶۸) (۱۲۶۹) (۱۲۷۰) (۱۲۷۱) (۱۲۷۲) (۱۲۷۳) (۱۲۷۴) (۱۲۷۵) (۱۲۷۶) (۱۲۷۷) (۱۲۷۸) (۱۲۷۹) (۱۲۸۰) (۱۲۸۱) (۱۲۸۲) (۱۲۸۳) (۱۲۸۴) (۱۲۸۵) (۱۲۸۶) (۱۲۸۷) (۱۲۸۸) (۱۲۸۹) (۱۲۹۰) (۱۲۹۱) (۱۲۹۲) (۱۲۹۳) (۱۲۹۴) (۱۲۹۵) (۱۲۹۶) (۱۲۹۷) (۱۲۹۸) (۱۲۹۹) (۱۳۰۰) (۱۳۰۱) (۱۳۰۲) (۱۳۰۳) (۱۳۰۴) (۱۳۰۵) (۱۳۰۶) (۱۳۰۷) (۱۳۰۸) (۱۳۰۹) (۱۳۱۰) (۱۳۱۱) (۱۳۱۲) (۱۳۱۳) (۱۳۱۴) (۱۳۱۵) (۱۳۱۶) (۱۳۱۷) (۱۳۱۸) (۱۳۱۹) (۱۳۲۰) (۱۳۲۱) (۱۳۲۲) (۱۳۲۳) (۱۳۲۴) (۱۳۲۵) (۱۳۲۶) (۱۳۲۷) (۱۳۲۸) (۱۳۲۹) (۱۳۳۰) (۱۳۳۱) (۱۳۳۲) (۱۳۳۳) (۱۳۳۴) (۱۳۳۵) (۱۳۳۶) (۱۳۳۷) (۱۳۳۸) (۱۳۳۹) (۱۳۴۰) (۱

[illegible]

اسلامی روایات  
جیسی سناش گریز زندگی دلائے میں نہیں سمجھ کر اپنے لئے اس دائرے میں وہ کہاں گنجائش نکال سکتے ہیں۔ عرفیوں  
میں کہ معاملہ زندگی کا جراثیم قرآن نے پیش کیا ہے۔ اس میں ان کے لئے گنجائش نہیں ہے، بلکہ قرآن نے اس  
خبر طاری مسلک کے متعلق جس تاریخی حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ دنیا کی جس قوم کو جس انداز  
پہن جو دین بھی دیا گیا، کسی دین میں رہبانیت کے سناش گریز مسلک کا سلب نہ کیا کی طرف سے کسی نہیں کیا گیا۔ گویا  
توجہ بانیت کی صفت عرف اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ بنی آدم کو کدھ کی طرف سے جو دین بھی ہے  
کسی میں اس کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے۔ قرآن میں اس مسلک کے متعلق جو مشہور احادیث پائے جاتے ہیں  
سراجبانیت ایتد جو احادیثا  
علیہم فارعہ و احادیثا  
فایتنا الذین انفسہم اجریم  
و کثیرہم فاسقون و کثیرہم  
روی نے ان کے کیا اور ان کی ان کی زندگی اور بہتر ہے ان کے فساد ہیں۔

نہیں مباحثت  
اس کے معنی زندگی گزارنی چاہی، قرآن کا یہ تاریخی بیان ہے کہ اس میں بھی جیسا کہ ہمارے خدا کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکا جس کی وجہ سے ہمیں، جس خاص حالات میں خدا نے ہمیں یا کسی سنت شخصی یا اجتماعی مادہ سے فخر کر سبب زور و خروشہ اتصال نفوس دنیا اور دنیاوی صفات سے دل کو مرد کر کے اس قسم کی خیال، معرفت خیالی زندگی کا نقشہ لے کر نے کی حد تک قہر کر لیتے ہیں، لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو جیسے فطری قوانین میں آدمی کی جبلت بکڑی ہوئی ہے، محسوس ہوتا ہے کہ ان قوانین سے مسلسل جنگ میں، انہوں نے اپنے آپ کو جکڑ کر لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ قہر نامہ قوانین وقت سے جنگ چھیڑ دینے کے بعد ممکن انسان کا یہابی کی جوتی ترقی کر سکتا ہے؟ کامل استقلال اور غیر معمولی منہ سے بھی کام لیا جائے پھر بھی پوری کامیابی قہر نامہ سے، اور یہی خبر قرآن ان کے متعلق دیتا ہے۔

پھر شاہ جہاں فیما بین انہم ابرہم یعنی ان میں جو ایمان والے ہیں۔ ان کو اپنی مزدوری ملتی ہے۔ لیکن اس کا ایک مطلب ہے؟ ایک جس غیر زوری شقوں کو وہ برداشت کرتے ہیں۔ ان میں جس حد تک کامیابی ہوتی ہے، اس کی مزدوری ان کو مل جاتی ہے؟ یہ ظاہر ہے خیالی گذر ہے لیکن اگر واقعی قرآن کا یہی مطلب ہے تو پہلے خدا کا انہیں آزمودنیہ ان میں جو ایمان والے ہیں، کی جگہ پر اس قسم کی جبارت ہوتی کہ ان میں سے لوگوں نے اس اصول کی نگرانی کی یعنی (الذین رحمہم) انہیں ان کا ہمہ سے واپس لیا، مگر جب یہ اسلوب جبارت نہیں مانتا یہ کیا گیا۔ قہر میں جبر جاسکتا ہے کہ ان لوگوں کو مرنے لپے ایمان کا سادہ منہ ہے۔ باقی جس جبر فطری مداخلت اور حالات میں اپنے آپ کو جکڑ کر کے جو دکھ اور مصیبت وہ اٹھاتے ہیں۔ چونکہ وہ خدا کی مرضی اور مصلحے کے تحت نہیں، بلکہ اپنی خواہش اور اپنی مرضی اپنے خود تراشیدہ فلسفہ کے زیر اثر اٹھاتے ہیں، اس لئے خدا کے پاس اگر اس کا کچھ اجر نہ ہو، تو عقلاً دنیا اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، پس اس کو کچھ ملے گا ایمان کے تحت ملے گا۔ اور یہ حال تو ان کا ہے جو اپنی زندگی میں ایمان اور ایمانی اعتقادوں پر قائم ہو کر ہیں، اور نہ اس کے بعد ایسے کا آخری نتیجہ ختم فاسقوں (یعنی ان میں اکثر و بیشتر فاسق ہو جاتے ہیں) یہ تو ہر ملک کی حقیقت اور ہر مانت کے آخری انجام کی ایسی روئے ہے کہ اس کی تشبیل کے لئے فہم و فہم کے وفرد کار ہیں، کلیسا اور چرچ نظام کی پوری تاریخ چند دستانہ جیو گیتوں، دیگیوں، انجیلوں اور کتاب عام دیگیوں، انگوروں، وغیرہ کے ہزار ہا ہزار سال کے ناگفتہ بہ حوادث و واقعات دہرے پڑیں گے۔

معاشرہ گریز جہانات کا  
آخری انجام فاسق ہے  
کہا ہے کہ قدرتِ قرآنیہ سے جنگ کرنے کا آخری انجام اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے یا کیا ہو سکتا تھا۔ جہاں تک واقعات سے معلوم ہوا ہے قرآن کی تفسیر کا یہی ہی افق ہے کہ اجتہاد میں جو اپنے آپ کو اس زندگی میں ملاتے ہیں تازہ جوش اور تازہ فانی کے تحت ایک حد تک وہ توجہ نہ کی کر سکتے ہیں۔ لیکن انہی بے پاروں کی ظاہری عقل و صورت متینا کر کے جہان کے پانچیں بنتے ہیں، چونکہ ان واقعات سے وہ قہراً خالی ہوتے ہیں۔ بلکہ عام طور پر حرام میں اس عجیب و غریب زندگی رکھنے والوں کے متعلق پوچھیں تو پایا جاتا ہے کہ اس کو دیکھ کر اس گروہ میں وہ شریک ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ظاہری ذہنا و عقل و صورت جس سے بظاہر حرکت دینا کا یہ اعلان کرتے ہیں۔ اسی کو پورکا

میں مباحثت  
حالت کے ساتھ معمولی دنیا کو فہم دیتے ہیں، جیسے کہ یہ جانیں ہوتے ہیں۔ حرام کا ان کے ساتھ اپنی کھینچ کر باقی رہتا ہے، اس کے پردے میں پیروں کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا سبب جو ۵۵۵ میں جرم ہو کر ان کا سماجی جرم ہوتا ہے یعنی جرم کے اکتسابی مداخل سے الگ شلگ ہو کر ایک فرقہ قرار پانے کے اس سارے سرانے کو جرحہت انہیں عطا کرتی ہے سماجوں اور مانتے کر لیتے ہیں۔ اور شیک کس منہ کے تار کا جو حال ہوتا ہے کہ خرابی جات کو پیسہ اور ریم بنا کر منانے کر رہتا ہے اور دوسری طرف ایسا عطا ہوا اس کے قریب ہوتے ہیں ان کی فضا بھی کھینچا رہتا ہے۔ اسی طرح خیر و شر بھی اپنی قوانینوں کو منانے کے پیارے حرام کے گارڈ سے پیسوں کی کمائی کو فحشیت میں سے یہ اسی طرح سے رہتے ہیں کہ ان سے جو کچھ لیتے ہیں، اس کے ساتھ منہ میں ان کو کچھ نہیں دیتے، چھوٹی ٹوٹکے جن سے ان کا غیر خود بھی واقف ہوتا ہے، ان بے پاروں کی شکی کر دیتے ہیں۔ ان کا یہ استہلاک جرم ہے کہ ان کے دوسرے جس بدترین فحشیت جرائم سے ظاہر شکی اختیار کرتے کے باوجود قرآن نے خیریت تیز و تند بھی میں ان کے اس جرم کا طعن ان کے انکساف میں کیا ہے۔

ان کثیر من الانبیاء و الرسل	بہت سے انہما زچہ ہوں اور وہاں
یا کثرت امرالانسانس بالباطل	(ذہبی شلگ) کہتے ہیں لوگوں کا بطل
وینصلون من جیل و جیل	بطل (ہر شلگ) کے اندر کے ہیں شلگ
یکفروی اللہ و انفسہ	بطل اور وہ اپنے آپ کو
ولا یفتقرن فی سبیل اللہ	خیر خرچہ کرتے اسے شلگ (ان میں تو کچھ
فی سبیل اللہ اب الیس	خیر خرچہ کرتے دیکھو بڑے شلگ اس میں
یوم یحییٰ علیہا فی نار جہنم	پایا جائے گا ان پوری دنیا جہنم کی آگ
فکوی بہا جیسا ہم و جہنم	میں پورا فانی ہائیں ان کی پستی میں
و ظہور جہنم اس کا کثر مت	احاطہ کر پورا ان کی ظہور میں
لا تفسد فی دفر اللہ فیہا	جہنم کی فحشیت کا پتہ ہے پھر پھر
کنتم تکفروا۔ (آخرہ)	جہنم کے جہنم ہی کا تھا۔

اہل ایمان اس سے باہر ہیں جس کا حاصل مطلب یہی ہے کہ کچھ دینے بغیر لوگوں کا بطل کا اس کام کو قرآن ان پر عائد کر کے ایک اہم معاشی اصول کی طرف راہنما کر رہا ہے جس کا ذکر دوسرے مقامات میں مشہور کیا گیا ہے۔ یعنی یہ ظاہر قرآن کا یہ فہم نظر معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بطل کا ہر ضرائح اپنی جگہ نظام جہنم کی خدمت انجام دیتا ہے سوا اور اگر ایسا کرے تو اس وقت اس صورت میں ہے کہ کچھ کے بٹا کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جہنم کا یہ جہنم کی فحشیت میں وقت حاصل ہوتا ہے کہ جس طرح وہ دوسرے فہم سے متعاشات ہے۔ اسی طرح پانچے کہ انہی صلاحیت کے مطابق یہ جی دوسروں کو خواہ کسی شکل میں جو کچھ پہنچے۔ ظاہر ہے کہ کام معاشی نظام کی بنیاد اسی (اور نہ دین) پر

اسلامی مباحثات  
 جینی ہے۔ شفق کا شکار تھوڑے دیر سے ہمارے ہاں پڑے جتنا ہے، وہی صبح طلوع کرے گا۔ علم علم تقسیم کرے گا۔ لیکن  
 بزرگوں کے ان ہاشمیوں نے جو عوام کے شمس کی بنا پر ان سے مال لے کر لکھتے ہیں، کبھی اسے سچے کہی  
 زحمت گزارا فرمائی ہے جو عوام سے جو کچھ لیتے ہیں، اس خریب عوامی کو اس کے مساوی بننے میں مادی شکل میں  
 نہ بھی کسی اور شکل میں شلا ذہنی، عقلی اور مادی فوائد میں سے کسی فائدے کی شکل میں ان کو یہ کیا دیتے ہیں جیسا  
 حال قریب نہیں ہے لیکن بیکار قرآن کا بیان ہے۔ اس کی اکثریت یہ واقعہ ہے کہ کسی کو کچھ نہیں دیتی، اور  
 جہاں تک یہ خیال ہے۔ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں دے رہے ہیں مگر اس حال میں اس کا باقی  
 کی تلاش سے زیادہ بدترین شکل اور کیا ہو سکتی ہے۔ پھر بھی شک ہے کہ کسی کو کچھ دینے پر لوگوں کا مال اٹا لیتا ہے  
 لیکن اس مذہبی چوری سے خریب بنام۔ جرم چوری کی چیز کی کو کیا نسبت؟

پھر حال یہاں تک تو اس طبقہ کی اکثریت کے معاشی جرم کا ذکر ہے۔ آگے حوالی معاشرے کے اس  
 خلاء ذہنی کا بیان کر دیتے ہیں کہ وہ سب سے جیسا عقائدی اور ایمانی خرد توں کے ہر رنگ چوتے ہیں۔ خریب حاسمی  
 جہلی کا کبھی اٹھا کر اللہ کی عید سے روئے لوگوں کو ہیں جس خاص طریقوں سے وہ کئے اور جھگڑاتے  
 ہیں۔ قرآن میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چونکہ اس کا خلق معاشی معاشی سے نہیں ہے۔ اس  
 لئے اس کی بحث یہاں غیر ضروری ہے۔ البتہ اس کے بعد ایک اور طبقہ کا ذکر ہے جو غلامانہ ذہنوں کے آئینہ کو خدا  
 کے بتائے ہوئے سچے معاد میں خد کو لے کر کھڑے کرتا ہے، یعنی اسے سچ کہتا ہے۔ پھر دوسری زندگی میں  
 جس حالات سے وہ کھڑے ہوں گے وہاں کو دوچار ہوتا ہے کہ اس کی تفصیل کی گئی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کھڑے  
 کرنے والوں اور ان کے انفرادی حواشی و نتائج کا اس مرتبہ پر ذکر یعنی دینیانیت والوں کے ساتھ ان کا ذکر  
 اپنے اندر کیا کوئی نسبت رکھتا ہے؟ بلا ہر بھی خیال کرتا ہے کہ رابیانہ زندگی بسر کرنے والوں کی اکثریت  
 جس طرح خدا اور انبیاء کے سرانے کو پاس پاس ساتھ ساتھ سال تک بے غمی شائع کرتی رہتی ہے  
 اور اپنی انفرادی قوت سے جو معاشی جس کی لذت انہم نہیں دیتی مادی طور نا اہل انفرادیت آدمی مانے  
 اپنے مالی سرمایہ سے بھائے فتح پہنچانے کے کھڑے بنائے کہ اس کے انفرادی پھول کو شائع کرتے رہتے ہیں، دونوں  
 طبقوں میں یہ اشتراک کی نسبت ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ آٹھ جی انفرادی سزاؤں کا ذکر فرمایا گیا ہے،  
 اگرچہ بھلا ہوں کا خلق کھڑے ہوں سے ہے۔ لیکن جب دونوں کے جرموں کی نوعیت میں کما سب ہے تو کیا  
 سزا کی نوعیت میں بھی مناسب نہ ہوگا؟ بلکہ کھڑے جانے اگر کسی کو اپنی مالی توانائی سے فتح نہیں پہنچانے تو کچھ نیچے  
 بننے لوگوں کا مال بھی تو نہیں کھاتے، لیکن اچھا اور جہاں کی اکثریت جیسا کہ گھر چکا۔ علاوہ اس کے اکل حاصل  
 اس سے باجداصل کے جرم میں بھی مبتلا ہے۔ اور اس لحاظ سے اس طبقہ کا معاشی جرم بے ظاہر کھڑے ہوں سے زیادہ  
 سخت معلوم ہوتا ہے۔ قرآن میں اس مرتبہ پر کھڑے ہوں کا ذکر ہو سکتا ہے کہ ایک خاص تاریخی واقعہ کی طرف بھی

لے آیت قرآنی دلائل فقہانی سہیل اللہ نہیں دے کہہ ہیں اس کو مذکورہ جیسا کہ اس کا حاصل مطلب ہے۔ اور اس  
 کو اس پر اب متفق ہے کہ اس سے مراد ذکر ہے۔ یعنی اس پر غرضیت نے جو نکرہ حاشیہ ہے۔ اس کا ان (تیسرے صفحہ)

اسلامی مباحثات  
 جینی ہے۔ شفق کا شکار تھوڑے دیر سے ہمارے ہاں پڑے جتنا ہے، وہی صبح طلوع کرے گا۔ علم علم تقسیم کرے گا۔ لیکن  
 بزرگوں کے ان ہاشمیوں نے جو عوام کے شمس کی بنا پر ان سے مال لے کر لکھتے ہیں، کبھی اسے سچے کہی  
 زحمت گزارا فرمائی ہے جو عوام سے جو کچھ لیتے ہیں، اس خریب عوامی کو اس کے مساوی بننے میں مادی شکل میں  
 نہ بھی کسی اور شکل میں شلا ذہنی، عقلی اور مادی فوائد میں سے کسی فائدے کی شکل میں ان کو یہ کیا دیتے ہیں جیسا  
 حال قریب نہیں ہے لیکن بیکار قرآن کا بیان ہے۔ اس کی اکثریت یہ واقعہ ہے کہ کسی کو کچھ نہیں دیتی، اور  
 جہاں تک یہ خیال ہے۔ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں دے رہے ہیں مگر اس حال میں اس کا باقی  
 کی تلاش سے زیادہ بدترین شکل اور کیا ہو سکتی ہے۔ پھر بھی شک ہے کہ کسی کو کچھ دینے پر لوگوں کا مال اٹا لیتا ہے  
 لیکن اس مذہبی چوری سے خریب بنام۔ جرم چوری کی چیز کی کو کیا نسبت؟

پھر حال یہاں تک تو اس طبقہ کی اکثریت کے معاشی جرم کا ذکر ہے۔ آگے حوالی معاشرے کے اس  
 خلاء ذہنی کا بیان کر دیتے ہیں کہ وہ سب سے جیسا عقائدی اور ایمانی خرد توں کے ہر رنگ چوتے ہیں۔ خریب حاسمی  
 جہلی کا کبھی اٹھا کر اللہ کی عید سے روئے لوگوں کو ہیں جس خاص طریقوں سے وہ کئے اور جھگڑاتے  
 ہیں۔ قرآن میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چونکہ اس کا خلق معاشی معاشی سے نہیں ہے۔ اس  
 لئے اس کی بحث یہاں غیر ضروری ہے۔ البتہ اس کے بعد ایک اور طبقہ کا ذکر ہے جو غلامانہ ذہنوں کے آئینہ کو خدا  
 کے بتائے ہوئے سچے معاد میں خد کو لے کر کھڑے کرتا ہے، یعنی اسے سچ کہتا ہے۔ پھر دوسری زندگی میں  
 جس حالات سے وہ کھڑے ہوں گے وہاں کو دوچار ہوتا ہے کہ اس کی تفصیل کی گئی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کھڑے  
 کرنے والوں اور ان کے انفرادی حواشی و نتائج کا اس مرتبہ پر ذکر یعنی دینیانیت والوں کے ساتھ ان کا ذکر  
 اپنے اندر کیا کوئی نسبت رکھتا ہے؟ بلا ہر بھی خیال کرتا ہے کہ رابیانہ زندگی بسر کرنے والوں کی اکثریت  
 جس طرح خدا اور انبیاء کے سرانے کو پاس پاس ساتھ ساتھ سال تک بے غمی شائع کرتی رہتی ہے  
 اور اپنی انفرادی قوت سے جو معاشی جس کی لذت انہم نہیں دیتی مادی طور نا اہل انفرادیت آدمی مانے  
 اپنے مالی سرمایہ سے بھائے فتح پہنچانے کے کھڑے بنائے کہ اس کے انفرادی پھول کو شائع کرتے رہتے ہیں، دونوں  
 طبقوں میں یہ اشتراک کی نسبت ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ آٹھ جی انفرادی سزاؤں کا ذکر فرمایا گیا ہے،  
 اگرچہ بھلا ہوں کا خلق کھڑے ہوں سے ہے۔ لیکن جب دونوں کے جرموں کی نوعیت میں کما سب ہے تو کیا  
 سزا کی نوعیت میں بھی مناسب نہ ہوگا؟ بلکہ کھڑے جانے اگر کسی کو اپنی مالی توانائی سے فتح نہیں پہنچانے تو کچھ نیچے  
 بننے لوگوں کا مال بھی تو نہیں کھاتے، لیکن اچھا اور جہاں کی اکثریت جیسا کہ گھر چکا۔ علاوہ اس کے اکل حاصل  
 اس سے باجداصل کے جرم میں بھی مبتلا ہے۔ اور اس لحاظ سے اس طبقہ کا معاشی جرم بے ظاہر کھڑے ہوں سے زیادہ  
 سخت معلوم ہوتا ہے۔ قرآن میں اس مرتبہ پر کھڑے ہوں کا ذکر ہو سکتا ہے کہ ایک خاص تاریخی واقعہ کی طرف بھی















دے رہا ہے اور پھر زمین کی پیداواروں میں دفعہ یعنی آمدنی اور تنصیب کا پہلو کیوں پیش نظر رکھا جائے خود اس  
 قوس میں جب انسانی سوا بچوں تک میں پچا گیا ہے کہ تنصیب کے ساتھ ساتھ اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ ان سے  
 ایک قسم کی آرائش اور زینت ہوتی ہے۔ تو خدا نے اور بھی چیزوں کو زینت کے لئے بھی پیدا کیا ہے۔ اُس سے عطر  
 مادی منہ خ کے زینت کا کام کیوں لیا جائے۔ گھڑوں اور چروں، گدھوں کا ذکر کرتے ہوئے اوشاد دھرتا ہے  
 الخیل والبقال والمارلترکبھار  
 گھڑے، گدھے، بھڑکے اسی لئے ہیں کہ ان پر  
 سوار کیوں اوشاد آرائش ہیں۔  
 نہایت (داخل ہے)

سج اور شام کے سہانے وقتوں میں خصوصاً رہات کی سجاوٹ میں جبرست ستر سامنے آتا ہے گا  
 کی روٹیاں آپس میں ملی ملی سج کو آیا دیکھئے نکل کر پھر گھروں کی طرف جا رہی ہیں اور شام کو واپس آتی ہیں۔  
 ولکہ فہا جال حین قریحون و  
 تھارے لئے صبر و شہدیں ہیں جال و صبر  
 جب شام کو انیس گھرا ہیں لگتے ہیں  
 صبح کو جب بغیر ہر گھرا کی طرف جاتے ہیں۔  
 (داخل ہے)

کے چمکا دینے والے فقرے سے قرآن انسانی فطرت کی حیاتیاتی حسیں کی ایک نشو و نما ہے اس سہلے سحر کی  
 طرف متوجہ کر کے حکایت کرتا ہے۔

اسی طرح لباس کا ذکر کے مترشحی اور انحراف و ہر ذرا (مردی و دگر) سے حفاظت کے جو فرائض  
 ہیں ان کے ذکر کے ساتھ ساتھ شہس و زیبائی کا رنگ کے جو رنگ لباس سے حاصل ہوتے ہیں ان پر بھی متوجہ  
 کرتے ہوئے سورہ احراق میں فرمایا گیا۔

یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا  
 یوارى سواکم ولباسا  
 (احراق ۳۱)  
 (اور اے آدمیوں! ہم نے تم پر لباس  
 اور لباس کے خزانے کی کتاب دی اور  
 وہ آرائش (وہی ہے) )

اس کے سوا آگے  
 خذوا زینتکم جہنم کل صبح  
 (احراق ۳۲)  
 اپنے رانٹل کا اختیار کرو اور ہر صبح  
 کے لباس،

کا جو حکم دیا گیا ہے اس میں تو لباس کو زینت اور زینت کو لباس قرار دیتے ہوئے یہ ظاہر اس طرف اشارہ  
 ہے کہ جس لباس سے پہننے سے عورت کے آدمی کی حیثیت اور بگڑ جائے۔ اس لباس کی نہیں قرار دیتا چاہیے  
 خود مرد و کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا عام دستور تھا کہ کیا جو واجب زیب تن فرماتے ان کو اس وقت بے ساختہ  
 زیبائی بہت کم پر یہ اضافہ جاری ہو جاتے۔

لحمہ الذی کسانا اور یہ  
 عورتی و انجیل بھائی حیرانی  
 اور جہل حاس کرنا ہوں میں اس سے زندگی ہیں۔

### نکسہ افشانی

نکسہ افشانی میں افشانی کی حیثیت کا غائب انکار اور انکار کے لئے ہے۔ وہ اس کو سنا  
 افشانی کی افشانی کی افشانی کے دائرے سے جی آگے بڑھ کر موت تک کو اپنی آغوش میں لے  
 کر لیتی ہے۔ افشانی کی افشانی ہے کہ سنا زنی کو خفا بیک کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ دیتے تھے۔

فہو یکن احدکم خاۃ غلیصہ  
 کلاہہ (ترمذی)  
 جب کوئی تم میں سے اپنے بیوی کو گھونپتا  
 تو پتہ لگے گا کہ اس کا ہاتھ بند ہے اس کو۔

قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عجاوین کی کسی بدعتی اور جو شے میں کو ردداشت نہیں کر سکتی  
 عورت کا وہ خفا ہے کہ ان کا کسی قریبی کچھ رخصت ہو گیا تھا۔ پھر سے عورت جیسا چاہیے باہر نہیں کی  
 حضرت انس خادم خاں نے جو کہ بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس رخت کو نہ دیکھ سکے۔  
 اس میں ہے کہ

امرا بھا ان مشلا  
 تم کو دیکھ اس خفا کو نہ کر دیا جائے۔  
 ایک صحابی نے جبراس میں کھڑے تھے اس وقت کو حضور! اس بیچلو سے مروے کرنا  
 یہاں کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھنے والے کو سمجھایا

اما انہ لا تقصروا لاجتماع ولسک  
 (ترمذی)  
 لیکن اس سے زبردستی نہ نہتو، اگر  
 عورت ہوتی ہے اس سے نہتو کی انکو۔  
 یہ کہ خفا میں ہر شخص کی انکسیر اس سے نکل کر مٹی میں مٹی کے قریب قریب اور مری عبادت میں ہے۔  
 قلیب صلی اللہ علیہ وسلم

یہ جو عورت انکسیر کی نکل کر مٹی میں انکسیر کر جاتا ہے وہ ایسی قریب کے قریب دیکھا جاتا ہے کہ  
 عورتوں کے متعلق حسن کہہ رہی ہو جس پندہ میں اس کا پاکیزہ مذاق کتا بلند اور ستر ہوگا نیک تاروں  
 کے کھیلنے والے اس چند خوس کو آگے کس میں جرات ہے جو ہر جاگرتا کے جس انجی چرائی واری پریشان  
 ہے لباس کو وہ زیبائی اور دینی فعل کا نام دے رہے ہیں۔ دین کے سب سے بڑے علم صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی نظر ہمارے دیکھنے والے دینی کا حکم سے شمار ہوتی تھی۔ لیکن ان کے اند میں امام انکسیر  
 کے ذکر ہے کہ

ماکان فی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 فی المسجد فدخل رجل شاعر  
 حواس واللبیۃ فاشار علیہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم بید کا کہ  
 یا صر یا صلاح شعر ولبیۃ  
 ففعل شعر وجمع فقال صلی اللہ  
 علیہ وسلم لیس صلی اللہ علیہ وسلم  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبر میں تھے اپنے  
 میں ایک عورتی رانٹل ہوا جس کے بعد اور دوسرے  
 کدال لکھے ہوئے پریشان تھے۔ آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا دھکے لگائے  
 فرمایا کہ اسے علم دے رہے ہیں کہ اپنے  
 وال اور دوسری کو درست کر کے اس شعر  
 نے تہہ پہن کیا اور دوسری پر کیا حضور



تعمید اللہ کا تک قراء فان لکے  
قراء خانہ برکات۔

کے اعزاء میں کی گئی ہے۔ اس طرح سے ہر ایسی خیال کی تجدید چاہی کہ اور اسی بنیاد پر سمجھا جائے کہ کائنات میں سمندر کا پانی ہے جسے عام محاوروں میں سورف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ لیکن اس حضرت علیؑ علیہ السلام کا یہ قول اگر واقعی حضرت علیؑ علیہ السلام کو نقل ہے یعنی،

عربی کارستانوں کا  
حقیقہ خدا کا محبوب پر  
عربی ۱۰ جلد ۱۰۰ روپے  
عربی ۲ جلد ۲۰ روپے

طوبی الخیرم و...

تو میں نہیں سمجھتا کہ مسلمان مساعروں اور کارکنوں میں جو لوگ اپنے اپنے مسوغات اور اپنی اپنی دشمنیاں ہیں، اس لئے ان کا ہواستواری مناسب و ضرورت پیدا کرتے ہیں کہ ان کا خدا ان کے اس فعل کو صحیح و نیک سمجھتا تو جس کاروں کے اس گروہ کو بھی سمجھتے کہ اس میں اتنا سے کچھ محدود رکھا جاسکتا ہے، اور کیا تو یہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ اپنے مانتے والوں کے لئے مستحیبت کا ایسا نظام پیدا کیا ہے کہ اس طرح کے مابین غرض کی پوری حالت کے ساتھ جو دین و امامت زندگی بسر کریں گے۔ ان کے لئے کوئی حکم یا

[illegible]

اسلام الامام العقیلی حضرت جید اللہ بجا مسعود رضی اللہ عنہ جبرہ فرمایا کرتے تھے کہ  
 ہاں لا کرمہ اے ارحم الراحمین فاروق  
 لافی عن اللہ یا ولای فی الاخرۃ۔  
 (فتح النعمان)  
 میرا اس کو پسنے کا پند کہتا ہوں کہ آج کل کا خلیفہ  
 دیکھوں امین دینا کے کسی کام میں شغل  
 اور نہ آخرت کے کام میں۔

(محمد انصاری)

اور ذرا غصہ کے ساتھ۔

غلبہ اس کا بھی مطلب تھا کہ اسلام نے مسلمانوں کی اصل زندگی کا جو دستور اور رائج بنا دیا ہے اس پر ہم کی طرف سے غلبہ غاصبہ نہیں کیے گئے کوئی بگ نہیں ہے، لیکن آؤ کہہ دیتے ہیں کہ جیسوں کے سامنے آج بھائی ہے جیس کے حکام اور وفات میں قراحت کے مسائل میں کہ کوئی دوسری گنہگار نہیں رہی مسلمانوں کی تاریخ ابدی اور فرصت کے اسی عجیب و غریب ذوق کا یہ نتیجہ ہے کہ خدا کا دو تہا اختیار کی حضور میں کاہلی کے پیغام اور بے عملی کے ناکام کے نام سے بلا خدا نام ہو کر ہا جیس کی گزر چکا کہ ابتداء فضل و اشراف یا معاشی جہد جہد میں مسلمانوں کے قدم و دروں سے کسی طرح نہیں۔ سورۃ فرق میں ایک مستقل فرض نماز کی فرضیت بلکہ کہ منورہ کر دینا گوارا کیا گیا تھا۔ کہ اگر آپ تنہی کو فراموش کی اس حدیث پر مٹا کیے اعتراض جو جس میں ہے کہ آپ صحابی نے حضور علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا پیشہ اور گھر دوسرا مذہب ہے، جنگوں اور یہاں بڑی میں رہنے کی بات کیا نماز یا جماعت کی سعادت سے میں محروم رہتا ہوں ایسے مشق کی حکم ہے، تو کہ جماعت کی کیا جس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کہوں میں کہ گھما دینے بلکہ کی دھکی دی تھا اور ایک دینہ صحابی کی سب آیتوں کے عذر کو پیش کرتے ہوئے چاہا تھا کہ جماعت کی حاضری سے مستثنیٰ کر دیئے جائیں، تو یہ رافت کو سننے کے بعد کہ اذان کی آواز تھا کہ گھر تک پہنچتی ہے، صحابی نے ان بات میں جواب دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلا اذان (یعنی تو اسی صورت میں تم مستثنیٰ نہیں ہو سکتے) فرمایا تھا آؤ ایک معاشی عذر کے پیش کرتے ہوئے کہی بات ہے۔ خدا کا وہی رسول و مولا ہوں اٹھا پر اور سلام ہو۔ اٹھا پر کیا اور خدا فرماتے ہیں۔

قسمت منی، ملکات قبلی  
چون کعبه یسما و رطله العید

بیت اجماع خدیو، جمیع پیران  
گنبد، سبک سب سنگر کوفت خدیو

۱۲  
 ۱۳







یہاں اس وقت خاک و خون میں سے ایک بڑی جھٹ سے بھی شکر کر رہے ہیں کشت و خفہ و صحت کا اتنا ذمہ بھاری ہے کہ ان کی فکر میں اس کا گھنٹن آسان ہو گیا۔ چنانچہ تامل سے چھٹی چھٹی کڑیوں کے ہلنے پر گام دو جا رہے ہیں کہ ان کی کھڑنے سے قوت کے ایسے لباس کے تیار ہو جائے گا کہ ان پہاڑ اور کوسوں طرح عید انسانی پرستی اور ادا کی پڑے جوت ہو کر پٹ جاتے ہیں۔ یہی کیفیت..... اس لباس میں بھی پیدا ہو گئی۔ قرآن میں یہ صحت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی

و اقل له اقلید ان اصل ما جلت  
 وقتہ رقی الصدا  
 (سورۃ صافات ۱۲)  
 اور تم کو دیکھو کہ تم نے اداؤں کے لئے کیا کیا  
 ہاں یہ وہ ہیں جو ہر وقت پرست ہیں کہ انہیں خدا کا  
 ہر لمحہ دیکھ کر شکر و تحسین کا غانہ گانے کے ساتھ  
 جاری کر دیں گے۔

قرآن کے ضمنی | جیسا کہ میں بار بار اس پر تنبیہ کرتا چلا آیا ہوں کہ قرآنی زیادہ دست کوئی حاشی کن ہے تاہم حضرت  
 احقر کی اہمیت | و حروف و زیادہ دست کا ہر بحث اس کے حقیقی مقاصد میں داخل ہیں لیکن حاشیہ قرآن میں اس  
 پر کارواں آگیا ہے یعنی وہ قرآن ہی کی چیز ہے اہم مسلمانوں میں اپنی آسانی کن کی شخصیت کا وہ روح بھر مشرب ایک

وہ حال ہی اور حرکت کو بھی پھر حرکت کی اور کارواں کر کے جوئے آگے بڑھ گیا ہے کہ اس کی چند پٹوں کے بعد لگے بھی آدمی  
 اس کے گناہوں میں پیدا ہوا۔ لگے کہ وہ بڑھ رہا ہے۔ میں نے اس کی وجہ سے کہ تم کو قرآن میں قرآن اور ہر روز قرآن کا پنا  
 اور لگے کہ وہ بڑھ رہا ہے۔ میں نے اس کی وجہ سے کہ تم کو قرآن میں قرآن اور ہر روز قرآن کا پنا  
 ات اور کئی کئی کے گناہ اور تیرا بڑھ رہا ہے۔ میں نے اس کی وجہ سے کہ تم کو قرآن میں قرآن اور ہر روز قرآن کا پنا  
 سنگ و پانی نہ لے کر پھر وہ بڑھ رہا ہے۔ میں نے اس کی وجہ سے کہ تم کو قرآن میں قرآن اور ہر روز قرآن کا پنا  
 رات کے بعد نہ لے کر پھر وہ بڑھ رہا ہے۔ میں نے اس کی وجہ سے کہ تم کو قرآن میں قرآن اور ہر روز قرآن کا پنا  
 ایک وقت میں ہی نہ لے کر پھر وہ بڑھ رہا ہے۔ میں نے اس کی وجہ سے کہ تم کو قرآن میں قرآن اور ہر روز قرآن کا پنا  
 سب سے بڑھ رہا ہے۔ میں نے اس کی وجہ سے کہ تم کو قرآن میں قرآن اور ہر روز قرآن کا پنا  
 یہ وہ حال ہے کہ جس میں بڑھ رہا ہے۔ میں نے اس کی وجہ سے کہ تم کو قرآن میں قرآن اور ہر روز قرآن کا پنا  
 اور کئی کئی کے گناہ اور تیرا بڑھ رہا ہے۔ میں نے اس کی وجہ سے کہ تم کو قرآن میں قرآن اور ہر روز قرآن کا پنا  
 فریب مول سے۔ میں نے اس کی وجہ سے کہ تم کو قرآن میں قرآن اور ہر روز قرآن کا پنا  
 اپنی حدود سے بڑھ رہا ہے۔ میں نے اس کی وجہ سے کہ تم کو قرآن میں قرآن اور ہر روز قرآن کا پنا  
 شکوہ و غصہ اور بہت شایان ہے۔ میں نے اس کی وجہ سے کہ تم کو قرآن میں قرآن اور ہر روز قرآن کا پنا  
 فعل کے لئے کہیں ہر حال میں ہے۔ میں نے اس کی وجہ سے کہ تم کو قرآن میں قرآن اور ہر روز قرآن کا پنا  
 فعل ہاں میں کوئی بھی ہوگا۔ میں نے اس کی وجہ سے کہ تم کو قرآن میں قرآن اور ہر روز قرآن کا پنا  
 مشکل جو ہے۔ میں نے اس کی وجہ سے کہ تم کو قرآن میں قرآن اور ہر روز قرآن کا پنا

یہاں اس وقت خاک و خون میں سے ایک بڑی جھٹ سے بھی شکر کر رہے ہیں کشت و خفہ و صحت کا اتنا ذمہ بھاری ہے کہ ان کی فکر میں اس کا گھنٹن آسان ہو گیا۔ چنانچہ تامل سے چھٹی چھٹی کڑیوں کے ہلنے پر گام دو جا رہے ہیں کہ ان کی کھڑنے سے قوت کے ایسے لباس کے تیار ہو جائے گا کہ ان پہاڑ اور کوسوں طرح عید انسانی پرستی اور ادا کی پڑے جوت ہو کر پٹ جاتے ہیں۔ یہی کیفیت..... اس لباس میں بھی پیدا ہو گئی۔ قرآن میں یہ صحت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی

و اقل له اقلید ان اصل ما جلت  
 وقتہ رقی الصدا  
 (سورۃ صافات ۱۲)  
 اور تم کو دیکھو کہ تم نے اداؤں کے لئے کیا کیا  
 ہاں یہ وہ ہیں جو ہر وقت پرست ہیں کہ انہیں خدا کا  
 ہر لمحہ دیکھ کر شکر و تحسین کا غانہ گانے کے ساتھ  
 جاری کر دیں گے۔

قرآن کے ضمنی | جیسا کہ میں بار بار اس پر تنبیہ کرتا چلا آیا ہوں کہ قرآنی زیادہ دست کوئی حاشی کن ہے تاہم حضرت  
 احقر کی اہمیت | و حروف و زیادہ دست کا ہر بحث اس کے حقیقی مقاصد میں داخل ہیں لیکن حاشیہ قرآن میں اس  
 پر کارواں آگیا ہے یعنی وہ قرآن ہی کی چیز ہے اہم مسلمانوں میں اپنی آسانی کن کی شخصیت کا وہ روح بھر مشرب ایک



















ساحی منافع حاصل کرنے کا ایک بہتر اور ایسا کام ہے جس سے ہر فرد کو فائدہ پہنچے جسے اپنی دولت سے اسلام کے نادان دوست چست گماہوں کی انگلیوں میں نہ دے رہے ہوں۔ یہ ایک قسم کے صنعت اور دستی کار اور اسلامی تعلیمات سے کر رہے ہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا، میرے نزدیک اس سے اسلام کی بنیاد اور مقصد چست نہیں بلکہ زور اور مست ہوتی جا رہی ہے۔ آخر جب اپنی اعراض کو آدمی دوسرے بہتر طریقے سے زیادہ بہتر شکلوں میں حاصل کر سکتا ہے، جب تک کہ کثیروں سے خزانہ کی جماعت کا ۱۱۰۰ سالہ کافر رسول سے مجدد و بقرعہ کی نازلہ کا نسخہ حاصل کر سکتا ہے، تو خواہ مخواہ ایک ہر چھٹی شکل کو چھوڑ کر ان ہی دینی اعراض کے لئے ان فرسودہ پرانی شکلوں کے اختیار کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ جب حال کے مروجہ انصاف و عینیت اور کثیر کے منہ زبانی اور فراموشوں میں نکلتے ہیں تو اس کا لفظ کثرت کو وہ جہان کے نیچے ہونے کی جگہ پر انصاف و عینیت میں منتقل کر کے شرک کی راہوں میں روکا دیتا، ان کے تمام میں خواہ مخواہ خلل کیوں پیدا کرے گا۔

پھر ممال میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ کوئی عیسیٰ ذاتی دے یا میرے دماغ کا کوئی خود تریشہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کو اور صرف اسی کو پیش کر دینا چاہتا ہوں جس کی اشارہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود واضح الفاظ میں تشریح کی ہے۔ اس باب میں قرآنی آیات کا جو مجموعہ ہے، سب سے قبل قرآن کریم کے شانہ بشہادہ کے لئے یہ تذکرہ کر کے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ جو یہی اسلام کی خالص دینی عناصر شمار ہوتی ہیں، ایک ایسی چیزیں ہیں، ان کی کوئی سیاحتی اور منافی منافع کے عناصر میں نہ گن لئے نہ نہیں قرآن پر ایک ہے، شکار و ہر گز

اسماں وزمین کی برکتیں | ولہذا احسن الخیرات | اور ایسا ان وقتوں کی | ولہذا احسن الخیرات | برکات میں سے ہے (۱۱۰۰ سالہ)

جس کا یہ کسی تادیب و توجہ کے مرتبہ مطہر رہی ہے کہ اس میں وزین کی برکتیں جو چاہے ساحی فراموشی کی دوسری تعبیر ہے، ہم ان کو ایسا وقتوں کی قوت سے ہی حاصل کر سکتے ہیں، ان برکات سے انسان زندگی کتنی شگرت و پاک و شگرتی جو جاتی ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں جس کا نام حیات ہے۔ وہ یہ کیا جاتا ہے، ہر روز اور صورت کو منطبق کر کے

حسن حال مسلمانوں کو ذکر اور انفاق و خیر | مؤمنانہ خیرۃ خیرۃ | (مفسرین)

تخصیص کے لئے ہم تمام اور مشرق و جنوب سے دوسرے میں جتنی وقت کی طاقت بھری گئی ہے، اس کا آغاز وہی کر سکتے ہیں جو عربی زبان میں جانتے ہیں، صاف صاف کھلے کھلے الفاظ میں اس وقت کا اعلان کیا جاتا ہے کہ شکل کشائی | من یقن اللہ یصلیٰ لہ العز جاو | (مفسرین)

۱۸۱ مساجد  
تکلیف کش حیات کی دھڑکیوں کو تقویٰ سے مل کر باہر نکال دے۔ ایسی روزی و انفاق جس کے ذرائع کا پہلے سے احاطہ لگے ہو، جو اعراض قرآن کی ایسی باتیں ہوں

انا انصر مسلک اللہ فی ہذا فی | ہم قضاہ کر دیتے ہیں اپنے رسول کی ہر بات | (مفسرین)

ان اللہ فی قلوبہما جہا اللہ شہر | ہر دو لوگوں کے دل میں ایک جہاں ہے | (مفسرین)

ایمان والوں کو زمین پر کفر والوں | فادویٰ لینے | کے مقابلے میں بسایا جائے گا | (مفسرین)

پھر جس زمین (اور اس کے مشن) پر وہی کر سکتے ہیں، وہ اس کو اپنی زندگی والی زمین قرار دے۔ اس میں ایک ہے کو حق تعالیٰ کے مقام اور خدا کی حکیموں سے جو جی دے گا، وہی کر سکتے ہیں، بسایا جائے گا۔ مشن یا تہذیب میں بھی جنت ہی نہیں زمین میں بھی تکون کا وہی ایمان والوں سے کیا گیا ہے، بشرطیکہ قرآن کی اس شہادہ کو بوجہ نہ لیا جائے۔ قرآن ہی میں خلافت کی پالی ہے کہ تقویٰ سے اس ساحی سہولت کو چاہے حاصل کر سکتا ہے، بلکہ قرآن کی آیت

الذین امنوا وکانوا یتقون | ہم ایمان لائے اور وہی کر سکتے ہیں | (مفسرین)

جو قرآن میں آتا ہے، اور تقویٰ کو اس کی مناسبت کے ساتھ ساتھ دینا ہی اس کا پہلا عمل ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو اپنا ایک ایسا گمان ایسا بات کیا ہے کہ وہی کر سکتے ہیں، بسایا جائے گا۔ مشن یا تہذیب میں بھی جنت ہی نہیں زمین میں بھی تکون کا وہی ایمان والوں سے کیا گیا ہے، بشرطیکہ قرآن کی اس شہادہ کو بوجہ نہ لیا جائے۔ قرآن ہی میں خلافت کی پالی ہے کہ تقویٰ سے اس ساحی سہولت کو چاہے حاصل کر سکتا ہے، بلکہ قرآن کی آیت

چرا ہے اور جو قوتیں اور طاقتیں ہمارے اندر پیدا ہو رہی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ قرائی ان کے متعلق صرف یہی علم نہیں تھا کہ ہمارے کوئی سب کی تکلیف اور ان سب کے عمل پر دانش کا مطلق حق تھا ان کی تنہا قوت مبارک اور صحت اسی کے مدد و قہر سے ہے بلکہ اس نے تو بار بار اس کا یہی اعلان کیا ہے کہ اس عقلی قوت کے علم و حقیقت کا تصور ہر اس غلطی سے کہ غلط ہو جائے گا جس سے یہ پوچھا جائے کہ میں سب کا پیدا کرنے والا ہوں ہے۔ (قرآن کی اسی سوالی کو یہی دریافت کرنے کا حکم دیتا ہے۔)

وَلَقَدْ سَأَلْتَهُم مِّنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ

یعنی آسمان و زمین کے حکم کے متعلق اگرچہ سب کے کسی کو کسی نے یہ پوچھا کہ ہر خود بخود پیدا ہے۔

یہوای سوال کو خدا دست دے کر یوں دریافت کر آیا ہے۔

وَلَقَدْ سَأَلْتَهُم مِّنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ

یعنی اس حکم کی تحقیق یہی نہیں بلکہ آقا اب ہمارے اس دشمن و حواری سے اسی طرح آج آپ ان کی روشنی سے جو فائدہ پہنچا ہے سب سے بہتر ہے، یہی وہ کلمہ کہ ہمارے، خود دیتا ہے کہ جواب میں وہی۔

یہوای سوال کو خدا دست دے کر یوں دریافت کر آیا ہے۔

وَلَقَدْ سَأَلْتَهُم مِّنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ

یعنی صرف عقلی اجرام کے متعلق ہی نہیں بلکہ سمندر و آسمان سے اجڑے بنا کر پانی کا پڑا پتھر کہہ کے یہوای کو بارش کی شکل میں کچھ تو انہی بارش میں پہنچاتا اور وہ زمین کو اس سے جو ہر سال نئی زندگی بخشی ہے سارا معاشی کا مددگار کی بنیاد دے رہا ہے، تو ان حقیقت و حقائق کے اس سوال کے جواب میں وہی۔

یہوای سوال کو خدا دست دے کر یوں دریافت کر آیا ہے۔

وَلَقَدْ سَأَلْتَهُم مِّنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ

یعنی صرف عقلی اجرام کے متعلق ہی نہیں بلکہ سمندر و آسمان سے اجڑے بنا کر پانی کا پڑا پتھر کہہ کے یہوای کو بارش کی شکل میں کچھ تو انہی بارش میں پہنچاتا اور وہ زمین کو اس سے جو ہر سال نئی زندگی بخشی ہے سارا معاشی کا مددگار کی بنیاد دے رہا ہے، تو ان حقیقت و حقائق کے اس سوال کے جواب میں وہی۔

یہوای سوال کو خدا دست دے کر یوں دریافت کر آیا ہے۔

اسی مسائل میں کہ جو قوتیں اور طاقتیں ہمارے اندر پیدا ہو رہی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ قرائی ان کے متعلق صرف یہی علم نہیں تھا کہ ہمارے کوئی سب کی تکلیف اور ان سب کے عمل پر دانش کا مطلق حق تھا ان کی تنہا قوت مبارک اور صحت اسی کے مدد و قہر سے ہے بلکہ اس نے تو بار بار اس کا یہی اعلان کیا ہے کہ اس عقلی قوت کے علم و حقیقت کا تصور ہر اس غلطی سے کہ غلط ہو جائے گا جس سے یہ پوچھا جائے کہ میں سب کا پیدا کرنے والا ہوں ہے۔ (قرآن کی اسی سوالی کو یہی دریافت کرنے کا حکم دیتا ہے۔)

یہوای سوال کو خدا دست دے کر یوں دریافت کر آیا ہے۔

وَلَقَدْ سَأَلْتَهُم مِّنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ

یعنی صرف عقلی اجرام کے متعلق ہی نہیں بلکہ سمندر و آسمان سے اجڑے بنا کر پانی کا پڑا پتھر کہہ کے یہوای کو بارش کی شکل میں کچھ تو انہی بارش میں پہنچاتا اور وہ زمین کو اس سے جو ہر سال نئی زندگی بخشی ہے سارا معاشی کا مددگار کی بنیاد دے رہا ہے، تو ان حقیقت و حقائق کے اس سوال کے جواب میں وہی۔

یہوای سوال کو خدا دست دے کر یوں دریافت کر آیا ہے۔

وَلَقَدْ سَأَلْتَهُم مِّنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ

یعنی صرف عقلی اجرام کے متعلق ہی نہیں بلکہ سمندر و آسمان سے اجڑے بنا کر پانی کا پڑا پتھر کہہ کے یہوای کو بارش کی شکل میں کچھ تو انہی بارش میں پہنچاتا اور وہ زمین کو اس سے جو ہر سال نئی زندگی بخشی ہے سارا معاشی کا مددگار کی بنیاد دے رہا ہے، تو ان حقیقت و حقائق کے اس سوال کے جواب میں وہی۔

یہوای سوال کو خدا دست دے کر یوں دریافت کر آیا ہے۔

وَلَقَدْ سَأَلْتَهُم مِّنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ

یعنی صرف عقلی اجرام کے متعلق ہی نہیں بلکہ سمندر و آسمان سے اجڑے بنا کر پانی کا پڑا پتھر کہہ کے یہوای کو بارش کی شکل میں کچھ تو انہی بارش میں پہنچاتا اور وہ زمین کو اس سے جو ہر سال نئی زندگی بخشی ہے سارا معاشی کا مددگار کی بنیاد دے رہا ہے، تو ان حقیقت و حقائق کے اس سوال کے جواب میں وہی۔

یہوای سوال کو خدا دست دے کر یوں دریافت کر آیا ہے۔

وَلَقَدْ سَأَلْتَهُم مِّنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ وَخَلَقَ لَهُمْ مِنْ خَلْقٍ مَّا سَوَّاهُ

یعنی صرف عقلی اجرام کے متعلق ہی نہیں بلکہ سمندر و آسمان سے اجڑے بنا کر پانی کا پڑا پتھر کہہ کے یہوای کو بارش کی شکل میں کچھ تو انہی بارش میں پہنچاتا اور وہ زمین کو اس سے جو ہر سال نئی زندگی بخشی ہے سارا معاشی کا مددگار کی بنیاد دے رہا ہے، تو ان حقیقت و حقائق کے اس سوال کے جواب میں وہی۔



اسی مانت  
جس کا محل اس کے سر اور دیکھا ہے کہ دنیا کا ایسا ہے برا کام شخص صوبی مملکت اور حکومت اور چھوٹے چھوٹے کام  
نہی اور وہی جس میں چھوٹیاں اور بڑے کوڑے ہی ہمارے خریک ہیں اکام کے یہ دونوں سے برا اور راست حق خدائی  
کی کیفیت اور ارادہ کے ساتھ بندے جسے میں اور کس طرح بندے ہونے میں

ما یفصح والله لنا من رحمة  
فلا تمسک لھا وما یسک فظہر من  
لہ من بعدہ۔  
جو کہ کوئی ہے خدا کوں کے لئے رحمت کے  
دشمن سے اور نہیں چوکی اور نہ اس کا دشمن  
مکمل شدہ اور نہیں ہے کیجئے اور اس پر نہ  
اس کے بند کوئی۔

یعنی چنی چنت کیسے خدا نے کوئی برادار سے اس سے خدا کوئی کوئی دوسری قوت پر اسے بند نہیں کر سکتی  
اور جسے نہ کہ دے کوئی دوسرے اس کی طرف کسی حال میں کوئی نہیں مکت جب فیروزہ چہرہ میں کسی سونم چوکی چوڑا  
جس سے ہم قطع احساں کرتے ہیں) سب کی سب اس کی منتی میں احدیہ میں بندہ تو بتایا جائے کہ اسی فیروز کا  
اس کی طلب میں قرآن کے حکم  
خاتون حضرت علیہ السلام (عکرت ۲)  
پس میں خود اس کے پاس روزی کو۔

اور  
وہو الله من فضله (۱۰۸۰)  
اسی کو شہد سے اس کے فضل کو۔  
کی مثال کہتے ہیں جس کے پاس ایڑہ ہے اس سے اگر اس ایڑہ کی گت ہے تو بتایا جائے کہ حق و دانش حکمت و دانائی  
کس پاس کے سوا ادیک اقتدار ہو سکتا ہے اور یہ نزدیک تو سادھی حد چھ کے سنے میں عمل کا پہلا طریقہ کہ کوئی عقل  
تدبیر سے تو درمیان میں سے ہی زیادہ عقل تدبیر کہلاتے کا مستحق ہے۔

دعائی تدبیر کی  
کیا بانی و کا مانی  
ہے عقل پر یا آفرین دانی و حاشا کوئی نہ دیکھنے اختیار نہیں ہے اور دنیا اقتدار ہی جو کے اقتدار میں  
نہیں ہے جب ان میں کسی کے اندر کوئی کو اختیار و اقتدار کا کہ سوزن ہے خدا کی حکومت کا ہم میں کوئی ہے یا  
یا حاکم جو ہمارے ہے بلکہ خود ہمارے مصلحتیں کو ہی کہ اپنے ناشی اختیار پر کامل اختیار ہم تھے۔ بہر حال اس ناشی اختیار  
و اقتدار کے مقابلہ کو کہ جب دیکھا جائے کہ مسلسل ناشی اختیار کے باوجود وہی یا مانگا ہوا ہے اور خواستوں کا  
تانت نہیں تو خدا ہزار و ہزار مرتبہ چمکتا ہے وہ ایک ہزار ایک کے بعد متوالی کی توقع کرتے ہوئے وہ خواست  
دینے سے نہیں گھبراہٹا چہرہ میں نہیں آتا کہ جو حکومت نہیں حاکم ہے نہ ہی نہیں قبضہ ہے، جاہل نہیں حاکم ہے، نہ  
صاف نشو و نما میں کہے کہ جو بندہ نہیں خواہے۔ اگر کسی بندے کی کسی خواست کو کسی وقت نہیں قبول فرما دیا جائے کہ  
جہل کا اپنے علم کو نہیں بتا تو فرم کیے باوجود کیا جاتا ہے کہ جس کے اختیار میں سارے جہان کے اختیارات اور  
کے اقتدار کے ساتھ سارے جہان کے اقتدارات ملے جیسے ہیں۔ بندے کے کسی صلاح کا پر کار تا اس کے اختیار  
سے ایسا ذرا ضرر نہ ہے۔

کس قدر عجیب ہے کہ اپنی رحمت سے ایسے ہونے والوں کو جو کافر قرار دیتا ہے۔ انہ کے ہی ہندوں سے  
ہونے نہیں۔ بلکہ خدا کے بندوں سے کہیں ایسے نہیں ہوتے۔ ان سے کوئی کہے کہ اگر اس دنیا پر تم نے اپنے غفلت  
خدا کا پ کو بندہ کے لئے ایسے بنائیں ان کے لئے تو کہہ دت کہ

لا یش من راجع والله الا حقہ  
انہ صافروں۔  
نہی، ایدہ جونا کی اس کی رحمت سے کہ  
جو کہ داتے ہیں۔

دعا و دعا  
جس کا یہی مطلب ہے کہ اگر کوئی میرے عزیز کوئی حق خدائی کی رحمت سے ایسے نہیں ہو سکتا دیگر لوگوں  
کی منتی ہے | براہیوں و اسلام کے دعویٰ کے بعد ہی اس کی رحمت سے تائید ہر کہ دعا و مستغاثہ کا شکار حیات  
کی راہ میں ایسا نہ ہو جس کی عقل منتی کی فکر خدا کے کی جہالت کر جائے ہیں۔ علانیہ کہ میں کہ دعاؤں سے کہ جتنا ہو  
خود ہو کہ ہے گا۔ زیادہ سے زیادہ اس کا کہ خدا کو ہر سکتے ہے قریب کہ اضطراب و بے چینی کی حالت میں ہی کہ  
خدا کے قوت اور علم کی شکل نہ جاتی ہے۔ اور خیال کس فیاد پر قائم کر لیا گیا کہ بعض اس نے کہ دعا کی کئی تھی  
تھی نہیں ہوتی اس لئے حصول مقام خدا کی اس تدبیر کی تاثیر کی کا انہوں نے انکار کر دیا جہاں جس وقت  
ہو اسے اسی وقت اس شکل میں ہوتی ہے جائے۔ دعا کا مطلب جنہوں نے نہ سمجھا ہے میں نہیں سمجھتا کہ اس وقت  
کہ دعا ہی باقی رکھا اور اس کو کار براری کی کوئی ایسی مشین یا آلہ فرض کریں جس کا کہنے اس کے دل و دماغ اور  
نہ اس میں لگا ہوا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ اور اس کے کہے کو دیا یا جائے۔ اور چاہتے ہیں کہ ان کا دل ان کے مطلب کو  
کے لئے مانے تاکہ اگر کہے، بعضوں کو قرآن کی آیتوں

ایضاً دعوة الذی اع اذاع علی  
(۱۰۸۰)  
جواب دے ہوں میں پکارا کہ تم نے صاحب  
چنا کہ ہے نہ ہے۔

دعویٰ اس عجیب لکھ (۱۰۸۰)  
یہ کہہ دیجئے میں جواب دوں گا قرین۔  
یعنی دعائی آیتوں  
کے خلق خدا نہیں  
و غیر سے ہی شہد و شہادت و اہانت کا ترجمہ ہوتا ہے جواب دینے کے لئے  
لے جا چکا ہے اس کا قبول کرنا خدا جلے کس لغت کی بنیاد پر فرض کر دیا خدا کی رحمتوں  
مستحق کہہ دے وہاں کے مقابلہ میں وہ شہادت فرمایا گیا ہے کہ ان کے ہرے گونے وہ وہاں میں ہر وہاں پہنچے  
و خدا کی پکار و دعائی کو سنتے ہی نہیں تو جواب کی دہریں گے لیکن جس کی ذات پر تو خدا ہی و قہر سب کو عیب  
کتنے بے ہوش ہوا کیا پکارنے داتے کہ کھتا جواب دیتا ہے، لیکن پکارنے والے ہر کہہ مانگتے ہیں اسے ہی کہ وہی  
و مطلب میں آیتوں کا کہ اس سے یہ لگتا۔

تدبیروں کی بھی  
ہو جائے نہیں ہوتی  
کہ حق خدائی نے انکار فرمایا۔ خود خدا دنیا و اطرین علیہ صلوٰۃ علیہم کہ قرآن ہی میں فرمایا گیا  
کہ انہ کی خدمت کی درخواست اگر آپ سزا ہی پیش کریں گے تو اسے مستند نہیں کر سکتا۔ حدیث میں بھی ہے کہ



مسلمانوں کے باہمی جنگ و قتال کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا و فرماں کر اس سے ایسی کھٹکھٹک جانیے لیکن، مشکور ہوئی۔ سب جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت کا وعدہ ہو چکا تھا، مگر باوجود وعدہ کے بعض افسوس کے کہ خدا شراپے بندہ نہیں ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں۔ وہ سب سے خفی ہے، کیا محرم کا ایذا و جرح کہہ کیا جائے گا کہ کس حال میں کیا جائے گا۔ گناہ کے وعدوں پر سب سے زیادہ بھروسہ کرنے والی جنتی کو یہ ایسا بد چر و بیکار کیا تھا کہ مرنا کہ پر پڑا ہوا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ

جنگ بد میں آنحضرت	تاکت پر مہل و شہلا	زمین کے ہر ایک لٹائی پھرا کر دیکھ لیا
صلعم کا دعائی اضطراب	مکمل تم جنت ناخدا و صل	کوئل خشری اضطراب کی بے بسی دے نہ
خدا صلی اللہ علیہ وسلم جنت فی جہود	خدا صلی اللہ علیہ وسلم جنت فی جہود	خدا صلی اللہ علیہ وسلم جنت فی جہود
یاسی و یاقوت فرحت فضا کتک تم جنت	یاسی و یاقوت فرحت فضا کتک تم جنت	یاسی و یاقوت فرحت فضا کتک تم جنت
خیرین تہ کن لک (فتح ابھاری)	خیرین تہ کن لک (فتح ابھاری)	خیرین تہ کن لک (فتح ابھاری)

جس سے سر اٹھایا جا تا ہے آسمان کی طرف اتھاڑے ہوئے ہیں، تو یہ لٹکا کا ہوش باقی نہیں ہے، عرش سے چاند مبارک ٹھٹھک کر گر گئی ہے، لیکن کال انہماک و استغراق دول کی سادگی قوت و کرم و اعزاز و امل کے ساتھ نمایاں ہوا کہ پیر افتخار جاری ہیں

اللہ صافی الشکر ک جہاد ک وعدہ ک	اللہ صافی الشکر ک جہاد ک وعدہ ک	اللہ صافی الشکر ک جہاد ک وعدہ ک
اللہ صافی الشکر ک جہاد ک وعدہ ک	اللہ صافی الشکر ک جہاد ک وعدہ ک	اللہ صافی الشکر ک جہاد ک وعدہ ک
اللہ صافی الشکر ک جہاد ک وعدہ ک	اللہ صافی الشکر ک جہاد ک وعدہ ک	اللہ صافی الشکر ک جہاد ک وعدہ ک
اللہ صافی الشکر ک جہاد ک وعدہ ک	اللہ صافی الشکر ک جہاد ک وعدہ ک	اللہ صافی الشکر ک جہاد ک وعدہ ک
اللہ صافی الشکر ک جہاد ک وعدہ ک	اللہ صافی الشکر ک جہاد ک وعدہ ک	اللہ صافی الشکر ک جہاد ک وعدہ ک

وعدہ کے باوجود وہ ادور ہوئی نصرت کو جس بے گلی اور اضطراب سے کچھ وجہ ظاہر ہوا ہے کہ جنتی حضرت جبریل علیہ السلام و رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

ما سبعتا منا شدا انشد منا لہ	ما سبعتا منا شدا انشد منا لہ	ما سبعتا منا شدا انشد منا لہ
شدر منا شدا من محمد قریبہ	شدر منا شدا من محمد قریبہ	شدر منا شدا من محمد قریبہ
دخ ابھاری	دخ ابھاری	دخ ابھاری
لک کے تھوڑے پس تو شے دانے کو دیکھ دیکھ کر سروں سے نہیں ہلکا ہوا کہ ہار کا میاں ہے	لک کے تھوڑے پس تو شے دانے کو دیکھ دیکھ کر سروں سے نہیں ہلکا ہوا کہ ہار کا میاں ہے	لک کے تھوڑے پس تو شے دانے کو دیکھ دیکھ کر سروں سے نہیں ہلکا ہوا کہ ہار کا میاں ہے
فلنذ ابھ کرید لوقال حبیک	فلنذ ابھ کرید لوقال حبیک	فلنذ ابھ کرید لوقال حبیک
ادیک باکوس ہے اپن کے لئے	ادیک باکوس ہے اپن کے لئے	ادیک باکوس ہے اپن کے لئے

اسی کی تفصیل سلم جہاد کے

فاتح ابھ کرید لوقال حبیک	فاتح ابھ کرید لوقال حبیک	فاتح ابھ کرید لوقال حبیک
خفی منکبہ شدر لقرنہ من درر شہ	خفی منکبہ شدر لقرنہ من درر شہ	خفی منکبہ شدر لقرنہ من درر شہ

وقال یا نبی اللہ فانہ سینجز لک  
وہیصل ک۔

وہیصل کیا تھا، اس کو توہم رہی پڑی ہوئی مگر باوجود وعدہ کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی کھٹکھٹک جانیے لیکن، مشکور ہوئی۔ سب جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت کا وعدہ ہو چکا تھا، مگر باوجود وعدہ کے بعض افسوس کے کہ خدا شراپے بندہ نہیں ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں۔ وہ سب سے خفی ہے، کیا محرم کا ایذا و جرح کہہ کیا جائے گا کہ کس حال میں کیا جائے گا۔ گناہ کے وعدوں پر سب سے زیادہ بھروسہ کرنے والی جنتی کو یہ ایسا بد چر و بیکار کیا تھا کہ مرنا کہ پر پڑا ہوا ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ

جنگ بد میں آنحضرت  
صلعم کا دعائی اضطراب  
خدا صلی اللہ علیہ وسلم جنت فی جہود  
یاسی و یاقوت فرحت فضا کتک تم جنت  
خیرین تہ کن لک (فتح ابھاری)

جس سے سر اٹھایا جا تا ہے آسمان کی طرف اتھاڑے ہوئے ہیں، تو یہ لٹکا کا ہوش باقی نہیں ہے، عرش سے چاند مبارک ٹھٹھک کر گر گئی ہے، لیکن کال انہماک و استغراق دول کی سادگی قوت و کرم و اعزاز و امل کے ساتھ نمایاں ہوا کہ پیر افتخار جاری ہیں

وعدہ کے باوجود وہ ادور ہوئی نصرت کو جس بے گلی اور اضطراب سے کچھ وجہ ظاہر ہوا ہے کہ جنتی حضرت جبریل علیہ السلام و رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے







ترجہ دہی میں سے لئے دغوار ہو گئی۔ تو اس کا مطلب مذکورہ بالا حدیث کی بنیاد پر دیکھا جاسکتا ہے کہ اس کو نصیب پر دست کا دوزانہ اس کے جرائم کی سزا میں نہ کر دیا گیا ہے۔ لہذا اگر کوئی غیر ذرا راہیے، تائب قرآنی پر ہے کہ جن کی ساری زندگی رحمت حق ہی کی تلاش میں بسر ہوئی ہے انہوں نے آؤ گس بنیاد پر تمام دعائی و عبادتی، ایمانی و دینی مشاغل کا رُخ صرف اُفتخ کی طرف پھیر دیا ہے۔ خود بھی اپنی معاشی مشکلات میں اس سے نفع اٹھانا نہیں چاہتے۔ اور ایسی مساعزیں پر بھی کم ہوشی کو تاء فکری کا ازم لگاتے ہیں۔ جو سادہ اور آخرت کے ساتھ ساتھ اپنی دینی اور دعائی زندگی کو معاشی کامیابیوں کا ذریعہ بنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے جو حیرت ہونی چاہیے بھروسہ بنایا گیا کہ حصولِ صحت کے لئے دھار مانگنے سے بھولنے لے اس لئے انکار کر دیا کہ تے بڑے خدا سے اتنی چوٹی پر پہنچتی دغا میں تھکست رہنے کی دھار کیا مانگوں۔ کیسی عجیب بات ہے۔ یہ میرے پیغمبر کے ہم حزم حضرت جاس نے جب پوچھا میں تھکستے کیا مانگوں، تو جواب میں فرمایا گیا۔

یا ہر مسل اللہ العافیۃ۔  
یا ہر مسل اللہ العافیۃ۔

یہ بھی ارشاد فرمایا گیا،

فان احد علیہ ابدا الیقین خیر  
بیزویں کے بعد یقین سے نہایت خیر

مسئلہ العافیۃ۔  
کیا نہیں دی گئی۔

کس قدر عجیب ہے انتظام میں ایک مشکل نماز استسقاء کی مرنے میں لگی گئی ہے کہ مرنے کے بعد نہیں، بلکہ مرنے سے پہلے اسی ایملہ اور نیا میں آدمی اس نماز کے متعلق مستعد ہو چکے ہوں گے کہ وہ اس کو تو کیا کئے استعمال کی تاکہ تاء فکری ہے۔

قرآن کی ایک پوری سورت میں | ایک کلمہ میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے جو نہ تفسیر میں پڑھی جائے والی چوٹی حق تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ بنایا گیا ہے۔

نہایت روبرو کا تو اور کیا ہوگا کہ ہر حال کوئی نہیں ہے جو سورۃ الفتر لیس احرام ہے۔ ایتان والی سورت کہتے ہیں۔ وہ میں مستند ہر فرض و سن و حال میں اس صومہ کو قبول ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ جانتے ہیں کہ ان کا مطلب تو اس کا بچتے ہیں۔ جو اس پوری سورۃ کا یہ مطلب ہے، حق تعالیٰ نے اپنی جلالت کا کلمہ اس سورۃ میں جس بنیاد پر کیا ہے وہ یہ ہے کہ بیت اللہ کو دیکھ کر اس در پر کھڑے ہو کر اس کا کلمہ تاء اور ظن سے جس نے اس میں حلف فرمایا ہے۔ ہر اس صوفی باتوں کا حق حاصل ہے۔ باسنا ہے وہی نہیں بلکہ سورۃ کا آغاز میں ربانی احسان سے کیا گیا ہے۔ اس کو طبعاً اللہ تعالیٰ پر جو بیت اللہ کی اس مقام کی رحمت فرمائی گئی ہے وہ رحمت اللہ تعالیٰ و الوہیت کا ایک حق ہے۔ یعنی خدائی سرور کے صومہ میں قرآن مجید کیا کرتے تھے۔ اور میت عیشہ کے ساتھ نماز میں لڑنے کی وجہ سے وہ ایک شخص کا حشر ہوا۔ ہر عرب میں بتدبیر مساعزیں کو نے کہہ گئے پرتے تھے۔ وہی اور ربانی نکتہ نے کہہ ہی کی نسبت کا خیال کیے کہ آئندہ تہجد کا اسنس ان کو دے دیا جاتا کیا برہاری اور معاشی احسانات ہی کے ذریعہ کی چیزیں نہیں ہیں تو ان کی ہیں۔ اللہ اللہ کامل ایک پوری سورت جو حق تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ بنانے کا قرآن میں مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس صومہ کے سوا کوئی دوسرا مستحق اس میں نہیں

یہ بھی لکھا ہے، لیکن اس پر بھی کہا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ بنا کر پرنا دینی بھی ہے۔ تے تے نظر ہے یہ تعالیٰ میں تعالیٰ جتنا ہوں کہ پیغمبروں کی وصیت کا پکا کر  
یا ہر مسل اللہ العافیۃ  
اللہ العافیۃ (سورہ)

کی ایک جو قرار دیا ہے، اس کا یہی مطلب ہے اور یہی جو کہتے ہیں کہ جن راہوں سے عمل پیدائش کا لہر ہوا | ہے جو تفسیر حق و حاس کے ہر ذریعہ میں لیکو خود پیدا کرنے والے سے استفادہ جس فکری جذبہ کی راہنمائی میں وہ عبادت و ذوق قربانی وغیرہ مختلف شغلات و اعمال کی صورت میں کیا جاتا ہے۔ اس جذبہ کے حصول کا حق و کلمات مبارک کے سوا کوئی دوسری طاقت نہیں، اسی کی دوسری تفسیر ہے۔  
کہ جسے سرائیہ راہیوں نے لایا ہے۔ تاء میرے کہ موجودہ زندگی ہمارے لئے بعد جو آئے والی زندگی میں زندگی کی توفیق سے استفادہ کی اس تہذیب کا حق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ راہی عاقلوں اور موزوں میں بھی ہے۔  
ہم اس ایملہ الدین میں متاع ہیں۔ اور ان میں بھی جو ایملہ لاطری میں پیش آئے والی ہیں۔ دوسرے میں یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا آراہنہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہے جسے یقیناً پیغمبروں نے حق تعالیٰ کی تائید کی ہے۔  
تاء آخر کسی ایک کی ضرورتوں کے ساتھ محدود نہیں کیا ہے، بلکہ اس وصیت کا خطاب جسی و گوں کے لئے جو حق تعالیٰ کی تعظیم و توحش پر جو کہ استفادہ کی اس تہذیب کو جو تاء معاشی مشکلات ہی کی راہوں میں تھکتے تھے میں جو اللہ تعالیٰ کو رب کریم کے ساتھ تاء، وہ عام طور پر ایسی زندگی کی گائی ہیں جو میں میں مشاغل و تائید ہے، اور شیوں کا دوزخ اور ان کی مثل پر حالی جائے۔ کیسوی کی پیداواروں میں، برکت دی جائے اور ان کے بارے میں کو سمجھوں۔ یہ صومہ یا جائے اللہ کا آراہنہ جو جواریان اور بانیوں سے ملکہ کو محفوظ رکھا گیا ہے۔ اور بلاشبہ جائے دشمنوں پر تاء حاصل ہو۔ ان غیر مذکورہ بالا صومہ کے بلاشبہ، یقیناً غیر مشکی و جواریان و عبادت اللہ قربانی و خیر سے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں۔ حشر اس قسم کی چیزوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور ان کے لئے جو تاء میں ان کی عرض بھی لایا جاتی تھی۔ اور اب بھی اس مسئلہ کے کچھ پابند ہیں۔ ان کی اس صومہ میں ہوتی ہے۔

اس میں نظام | اور اسی لئے میرا خیال ہے کہ شرک توفیق کا نظام میں کا دوسرا نام اسلامی نظام ہے۔ یہ اسلامی نظام بالکل ان قیوں کا ایک شکل معاشی نظام تھا جسے وہیں جہاں کہیں یہ نظام موجود ہے۔ یہ جو معاشی ضرورتوں کے لئے تھا کوئی دوسرا کام نہیں لیا جاتا کیسے بت پرست کو نہیں دیکھا گیا ہے۔ اپنے کچھ پیغمبروں اور پیغمبروں سے یہ مانگ ہر کہ تے صواب تو ہے، کہا جاتا ہے۔ جس کی پریشانی میں وہ اپنے جہنم سے محفوظ رکھ کر جنت کی آبادی زندگی عطا کی جائے۔ ان نیک کاموں کی توفیق دی جائے۔ جو کہ تھکے ہر سکون حاصل ہوا بلکہ کچھ مانگا جاتا ہے۔ وہ اسی دنیا کی ضرورتوں کے متعلق مانگا جاتا ہے۔ یہ حالت میں ان سے پیغمبروں کا جو مطالبہ تھا کہ جیسے خرافہ کے حق تعالیٰ ہی کو اپنا آراہنہ۔ من طلب کے لئے کیا دیا۔ اس مطالبہ کی سب سے پہلی عرض یہی ہو سکتی ہے کہ جن حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے تم









استحباب کے بغیر تمام اور اصنامی نظام میں اس کی جو درست فہمی ہے بریلہ دم نہ بھی ع  
مفروض غرض ہر حال میں کہ تو سب کو اس پہانی

کے اختلاف میں ہا شاہ فرمایا ہے۔

ایک معاشی مسائل کی کتاب میں اس خاص مذہبی سوال پر بحث پڑنے لگا کہ خدایہ ایک بھلائی  
ہی کیوں نظر آئے لیکن یہ کہہ کر دیا کہ پیش آئے مالہ معاشی مسائل ہر حال میں معاشی مسائل میں  
مشاہدہ اس ماہ کی غلطیوں کی وجہ سے کر رہی ہیں، بے دردی کے ساتھ اصنامی نظام کے شکیکداریوں نے اس  
قزاقوں کی کئی چوٹی دولت پر دھاوا بول دیا ہے اور قزاقوں اور عجموں میں بکے ہوئے انسان کی جملہ کڑیا  
وہی سیاحت سے فتح اشکارا کر برنگم روا رکھا گیا ہے۔ اور ملک یہ ہے کہ بے دردی کا فقرہ دین اور دھرم ہی کے نام  
سے گرد ہا ہے، جو کچھ گرد ہا ہے مذہب کا نام سن کر دنیا چپ ہو جاتی ہے، سب کچھ جاننے اور سب کچھ سمجھنے کے  
باوجود چور دیا گیا ہے کہ انسان خداوندوں کا یہ گروہ جاہل انسانوں کو چھوڑے اور چاروں کو لگا جائے مرنے  
کے بعد کچھ مانتے آئے والا ہے، اگر دلوں میں اس سے ڈر نہیں پیدا ہوتا تو کم از کم ان معاشی مسائل کی ذمہ  
تھام کے لئے انسانیت کے بھی غراہوں کو اٹھنا چاہئے۔ بیرون کے منہ سے آدمی کے بچوں کو بھڑانا چاہئے۔

حکماء اسلام کا وہ طبقہ جو عام مسلمانوں میں شجاعت کے بکروں اور خرافہ کی غلطیوں اور ازبک قبیل  
بمیدوں اور مادی خلفات کو دیکھ کر کھڑا رہتا ہے، اور ہر مذہب کو اپنی زبانوں اور ہر مذہب سے ملانے چاہتے  
ہے۔ اس سے میں پوچھتا ہوں کہ باوجود سب کچھ کہنے، سب کچھ ماننے کے آپ کی نظریوں کا اثر آپ کے معنوں  
سے باہر کیوں محسوس نہیں ہوتا؟ آپ کی دھمکیاں صرف مسجدوں اور مدرسوں کی دیواروں سے لگا کر صرف آپ ہی  
طرف کیوں واپس جڑ رہی ہیں، کیا بات ہے کہ تاویروں اور قویوں کی آڑ میں کہنے والے وہ سب کچھ کہتے ہیں  
جو وہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ خیال تو یقیناً غلط ہے کہ مسلمانوں کا یہ عام گروہ جو ان خرافی اور مذہب کا زاحضال میں  
بستہ ہے۔ وہ اللہ کا منکر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت میں اس کو شک پیدا ہو گیا ہے۔ قرآن  
ان کے نزدیک خدا کی کتاب باقی نہیں رہی ہے، مسلمانوں کے اس ارتداد کا میں یقیناً قائل نہیں ہوں مگر اس کے  
اسباب کی تحقیق غلط اور غلط غلط ہے، مشاہدہ اور معائنہ کے خلاف ہے۔ البتہ اگر جان کی امان دی جائے تو میں  
کہہ سکتا ہوں کہ اللہ کے حکام اور رسول کی باتوں کے استمال کرنے میں ان ہی جندگوں سے شاید کچھ چوک ہو رہی  
ہے جنہیں ان چیزوں کے استمال کا قدرتی حق حاصل ہے۔

ان میں ہر جہت پر کلمات و سنت، پہلی و آخری سے عرب کے جاہلوں کو پیڑ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے جب چھڑایا تھا تو ان اس حکم اور مشورہ کے ساتھ چھڑایا تھا کہ اپنے فرضی جودے مہبودوں سے وہ اپنی جہت  
مزدوروں کو لٹا کر کرتے تھے چہرہ نگاہ اولیٰ درجہ کی دنیاوی مزدور ہیں۔ اس لئے خالق کے آگے اپنی ان مزدوروں  
نہ پیش کریں بلکہ یہ ایک خلاف واقعہ اور غلطی ہوگا، بلکہ بات دینی تھی کہ جو کچھ بھی اپنے مہبودوں اور دیوتاؤں  
سے مانگا کرتے تھے، حکم دیا گیا تھا کہ ان ہی کا مطالبہ اللہ سے واحد سے کریں، جو کچھ مانگا جاتا تھا۔ اس میں کوئی  
تبدیلی عمل میں نہیں آئی تھی بلکہ جس سے مانگا جاتا ہے۔ صرف وہ بدل دیا گیا تھا۔ بہر حال مجھے اپنے اس خیال پر

۴۳  
عصر اور شدید امراض ہے کہ صرف معاشی دشواریوں اور دنیاوی حاجتوں ہی نے عام مسلمانوں کو ان ناکندہ  
اور میں چکا کر دیا ہے، ان معاشی مسائل اور شرکی کاروبار کے پیچھے خود کیا جائے گا تو معاشی محرکات ہی پر غور  
تھرا لیں گے۔ یہ خیال کہ ان اعمال و مشاغل کی تہ میں کوئی دینی اعتبار یا اعتدالی یا اخلاقی یا روحانی محرکات چھپے ہوئے  
ہیں، صرف ایک بے بنیاد خیال ہے، صرف زبانی دعوے ہیں، جن کا کچھ احساس یا یقین دہانے والوں کو بھی اس  
وقت نہیں ہو سکتا جب وہ اپنے ان اعمال و مشاغل کی وجہ میں طرح طرح کی خوش اعتدالیوں کو پیش کرتے  
ہیں، یقین ماننے لگتا کہ اللہ العالیٰ ہر کچھ میں مسلمانوں کے سامنے آپ نہیں پیش کریں گے اس وقت تک صرف  
اور اللہ  
معاشی مسائل اور صرف اللہ  
ہے جس کے مشق باور کرنے والوں نے ہر کار کا ہے کہ ان میں کوئی فوکرہ دانا ہے، کوئی اولاد و نسیم کرتا  
ہے۔ کوئی جنوں کو بھگاتا ہے۔ کوئی دشمنوں کو شکست دیتا ہے، وہاں وہی اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ  
ہا کہ کسی مسلمانوں کے ہر مذہب کو اپنا چاہتا ہے تو اس وقت بلاشبہ انسان کی فطرت ان چھوٹے اور جوتے مہبودوں  
کو خود بخود چھوڑ دینا چاہئے

تازہ ذہن کو دیکھ کر سبب ہست او پیا ز کلمہ مانندہ ز دست  
لیکن سبب دینے پر آپ اگر چاہتے ہیں کہ تہ بدو دار پیا ز کو چھوڑ دے تو آپ کا یہ ایک غیر  
فطری مطالبہ ہے۔ گوشتے ہر سے عادات تک کے ان کے تہ پنے کے لئے یہ مضطر اور محبت تہ انسان تیار ہوا ہوگا  
اور آپ ہر کچھ سے ہیں، اپنی اپنی انگوٹوں سے دیکھ رہے ہیں کہ تہ پ رہا ہے، ان کے قدروں پر اپنا سب کچھ  
کی کبھی کسی جان عزیز کے شکر کے سکھ سے وفا نہیں کرتا، خیال تو کچھ کہ ان ہی مزدوروں کے لئے اگر اس کو  
واقعی مالک الملک اور مالک الامین کے قدروں پر رونے کی دعوت دی جائے۔ تو کیا وہ اس سے اعراض کر سکتا  
ہے۔ لیکن، دین کے سارے زلف و نقات اس زندگی میں جب خدا سے ٹوٹنے لگے ہیں تو قدرت جہاقت پسند  
انہیں آپ ہی بتائے کہ آخر قدرت کی حکمت میں خود اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے جہتوں کے لئے اگر کڑا ہر گز  
تو اس میں کیا صرف اس کا قصور ہے؟ ہر مذہب کی یہ انتہا ہے کہ عوام ہی نہیں مہجے پڑے گئے مزدوروں سے  
جی جب کہ اللہ  
حاصل ہے، حالانکہ یہ اس کا عقلی ترجمہ ہے، نہ اس کا مفاد ہے، آخر اگر اللہ جہاں ایک ہیں، اس کا مطلب  
ہے تو پھر اس میں غریب مزدوروں کا کیا فائدہ؟ کس قدر عجیب بات ہے کہ کچھ سے ہوئے انسان کو کسی خدا کے  
حق سے اپنے جہاں سے ہونے والے مالک و رب سے جڑا گیا تھا، تاکہ باقی خدا ہر قوم کو ہر زمانے میں، ہر ملک میں، ہر جگہ  
تھا۔ کہ زندگی کی تمام ضرورتوں، اور کس کس حیات کی تمام شکلات اور دشواریوں میں انتہائی عاجزی اور  
پناہ دہی و سکنت و نساہی، اور اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ  
تھیں جہاں چاہئے، ہر حال میں جہاں چاہئے، وہاں کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے، لیکن نہ  
وہی بر کھل پڑا کہہ کر کا نہ ہو جس میں نام نہاد خدا و ملکا

اسلامی سائنس  
کلہ دھرت کے ہر ملک کو سمجھائی، سمجھائی، معرفت ایک فنکار خدا کی تیسرا واجب مروج دے کر کے دہائی کا بند  
اور دفا کر کا طوار تیرہ کر دیا گیا، جس چیز سے کسی کو انکار نہ تھا جس افراد کو حکم مار سے لے کر ہر آدمی پر پڑتا  
ہے۔ ساری طاقتاں سامنے ہوئے افراد کے منراے پر خرچ کر دی گئی، لیکن دھرت کے اس کلہ میں اگر کوئی شخص  
اس سارے کلہ کی جان خارج عید کر اپنے مہودے لانا تھا کسی کو نہیں کہ منتر کے تو منج سے بے نیاز غیر اگر کوئی  
گیا اور صدی نو جو دھر پھر دی گئی کہ خالق کائنات کو ایک ماما جانے، تو کیا جس نے یہ مان لیا اس نے اس  
فرض کو ادا کر دیا جو اس کلہ کے ذریعہ سے اٹھانے اپنے بندوں پر عائد کیا ہے۔ کسی عجیب بات ہے کہ اسلامی  
تفہیم کی جڑیں ایسا ہی مسمی کے متعلق کئی صحت خلقت سے کام لیا گیا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ دین کے پہلے کلہ کے  
ساتھ دین کے مرد و اول اور است کے پیشواؤں کا یہ بھی سلوک اگر باقی رہا تو اسلامی نظام کے خالق کسی شخص  
کسی نام سے

سید انصاف خلیل کشمیر  
۱۰۸۱ ص۔

کے برابر ہیں شکرہ کو تاریخِ نقیضہ ہر آتی رہے گی۔

وَقَدْ أَتَىٰ مَكَّةَ جَيْلًا كَثِيرًا -

(پیشہ)

کی گریباناز کاوترہ شیعہ کو تار ہے گا، اس وقت تک منہ رہے گا، خطایہ روک ڈال منہ رہے گا جب تک کہ

الذی هو یحییٰ و یدعیقن و اذ اسما  
 فهو مشفق۔ (اسرار علی)

وہی ہے جو زندہ کرتا ہے مجھے اور دنیا پر مجھے شہادت  
 پر اس پر ہوتا ہے شہادت ہے وہ مجھے۔

مجلس شورای اسلامی  
جمهوری اسلامی ایران

وایے فکر کرونی کا سہو کا دوا پانی کا پیسا، مرض کے بعد صحت کا جویا انسانی، الہ کی صورت میں بن جائے گا  
اور جیب میں رکوائے گا تو خدا بخود بلے کن پادشہ مہر لہتا

انی لا احب الاقلین۔

(کچھوں سے ملاجیل چریاٹے واٹے کی)

(وہم)

۵۸  
کی روشنی سے حبیب و مشن جہدیت و ہند کی کی دنیا جگمگا اٹھے گی۔ جو واقع میں کسی سے کسی وقت کسی جگہ اہل ہند خدا  
اس کے بعد انسان کے و ہدائی شہد کے سامنے بھی بے نقاب ہو جائے گا۔ الغرض جو سامنے خدا، وہی سامنے  
آجائے گا۔ حصول معاش کی راہ کی ایک مستقل تدبیر جس کی طرف اسلام نے خصوصیت کے ساتھ راہ نفاذ کی تھی  
چونکہ ہندوئوں کا اس سے استفادہ کا رجحان مسلمانوں میں کمزور ہوتے ہوئے قریب قریب اس فنکار کو پہنچ چکا ہے کہ  
تجلیات کے باب میں اس کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی ہے اور صرف یہی ہو کر رہ جاتا تو خیمت خدا ہندوئوں  
کی اس راہ سے فتنے کے بہنہ پیش و سبب روحانی و اخروی خلافت کو مسلمانوں کے سامنے کیڑا ہے اور اس  
کے ساتھ غربت و فحاشی کے بھی دعوت میں بھی اس کی کمی کی ہوتی آدنیوں کی ایک بڑی مستند مقدار کا سامن بلکہ  
شہرہ صغیر تر سال ڈاھول میں برابر ہو رہی ہے اور یکدھو دیکھ کر حیرت کھٹا رہتا ہوں اور ان کے ہندو متا جہاں اور  
پھر مسلمانوں کو دیکھتا ہوں وہ واضح عکس چھٹاتا ہے اور کاپی ہے۔ اسی کا یہ اثر ہے کہ میرا روی میں غم چٹائی  
اور ہر شکل اس بحث کو ختم کر کے ایک دوسرے اہم مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اور نجی قریبی چاہتا ہے  
کہ کہتا جاؤں، مسلسل کہتا جاؤں، اس وقت تک کہتا جاؤں جب تک کہ یقین نہ پیدا ہوئے کہ جو کہہ رہا ہوں  
ہوئے مسلمان اس کے سامنے ہر مضطر و مجبور ہو جائے گا واللہ مستغفر ذنوبہ و لو کونہ الذلہ فرقہ

حق تعالیٰ کو صرف اہل  
العلماء شرفانے کے ساتھ

میں کسی کو رشتہ نہ ہو کہ میں خالق و مخلوق، قاعدہ و مقود کے باہمی تعلقات کی تسبیح کے نتائج کو یاد دہرے  
مخلوقوں میں ایمان و تقویٰ عمل صالح، و عبادہ و عبادات، قرآن و استفادہ، توحید و تسلیم جبر و تفویذ مذہبی حقائق  
اور دینی حقائق کے متعلق اس بات کا اثر و اغراض معلوم ہوں کہ ان کے اثرات و نتائج صرف اسی زندگی تک محدود  
ہیں، یا مذہب کے ان مہمات حایہ کا اثر و اغراض صرف اسی الدنیا کی مشکلات کا حل ہے۔ گویا مذہب کا  
سارا نظام (امیال و بائزادہ، معرفت، معاشی صلاح و عیادہ، بقا و ارتقاء و کافور ہے۔ یعنی یہ غلطی اسی قسم کی غلطی  
مگر شاہد اس سے بھی زیادہ سخت غلطی ہوگی جس میں حق تعالیٰ سے معاشی تعلقات کے قریب نے کی وجہ  
ہے آج سہولتوں کا ایک بڑا طبقہ جیتا ہو گیا ہے۔ یعنی بات فرور ہے کہ ایسا مذہب مذہب ہیں کب بانی جہاں ہے  
میں اس بات کی کہ محدود و متنازل حیات کو معرفت، یعنی بار و ارتقاء کے درمیان چند گئے گناہے و دوسرے  
محدود کر دیا جائے دیا ہوں کہ گئے دے کہ اس نیت کا سارا زور و انار کی چنداں بھی ہوئی مسافروں کے پہنچنے پر  
صرف کر دیا جائے، جو دوسرے مسائل جیتے جاتے ہمارے دلی کے ساتھ آدمی کو بھی زمین کے اس محدود و پرکھ دے  
کے لئے صحت ہوئی ہی معاشی تنگ خیال، تنگ دلی و تنگ نظری کی مذہب میں تو کی گناہش عمل ہو سکتی ہے۔ مگر فکر  
کے فیروز بنی نکالوں میں ہی آدمی کی بے غفلت و ایمال و ذہنیت اس کو برداشت کرنے پر شکل ہی سے آزاد  
ہو سکتی ہے۔ گرائی آیت

کچھ کی باتیں ہیں جن کا اندازہ یہی کاموں کے

محل حل منتخبہ کمریہ والا خسر ہیں

حسابات کرن - ریفریجیو

۱۰ اعمالاً اللّٰهین عن سیدہ مری

















اسی سائنات  
اپنی سائنسی کامیابیوں اور غلامیوں کو دکھا کر اس دعوئی کے پیش کرنے کا حادی  
مستحق قرار دیا یہ اسی الفاظ یعنی

روحان خیر و ماسبقونا الیہ

سبقت دو، لوگ نہ کرتے جو بہنوں کے ماتھے والے ہیں۔

جس کا ذکر پایا جا سکا وہ یہ کہتے تھے کہ زندگی کے کسی اصول یا طریقہ حیات کے خیر اور بہتر نہ مل سکے ہیں۔  
 یہ کہ ہم اور چارے دماغ نے اس کے پائے میں سبقت کی ہو، دوسرے فنکاروں میں پرل بھگت، گرو جرات ان  
 کی سمجھ میں نہ آئی یا جس کے گھسنے میں ان کے دماغ نے پیش قدمی نہ کی، یہی چیز اس کے فلاح اور بے منتی جاننے  
 کے لئے وہ کہتے تھے کہ کافی ہے۔ اس لئے کہ ان کے پورے ان کا بیان یہ بھی متاثر ہے (انہی نے نقل کیا ہے) یعنی کہتے  
 تھے کہ اگر اس والا اور اولاد اوجھا  
 اس کی اولاد اور اولاد میں تو ہم بڑے ہوئے ہیں

مختص میعاد میں۔

درحقیقت برائی لب و لہجہ میں گفتگو ہے جسے کچھ ایسے قوسوں نے اختیار کر رکھا ہے جو خود بھی اپنے  
 ٹوپ کو تہی افواہ اور اپنے مالک کو شامت و مہذب ممالک کے نام سے شہر کے جوئے ہیں۔ اور جو ان کے نام پر  
 یادگار کریں۔ وہ بھی ان کی شاندار چارسی القاب و خطاب سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ قرآن بھی میرے کچھ  
 پیغمبروں کو خدا کی آیتیں سناتے ہیں تو پیغمبروں کے ملکہ تھے

ایہ نصرتیں خیر مقامات میں مسلمانوں کو فرستیں گی

حسن خدایا۔

61

امریکہ و یورپ | سادہ الفاظ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یورپ اور امریکہ کے باشندے جو "الطعامش" کو خیر کی کامیابیوں | دور کے بات ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کو تو اللہ عزوجل کا کسی بوجہ پر آواز آدہ نہیں، بلکہ اپنی حمد و ثناء پر، تو کئی کئی بار تو قوتوں کو دکھا دے کہ دنیا کو یہ یاد رکھا کہ وہ کسی کے معاذی نہ ہو، لیکن معاشی بد و جہد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے "خدا کا" اور "تجارت کی" قطعاً ضرورت نہیں۔ اگر دنیا میں خدا کو خوش و ناخوش دیکھنے پر معاشی برتریوں کا دار و مدار ہوتا۔ تو یورپ و امریکہ کے باشندوں کو چاہئے تھا کہ دنیا کے غریب ترین لوگ جوتے، یکسے، صابن، بالنگس، دلی کی روشتی میں پرنس کو نظر آ رہا ہے، فخر کی کوئی شکل، فسق کوئی طریقہ، انما وکی کوئی صورت، از غرق و بے دینی کا کوئی پہلو، ایسا نہیں ہے، جس میں یورپ کا پانی ٹپکے اور امریکہ کے ناسک اور صم لوگ مبتلا نہیں ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے کہ معاشی عروج کا بھی کوئی ذوق ایسا نہیں ہے جس پر بیٹے سے بڑے محروم رہ گئے ہوں، خالی سے زخمی، لیکن نہان حال سے دینی۔

اس کی کثیر تعداد اور اولاد اور اس کی

فنی بحال رہے۔ اور ہم غریب پاتے والوں میں نہیں ہو سکتے۔

کی تواریخ بھی آدم کی بیٹیوں میں گھسے ہوئے ہے۔ اور مروجہ قانون سے گھڑ کردوئوں کی گہرائیوں میں سبک

۸۹  
 کی کہانی نہ بتوئی کہ کتنی ہی جاہلی ہے کہ کچھ مجھ ہی سا کوئی دیر نہ جو تو ہو کہ اپنے جہد کو جیتوں سے بے پردہ ہو کر  
 جانتے ہوئے کہ میری ہر بات میری ہی طرف سے ہے اور جیسا کہ انتہائی سادگی کی وہ اختیار  
 کے وہ وہی کہتا چلا جائے جس کے کچھ اور پہنچانے ہی کو اپنی زندگی کا واحد نصب العین بنانے چوئے ہو کہ  
 میں ہر جہد کو دوار نکلیں۔ واقعہ ہے کہ میں نے نہ تو جو کچھ میری جہد میں آتا تھا پیش کرتا تھا بلکہ اگر جو  
 تھک جاتا تھے کچھ چھاؤں کہ اس احساس ہی ساتھ ساتھ دل میں مسلسل چکیاں لیتا تھا جانتا تھا کہ میں حرم میں  
 نہ چیزیں پیش کر رہا ہوں۔ یہ سب محسوس ہے جس میں تیری بات نہ صرف بہتر ہے کہ اس میں گھر ہی ہو گیا۔ بلکہ ایک  
 گرد و خاک بھی ہو گا۔ جس کے جڑوں سے باہر نکلنے کے لئے بے ساختہ پیچھے ہے جہن جوں گے، بلکہ ممکن ہے کہ  
 جہنم کے اندر سے نکل ہی نہ پڑے۔ اگر ہر سرگراںوں کے اس احساس اور فہم کے کہ اس خطرات کے  
 پہلے میں میرا دل بھی مسلسل قرآن ہی کی ان آیتوں کی کلمات دہر دہیں مشغول ہے جانتا تھا کہ میں اس قسم  
 کی کوئی کوئی کتاب کے مختلف اصناف میں قرآن میں ڈالتے ہوئے جو ارشاد فرمایا گیا ہے۔

کلو اور تمہو اقلیلا انکسچر ہوں کیا ہو فرما ایا کہ تمہو سے دوس کے لئے

(المسألة)

فہرست

الذین کلمہ ایت متعوی ویا کلمہ  
منزل کلمہ انزلت الیہ الیہ الیہ الیہ

كما تأكل الاضمار والنار مشوي

(سہ ماہی)      میں آگ لکھا ہے ایک۔

میں نے ان کو بھیج دیا ہے۔ انہیں (انہیں) سکھانے کے لئے ہے۔ انہیں کو بھیج دیا ہے کہ انہیں کو بھیج دیا ہے۔

میں نے کہا کہ یہاں تو زندگی کے ایک ایسے دور سے انہیں دوچار رہی ہو تا ہے کہ جہاں

دق انگ است العزیز اگر رسید  
اب چکھ تو بڑی عزت آید و صلا

(المعاني)

مگر کون سے ایسی مہالوں و فرائض کی جائے گی۔ بہر حال اسی قرآن میں بکثرت آپ کو ایسی باتیں ملیں گی۔

پیشہ و ہونے کے ساتھ

و کہ اعلیٰ قیام میں قریب اور کم کرنا ہم نے کئے قرآن کو پڑھیں

پسند منور بطشا فتبوا فی الخیار

حل میں نہیں تھے ہر چہ کونئی ہانے خاص۔

لوگوں کو بڑبڑایا گیا ہے۔ جنہیں اپنی گرفت و طیش کی شدت اور بار بار اٹھیں پٹھری توڑوں کے ساتھ گس

نے چھاپا ہے یہ بارگرا دیا ہے کہ طاقت و زوال کی راہوں کو اپنے اوپر اور اس خیر قوم و ملک پر وہ مندر کے

۱۔ جو تیس کھاکر مانتا صحت نوالی زہارے لئے نڈال نہیں ہے اس کے دھوکے سے آئیں کہ مر جائے

مستحق ان ہی کو خدا پ کر کے اعلان کر دیا گیا ہے۔





میں سماجیات  
 سمجھتے ہیں، جو کہ بھڑکتے ہیں، ہر ایک سے کسی ثابت ہوتا ہے کہ اسی کی بحث کا موضوع آدمی نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ کچھ  
 فریق ملکی ہے کہ میں وقت پر حافظہ کی اس عجیب و غریب ملکویت کی توجہ کر لیں گی جیسا کہ کچھ دوسرے انسان  
 نسل کے شجرہ نسب کو اسی ملک کے بعض شجرہ نے جو انسانی خاندانوں سے جوڑ دیا ہے۔ ہر نسل ہے کہ اسی کا شجرہ  
 یا شجرہ شوری کسی سوچنے والوں کے دماغوں پر پڑتا ہو کہ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ آج ہی نہیں، بلکہ اُس وقت ہی جب  
 ذراؤں کی کتاب اصل افواج سے زیادہ ان کے غروب میں مسکایا گیا اسلام کی انجیل اور دوسری عیسائیت کی قرآن  
 وزن خدا کی کے مقابلے میں کسی دوسرے کی اس ملک کے رہنے والے کچھ منہائی پہنچتے تھے اور انسانی پہنچتے تھے  
 لیکن اس زمانہ میں جب اس غریب انسانی کے متعلق یہ سوال اٹھا لیا کہ کون کی اہل حقیقت کہ ہے تو اس وقت بھی  
 بھانپے آدمی ہونے کے لیے کیا گیا تھا کہ باہر سے وہ کچھ ہی ٹکراتا تھا لیکن اپنی اصل حقیقت کی رو سے  
 وہ ہر نہیں ملک ہے۔ یعنی آدمی نہیں فرشتہ ہے۔ اسی فیصلہ کا یہ نتیجہ ہے کہ مذہبی احکام کی پابندی کا آخری قصد  
 یہ قرار دیا گیا کہ آدمی فرشتہ بن جائے۔ یعنی جو ہے پھر وہ وہ ہو جائے۔ اسی اصولی عقیدے کا ارتقا کمزور  
 ہے کہ رہنے کے بعد ہی آئے اور آدمی نے مزاج کے بغیر کو حالوں کہ ان سالک کی ملکیت کھو گئی ہے۔ لیکن  
 باوجود اس کے جہاں کہیں آئے والی زندگی کے متعلق اس خیال کا ذکر ہوتا ہے۔ یعنی اس میں آئے والی نشا  
 میں آدمی کو اپنے فکری احساسات اور مطالبات کے مطابق زندگی ملے گی۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ  
 جنت و دوزخ و دوزخ والی قرآنی جنت کا ذکر ان کے بنائے اگر کسی کی جاتا ہے۔ تو سنتے ہی ہر پروردگار حضرت  
 تبارک و تعالیٰ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ کہ اس کی فطرت پر کسی نے کوئی پتہ نہ مارا۔ قرآنی جنت کے متعلق صحری  
 ذہنیتوں کی اس عجیب و غریب جھڑکی کی اصلی وجہ دے کر لکھی ہے۔ چون کہ عوام کو یہ معلوم نہیں، اس لیے  
 سادگی کے ساتھ سمجھنے والے بے چارے یہ سمجھتے ہیں کہ خدایہ بھی سائنس دان کے کسی نظریہ یا کسی کے کئی کئی  
 کا نتیجہ ہوا جس کی وجہ سے پروردگار کے باشندوں نے آئندہ زندگی میں انسانی فطرت کے ان مطالبات کی تکمیل کا  
 اہتمام کر دیا ہے۔ جن کا قرآن میں مسلسل وعدوں کی شکل میں مذکور کیا گیا ہے۔ لیکن جانتے والے جانتے ہیں کہ اس  
 کی تم میں بھی درحقیقت عقلی ذہنیت کی وہی خصوصیت پوشیدہ ہے۔ یعنی آدمی سب کچھ ہو سکتا ہے۔ جند  
 ہو سکتا ہے، مگر جو ہو سکتا ہے، و فرشتہ ہو سکتا ہے، بہت اور عقلی سب کچھ ہو سکتا ہے۔ لیکن انسان جو چیز نہیں  
 ہو سکتا ہے وہ مرتبہ ہی ہے کہ وہ انسان نہیں ہو سکتا۔

فرہیت کے دور میں اس ملک کے باشندوں کا عام رجحان جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ وہ پابندیت کی طرف  
 مائل ہوا جیسا کہ سماجیاتیات اور انسان کے فکری احساسات کے تقاضوں کو غلط یا صحیح طریقے سے پانے  
 کی کوششوں میں جہاں جہاں تھی۔ تو اس میں بھی وہ اصل آدمی کے فرشتہ ہونے کی اسی خوش استعدادگی کی

لے یہ کوئی غلطی کی بات نہیں، بلکہ ان لوگوں نے کھنڈن و تفتیش کے متعلق عام ہے۔ لیکن واقعہ یہ کہ ان لوگوں کا تعلق  
 یہ ہے کہ حقیقتہً خدا کے ہونے کے بعد ہی کچھ کر لیا جائے گا۔ اسی طرح وہ لوگوں اور فرشتوں کے متعلق ان ہی جیسے لوگوں کا یہ  
 خیال ہی تھا کہ وہ شیطان اور بہت سے رہنے کے سامنے جاتے ہیں اور

میں سماجیات  
 زیادہ دخل تھا۔ بھانپے جا رہا تھا کہ یہی اور حیرت کی فحش کی پاد اس غریب فرشتہ کو اور بے ہوش گئی ہے۔  
 اس پاد کو چاک کر کے اپنی ملکویت کے چمکے ہیں جو زیادہ کا یا ب ہو گا وہی اپنی اصل حقیقت سے زیادہ  
 غریب ہوتا چلا جائے گا۔ وہی یورپ جس کا آسمان بھی آج معاش ہے اور زمین بھی اس کی معاش ہی ہے آج  
 ہر قسم معاشیت یا کپٹے کو کہہ سکتے ہیں کہ مرنے کی حکم ہی ہے کہ وہ گریہ ہے۔ اسی یورپ کا حال اپنے ملکوں کی جہیل بھی  
 سماجیات کے متعلق یہ تھا جیسا کہ اسی ملک کے ایک معاشی مؤرخ نے لکھا ہے۔

تجربہ ان کے (یعنی اصلی قدیم ملکوں جیسا میں) کے نزدیک کہیں فی نفسہ قابل توجہ  
 نہیں۔ مقاصد میں (یعنی فرشتہ بننے کی ہم اور اس کے مقدمات) کے لئے ذریعہ کی حیثیت  
 سے قدروں کی ہرگز نظام میں اس میں شبہ غریب کی بلکہ کہیں حاشیہ پر تھی۔  
 انتہاء ہے کہ جدید معاشی دور کا آغاز زمین زدگوں کی اصلاحی آواز کی بدولت جیسا کہ اسی ملک کے  
 لوگوں کا بیان ہے، انہیں پر ہوا ہے۔ پیری مراد پر ٹوٹ کر فرقہ اور ان کی اصلاحی اقدامات سے ہے دوسرے  
 ہیں۔ اسی اصلاحی پیغام کے سرخیل اعظم یعنی جناب و غریب کے مواظف اور خطبات میں عام دولت ملک اس قسم  
 کے فقرے بے جبکہ استعمال ہوتے تھے مثلاً و غریب کا مشہور شعر ہے۔ وہ کہا کرتا تھا  
 دولت ان ہی شیشہ گدھوں کو (دلہاں) دیتے ہیں۔ جنہیں وہ کچھ انداز فی غریب  
 فرماتے۔

اور ظاہر بھی یہی ہے کہ گھیس کے مذہب سے تو ترقی جتنا بھی بڑا ہو، لیکن اس مذہب کا تو وہ بہر  
 حال معتقد بلکہ مرکز و دہلی اور عامی تھا جس کا نصب العین آدمی کو فرشتہ بنانا اور وہاں تھا ایسی صورت  
 میں ہرگز دولت مندوں کو تو غریب صاحب گدھا یا شیشہ گدھے کے نام سے موسوم کرتے تھے تو جس کا نصب العین  
 ملک اس ہوا، اس بلند نصب العین کو چھوڑ کر جس نے اپنی سادگی و انانی دولت مند جوئے پر خرچہ کر دی وہ اپنی  
 یہی حاکم کی وجہ سے اگر سمجھنے والے اسے گواہ کئے تھے تو غلط کیا سمجھتے تھے۔

لیکن غیر تو پرانی بات ہے۔ صدیوں کی کشمکش کے بعد فرشتہ بنانے والے مذہب کے چمکے سے  
 وہی ملک والوں نے اپنے آپ کو آزاد کرانے میں جب کا بیالی حاصل کی تو جیسا کہ انانی نے لکھا ہے  
 مذہب نے انسانی طبعیت سے قہر جاری کر کے تھے۔ سو گویا صدی کی تجارتی ترقی کے  
 ساتھ ساتھ اس کے مذہب کے اقتدار کا مقابلہ کیا گیا اور ترقیوں صدی کا آخر تک  
 مذہب آئندہ معاشیات پر حکومت نہ سکا۔ تاہم اس کے اقتدار کی دھجیاں باقی بچیں  
 ..... لیکن اٹھارہویں صدی کے پرنسپل میں مذہب و مذہب کے قانونی امور شیخ  
 دہانت کے نام پر معاشیات اور مذہب کے درمیان طاق واضح ہو گئی۔

(دراستہ دہانت ص ۲۳۱)  
 یعنی وہی شجرہ یعنی جو حضرت شعیب علیہ السلام کے مقابلے میں ان کی معاشی قہر تھے  
 ان فطرتی احساسات و غریب اور انسانی احساسات

اسی سہا سہا کہتے ہوئے کیا تھا، یعنی انھوں نے غیب علیہ السلام سے جو چاہا  
 تیار ہی ہے جو بابا باث و صلوات، ایک اس سے بھی بد کنی میں کو کم اپنے ایات کے  
 مشتق جو یہاں کریں۔

گوریلان کا جی خیال تھا کہ صلوات (خدیجی کا ریا دار و دھارم جاو خیر کو) انسان کے معاشی کاموں پر  
 سے کیا مشتق ہے؟ شاید وہ بھی ہی کہتے ہوں کہ مذہب معاش، ایک برکت اور شخصی مشقت کی حیثیت سے بیٹا پہنچتا  
 جی سکتا ہے لیکن زندگی کے عمومی اور اجتماعی شعبوں میں اس کی دخل اندازیوں کو برداشت نہیں کیا جاسکتا  
 دوسرے فنکاروں میں یوں کہتے کہ کلیسا (صلوات) کو وہ اموال یا دنیاوی کاروبار سے الگ رکھنا چاہتے تھے۔  
 جو مال مجھے تو یہ کہتا ہے کہ مذہبی خوش باحسابیوں کی پٹی اتر جانے کے بعد انہیں کچھ نہیں ترکم از کم  
 اس کی امید ہے جانتی کہ خدا پر غریب آدمی اب یورپ والوں کو آدمی نظر آئے گا۔ مگر اب اسے کیا کہنے کیوں  
 سوچنے کی حد تک تو اس کو دور کی اجڑی دور دور کی سوجھی دھوئی دھول کی گرد پاؤں تک جیسا کہ ان ہی کا دعویٰ ہے  
 اس سے پہلے کسی کی محفہ نہیں پہنچی تھی۔ لیکن شیک میں وقت نہ آسان کے ان دیکھے تاروں کو گن رہے تھے۔  
 ہاتھ کی بڑ کو کبھی چاک کر کے ان کی نظر آگے جا رہی تھی۔ اس وقت بھی وہی دیکھی گئی کہ جو سب سے قریب  
 تھا، یعنی خود اپنی حیثیت ان کی نگاہوں سے اس پر احتیاط دی کے عہد میں بھی اسی طرح اڑھیل رہی جیسے  
 خوش احتیاط دی کے قریب میں اس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ خیر پائیاں کی پٹی کی روشنی میں جی ان کو انسان نظر نہ آیا۔  
 دے کر ان کا کتاب بند رہتا تھا کہ اس مسئلہ پر اگر کچھ پڑا تو اسے مرنے پر ڈاکو آدمی فرشتہ باقی نہ رہا۔ لیکن یہ بات کہ  
 آدم نوا آدم ناد نہیں ہے۔ اس پر ان کا امر اور جی باقی رہا یعنی حکومت کا انکار کر کے انسان کو دیا گیا کہ آدمی  
 آدمی نادر نہیں، جو ان تاروں سے۔ اور اسی کو ایک فیصلہ کی صورت میں قبول کرنے کے بعد معاشی مذاہب چونکہ  
 کھٹے بنا گیا۔ اس کی بنیاد بھی اس پر رکھی گئی کہ باجم انسانوں کا دوسرے انسانوں سے وہی شکل رکھتے  
 اور اسی کو رہنا چاہیے جو دنیا کی سچے والی پھیلوں اور جگلی باجمی صنفوں، چمنوں و خیر و جرات کے ساتھ  
 اسی قانون کا نام تازہ جہاں کا قانون رکھا گئے کہ دیا گیا کہ جیسے چھوٹی پھیلوں کو تنگ ہر پڑی پھیل کا  
 یا کڑووں کو فنا کر کے اپنی دنیا کا انتظام کرنا، جگلی کے ہر زور اور ہار کا قدرتی حق ہے۔ اسی طرح آدمی بھی  
 جیسا آدمی نہیں، بلکہ اسی قسم کے دریائی یا سمواتی حیوانوں میں سے ایک حیوان ہے۔ تو تازہ جہاں کے پھیل  
 میں اس کو بھی آزاد ہونا چاہیے۔ معاشی دائروں میں دنیا جگلی کے اسی قانون کی تفسیر سربا واری کے  
 تکرار سے کی گئی۔ اور جیہڑ دیا گیا، تہم کی انسان یا بندوں سے آزاد کر کے چھڑ دیا گیا، ہر شخص کو جو  
 کسی دیکھی طرح سربا کی قوت پر قابض تھا کہ جو اس قوت سے محروم ہیں اپنی بددعا و تباہی راہوں میں جس  
 طرح چاہے اس سے کام لے، جو سربا نہیں رکھتے وہ خود ان کی جیڑی، اس کے نتیجے، ان کی محنت، ان کی مشقت  
 ان کا خزانہ، ان کا پسینہ، بلکہ ان کی زندگی، ان کی موت، سب کا واحد مقصد یہ ہے کہ سربا واری واری سربا  
 واریت پانچ دلوں کے گچ کے استحکام و مزہ قریبی میں منبج ہوتا ہے۔ ان غرض امیروں کے لئے اگر غریبوں کو  
 رہنا پڑے تو یہ فیصلہ کیا گیا اور دم و ترس کھائے پھر فیصلہ کر دیا گیا کہ ان کا یہی قدرتی فریضہ ہے۔ ان کی

ہوئے اپنی زندگی پیدا کرنا یہ سربا واری کا قدرتی حق ہے۔ سو اتفاق پر سو اتفاق دیکھتے کہ ان ہی دلوں  
 اب انسانی آبادیوں پر جنگ کے قانون کو تسلیم کرنے کے لئے سربا واری کے نظام کو فروغ دینے کے  
 ہر حکومت اور سلطنت کی توقع سے گناہ حاصل کر رہے تھے، وہاں یا یورپی کے ایک اسکول کی طرف  
 تیس انسانی کاوری سوس خیر و سب سربا واری کے پیش کر دیا گیا تھا جس میں آدمی کی اور ان کا رشتہ جی  
 قوں سے جڑا گیا تھا۔ مسئلہ سائنس کا شاید خفہ کا یا مرق و سوسہ کا ایک تاخر تھا۔ اس کو تو جیہڑی  
 تہ واریوں کو جیٹے کا یا اچھا یا نہ یا تھا یا۔ پھر بھی منیر کی آواز کو دہانے کے لئے ایک وحشی و وحشی  
 انہیں ہاتھ آگئی کہ آخر جیہڑیوں اور خدوں کی زندگی میں باپ داداؤں نے جس کام کو قدرتی حق کی مشیت  
 نظام رات نہ کھلی زمین یا اینٹ پتھر کے احاطوں میں رہنے کے بعد ان ہی کمر توں اور ہر توں کے  
 دیکھی جن خیر قدرتی کیوں ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ تہجد و انقلاب، تحقیق و دانش کے اس عہد میں  
 سب کچھ بدل گیا۔ لیکن انسان کے مشق یہ بات کہ وہ انسان نہیں ہے اپنے حال پر باقی رہا۔ فقط نظر  
 پھر کر کے ہر آدمی کو یہ یاد کرنا چاہیے کہ جسے فرشتہ قرار دیا گیا تھا، لادھجی کے اس دور میں وہی  
 یہ تفسیر لایا اور اس پر امر کیا گیا کہ اس حد تک امر کہ سربا واری کے نظام کے لئے اسے اسے اسے  
 کرنا پڑا ہے اب تک آدم اسمتہ (Adam Smith) کا جیہڑیہ متور اٹھل کیا جاتا ہے۔

اپنے اپنے طور پر اپنے ذاتی مفاد کے حاصل کرنے میں گہر غرض کو اگر کوہنہ چاہیے  
 لیکن اگر مذہب نہیں، تو قوانین دل و انصافوں قدر بدل نہ کرنا چاہئے۔

(دانتا بن و حیات ص ۴۲)

اس دخل کا اثر کچھ ہوا وہ تھا جیہڑیہ مشہور معاشی فرقہ لاؤتی نے کھیا ہے۔

آٹھارویں صدی کے ہر زور و مقابلہ میں اس کی دینی آدم اسمتہ کی تہم کا بنیادی  
 اصول بھی فراہم کر دیا گیا۔

کل کچھ جن کی فطرت کی ملگرتی و فطرت پر قرآنی جنت کے تصور و حکم تصور میں کثافت کا داغ بن جاتا تھا  
 ہی کے جائز خیال کو دیکھا گیا کہ جگلی و زندق، شیک و مندوں کی طرح ان کے لئے جہڑوں کے جتنے میں  
 کسی شرم دینا کے بجائے شیک ہیں۔ ڈانڈ گئے اس حد تک تھا کہ ان تصور ان الفاظ میں پہنچی ہے۔

تاکثر کڑووں کی کڑوئی سے اور ہر شہرہ جہڑوں کی نادانی سے قائم و ثابت

چلے جا رہے تھے۔ (دانتا بن و حیات ص ۴۴)

ہرے کہ آدمی اگر فرشتہ نہ تھا تو حقیقی وہ جہڑی قدر تھا۔ جائز ہے کہ اس خیال کا دور آخر  
 کچھ خیر رہتا، تاہم ان کا ادارت طبقہ سربا واری واری، صرف سربا واریوں کے لئے ہے۔ اور اس طرح  
 کہ ان داروں کا کوئی حق سربا واری نہیں ہے۔ ان پر صرف ان کے خاص حق ہے۔ لیکن حق کے خلاف  
 ان کے لئے کچھ نہیں ہے۔ حق کے اعتبار میں سربا واری نہیں۔ انسانی فطرت جس دور جیہڑی سے پہنچی  
 کے اس پر کہ وہ کب تک جہڑیہ نہ کہ سکتی تھی۔ ہاتھ اس ایک طرف باس کے اٹھانے والوں کی گزروں میں





بہر حال میں قرآن کا اس پر اور موت اسی پر امر ہے کہ آدمی بہر حال آدمی ہے۔ وہ جب دنیا میں پیدا کیا جائے تو اس وقت بھی وہ انسان اور آدمی ہی بن کر پیدا ہوتا ہے۔ جب تک زمین کے اس کو پر جیتا ہے تو آدمی ہی بن کر جیتا ہے حتیٰ کہ مرنے کے بعد بھی دوسری زندگی کو ملے کہ جہاں قیامت میں جب وہ اٹلے گا تو اس وقت بھی وہ آدمی ہی رہے گا اور جزاء و جزا کے فیصلوں کے بعد جنت میں جو جائیں گے وہ بھی آدمی ہونے کے سوا اور کچھ نہیں گئے۔ مگر یہی حال ان کا بھی جو کہ جو دنیا بابت اس میں جہنم قرار پائیں گے۔ اسی نے ایسے تمام خیالات جن میں انسانیت کے متعلق باور کرایا جائے ہے کہ انسانیت کے سوا وہ کچھ اور ہو جاتا ہے۔ مگر اسلام نے سب کو مسترد کر دیا ہے۔ مگر بعض مذاہب کے متعلق مفسر ہے کہ ان میں فنا فی اللہ کا حقیقہ پایا جاتا ہے یعنی مرنے کے بعد آدمی نہیں رہتا۔ خدا جو اصل کائنات ہے۔ وہی وہ ہو جاتا ہے۔ یعنی انسانی خدا بن جاتا ہے۔ تو نیکو کھڑوں کا انجام بتایا جاتا ہے اور نیکو لوگوں کو بھلائی ہو کہ دوسری زندگی میں بھلے آدمی ہیں۔ کہ وہ ہستی میں جاتے ہیں یا ٹھہرے ہیں یا جہنم کی فضا اختیار کر لیتے ہیں یا جہنم کو اسی میں جہنموں کے متعلق عرض کیا گیا کہ مرنے کے بعد ہی کے یہاں بھی دوسری زندگی میں انسان سے انسان اور مہاسات و مہذبات میں لے جاتے ہیں یا جہنم کو لے جاتے ہیں۔ وہ تو فرشتے اور جہنم میں، وہ شیطانی اور جہنم میں جاتے ہیں۔ میں نے کہا تھا کہ قرآن کی انسانی جنت کے ذکر سے لوگوں میں کچھ کل ایک قسم کی گرائی جریا ہو گئی ہے۔ اس گرائی کی وجہ میں درحقیقت انسانی کے متعلق انسانی نہ ہونے کا یہی مسئلہ پوشیدہ ہے۔ بلکہ قرآن میں آدم علیہ السلام کی حاکمیت کے ذکر سے کے سلسلے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سہرے کے مطالبے پر اٹھا کر ملے تو آدم کو سجدہ کیا۔ لیکن شیطانی نے اٹھا ٹھکر کر دیا اور انکار کی وجہ سے کہنے ہوئے ہیں اس نے کہا کہ میں آتش زاہد ہوں اس لئے اس خاک خاد سے بہتر ہوں۔ یہ تو ایک بات ہے جس میں عین مروت و حق پرستی ہے۔ اس میں ایک شاعر بھی منطوق کے اندر کی طرف بھی مہم ہوتا ہے۔ یعنی شیطانی بہریت رکھنے والوں کے سامنے ہے جو کہ آدم کی حقیقت اسی طرح کہیں اور جمل نہ ہو جائے۔ جیسے ابلیس آدم کو نہ پہچان سکے اور نہ ہی حالت سے دھوکہ کھا کر خاک خادہ قرار دیتے ہوئے تمام کج کامیابی کے ساتھ اس سے مل کر گواہی دینا چاہا۔ دوسرے الفاظ میں گویا ہم کہتے ہیں کہ انسانیت کے متعلق مختلف افہام کو سامنے لگنے کا مسئلہ ابتدائی میں اس طرف سے اس مسئلہ کے انداز کا سامنا کر دیا گیا تھا۔ انتخاب میں یہ کہیں لوگوں نے غریب سے غریب ہونے کے بعد سونے کی سونے میں چھپا لیا ہے کہ آدمی جہاں زندہ ہے اس کے اس قول میں اور شیطانی کے اس جملے میں کہ تمیک ہے، مرنے کا کوہ ہے۔ اس لفظ سے کہ انسان کو انسانیت کے صحیح مقام اور اس کے قدرتی مرتبے سے دوری لے کر آدمی کو چھپا پھانسیوں کو دونوں نظریات یعنی وہ جہنم میں یا جہنم میں کی طرف ہے۔ بہر حال انسانی

لے ملے ہیں ایک بڑا اثر ہے اس نے ان کو یہاں سے غریب کیا، کہ قرآن نے انہیں اس کے صحیح مقام پر لے آیا۔ جس کے سوا اور بھی ملے ہیں۔ قرآن میں شیطانی کا قول برسرِ نقل کیا گیا ہے اس میں عین صحت ہے۔ اسی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ جس کے کہنے کے بعد ہی تھا۔ اس میں مولا راون کے مشہور فقرہ ارتقا و ترقی کا ذکر ہے۔

ہی ہے۔ قرآن میں نہیں ہے۔ معاشی مسائل پر اور یا معاشی مسائل پر قرآن اسلام نے سب کو اپنا و متعلق کے میں جو چاہی ہو سکتا ہے۔ اور میری کچھ بھی نہیں آتا کہ دنیا و دگر اس پر نہ رکھی جاتی تو قرآن کیا جاتا۔ مگر کے اوصاف اس صورت کے آثار و خاص پر جو بحث کرنا چاہے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ بھی سوچ کر فریبٹ کرے گا۔ مگر شکر ہے۔ روزیہ کا جو ایسی صورت میں شکر کو بحث کے فکر کے خداداد گواہ رہا ہے کہ وہ رنگ ہے۔ اور جو ایک کوسے گا۔ اگر اس کی کیا جاتی باتیں شکر پر متعلق نہ ہوں تو اس میں بحث کرنے والوں کا تصور ہو گا۔ یا چھاری شکر متعلق ملامت کرنا اپنے طور پر رنگ کے حالات، کیفیات، آثار و خواص کے بیانی کو کیوں متعلق ہوتے ہیں۔ جیسے کہ بار بار کر چکا ہوں۔ اپنے اس مقالے کو میں نے معاشیات کے مرقع اسلامی مسائل و نظریات کی حد تک قصداً محدود کر رکھا ہے۔ اس لئے ان تفصیلات میں جانے کا میرے لئے قصداً موقوف نہیں ہے کہ انسانی کے معاشی عمل کی تدوین و ترتیب کا کام میں لوگوں نے یہ فرض کر کے انجام دیا ہے کہ وہ انسانی نہیں، بلکہ جنگل کا بہتر یا جنگل کا پھل ہے۔ یا جن حضرات نے بجائے بیڑیئے یا پھل کے انسانی کی انسانیت کا انکار کر کے کہا ہے کہ کوئی ان حضرات میں ہیں اور گھولوں، کتوں اور کیر تروں وغیرہ کے معاشی قوانین کو انسانی کے معاشی قوانین پر عمل کر کے انسانی تراشوں کو اپنی اس عجیب و غریب کوشش میں کن برائیوں اور فکریوں سے بے پروا ہو کر انہیں سمجھانے کے اپنی خود ساختہ گتھیوں میں یہ کس طرح الجھنے کیڑے کوس کے لئے تڑپا کر سکتا ہے۔ بلکہ اپنے بیانی کو مرقع اسلامی مسائل تک محدود رکھتے ہوئے اب صرف بتانا چاہتا ہوں کہ آدمی آدمی ہی ہے اور کچھ نہیں ہے۔

اس اسلامی بیانی کو پیش نظر رکھ کر قرآن میں جو چند ایسے کیفیات پائے جاتے ہیں جنہیں علماءوں کو ملنے اس سے عطا فرمایا ہے کہ اپنی معاشی و خور و روٹی کو اس کی راہ نمائی میں مل کر یہ جس اسی کو پیش کر دیا ہے ان کیفیات سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ انسان یا "انسان" یا "انسان" وغیرہ الفاظ سے جس جتنی باتیں قرآن کی تفسیر قرآن کرتا ہے۔ قرآن کے لفظ میں اس کے ایسے مخصوص انتہائی صفات و خصوصیات کیا ہیں جن کا اس کی معاشی زندگی سے بہرہ و مستحق ہے۔ اور جس سے اس کی زندگی کے معاشی قوانین متاثر ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کہیے کہ قرآن کے معاشی انسانی کے نمایاں اختلافات کیا ہیں۔ تیسری طور پر یہ سمجھنا کہ قرآن کی تعلیمات میں قرآن کے ساتھ دوسری بات جس کا اس موقع پر جاننا ضروری ہے وہ یہ کہ اپنی معاشی زندگی میں اپنی از حکم و بار پر چکر چکر، جن قدرتی پیداواروں سے آدمی مستفید ہوتا ہے۔ اور جس سے استفادہ کا یہاں اس موقع پر بیان کیا گیا ہے۔ ان کی نوعیت اور خصوصیت قرآن نے کیا بیان کی ہے۔ آئندہ یہ کہنا چاہتا ہوں اشیاء میں انہیں کہہ سکتے ہیں۔ جب تک ان لوگوں کو پہلے سے ذکر کر رہے ہیں۔ بلکہ اس کے قرآن کے پیش کردہ معاشی نظام کی بنیاد ان ہی دو باتوں پر مبنی ہے۔

بنیانی غلط بات یہ ہے کہ انسانی غیوریت یوں تو قدرت کے ماز ہائے گونا گویا کا ایک نام و دگر ہے۔ خصوصیات اور قرآن نے مختلف مقامات پر مختلف انسانا مختلف پیرایہ بیان میں اس کی طرف اشارے کیے ہیں۔ لیکن اس وقت میری گفتگو انسانی غیوریت کی مرقع ان خصوصیات تک محدود ہو گئی ہیں کہ معاشی

ساکھی سے متفق ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے سامنے سب سے پہلے جو چیز آتی ہے وہ خلقِ اللہ انسانیت کا  
 کی مشہور روایت کا مفاد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی جو یا آدمی کے سوا دوسری جان رکھنے والی ہستی انسانیت کی  
 مدت میں کی جاتی ہے جو اس مدت کو گزارنے کے لئے جس ضرورتوں کی وہ محتاج ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا  
 حصول زیادہ تر حیوانی قوانین کے ساتھ ہوتا ہے۔ اب متبادکہ کہہ دیجئے کہ حیوانی قوانین میں اس قدر  
 انسان کا اسی جیسی زندگی رکھنے والی دوسری ہستیوں کے مقابلہ میں کیا حال ہے۔ مثلاً وہ کہلاتا ہے بے غور  
 اور بے فرائی کے جس حال میں آدمی اس دنیا میں خرم و شادمان ہے۔ شکل ہی سے دوسرے زندہ وجودوں میں اس  
 کی فیکر مل سکتی ہے۔ تیز چاروں وال، مکہ پر، بانڈا، سینگ، چوٹی اور نرینہ میں سے کوئی قدرتی مصلحت کو  
 اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے۔ مگر باطن میں ہر ایک اپنی چادر اپنا اور اپنا پتھر اپنا پتھر اپنی کڑواؤں  
 کچھ باؤٹ اپنی سولہوی وغیرہ وغیرہ کے مابین کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ بعد اس کا مقابلہ وہ خیر و شر کی کھان  
 ہے جو ایک زندہ وجود کے ساتھ ہوتا ہے۔ گویا کہ نہیں ہوتا اور نگاہ جسم کے سامانوں سے خالی جسم ہی جو  
 اس کو شہ ہے سوا ستائز و تامل، احساس، اثر پذیر جسم ہوتا ہے کہ اپنے طبی سکون (ڈرہ) کے حصول کی  
 معمولی شدت کا مقابلہ ہی باسانی نہیں کر سکتا۔ گویا ہر آدمی اس معمولی تغیرات کی ایک سی شدت آٹھ کچھ  
 دینے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ حالانکہ زمین کے گرد پر اسی انسان کے ساتھ کئے گئے مائے آسمان سے اور  
 آباد ہوتے۔ ان کا سکون ہی آدمی ہے جو انسان کا سکون ہے، لیکن جو طبی تعلیوں سے پہنچنے کے لئے ان کو ان  
 در دوسروں میں پیدا ہونے کی فضا ضرورت نہیں ہوتی۔ جو میں خیر و شر آٹھ کچھ ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر مٹا جتنی  
 بھی جان رکھنے والی ہستیاں ہیں اپنا ہونے کے ساتھ ہی میں میں وہ ساری قوتیں اپنا تک ٹھہر رہے ہیں  
 ہر میں جس سے آندہ اپنی زندگی کی ضرورتوں کی فراہمی میں وہ کام پیتی ہیں، بلکہ ہر ایک کو کچھ کچھ دن اس کیلئے  
 گزارنے ہی پڑتے ہیں۔ اسی لئے ابتداء میں قدرت کی طرف سے ان کے اس باپ میں اس کا جذبہ پیدا کر دیا جاتا  
 ہے کہ اپنے اپنے طریقے سے اپنے نوزائیدہ بچوں کی پرورش و نگہداشت کریں۔ مگر اس لحاظ سے ہی ہستیوں کے مابین  
 متبادہ دوسرے حیران کنادوں سے کیا جاتا ہے تو آسان و فہم کا فرق نظر آتا ہے۔ ایک مرضی کے ہی بچوں کو  
 دیکھو کہ کوئی شبہ نہیں کہہ دیتے وہ اپنے تک اس کو اپنی ماں کی نگرانی کی حاجت ضرور ہوتی ہے۔ لیکن اس نگرانی  
 میں جو آدم زاد کو اپنی ماں کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اور اس نگرانی میں جو مرضی کے بچوں کو اپنی ماں کی ہوتی  
 ہے کوئی نسبت ہی ہے۔ انڈیا کھانے کے ساتھ ہی مرضی کے بچے مانگتے گتے ہیں۔ ان کی ماں کا کام صرف کھان  
 کرنا اور ان کی خوراک کی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد کچھ کچھ کھاتے پیتے سے دودھ کے بچان  
 دانوں کو پچھتے ہیں۔ مرضی کے ان سید و پادشاہوں کو خیال نہیں کہ گوشت کے اس و خطرے سے کیا خطرہ ہے  
 نام آدمی کا بچہ ہے ان فرق اس فطری غم کب ہوتا ہے وہ آدمی کے سوا جتنے ہی ہیں، جتنی کم مدت میں ہی پیدا ہوتا  
 ضعف قوت کے انتہائی حد تک کم ہوتا ہے۔ اس مدت کو اس طریق زراعت سے کیا سروکار ہے کہ بچوں کو

۱۲  
 قدرت کے حاصل کرنے میں صرف کرنا پڑتی ہے۔ واقعہ یہ کہ جن مارج کو دوسرے دونوں میں سے کرنا  
 آدم زاد ہونے میں ہی نہیں بلکہ برسوں میں سے کرتا ہے۔ ماں باپ کی احسانت و امداد سے آزاد ہرگز اپنی  
 کھانے کے کھنڈل چھوڑنے کے لئے آدمی کو عام حالات میں کم از کم پندرہ سال کی مدت تو چاہئے لیکن اس میں صرف  
 سال کی مدت میں دیکھ جاتا ہے کہ انسان کے سوا فربہا جتنے ہی ہیں خود ہی نہیں بلکہ ان کی چند ہستی ضعف  
 کے مارج کوٹے کر کے قوت کے اسی مقام پر ہوتی ہیں۔ جہاں باپنے کا پتہ کرتے پڑتے ہزار خرابی آدمی کا  
 پہاڑ ہے۔ ہر حجب اس پر غور کیا جائے کہ یہ پیدائشی ضعف کے ازالہ کے بعد دوسروں میں کھانے کی ضرورتوں  
 حصول کی جو قوتیں بروئے کار آتی ہیں۔ مگر آخراً تک ان کا ساتھ دیتی ہیں۔ ماں باپ کی نگرانی سے ایک  
 نئے کے بعد ہی وہ بچہ کہ زندگی گزارنے کے لئے ان میں سے کسی کو کسی دوسرے کی فضا حاجت نہیں ہوتی  
 ایک اپنی خود کفایتی زندگی گزارتا ہے۔ اپنی قوت بازو سے آخر وقت تک خود کا کیا کر اپنی طرف میں پوری کرتا  
 ہے۔ لیکن بنی آدم کا کیا حال ہے۔ ایک تو خدا خدا کر کے ان کے ضعف کا ازالہ دوسروں کے بعد ہوتا ہے اس  
 بعد حصول کھانے کی جو قوتیں انہیں کے دست و بازو میں نمایاں ہوتی ہیں۔ زیادہ زمانہ گزرنے نہیں پاتا  
 ہوتا کہ دینے پاؤں پر وہی پیدائشی ضعف مختلف و استوار سے، مختلف جیس میں سرنگانہ خراب کرتا  
 ہوتا ہوا کا خراب ایک ایسے فضا تک پہنچ کر پتا ہے کہ تقریباً وہی حال جس حال میں آدمی پیدا ہوا تھا، وہ کھا  
 تا ہے کہ پھر اس کی طرف پلٹ گئی۔ جیسے ضرورت میں نگرانی کا ماں باپ کی شکل میں محتاج شد آخر میں  
 وہی آدمی ان ہی نگرانی کا بیٹا اور بیٹوں، پوتے اور بیٹیوں کا دست مگر نظر آتا ہے پیدائشی ضعف کی  
 طرف جیسے قرآن میں خلقِ اللہ انسان ضعیف کے الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح ظہور قوت کے بعد  
 دوسرا ضعف جو اس پر ملا دی ہوتا ہے مگر وہ ذیل آیت کریمہ

خلقکم من ضعف ثم من بعد	پیدا کیا خدا نے قہیں ضعف سے، پھر
ضعف قوت شد من بعد قوتہ	کہ بعد قوت نمایاں ہوتی ہے، اور قوت کے بعد
ضعف و شیبہ	پھر سن و سہ و بڑھاپہ و رستہ پیمانی

یہ ذکر فرماتے کے بعد قوت کے بعد واپس پڑی ہوتی ہے واپس ضعف کے من آٹھ کچھ آدمی کے ظاہر  
 میں نمایاں ہوتے ہیں۔ یا اس مارج کو فرمایا گیا کہ  
 ومن ضعیف و شکسہ فی الخلق  
 اسے اس کی خلقت میں

تقریباً ہر میں ہوتا ہے کہ بچے ہاتھ چھوٹی چھوٹی گردنیں، پسوں کے ہارے بازو قوت دوسرے ہر میں  
 پسوں سے چھوٹی ہوتی ناگہیں ہتھ دیکھ گئے گئے، گتے گتے ایک پٹی ہوتی گتے کی شکل میں  
 ملے جاتی ہیں گویا وہی گوشت کا ایک زندہ و تیز جیسے آدمی ضرورت میں معلوم ہوتا ہے۔ آخر میں ہی کفایت  
 مگر خدا اس سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ اس و خطرے پر جو ابتداء میں پیدا ہوتا ہے۔ لوگوں کو چار آتا ہے اور  
 اس جبری خدے سے ہونے کا پتہ دل سے اور مخرج خزانے والے مضر گوشت کے دیکھنے سے لوگ بچوں کو کہنا





اسلامی معاشیات  
 انصاف میں ایک نوع کے نیچے افراد انسانی بھی مندرج ہیں مگر عجیب بات یہ ہے کہ انسان کے سماجیات  
 کی بنی دوسری نوع میں ہیں، مثلاً گھوڑا، اداست، بیل وغیرہ، انہیں کے افراد میں بھی صفات و کمالات و تفاوت  
 منور ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے اگر ہر نوع کے تمام افراد اپنی تو ایک نوع کے جو مختلف انسان ہیں ان کو ان  
 کی ایک ایک صفت کے افراد پر اگر غور کیجئے تو ہر دو صفاتی تفاوت کے اس صفت خاص کے افراد میں بھی کمی  
 پائی جاتی ہے کہ جو کمالات ایک فرد میں پائے جاتے ہیں۔ وہی کمالات اس صفت کے قریب قریب دوسرے  
 فرد میں بھی آپ پائیں گے۔ مثلاً مریضوں کی سیکڑوں نہیں ہیں۔ ہر نسل چند خاص خصوصیتوں کی حامل ہوتی  
 ہے۔ مثلاً ہر نسل کی بات ہے کہ ان نسلی خصوصیتوں کے لحاظ سے اس نسل کے افراد میں بھی کو کچھ نہ کچھ تفاوت  
 ضرور ہوتا ہے۔ لیکن اتنا کم کہ اس کا ہونا، از ہونا، دو وزن گویا کچھ برابر ہی رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ  
 ان جانوروں کی ہر نسل کے افراد کی معاشی ضرورتیں تقریباً یکساں ہوتی ہیں۔ کھانے میں، پینے  
 میں، اور سنے کی ضرورتیں ہیں۔ سب کی معاشی سطح قریب قریب برابر ہی رہتی ہے۔ لیکن  
 اسی کے مقابلے میں آدمی اور اس نوع کے انسان پر غور کیجئے، جس کا نام انسان ہے  
 اس کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔ اور مختلف نسلوں میں آدمی بھی بخلاف ہر اس ہے۔ لیکن حال یہ ہے  
 کہ دو نسلوں یا دو نسلوں کو تو جانے دیجئے، ایک ہی نسل میں باپ کے دو بیٹے ہوتے ہیں۔  
 لیکن دونوں میں پیدا نشی صفات و کمالات کے اعتبار سے تفاوت اور اتنا تفاوت  
 ہوتا ہے کہ کبھی کبھی یہ دیکھا گیا ہے اور ذرا دیکھا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک کو اگر انسان  
 کہا جاسکتا ہے تو دوسرے پر شاید حیران کے لفظ کا اطلاق بھی مشکل ہی سے صحیح ہو سکتا ہے  
 بہت کم آدمی ہیں جن میں انسانی ہی کی کمال پرکھی رہتی ہے۔ دونوں پر انسانی ہی چہرے مزاج  
 جوتے ہیں۔ لیکن ذہن و ماضی و جسمانی و اندرونی و بیرونی و ظاہری و باطنی کمالات و صفات  
 کے اعتبار سے آئے دن دیکھا جاتا ہے کہ ایک جوان اگر آسانی پر ہے تو دوسرا شیک اس  
 کے بالمقابل سخت آخری یا پائال ہیں۔ ایک خوب صورت ہے، اتنا خوب صورت کہ  
 دیکھنے والوں کی شکل بندھ جائے۔ دوسرا اتنا زشت رہا کہ ہر انظر، ہندی شکل کا پورا ہوتا  
 ہے کہ دیکھ کر ہی ستانے لگے، ایک غمی ہے، دوسرا ذہین، ایک چست و چالاک ہے، دوسرا بولڈ  
 کالی و سست، ایک فرشتہ خلعت ہے۔ دوسرا شیطان حیرت و کسی کو قہری سے لگاؤ ہے تو  
 دوسرے کو ریاضی سے کسی کا بھی جو پارہ کار عباد کرنا پڑتا ہے۔ تو دوسرا کان بول کا کیرا نظر  
 آتا ہے۔ اور شیک جیسے جوانی انسان میں سے ہر صفت اور ہر صفت کے افراد میں معانی تفاوت  
 کی کمی نے ان کی زندگیوں کی سطح میں ایسا محسوس تفاوت پیدا ہونے نہیں دیا۔ جسے  
 قابل مساوات سمجھا جائے۔ بیساکہ میں نے عرض کیا۔ اسی وجہ سے ہر ایک کی معاشی  
 ضرورتوں کی نوعیت لگتا و کیجئے تقریباً ایک ہی طرز کی ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں افراد  
 انسانی میں اندرونی و بیرونی و ظاہری و باطنی اعتبار سے کمالات و صفات اور ان کی

اسلامی معاشیات  
 کہ انسان کے سماجیات و معاشیات کے اس اختلاف کی نظر شکل ہی سے کسی دوسری نوع یا صفت  
 میں مل سکتی ہے۔ چوں کہ مادہ و معاشیات کا یہ تفاوت افراد انسانی میں ان کمالات و صفات ہی کے  
 اعتبار سے کا جاتا ہے۔ جراثیمی نہیں۔ بلکہ جو ان کمالات و صفات پر انسانی چہرے پر کیوں کہ سب و گشت سب سے بھی  
 کمالات و صفات کی کمی و بیشی ان ہی رجحانات و میلانات اور ان ہی مائیتوں اور صلاحیتوں کے تابع  
 ہوتی ہے، جنہیں ہر شخص اپنی ماں کے پیٹ سے لے کر پیدا ہوتا ہے۔ شاعری کی صلاحیتوں کو محنت و کوشش  
 عظیم و تربیت، اصلاح و ترقی سے آدمی ترقی دے سکتا ہے، لیکن کیا ممکن ہے کہ شاعری سے جسے قدرتی  
 قابلیت نظر نہ آئے، زور و زحم سے کوئی اسے شاعر بنا دے۔ حالانکہ اسی کا دوسرا جوانی بے شک کھائے  
 حیدر پر قصیدے، غزلوں پر غزلیں و حسان چاہتا ہے، آج تعلیم و تربیت کے سلسلے میں بچوں کی طبی  
 صلاحیتوں اور نفسیاتی رجحانوں کو سب سے زیادہ اہمیت جودی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ اس کے سماجی  
 اور کیا ہے کہ انسانی نشوونما، ترقی و پیدگی کی توقع ان ہی صفات کے متعلق کی جاسکتی ہے جنہیں ہر عظیم  
 شخص اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور ان ہی خصوصیتوں کا ایک ہی ہوتا ہے ایک ہی کرے ہیں ایک ہی نصاب کی تعلیم پر  
 جماعت کے ہر فرد کی جاتی ہے۔ لیکن سب پر اس عظیم کا نتیجہ ایک ہی کیوں مرتب نہیں ہوتا۔ بہر حال صفات  
 کمالات کے اسی تفاوت اور اس تفاوت سے مادہ و معاشیات کا اختلاف، انسانی کے افراد میں جو  
 پیدا ہو گیا ہے۔ قرآن نے مذکورہ بالا باتوں میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، اور یہی وہ دوسری خصوصیت  
 نوع انسانی کی ہے جس سے انسانی زندگی کا نظام متاثر ہوتا ہے۔ معاشی زندگی کی وہ ہوا کی جگہوں  
 اور رکشوں میں اور ہوں اور ان ہی جیسے مختلف جوانی و انواع اور نسلوں میں پائی جاتی ہے۔ بنی آدم کی  
 زندگی کا معاشی نظام اس سے بالکل مختلف ہے اور اس اختلاف کو اپنی فطری کمالات کی کمی و بیشی کی وجہ  
 سے معاشی زندگی میں جو نتیجہ و فراہم ہوا گیا ہے۔ کوئی اور نہ نظر آتا ہے اور کوئی نہیں۔ اس قدر کے ختم  
 کرنے کی طرف ہی توجہ ہو سکتی ہے کہ پیدا ہونے والے بچوں کے اندامی وقت کوئی تبدیلی پیدا کی جائے  
 جب بچہ اور میں مختلف جذبات و رجحانات کی صلاحیتوں اور مائیتوں کو وہ فراہم کرتے ہیں اور ان کا تو  
 میں نہیں کہتے لیکن قرآن میں کائناتی حوادث کے اسامی کلیات میں جو چند چیزوں کو داخل کیا گیا ہے ان میں  
 لگے مطلب یہ ہے کہ افراد انسانی میں کمالات و صفات ہی کا یہ تفاوت نہیں پایا جاتا۔ بلکہ سب کے لحاظ سے مختلف  
 صفات و کمالات میں خود حقیقت کا یہی تصور تخلیق ہے، آخر تو ایک ہی ایک قسم میں ایک شخص پیدا ہوتا ہے۔ اور بہت نادر  
 لگنے کے بعد کام کرتا ہے کہ کوئی کوئی بے نگر دیکھ دیکھ کر کسی قسم میں ایک اور فرد پیدا ہوتا ہے اور ان کو  
 صحت مند انسانوں میں اپنی قوم کا لگتا ہے۔ یہی قسم کہ دوسری خاص قسم تو اس سے بہت جلد سے کیا جاتی ہے کہ  
 کی صورت میں جو کہ ہے، صحت مند انسان کی جیسا کہ کسی قسم کا سائنس کا سائنس ہر ممکن ہے۔ کمالات و صفات میں بھی  
 خود حقیقت کا تفاوت ہوتا ہے، اس کا بھی مطلب ہے









فناش اس کے لئے فریم ہوتے رہتے ہیں۔

ہر حال میں سائنس دانوں اور پیداواروں پر اس ناکہ دہن کی زندگی گزری ہے۔ قرآن سے ان کے علمی و خیالی صفات جو معلوم ہوتے ہیں وہ تو یہ ہیں، باقی حیدر جان کی مدد جانوں، عقل و فیوض کے جو سرچر جانتے پیدا کئے جا رہے ہیں۔ شہروں، شہروں، دیہاتوں، دیہاتوں کے ایک ایک مرد، ایک ایک عورت، ایک ایک بچہ کی خوراک ان کے پاس، ان کی دیگر ضروریات حیات کے لئے بنا کر دئے زمین کے کھیتوں، کاشتکاروں، فیکٹریوں کی پیداواروں سے متبادل کر کے کسی رعایت اور کسی فحش جناح کو اپنے اوپر لوگ جو مسلہ کر رہے ہیں، ہر کسی ہتھتے ہیں، اور کسی روئے ہیں۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اپنے ان استخراجی نتائج پر اس جو مسوگوں کو کیسے پیدا ہو جاتا ہے کہ ان ہی نتائج سے مشاخر ہو کر مصنوعی طور پر نہیں، بلکہ واقعہ میں یہ رو بھی ہوتے ہیں، اور پیش بھی سکتے ہیں۔

لیکن یہ ہے کہ قرآن میں سائنس کے پیش میں مقدمات کے متعلق ہوتے ہیں، جن کو رفع کر کے تجربہ پیدا کیا جاتا ہے۔ کمل برائی بات ہے کہ وہ فیض نہیں کی انتہائی کوششوں سے کامل اعتبار کا کام میں آتے ہوئے ہیں، آدمی میں مقدمات سے اس ہم میں ختمے حاصل کر رہا ہے یا کر سکتا ہے، زیادہ سے زیادہ وہ اس عالم عروس یا عالم شہادت ہی کے حوصلہ ہوتے ہیں لیکن قرآن میں انہیں کی پاک کٹیوں (خلاصہ) کا ذکر ان الفاظ میں جو کیا گیا ہے

خشب کی | وحده علم الساعة ونزلنا نیت  
وعلیہ ما فی الاوانع وانا نکرہ  
نفس حاد انکسب غدا وناقرہ  
نفس باہی ارضی متورہ  
کلام کیا کرے گا اور نہیں جانتا ہے کرنی کو کس مزاج میں رہے گا۔

ان پاک کٹیوں میں سے اور ان کو جانے دیجئے۔ صرف ایک بات جس کا ہمارے "سائنس دان" قرآن سے بہت زیادہ قریب کہ متعلق ہے۔ یعنی "انیت" (بارش) جو ہر سال تقریباً دنیا کے عام حصوں میں برستی رہتی ہے اور چیزیں برستی ہے۔ تاکہ ان کے مسموم نہاتے سے اس کے برتنے کا مسو جاری ہے۔ لیکن اگر کئے وٹے صاف کیے ہوئے وٹے سال کے متعلق یہ بات کہ کب کب کہاں کہاں، کتنی کتنی مقدار میں برے گا، کیا خوبیا ہوتی ہیں، ان سواٹوں کا کوئی نفسی جواب اپنے پاس رکھتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے زرقی نظام کا زیادہ تر مادہ وہی اسی بارش کے مسئلہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اسی کے علم سے آدمی جب جاہل ہے تو جوں سے جو علمی نتائج پر اکتے گھڑی کیا واقعی وہ علمی نتائج کھانے کے متعلق ہو سکتے ہیں، وغیرہ میں دوسروں سے کیا بحث کی کروں، لکھنا پانا ہوں کہ قرآن میں جو کچھ ہے، ہر جہر و سام کے اقوال میں جو کچھ پایا جاتا ہے، اسی کو

قرآن میں ان خیالات کے متعلق کچھ اشارے ملتے ہیں، بھی نہیں، نانت کہ اسے یوں ہی چھوڑ دوں۔

جانت رفق | تو بات یہ ہو رہی تھی کہ جن صافشی پیداواروں پر آدمی اپنی موجودہ زمینی زندگی گزار رہا ہے، قرآن سے ان کی علمی صفت قرآن معلوم ہوتی ہے کہ انہیں ہمیشہ سے بطل کی کیفیت ان سے نہیں ہو سکتی، پیدا کرنے والے کی یہی مشیت اور یہی اس کا طے خدہ ارادہ ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ قرآن میں بھی یہ بین دلاتا ہے کہ باوجود اس طے شدہ ارادے کے یہ بھی قلمی ہے کہ اتنا بہر حال پیدا ہوتا رہتا ہے، ہر جہاں رہے گا۔ جس سے آدمی اور آدمی کے سوا دوسرے زندگی گزارنے والوں کو سائنس فریم پر ہوتے ہیں، اس وقت تک فریم ہوتے رہیں گے۔ جب تک قدرت انہیں زندہ رکھنا چاہتی ہے، یہی مطلب ہے غنبت زرق کی، انا شہد آیتوں کا، یعنی

وما من دابة الا علی الله  
سارحها یصلح مستقرها  
مستودعها۔  
جانے گا اس کو بھی۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

وکاش من دابة لا تحمل ثقالا  
والله یزین حکمہ وایا کمدھو  
بالصیح والعلیہ۔

آل اولاد کے بارے میں آپ کو کلام رکھنے کے لئے جاہلیت میں قرآن میں منہ قرآن، بلکہ قرآن کا ہی ایک بڑا صافشی حل یاد کیا جاتا تھا۔ قرآن کے قتل اولاد کے اس مسکا کا فضل سے روکتے ہوئے اسی کا

ولا تقسوا اولادکم خلیۃ لخلق  
فمن یزینکم وایا کمدھو۔  
تیسری جگہ قرآن میں دیکھتے ہیں انہیں بھی۔

ہرگز نہ حشر میں ہرگز نہیں صلی، خدہ علم نے، اسی قرآنی حقیقت کا اظہار منہ لفظ میں فرمایا ہے۔ حشر کی کتابوں میں اس کا کافی ذخیرہ موجود ہے، حاصل سب کا دیکھا ہے کہ خدائی اثر یا چاہیے تو کہہ سکتے ہیں کہ خدائی مواد (ذبح) میں اتنی گہرائش ظن رکھی جاتی ہے جس کی بدلت جینے کی مقررہ مدت ہر جینے وٹے ہو رہی ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ خدہ کے انکار سے جن کے داغ داؤت ہیں، ان حشری سوا جانوں سے تو بحث نہیں، لیکن واقعہ میں عالم کے اس جتنے جائے نظام کو لا محدود قدرت والی قوت جو چاہے رہی ہو سکتے ہیں، اس کے متعلق اس کے سوا اور سو کچھ کیا سکتے ہیں۔ باوجود اہم گہرائش کے تو کروں تک کہ تقریباً ہر کچھ دینوں کے سوا جب صلی ہر شے جو اس رکھنے والا آدمی بھی نہیں کر سکتا تو اسی فضل کے اختساب کی

اسی میں مساحت  
جہات ایسا ذرا بڑھانے ہی و قیوم ادا تا دینا، قرآن کی طرف کیسے ہو گئی ہے۔

پھر حال، اپنی موجودہ زندگی میں آدمی جس مساحت پیدا کردوں سے مستعد ہو رہا ہے وہاں پیدا کرنا  
کی پیدائش کا صحیح اور قدرتی پیمانہ کیا ہے، ایک تو یہ بات اور خدا مستعدہ کرنے والے یعنی ہی آدم کے عقلی  
خصوصیات جس سے ان کی مساحت پیدا ہوا، انھوں نے ذوق، کسب معیشت کی کششیں متاثر ہو رہی ہیں۔ جس  
ترویج انسانی مساحت کی بھی وہ وہ مساحتیں ہیں اور ان میں مساحت ہے، اور کوئی چیز نہیں  
کو آدمی اپنی مساحت زندگی میں جس مساحت سے زمین کے اس کی پر دو چار ہے، اگر خوراک جائے تو عقل و تجربے کے  
بصر پر چھوٹے کو فزائے گا اگر ہی دو فیادی حقائق کے یہ قدرتی نتائج ہیں، بات اگرچہ طویل ہوتی جا رہی  
ہے، لیکن اختصار سے اگر کام لیتا ہوں جو کچھ سمجھا جا چکا ہوں، اندیشہ ہے کہ اکثر لوگ ان رسائی وہاں تک نہیں جاسکتی  
میرا مطلب یہ ہے کہ اس قدر کہنے والے ہیں انسانی اور جس سے استفادہ حاصل کیا جا رہا ہے ان  
کائنات کی قدرتی پیداوار میں ان کے جس خصوصیات و صفات کو قرآن سے استنباط کر کے آپ کے سامنے پیش  
کیا گیا ہے، حتمی دیر کے لئے ان سے قطع نظر کیا جائے اس کے بعد چاہئے کہ صورت حال کیا رہی رہتی ہو اس  
وقت ہے کہ انسانی شخص سمجھ سکتا ہے کہ حصول ذوق یا فراہمی مساحت کے وہی نتائج اگر آدمی کو بھی میرا کیا ہے  
جو اس کے سوا زندگی گزارنے والی دوسری ہستیوں کو زمین کے اسی کہہ پر قدرتی طور پر حاصل ہیں، یعنی وہی مساحت  
و ذرائع جس کے بل بوتے پر ان میں سے تقوینا ہر ایک ایک قسم کی خود انکسائی زندگی سے بہرہ یاب ہے، اگر آدمی  
میں بھی ایسا باقی رہا، تو یہی چارہ ایک ایک ضرورت کے لئے اپنے اپنے جیسے جیسے کے بے شمار ذرائع کی  
رعایتوں کا جو راجح دست نگہ کیا یہ حال اس کا اس وقت بھی باقی رہ سکتا تھا، یا ان ذرائع سے محروم ہونے  
کے باوجود بھی اگر کسی ہوتا کہ جیسے سب اپنی اپنی ضرورتوں کی ایک خاص مقدار کے حاصل ہو جائے کے بعد مسطح  
ہو جاتے ہیں۔ یہی کی اس کیفیت سے انسان کی فطرت بھی سر فراز ہوتی، لیکن ایک طرف تو بے مروت سامانی  
دلے توانی کے ان حالات میں پیدا کیا جاتا ہے، جس کی طرف سے یہ خیال میں قرآن نے متعلق صنعت اور  
صنعت سابق و لاحق کے ذریعہ سے اٹھا رکھا ہے، اور دوسری طرف ماں کے پیٹ سے ہر وہ شخص جو آدمی ہو کہ  
اس دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ اگرچہ کسب خیر اور پرہیزگیت کے اس اندے کو کبھی لاپتہ نہ ہوتا ہے جتنا  
زیادہ ہو جاتا ہے، اسی قدر وہ اور خالی ہو جاتا ہے۔

پھر یہی عارضہ جب آدمی کی فطرت کو رنگی ہو گیا، خود تو عقل میں خیرین کے اس نہیں مطالعہ کی  
تعمیل ہی کا کوئی حال نہیں کیا جاتا، لیکن قرآن نے اس کے کہ جس پیمانہ پر قدرت یہاں مساحت کے  
ذرائع کو پیدا کر رہی ہے۔ قصداً و اراداً ان کو ایسے حال میں رکھا گیا ہے اور ہمیشہ رکھا جائے گا جس پر فزائی  
اور بہتہ کا تجربہ بخوبی معیشت سے کسی مرتب نہیں ہو سکتا جس کے ہی معنی ہیں کہ موجودہ زندگی کے متعلق یہ امکان  
بھی ختم ہو گیا کہ آج نہیں تو شاید کل کسی زمانے میں یہی پیدا ہے کو اپنی پیاس کے مطابق یہاں پانی میرا جائے گا  
ماں لگے باغرض کل اگر اس کا کوئی من ہمارا ہی آئندہ دنوں کے سامنے ابھی جائے تو اس سے ہم آگاہ کے  
گذرے دنوں کی شکلات پر یک اثر پڑتا ہے؟

اور ضرور سب کچھ اگر چاہتا، تو کم از کم اس کے ساتھ ہی کر دیا جاتا کہ جیسے آدمی کے سوانح نامہ اور  
انسانی حالت ان کے افراد میں طبع و مزاج کا فرق نہیں پیدا کیا گیا ہے، ان فرق انسانی کے افراد ہی  
کی یہ حال پر پیدا کئے جاتے، لیکن رجحانات و صفات یا قدرتی صلاحیتوں و وسوسوں کے شدید اختلاف  
کی بدولت کائنات و صفات کے اعتبار سے انسانی افراد میں جو تفاوت پیدا ہو گیا ہے، اور کائناتی و صفاتی  
قدرت کا یہی اثر قدرتی قانون مداریہ و مراتب کے تشریف و فزائے کے نمائندے کہ بسا اوقات ایک ہی مساحت  
پر جو لوگ ہیں ہر ملک، ہر شہر، ہر گاؤں بلکہ ہر گھر، خاندان میں جو پیش کرتا رہتا ہے، لاپتہ ہے کہ مساحت  
کی یہ بات کہ وہ دو کپ کے بند کے لئے مستقل تازیار کی شکل نمائندگی کی یہ فطرت ہی اختیار کئے ہوئے  
ہے، آدمی ہے، لیکن ان کائنات و صفات ایسے ہیں، جس سے عوام ہے، مثلاً اگر بھئی کے ایک کمان کی  
پھر وہ کمان ہی اس کمان سے سر فراز ہیں، لیکن جو گھر دوسری سطحوں یا اجزاء کے افراد کا کل  
اس کمان سے محرومی کا لگائی آدمی میں نہیں پایا جاتا، لیکن مصیبت قدرتی ہے کہ باوجود انسانی ہمت  
سائے ایک جہانی کہ آدمی جب بندوں پر پاتا ہے، تو قدرتی طور پر اپنی ہیبتوں کا احساس کائنات جو کہ  
کے دل میں جیسے گت ہے، بلکہ عوام جس سے جتن زیادہ فری متاثر ہوتا ہے، ایسی کی بلندی اپنی ہی  
کے فاصلوں کے لئے زیادہ گھٹتی ہوئی ہوتی ہے۔ مگر کیا کہیے کہ انسان اور انسانی افراد کو جس نے پیدا  
کیا ان ہی حالات میں پیدا کیا ہے۔ اور پھر حال آدمی ان ہی حالات میں پیدا ہو چکا ہے  
پھر اب یہاں یہ ہے کہ شکلات کے ان ٹکڑوں سے جو خود نکلتا چاہتے ہیں، یا دوسروں کو کھانا  
دیتے ہیں۔ ان کے لئے کچھ راوی مل گیا ہو سکتی ہے؟ کیا قدرت کے ان قوانین سے جنگ کا امکان  
کر دیا جائے؟ کچھ تو سب ہی اس قدرتی قوانین سے جنگ کا انجام شکست و ذلت کے ہوا نہ چلے  
تو نکلا ہے۔ نہ آئندہ نکل سکتا ہے، زندگی کا ہر تجربہ اسی کی تعلیم دیتا ہے، اہم قدم پر اس کی غماز  
کئے دن آدمی کے سامنے پیش ہوتی رہتا ہے۔ لیکن زندگی کے دوسرے پہلوؤں سے تو درست سمجھتے  
نہیں، ہر مساحتی شکلات سے نجات کی راہوں میں یہ عجیب بات ہے کہ کچھ کی مدد تک تو کچھ داسے جو کچھ بھی  
کچھ ہوں، لیکن کرنے والوں نے جب کبھی کچھ کرنا چاہا ہے تو حرم کچھ ایسی صورتیں انھوں نے اختیار  
کی ہیں جن کے متعلق چاہا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ قدرت کے ان قوانین نے وہ جنگ کرنا چاہتے ہیں  
تعمیل کا سوچ تو نہیں ہے، اور جیسے کہ سبیل کہتا چاہا، آدمیوں و مردوں کے عمل سے اس میں ہرگز  
کچھ بھی بحث ہی نہیں۔

یعنی انہیں کے  
جس شے نظر آئے  
لیکن طبعاً چند چیزوں کے ذکر سے کرا بھی نہیں پاتا، میرے کہنا چاہتے ہیں کہ  
بائبل کے نام سے سمجھتے قرون و اعصار میں جنوں کی طرف سے جو اس قسم کے مسائل ہمارے  
ہیں، ان کا حاصل و خاک آلودی اور نتائج سے اپنے قلوب کو خالی کرنا انسانیت کی سب سے بڑی مساحت ہے  
چاہا تو جسکی جانب غور کیا گیا ہے کہ فطرت کو مدعاؤں سے خالی کر لینا، اپنی زوآنا کسب سے بڑا مقصد  
تعمیل میں ہے، یا پھر ان کے عمل یا سکول کے فلسفہ







جس کے لئے سارے پانچ بیٹے تھے۔ یہ یعنی بنی اسرائیل۔ وہ بنی اسرائیل باقی نہیں رہتی، ماضی خلقت کے حل کی ایک ساری خبروں میں یہودی ہر کسی سے جو ہر حال میں جنگ کے ہر وقت کی صورت میں باقی رہتا ہے۔ یوں ہی بنی اسرائیل ہے کہ جو ہر ہندو بھی کہہ جائے گا۔ انسانیت کے حقوق کے لئے وہ کسی دوسرے نئے پتوں کی شکل اختیار کر چکا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے لئے مسلسل یوں ہی منت ہی نہیں ہیں بلکہ چلے جائیں گے، اور یہاں کیا گیا ہے، وہ اپنے پیروں کے لئے والے سے ابھر کر قسم ہے اسی پر کہ اس کے لئے کہ کائنات میں نہیں مکت ہوئی گی۔ تاکہ اسی کی شہادت ہو جس کو یہی ہے، اور اس جنگ کو جیتنے والے جب تک جیتے نہیں گئے شہادتوں اور تجویزوں کا یہ مسئلہ بھی جاری رہے گا۔

اعلمو انکے خیر و عجزی اللہ  
و انکے خیر و عجزی اللہ  
میں ان کے خیر و عجزی اللہ  
میں ان کے خیر و عجزی اللہ

**صلح کا مطلب** | مید و کتا چاہتا ہوں کہ دیکھنے والوں اور تجویز کرنے والوں نے دیکھ جائے کہ تمام فطرتوں اور تمام فطرتوں اور ان کے سبب سبب، ان فطرتوں کو جب دیکھو، تجویز کرید کہ یوں نہیں تھا وہ وہ مقابلہ کی اس پر خوار ہوئی کہ جو ذکر صلح کی اس راہ پر خوار کرتے ہیں۔ اس مقام کے زندگی کے کسی نہ کسی میں ہیں، بنی اسرائیل، بلکہ یہاں بھی ایک خیال ہے، ہر اس شہر میں اختیار کیا ہے جس میں فطرتی قوانین سے دلا کر دینا کر عزت، انسانی زندگی ہے اس ساری قوانین کو ایک بڑا ہم کہہ سکتے ہیں جس سے سمجھنے والے عقائدوں کی فطرتیں پیدا ہوئی ہیں، لیکن عملی طور پر اس کے کچھنے کی توفیق شاید چند خاص ہی شخص کو میسر آئی ہے۔ مسئلہ کی اچھوت ذرا تفصیل چاہتی ہے۔

**ازرا کا بیان** | اس سبب ہے کہ میں قوانین پر دنیا اور دنیا میں وہ ہیں کہ تمام قائم ہے یہ تسلیم کرنے کے لیے کہ ان کا پیدا کرنے والے اور ان کو نافذ کرنے والے علم و حکمت کے ساتھ رحم و کرم کا بھی اوصاف ہے جس کی ایک ایسی عقائد الخیاب اور ہم ان کے حقوق کی ایک کو کے لئے یہ تصور کرنے کی گنجائش پیدا ہو سکتی ہے کہ اس نے کوئی خفا قانون بنایا، ایسے خفا قانون جس کی وجہ سے اس کے بندے ڈکے دو دیکھنے والے فطرت میں جتنا ہو گئے مسلمان ہو یا غیر مسلمان، ہر شخص ہر مذہب کو ملتا ہے، یہی اس شوق کی جست نہیں کر سکتا، ہر انسان کے اندر جو یا انسان سے یا ہوا مسلط انسان میں چاہیے تو کچھ کہ اختر میں ہر باخلاق ہیں، ان چیزوں کا شاہد و گواہ ہیں اور اس سے جو برتری میں اور ان کے لئے اس کے حق میں کافیا عقل سے بھی کیا ہے اور مذہب نے بھی۔ آخر آدمی کے اندر ہی کچھ، جیوں صفات خود اس کے اندر دیے پائے جاتے ہیں، ان صفات ہی صفات کو لئے کہ وہ پیدا ہو سکے، جس سے دنیا بھی پیدا ہو سکے اور مذہب نے بھی جس پر نہیں کی، یہ سب سب کے لئے خود فطرتی اور اس قسم کے سارے و فائل جو عمر کا فطری طور پر لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اس کے سوا کسی کی ہو سکتی ہیں، جس نے انسان انسان کی فطرت کو پیدا کیا اور یہی حالی افلاقی کا لگتا ہے یا اور یا انسانی موجودات کے ان پیروں کا ہے۔ جس سے آدمی کو ڈکھ چکا رہا ہے۔

انسانی جمادات اور اس کے ماضی پر اگر غور کیا جائے تو ایک بڑے حصہ کا خلق معلوم ہو گا کہ ان کے آباء ہم کے ان ہی خرد اور ان ہی بڑوں سے ہو جن کی بدولت آدمی کی موجودہ زندگی متبانی ہوئی ہو گی۔ جس سے ہو گئی ہے۔ ان ہی پیروں کی حل کی راہوں میں کش مکشوں کا ایک لامحدود مسئلہ جاری ہے۔ اس سے علوم و فنون کا ایک بڑا اور فزین ہی کے باعث سے حوالہ دے رہا ہے۔

بات طرل ہو جائے گی، قدر مختصر ہے کہ جو کش مکش کی ان راہوں میں ایک گروہ تو ان کے اپنے انہوں نے ان خرد اور بڑوں کے انرا و متبادل کا اپنا نصب العین بنا کر چاہا ہے کہ اسی سے زندگی کی پیروی کریں کہ حل پیدا کیا جائے۔ اسی راہ کے وہ مشورے ہیں، جن میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ خفا محدود کریں، جس نے کہ وہ خود فطرتی سے باز رہا تو وہ خود ماضی شکوت کے حل کے مسئلہ میں گزشتہ ذہنوں کا جو ذکر کیا گیا تھا اور اصل اسی کی کہ کا وہ بھی ایک چیز ہے، یعنی ماضی پر اور اس میں یہ جانتے ہیں کہ اس میں اس قدر قدرتی خصوصیتیں ہیں جو حیات سے ان کا غیر ہوتا ہے، جس تو اس خصوصیت کے متعلق ارادہ کیا گیا کہ اس کو کر دیا جائے، یا ان ماضی پر اور ان سے جو مستند ہو رہا ہے، یعنی انسانی فطرت کی اس خصوصیت کا انرا کر دیا جائے جس سے ذاتی ہندوہ کی انہوں کا خلق ہے، انہیں عرض کر چکا ہوں کہ فطرتوں سے سبب دہری مشورہ دیا ماضی حکم لاتی فطرت کی وجہ سے افراد انسانی انسانی کی فطرت میں مراتب و درجات کا جو قدرتی شکوت ہے چاہا جا رہا ہے کہ اس انکشاف کو شادو یا جائے۔ حاصل دو فوں کا وہی از آکر ہے انہیں ت (تینکس) کی ایک قسم میں ہوں کہ ان کی کیا کیا چیزوں میں جتنا رہا ہے، غرض سب کا کچھ کے گا کہ میں صفات و خزانہ کو لے کر تو ہی حکم دے رہا ہوں تاکہ، ان میں روائی کے نام سے جو موصوم کئے گئے ہیں، یعنی یہ بھی متنازعہ و غیر متنازع سب کے ازان کی کوششیں ہی فطرتی صفات کی راہ سے، ان کی فطرتوں اور ماضی کی انہوں کا وہ خود ماضی انرا کر کے ان ہی فطرتوں کو قرار دیا گیا ہے، انہوں کے لئے کہ فطرت میں ہیں لیکن اتنی فطرتی خفا سب کا اسی قانونی انرا کے مشورہ پر چلی ہو رہا ہے۔

**اسلام کی راہ** | مید و کتا کہ سنا کر دینا کے دوسرے مذاہب و ادیان میں وہ چیز پائی باقی ہے یا نہیں، لیکن اتنا ضرور کہ سنا ہوں کہ عقائد کے جس اصول کو آپ میں پیش کر رہا ہوں ذاتی مذہب پر چھ اسلام ہی میں ہی، اسلام کی انسانی کن باہر اس کے پیروں میں فطرتی حکم کی تعلیمات ہی سے روٹی میں نے حاصل کی ہے۔ اسی سلسلہ پر کہ آدمی کے باہر ہو رہا ہے، یہاں جو کچھ ہے، سب اسی کا پیدا کیا ہوا ہے، جس نے سب کچھ پیدا کیا ہے، فطرتی ہر ماضی جس کی ذات اس کے خاثر سے بھی رہے وہ پاک ہے، اس کی پیدا کی ہوئی چیز فطرتی عقائد نہیں ہو سکتی، یہاں تک میں سمجھتا ہوں، اسی دینی و عقلی مسئلہ کی بنیاد پر باخلاق و انسانی کی ہر قدرتی صفات کو قدرت کی پیدا کی ہوئی ایک چیز جو نے کی حیات سے اسلام فطرتی عقائد کے دور ست میں قرار دیتا ہے، اور یہاں ہے کہ میں ان پر اسلام کو کچھ کا پیغام بھیج کر کہے ہیں اور وہ بھی فطرتی اور اس میں باور کریں اور اس لحاظ سے آدمی کے اندر جو یا ہر قدرتی کار فرائضوں کے کسی ایک انرا کا سال ہی اسلام میں پیدا ہوئے ہیں خود دینا ہے اس کا کچھ ہی نام لکھا ہوا ہے اور میں ان کے لئے ہے چاہے اسے جہاں کیا ہو رہے ہو تاکہ جو ان







اسی سہ ماہی کی بدولت پیش آئے سے پہلے طوفانی ہوا لگی یا یہاں کی ذہنیت اس کے  
پہاؤ کی سمت کا تھوڑا کھینچا ہوا ہے۔

گروا میں یہاں میں ہوا ایک کاظم میں ہی مسطرت ہوا میں ہی اسماست تک محدود ہے  
قلم میں ہی تک محدود ہے جس میں جرتے والا پیدا ہونے سے پیشتر ہی ان کی جیتوں میں ہر وقت  
اسی لئے میں وقت پیدا ہونے میں اس وقت میں ان کا سوا کچھ تھا جو اس وقت میں وہی سوتے ہی ان کی  
قسم کا کوئی نہ بچا تھا اس سرے میں نہیں ہوتا۔

لیکن اسی کے مقابلے میں آدمی یا انسان کو دیکھتے ہیں کہ وہ عموماً بڑا قہر ہے  
جسے سوسانانی جمل و کوفانی کی انتہائی قناعت و محبوب میں نظر آتا ہے اس کے ساتھ اس کی اسلوب  
و طرز بہ جوت، انگریز صاحت و قابلیت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے اور نہ ہی ان کی جیتوں کے بالکل پتہ  
دیکھ لینے کی اس میں قدرتی طور پر پائی جاتی ہے۔ جاسٹہ وہ جس وقت حکم آدھے ٹکٹے سے ملتا  
اس وقت کچھ نہیں جانتا، یا جو کچھ جانتا ہے وہ نہ جانتے کے برابر ہوتا ہے۔ گویا جیسے وہ آگے  
بڑھتا ہے، ہاتھ پٹا جاتا ہے، دیکھتا پٹا جاتا ہے، ان ہی باتوں کو جانتا پٹا جاتا ہے۔ ٹیکٹ چاہتا  
ہے، جنس وہ نہیں جانتا تھا، قلم نہیں جانتا تھا، عالم معلوم ہے انسان نہیں جانتا، ان ہی  
کے متعلق حلقہ (مکمل ہے اس کو) کے قلم کے قبول کرنے کی جو فطری صاحت آدمی میں پائی جاتی  
ہے، قرآنی آیت حلقہ الانسان عالم معلوم میں کہاں تک بڑا خیال ہے اس کی طرف اشارہ  
فرمایا گیا ہے۔ اور یہ جواب ہے اس سوال کا کہ مرنے نہیں جانتے ہیں وہ جو حلی زبان میں مرنے والے  
پیام کی کچھ مخاطبہ اس کے کچھ اس پر عمل کرنے کے کھنکے کیے جاتے ہیں نہ جانتے ہیں نہ جانتے  
چیزوں کے کچھ نہ جانتے کی صاحت میں جس کی فطرت کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ کیا یہی اس  
حبیب و خیر عالمی قابلیت پر مشتبہ ہونے کے بعد اس پر ہر سال کی جملات کا کر سکتا ہے؟

خیر، تو ایک ذیلی بحث تھی، اس مسئلہ کے خصوصی تشبیہات کا تمام دور ہی یکے بعد دیگر  
موت و استابت ہے کہ باہر سے جو صنعت ان کروڑوں انتہائی کمزوروں کے سال میں پیدا ہو رہی ہے۔  
قلم و مکتب و علم و با زبانی ہونے والوں کے جاننے کی صاحت میں کی بدولت دیکھا جا رہا ہے کہ کتنے  
نور آدموں کو اپنے آگے بے زور بنائے ہوئے ہے۔ پانچویں کو جکائے ہوئے ہے، اور نوں کو  
دبائے ہوئے، سٹھوں کو سدھائے ہوئے ہے، چاروں کو پھنائے ہوئے ہے، اور سولہوں کا شمار  
کی ہے، گنتوں کو شمار ہے، اور یہاں کوئی ہے جس کی ہادی نہیں پکار رہا ہے۔

پھر کوئی نہ نہیں کہہ سکتا کہ آدمی بدو و وحش و شیر و بکری کے درمیان کچھ فرق ہے  
ہے اس کی مشیت سے گزشت کے ایک زندہ مضمنا و تاشیہ کنہ سے ہی کی جاتی ہے جسے جو بڑے ہوتے ہیں  
جسے ہمارے کب نہیں دیکھا گیا، اب نہیں دیکھا جا رہا ہے، اور نہ ہی اسے دیکھا جا رہا ہے، ہر کچھ  
دیکھا جا رہا ہے، میں نے کتنے مضمنا و تاشیہ کنہ دیکھے ہیں جو وہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

۱۳۷  
تاک تو ہے کہ انسان کی ساری فطرتی کوششوں کا ثبات کے گوشہ گوشہ میں ناک و جبک کش  
و بان کے ہر طرف میں جو لنگڑا ہوتی ہیں، یہ سارا کچھ ساری فطرتی کوششوں کی آیت  
حلقہ الانسان عالم معلوم ہے۔

اس میں بات۔  
یہی کے چند عقلی فطرتی کوششوں کے ثبات کا یہی باطنی ملکہ ہی تو آدمی کا ہے جس میں اس کی ساری  
اختراعی کارفرائیں، اور بادی ہا و فائیں کی صاحت ہے شہد ہے۔

علم آدمی والا سمجھو کھلا سکھایا آدم کو خدا میں سے ہے، کلام  
کے قلمی عمل کے بعد الاسما کے بنائے کا سبب کے اور آدم سے جواب ہو کہ فزخوں کو جو فرم خیر و یمن  
تھا، تو دلوں میں دوسرے ہو کہ سب کے بعد اس میں اس کی باقی رہا۔ ماہ کو کچھ تو کچھ کی بات تھی،  
آدمی ہا و انسان میں شیم کے قبول کرنے میں نہ پائی جاتی باتوں کو کھانے کے بعد کچھ لینے کی جو صاحت ہے  
اس کی قرآنی مشورہ و فطرتی ہوا کھانے کا یہی انداز ہے، کھانے کے بعد کچھ لینے کی بات کو اس نے  
بتا دیا، یہی تو آدمی کا کمال ہے، ایسا کمال ہے، اور موت اسی کا کمال ہے، آدمی کے سارا فطرتی کوشش  
کمال نہ تھا، جو کچھ آدمی نہیں ہے اس نے، فطرت جیسے فطرت کی صحت میں اس میں حلقہ فطرتی کوشش  
اس قرآنی حقیقت کے کائنات پر جاننے کے بعد اب خود کچھ اس پر خود کچھ کو بنانی نہ  
اور جیسی ہے فطرت کے جس حال میں نہ دیکھا جا رہا ہے۔ اگر اس حال میں وہ نہ سیدہ اور تیکہ  
بہت ہے اس کے آدمی نادہی دنیا میں اس شان کے ساتھ داخل ہوتا جس کی ایک مشہد سبھی  
فاضل نے اپنا انکسار پیش کیا ہے۔

اگر کچھ دنیا میں ہر فطرتی کوشش کو کچھ دیکھا دے تو آجائے جس سے وہ اپنے  
ٹکٹے کے اندر دیکھ کر کچھ کچھ سے جو پاتا ہے، نکال پاتا ہے۔ ۱۱  
مضمون نہ تھا۔ ان کے انکسار کو حسین نکل

میں خفا ہے، جو دغا ہے، کے ساتھ جو چاہا جاتا دیکھو، راہ تو رہتا، انسان کو جس قوت نے کر اگر دنیا  
میں قدم رکھا۔ تو اس میں شک نہیں کہ دنیا بھر سے دنیا ہونے کے بنی بنائی کو باجنت ہی جو جاتی دیکھ  
سوجھ کی بات ہے کہ جو انسانی کمالات کی دنیا خفا ہو، آج یہ فزہ ہشتی دنیا بنی ہوئی ہے، کیا  
ہو سکتی تھی، اور اٹھ تو ہے کہ کچھ کی حد تک تو اس کا نام بھی شاکر دنیا ہی چلتا، اور صاحب میں  
بیان ہی کیا گیا ہے کہ انسان ہی کے آگے زندگی کے کسی آئندہ دور میں ایک ایسا عالم ہی چلی ہوگا، جو  
وہی ہوگا جو چاہا جائے گا، وہی ملے گا جو مانگا جائے گا، لیکن کمال ہونے کی بات ہے کہ  
انسان اور انسانی کمالات کی فائیں نہیں، بلکہ دینے والے کی قدر توں اور توں کا کچھ ہوگا  
پر ایسی دنیا میں ہے۔

تو کتب آفرین کا ہر کفر و کفر  
سفال آفرین کا یا باغ آفرین









جنوں نے ہر سالی اعتبار کی ہاں کے  
 قہری میں تھنھا اور غلاموں  
 وینا اور زوج مطہرہ و زینا  
 من اللہ و اللہ ہمیر و العباد  
 (نقل از قول ۲۰۱۱)

فخاص سے سات ایک چٹے اور دوشک ہشتاں کی طرح ہندوں کا بیٹا ہے۔  
 انسانی فطرت کے لئے حقیقی اتیر و اصل وہی و خدایں سے انشرا یا اشکی رضا مندی ہے یعنی  
 لا محدود قدرت و طاقت والے کا انسانی فطرت کے لا محدود احساسات اور خواہشوں کے ساتھ کامل مطابقت  
 و تطابق نام اسی کا ہم ترغیبات میں انشرا یا خدا کا راضی ہو جانا ہے، اسی کی تیر و دوسرے الفاظ  
 تیر و پل بھی کی گئی ہے۔

لکھ دینا ما تفتھی انشکھو (ایز وانی اس زندگی میں) اتم ہے لے  
 لکھ دینا ما تفتھی انشکھو (وہ سب کچھ ہے جو تم پہلو کے اصداب  
 کچھ جو تم لکھ لے، اگر لا محدود قوتوں اور قدرتوں والا لا محدود غیب رکھنا اے سے راضی  
 ہو چکا ہے، پس یہاں پر جو ہے گا، وہ اسی کو چھو لکھ لے گا)

ایمانت و اتق مطبات یا اسی جسم کی اور جیسے اصل اسی جمال کی بعض تفصیلی نقلیں  
 ہیں، بلکہ حجت مطبات والی آیت کے بعد ان کی جن میں شکوں کا یہاں تذکرہ کیا گیا ہے، یہ ظاہر اس مطلب  
 ہے کہ موجودہ زندگی میں انسانی فطرت کے اندر لا محدود قوتوں کی جو بعضی جڑی گئی ہے، اور محدود  
 شکوں میں بعض آئندہ میں اُدھی کی جو پختی ہو جاتی ہے، تو فرض اس سے یہی ہے کہ آئندہ کی  
 لا محدود طلب کا جذبہ اُدھی میں پیدا ہوا یا اس میں ہے، اور یہاں سے کو پانی کے چند نمونہ لیا جائے دیئے گئے  
 ہیں، چنے کی اس لذت سے مانوس ہونے، بلکہ پیاس کے ہلکے ہلکے شے کے بعد اس وقت تک جب تک  
 اس پیاس کی کوئی تسکین کا سامان نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ یہاں سے کوئی قوت مل سکتا ہے، اور نہ اسے  
 ملتا چلتا ہے۔ پس آئندہ قوتوں اور قوتوں کے لکھ لکھنے کی راہ باز ہو گیا، تیر و پل فطرت کے تقاضوں سے  
 پیسا کہ گند چکا کھ چکا رہا ہے۔ کچھ راہ بھی ہے کہ یہاں سے دیا ہے اور یہاں سے لے کر ان آرزوں کو صحیح  
 رخ پر لگانے کی کوشش کی جائے، جس کی عملی صورت یہی ہے، اور یہی جو یہی سکتی ہے کہ اپنی رتختم ہونے  
 والی لا محدود قوتوں اور آرزوں کے متعلق ایک طرف تو یہ قطعی فیصلہ کر لینا چاہیے کہ کس طرح اللہ کے  
 محدود سراپے ان کی تسکین کا ممکن ہے، اور دوسری طرف عمل کرنا چاہیے، اُدھی کو اس فطرت و قدرت  
 کے کاروبار میں کاش میں جس کی لا محدودیت کی شہادت کا کئی حقائق کا قہر و قہر اپنے لا محدود  
 کلمات کے منہ پر سے ادا کر رہا ہے۔

دل میں سا فرض کر خداش یار بادا  
 قزاقی میں یک سو قہر لا قہر کی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے پہلے تو یہ فرمایا گیا کہ

یعنی راگنور کی چٹنی اور ذوقی زندگی  
 لا یبقون عنھا حولاً  
 سے لوگ تنگ رہنا نہ چاہیں گے۔

اسی کے بعد مقدم ثابت ہے  
 قتل لوجھان الجھن حدیث  
 لکھنا ساری فتنہ الجھن  
 قتل دی فتنہ کلمات ربی ولو  
 جھگڑنا ہشتاں مداد  
 کہ اس سند کے اندر دوسرے سند کو بھی دیکھیں۔

پڑھنے والے پڑھتے ہیں، لیکن مقدم اندر اور موزن ذکر دونوں آجڑوں میں رہا ہو گیا ہے، خاص یہ  
 اس کی طرف کسی لئے تو یہ نہیں کی، حالانکہ یہاں بھی اسی مسئلہ کا ذکر کیا گیا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ہا جوں،  
 مطلب یہ ہے کہ فردوسی زندگی سے لوگ تنگ اسی لئے ہونا نہیں چاہیں گے کہ اُس زندگی میں لا محدود کلمات  
 رکھنے والی ذات اپنے ان ہی لا محدود کلمات کو لا محدود کلمات کے ذریعہ سے ظہور کرتی رہے گی، انسانی  
 احساسات اپنے اندر گروہیں و چٹیاں، اندر و باہر ہر لمحہ ایسے نئے نئے تجلیات کو مسلسل چمکی  
 اظہار کے پائے چلے جائیں گے، جس کی نہ کوئی حد ہوگی نہ انتہا، اور یوں لا محدود مطبات والی فطرت کو  
 لا محدود مطبات سے متبع اور لذت گر ہونے کا سو قہر ابدان باونگ مل جائے گا اس وقت تک جس کی  
 کوئی انتہا نہیں اور جس کا کوئی اختیاری فتنہ نہیں ہے، اور یوں ہمیشہ کے لئے انسان کی قدرت پر فطرت  
 تو یہ شکوں میں اپنے اس جذبہ کی تسکین کا سامان حاصل کر لی چلی جائے گی، اگر یا ہے  
 ہر لمحہ حال خود نوع و گرا رانی

کا ایک نہ ختم ہونے والا شاہ جہاں، عجیب تا شاہ اور سب دراصل ترغیبات میں اللہ کے حصول  
 میں کامیابی کی تسکین ہوں گی جو ان فتنوں کا کامیاب چھوٹے نکلنے کے سامنے لا محدود شکوں  
 میں پیش چھوٹے رہیں گے۔ پس یہ حلو حقیقت یا اس جذبہ کی شدت کما الکی کے قدریر جو اخیر کے  
 حیل و طلب کے متعلق آدم زادوں کی فطرت میں قصد و ارادۃ الی ہی اغراض کی تکمیل کے لئے وودیت کی  
 گئی ہے، وہی اس کی صحیح حقیقت اور یہی اس جذبہ کا صحیح استعمال ہے، و اللہ یہ حسی من یشاء  
 ذاتی صراط مستقیم۔

ساحش شکوت کے بنیادی اباب کی آخری چیز زندگی دار سے مراد اباب کا وہ اخلاقی نہ جانا  
 ہے، جو افراد انسانی کے گہائی و صفاتی تفاوت کا قدرتی نتیجہ ہے، جیسا کہ میں نے پہلے ہی اشارہ کیا ہے

لے کلمات کو کہیں ہے بلکہ ان کی مدد ہے، بلکہ ان کی مدد ہے، انہماک نام ان چیزات میں  
 ہے، اسی کو یہاں کو قرآن نے کہیں لکھی کے فتنے میں یاد کیا ہے



یہاں کہتا ہے جس جنگ اپنا نیت کا بقیہ قریب تر چلتا جاتا ہے، کی بخشی، ترجیح اختیار کی فکارت  
 کما بت اسی نسبت سے بڑھتی جاتی ہے ان ہی کے کلمات و صفات کو دیکھ دیکھ کر آدمی زیادہ کثرت اور  
 جنت ہے جن میں وہ اپنی ذات سے زیادہ قریب پاتا ہے جس کی طرف میں نے پہلے ہی اشارہ کیا ہے

ولا تستوا افاضل الله به  
 بزرگی بخشی ہے خدا نے بس کونوں میں بس پر

یہاں اس حقیقت کا انکار کیا گیا ہے کہ جس کی بس پر برتری خود خدا کی پیدا کی ہوئی ہے وہ برتری  
 اور ترجیحی سلوک کے ان قوتوں میں آئندہ آخرتوں سے حق تعالیٰ نے منع فرما کر رکھا ہے کہ وہ باطنی منافقوں  
 سے پیدا ہونے والے خواہ مخواہ کی اس جزو جزوی کو فتنے سے مسلمانوں کو نجات عطا فرمائی جائے حاصل  
 ہے کہ اپنی اپنی واقعی ضرورتوں اور حاجتوں کی حد تک سوچنا اور اس کے مطابق بد و چید کرنا اور  
 بات ہے مان جتنے لگا لگا کر اپنے آپ کو دوسروں سے ناپ ناپ کر شے بٹانے کو جو فتنہ خدائی بیکر  
 کے عارض میں خود اپنے ہی باتوں میں ہو جاتے ہیں، لکھا دوسری چیز ہے اسی و حمل کے قیام کثرت  
 اس اسلام میں اس کی جوازیت ہے آخر بحث میں اس کی تفصیل گذر چکی، لیکن پانچویں کے ان اصولوں  
 میں جتنا ہو کر لوگ جو ناپ نہ ہے اس کا پ رہے ہیں اور اسی کا نام انہوں نے دنیاوی فتنہ اور  
 مباحثی تردد رکھ کر چھوڑا ہے، کسب مباحث کی طوس وادی ضرورتوں سے اس کا کوئی متن نہیں ہو  
 یہ ایک خود ساختہ، خود پرداختہ الم ہے جس میں اپنی سبک منبری کی وجہ سے وہی بٹکا ہوا جاتے ہیں  
 جن میں زندگی کے واقعی اور خیر واقعی حقیقتوں میں غیر کامیاب نہیں ہوتا

خاصہ ہے کہ مدارج و مراتب کے اختلاف کے جس قدر کو آگ اٹھتا بلند آہنگیوں سے چھوٹا  
 گیس ہے، اس شہر پر کیا گیا ہے کہ زمین کا پٹنہ آگلی ہے، آسمان تھرا رہا ہے، اور اسی کو مباحثی گتہوں میں  
 سب سے زیادہ آگلی چوٹی یعنی قزاقوں سے دے کر اس کے بھانے میں ایڑی سے چوٹی تک کا نذر  
 لگایا جا رہا ہے، اور ایک سلجی چوٹی صاف بات کو خواہ مخواہ ابھرا کر خود بھی لوگ الجھ رہے ہیں،  
 دوسروں کو بھی ابھار رہے ہیں، ایک خود آفرینہ چاند سے کے کھولنے کے لئے باوجود چندوں پر چندوں  
 اختلاف کرتے پتے جا رہے ہیں، ایک میدھی بات کو بیسیوں اٹھتی قیروں سے الٹ رہے ہیں بیسیوں  
 بلکہ کچھ ہے کہ کھول لاکھ سال کے تجربات نے منہل انسانی کو زندگی کے جس طوس تجویز کی ہے  
 تھا، اسی حاصل سے کدو رہے جو کہ ایک گردشی تم سب کو خلا اور نہیں شیراز باگی، جو آسمان تختے  
 زمین اور جہنم میں تھی اسے آسمان بنا دیا گیا، ایک فرضی زخم کو اچھا کرنے کے لئے نئے پیر لیٹوں سے  
 مسافر کے جسد کو چھنی کر دیا گیا، آپ دیکھ رہے ہیں، منطقی تجزیہ و تحلیل کی معمولی کارروائی کے بعد  
 ان ساری منبری شورشوں کی تہ میں چند دراز کا، اوہام بے سنی، اور بے بنیاد سادس کے  
 سوا کیا اور بھی کچھ نکلا؟

زیادہ سے زیادہ کہنے والے اس سلسلے میں اگر کچھ کہہ سکتے ہیں تو یہی کہہ سکتی کہ سادہ

یہاں کہتا ہے جس جنگ اپنا نیت کا بقیہ قریب تر چلتا جاتا ہے، کی بخشی، ترجیح اختیار کی فکارت  
 کما بت اسی نسبت سے بڑھتی جاتی ہے ان ہی کے کلمات و صفات کو دیکھ دیکھ کر آدمی زیادہ کثرت اور  
 جنت ہے جن میں وہ اپنی ذات سے زیادہ قریب پاتا ہے جس کی طرف میں نے پہلے ہی اشارہ کیا ہے

یہاں اس حقیقت کی اس حقیقت کی کہ مدارج و مراتب کے اختلاف کی جانہ  
 جس نے جنسوں و گھول اور شکیلوں کو منسوب کر کے دنیا میں آج بنگلے برنگے بنا دیے ہیں، منسب منی  
 من کثرت، ایک طرف ذات میں بنا بنا کر عیسٰی امراض کے پیادوں کو چول دن میں لوگ بٹکا کر رہے ہیں، ایک  
 چٹی خور و عیالوں میں، اتر چڑھے ہیں، ان کی شاعری بہانہ اور فتنہ، خود افراد کے انتہائی فتنوں کو  
 پیش کر کے ان سکینوں کو جو حرمات دوسروں کی آگلی چوٹی کی جگہ کر سکتے ہیں، یعنی بدعت خود و جیل  
 غرض جو کچھ سوچ نہیں سکتے، ان ہی پیادوں کو لڑاکاری حیثیت سے استعمال کر رہے ہیں اور اس قسم کے  
 سادہ منبری یہ بات جس سے کام لیتے والے اس زمانہ میں کام لے رہے ہیں، یہ لکھ و افحات کے حقیقت میں  
 شگاہ میں جن کا زیادہ تر متن ذہنی احساسات اور دلی طاقت سے ہے، ایسی عجیب بات ہے کہ دوسروں  
 کے ساتھ قدرت کے ترجیحی سلوک اور برتاؤ کا مشاہدہ تو ہم سب سے ہر مذہب و مذہب میں کسی قسم کی کوئی اختیار نہیں  
 پیدا کرتا، یعنی وہی قدرتی کلمات جو ہر مذہب کو دوسروں کو دھندوں کو حلقہ ہوتے ہیں اور فوج انسانی کے  
 افراد ان سے محروم ہیں، یہاں تک مشاہدہ کا شوق ہے، ان ترجیحی کلمات کی فہرست مختصر نہیں ہے مگر احتجاج  
 و محسن تو کیا، کچھ بڑے بڑے لوگوں کی اس نظر بھی نہیں پڑتی، اس کا خطرہ بھی نہیں گذرنا کہ ان کلمات و صفات  
 سے ہیں محروم رکھا گیا ہے، دوسروں کو ان ہی سے کچھ ضرورتیں گینے ہیں، لیکن یہ کہ ان کے اگر خود اپنے  
 اپنا و جس کے ساتھ قدرت اسی قسم کا کوئی ترجیحی سلوک کرتی ہے تو ہم اپنے بال تو بچنے لگتے ہیں، چھاتیان  
 پتے ہیں، اور اب تو اس سے بھی آگے بڑھ کر ہیں دوسروں کو فتنے کھولنے پر بھی اکٹھے دے دیتے ہیں  
 ہیں، ٹوٹ و کسور کی ان حرکتوں ہی کو سائر قافری افعال کی حیثیت پر جا جا رہا ہے کہ دے دیا جائے  
 بلکہ بعض ماگ میں دیا جا چکا ہے، و ماگ لکھ جائے اپنی دوسروں کے ساتھ قدرت کا یہ معاملہ ہائے  
 خیر و غضب کے جذبات کا نشانہ بننے کا زیادہ سخت اور زیادہ صحت رکھتا تھا، آخر انہوں کے کہنا  
 و فضا کی کو تو ایک حد تک ہم اپنی طرف منسوب کر کے گورنمنٹی بھی حاصل کر سکتے ہیں، ہیں اگر کوئی چیز پیشتر  
 آگلی تو یہی کہ کہہ کر ہمارے بھائی کو اس سے استفادہ کا موقع مل گیا ہے، ہم اگر بول پتے پر چھوڑ  
 ہیں تو ہماری جھکیں کے لئے بھی انتساب کافی ہو سکتا تھا کہ ہماری انسانی ہمارے کسی فرد کو براہ ہوتی  
 ہمارے ہر کر کے کی صورت فراہم ہو گئی ہے، چھوٹی اور کسوں کی فضا کی ہر کے مقابل میں اسی سرک کسی  
 انسان کو میرا بنا پائے تھا کہ ہماری بٹھا اور مسرت کا باعث ہوتا، واضحہ کا لقا تھا اگر کچھ ہو سکتا  
 تھا فکرا ہو سکتا تھا۔

لیکن اس حقیقت کے خلاف تاخیر و تاخیر کا کچھ وجہ اس کے برخلاف سکون سکون میں ہوا  
 ہے تو ایسی صورت میں اس کے سوا اور کیا کچھ ہو سکتا ہے کہ باہم افراد انسانی میں ترجیحی سلوک ہو سکتا

ملاقات کے ان احکامات سے جس انداز کی گفت کو آدمی محسوس کرتا ہے، اس کی یہ جائے کہ وہ عقلی  
عقل نکر سے اس کی تہ میں کھونڈا ہو، لیکن اساتذہ ہر حال تسلیم ہی کرتا پڑے گا کہ اپنے ابتداء جس  
کی غیروں اور برتریوں کو دیکھ کر دیکھ کر کمیتوں میں زندگی گزارنے والوں کے دونوں میں یہاں جیسا  
ہے جا، جاوہر ہو یا بدو، لیکن گفت اور خش پیدا ضرور ہوتی ہے، کیوں پیدا ہوتی ہے؟ اسے  
جائے دیکھئے، لیکن جب پیدا ہوتی ہے، ہوتی رہتی ہے، قزاقی صورت میں ہی سمجھا جائے گا کہ کتنا  
وہ نے انسان کی غفلت کو بتایا ہی ہے اس سچ اور افتادہ رکھیزوں کی نہیں بلکہ اپنوں کی اپنے  
ابتداء جس کی برتریاں اس سے دیکھی نہیں جائیں۔ آپائیت کا یہ رشتہ جتنا زیادہ قریب ہوتا  
ہے، گفت کے اس احساس کی شدت بھی اسی نسبت سے تیز سے تیز ہوتی چلی جاتی ہے جس بل  
ہوتی ہے، وہ واقعہ ہوا، لیکن بجائے غور گفت انسانی غفلت کا قریب واقعہ ناقابل انکار واقعہ  
ہے یعنی لاکھ ثابت کرتی رہے کہ تڑپنے والوں کی یہ تڑپ ہے معنی ہے۔ غیروں کی نہیں بلکہ اپنوں  
کی غرض حایوں کو دیکھ دیکھ کر بجائے سرور ہونے کے بد حال ہونا بد عقلی کی بات ہی سمجھنا نہ  
فل سے غور مائلی اور انتہائی کینہ حرکت ہے، یہ حسد ہے، حسد کا وہ ہتھ ہے جو بجائے مسود  
کے ہٹ کر حسد ہی کے سر کو ابھان اور اسی کی کھوپڑی کو چکنا چور کرتا ہے، اپنی سلگائی چوٹی  
انگ میں حسد کو خود ہی جلست اور جلتا پڑتا ہے۔

مگر سب کچھ سن لینے، سب کچھ سمجھ لینے کے بعد بھی دیکھا ہی جاتا ہے کہ ہستی و بسندی و فوز و نصیب کے اس تماشے سے آدمی کی فطرت حموہ و ہی اثر لیتی ہے جسے حق و اخلاقاً ذیبتا چاہئے تھا، فطری جذبے کا زور عقل پند ناموں کے اوراق کو اڑا اڑا کر ترنہ بزرگوں کے رکھ دیتا ہے سب کچھ سمجھ لینے کے بعد بھی پاتے والے اپنے اندر جب پاتے ہیں تو کوفت کی اسی کیفیت کو پاتے ہیں ایسے چاہئے تھا کہ وہی پاتے جنہوں نے نہیں سمجھا ہے۔

یقیناً یہ سوال ہے، ایسا سوال ہے جو قرآن کا مستحق ہے۔ اس سے بے اعتنائی و رنجیتہ  
انسانی فطرت کے ایک واقعہ سے بے اعتنائی ہوگی۔ کم از کم قرآن کا جو درجہ حمل اس باب میں ہے  
اس سے فطرتی کجی میں آتا ہے، بلاشبہ اس نے ان ترجمہ جی سلوگوں کے متعلق فقیہ ہارڈی کی بدعات  
سے عیساکو اسی گندارو کا ہے، لیکن دوسروں کی ہندویوں کو دیکھ کر رستی میں رہنے والوں کے اند  
ہیں ہندویوں کی آئندہ کا پیدا ہونا اس آئندہ کی تہذیبی ہونے کی صورت میں آدمی کا جھنجھٹا اور  
شوکتا، عقل اور بے جہن میں جتنا ہوتا ہے کہ یہ جی انسانیت کا اقتضا ہے، ایسا اقتضا، جیسے  
جنت سے نکالا نہیں جاسکتا، اسی چیز کے حوالے سے بتایا گیا تھا کہ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹایا  
جاسکتا ہے لیکن جنت میں جو کچھ ہے اسے کوئی نہیں نکال سکتا۔ اور یہاں تاں ہے کہ بعد سے ازالہ کی  
ضرورت کو کشش کے ازالہ کی اسی پہاڑی ترکیب سے اسلام نے اس مسئلہ میں بھی کام لیا ہے اور اس کا  
ذکر اس مقام پر میرا اصل مقصد ہے۔

مختلف طریقوں سے پہنچا دیا کہ انہوں نے انسانی ماسٹرو میں حساب دیا اور یہ ممکن تھا کہ  
 ان کے معانی کو انسانی عقائد کا ایک ناگزیر نتیجہ ہے، اب یہاں یہ بتا دیا جاتا ہے کہ ان معانی میں سے  
 کچھ بھی معلوم ہو رہی ہے۔ مثلاً پہلے بھی اس کی طرف اشارہ کر چکا ہوں کہ ماریٹا و ماریٹا کے اس عقیدہ کا  
 ایک سلسلہ قروم ہے، جس کا تعلق زندگی کے غیر معاشی شعبوں سے ہے۔ مثلاً ہم کسی کو حسین کہنا، کسی کا  
 نقصان دہ کہنا، کسی کی طبیعت کا لگاؤ و شرفا غرضی سے ہے، اور دوسرا ماضی و حساب کی  
 ہر چیز کے فیصلے پر رکت ہے، کوئی ہم میں منہ سے صرف کا نلدا دے ہے، اسی میں اس کو بھی لگتا ہے،  
 اور کسی کو ابدی الطبیعیاتی مسائل و تقیات کے ملبھانے میں فروغ ہے، ترجمہ و تفسیر یا قرآنی الفاظ میں  
 مختلف بیہوشی علی بعض کے اس سلسلہ کے تفصیلات احمد و ہیں۔

اسی کے مقابلہ میں ترجمہ و تفسیر اور ترقی و ترقی و ترقی و ترقی کا دوسرا مستقل مسئلہ وہ ہے جس کا تعلق زندگی کے خاص معاشی حالات سے ہے، قرآنی اصطلاح میں یہ کہلے کہ الرزق کے لفظ کا معنی ہے ان نوزی کے جس افراد کو جس پر جو برتری و فضیلت بخشی گئی ہے، نیز جس کی وجہ سے ہم میں بعض خواصی و فراغت کی حالت میں نظر آتے ہیں، قرآن میں جس کی تعبیر مکتا سے کی گئی ہے۔ اور بعض لوگ متفق معاش اور تنگی کی حالت میں گرفتار ہیں، قرآن نے رزق کی اسی حالت کو کہتے کہ نام قدر کا ہے۔ بات یہ ہے کہ الرزق یا روزی ہستون کو تو بہتر ضرورت مکتی ہے، بلکہ یاد رکھو بسط و قبض کی قرآنی اصطلاح کی تشریح جو کا مدخل بہ مستخرج اور آمدنی باطل خلیک ضرورت کے مطابق بنی حالت

میں اس طور رہتی ہے کہ ضرورت میں خرچہ کرنے کے بعد کما کر کوئی میں انڈسٹریاں نہیں ہاتھیں  
 ایک نشت میں قدر کچھ ہی منہم ہے، یعنی واقع میں جو چیزیں ہوا شیک اسی کے مطابق انڈسٹریاں قائم  
 کرتا ہے، قدر کے معنی میں اس کا وہی معنی کہش لکھ کر کہہ کر ایسی آمدنی جو باقی خرچہ کے برابر  
 برابر ایک دم باقیہ اس کے مطابق ہوا اسی کا نام رزق مقدوس ہے۔ یعنی ضرورت کے مطابق بنی گئی  
 معنی کا نام رزق مقدوس کے مقابل میں معنوں کی آمدنی کو بیان ایسا ہوتا ہے کہ ضروریات میں خرچہ  
 کرنے کے بعد یہی ان کے پاس کا رہتا ہے۔ رزق کے اسی معنی کا نام بے بی پیمانہ ہے۔ اور جو رزق  
 اس پیمانہ پر ملتا ہے، اس کا نام رزق مہیوس ہے۔ کیونکہ بے بی کے معنی پیمانہ کے ہیں۔ گویا آمدنی کی ایک  
 ایسی شکل ہے جس کا وہی خرچہ کے حدود سے وسیع اور تنگ نہ ہو سکا ہو۔



یہی وہ معلوم ہوتی ہے کہ گوشت خوردت قرار کی ترکیب کی ترنگ و برتری کی دولت حاصل  
 میں ہے، لیکن جہاں تک برائیاں سے قرآن نے اس مسئلہ میں جتنی قرعہ معاشی طبع کی طرف اشارہ کی  
 تھیں وہیں تک ہے، اتنی قرعہ غیر معاشی مسئلہ کی طرف نہیں کی گئی ہے، اور ہے، یہی بات کہ اس شبہ  
 میں طارح و مراجع کے اختلاف اور اس کے نتائج کے آثار کو جتنی اہمیت پر زماں میں حاصل رہی ہے۔  
 اتنی اہمیت اسی اختلاف کے دوسرے ارباب کو شاید کسی نہیں دی گئی، اس زمانے میں یہاں سے اشارہ  
 کے تفاوت و اختلاف کے اس فقرہ کے آثار کو یا یا پھر غم کرنے پر مجبور دیا جا رہا ہے، زیادہ تر  
 اس کا تعلق بھی مادی تفاوت سے ہے جو رزق اور معاش کے لحاظ سے انسانی معاشرہ کے  
 افراد میں پایا جاتا ہے، اور اب میں چاہتا ہوں کہ اشارہ کی ان ہی قوموں کو جو معاشی فہم کے اختلاف  
 مراجع کے مسئلہ میں قرآن میں پائی جاتی ہیں ان کا تفصیل کے ساتھ بیان کروں۔

مطلب یہ ہے کہ معاشی لحاظ سے جو قدر و ثقل کی حالت میں گرفتار ہیں، بسلی رزق و معاش  
 رکھنے والوں کے لحاظ سے ان کے اندر شکوہ و شکایت ہم وقت کے جو حیوانات منکالم ہوتے رہتے ہیں  
 اگرچہ دنیا پر ان کا تعلق ان ہی لوگوں سے معلوم ہوتا ہے، جو باوجود ان ہی جیسے انسان ہوتے ہیں  
 ہی کے ہم مثل، ہم قوم بلکہ بسا اوقات ہم خاندان، ہم خیم ہوتے ہیں، ایسی آدمیوں سے متعلق ہوتے ہیں  
 ہیں کہ خیر کہنے کے بعد بھی ان کے پاس نکالتا ہے۔ لیکن کسی کے مقابلہ میں غریب قدرتی رزق  
 پانے والا جیسے گھوڑا، بسا اوقات اپنی آمدنی کے نہ کو گزرتے والے سال یا ہین یا ہینتر یا دلی  
 کے مصروف سے جتنے میں دشواری اور سخت دشواری محسوس کرتا ہے، مادری مال اسے انسانی  
 سوزنوں اور رنگی کھ کو یوں میں جٹا رکھتا ہے، جو کا نام دنیا میں معاشی پریشانیوں و تنگیوں  
 ہیں، ایسی صورت میں خود کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرتی رزق و مال کے جذبات و غضب کو  
 شکایت شکوہ و شکایت کا ایک رخ اگرچہ بسلی رزق والوں ہی کی طرف ہوتا ہے، لیکن شرمیلیاں  
 و استریاں، انستہ طبع میں رہیں، لیکن اکثریت میں ایک رخ ان ہی جذبات کا محسوس یا محسوس  
 شکلوں میں خود اس وقت کی طرف بھی کسی نہ کسی شکل میں ضرور ہوتا ہے، جس کے متعلق آدمی یہ سمجھتا ہے  
 کہ اس نے تقسیم رزق کے اس اختلاف کو قائم کر کے ہیں ان حالات میں جٹا کر دیا ہے، خواہ ادا یا  
 اس خوف سے کہ قدرتی پیمانے پر ہی جو رزق مل رہا ہے، کہیں وہ بھی بندہ ہر حال سے زیادہ پر جوت  
 شکایت نہ آتا، بلکہ شکوہ و شکایت کی جگہ شکر و حمد ہی میں لوگوں کو کیوں مشغول نہ پایا جاتا، بلکہ شکر  
 ہے کہ ذات حق جیسی برہمی اوستی میں کے متعلق قرآن نے

اِنِّی اللّٰهُ شَکُّ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

کہا، شکر میں شک ہے آسمانوں اور زمین

والا الرحمن۔

کہ استہجائی و استہجائی سوال کیوں سے اس بلا ہمت اور کمال و صلاح ہی کی بنیاد پر کیا گیا ہے، اصل

شک کے مدعی اگرچہ کہ جس نے خود کو پائیں گے کہ خدا سے رزق کی جو کیفیت کسی وجہ سے ان میں پیدا ہو گئی  
 ہے، درحقیقت رزق کی اسی کیفیت کی خلاف ورزی شک سے کر رہے ہیں، اور زیادہ تر بندوں میں پانے  
 گئے رزق کو یہ احساس جہاں تک میں نے دیکھا ہے، ان ہی معاشی ترنگ و تضیل کے قتلوں ہی سے  
 اس کے واسطے کہ بندہ چاہتا ہے، اندر کا اندر لوگوں میں یہ یا اس قسم کے دوسرے کا ہوسلانا اہستہ رہتا  
 ہے کہ آخر ہم بھی جب خدا ہی کے بندے ہیں تو میں محروم رکھ کر یا میں قدرتی حالت میں رکھ کر دوسرے  
 کو یہاں سے قدر کے قانون مسئلہ کے تحت کیوں دیا جا رہا ہے، خصوصاً شکایت کا احساس اس وقت  
 ذرا زیادہ تیز ہوتا ہے، جب مسیروں کے مقابلہ میں قدریوں کو اپنے اندر کسی کمال کے پانے  
 جانے کا احساس غلبہ یا کسی حد پر پیدا ہو گیا ہو، کچھ بے دینی اور انحراف کے ہی وہ تو ہیں جنہیں  
 جن سے دنیا آج گذر رہی ہے، بلکہ اس زمانے میں بھی جس کا نام مذہبیت اور دینیت کا زمانہ ہے،  
 کہنے والے کہتے ہیں کہ آئے ہیں، لیکن میں ہم جب مختار الہی بن گئے ہیں تو قرآن کے یہ دو شعر جو سیکر  
 سالی پڑاتے کسی عربی شاعر کے ہیں پڑھایا گیا تھا۔

کد عاقل حال العاقلیت مذموبہ و عاقل غافل فی الارض موزونہ

حذل الذی ترک الاوامر حاشا و صبر العاقل القصر یرش مذابقا

جس کا مطلب یہ ہے کہ کتنے عاقل و دانش مند لوگوں کو رزق کی راہوں نے شکا شکا کر رہے  
 اور کتنے نادان ان پر ہمارے مل خا ظلوں کو دیکھا جاتا ہے۔ جنہیں زمین پر رزق کی پہنائی جا رہی  
 ہے، یہی واقعہ ہے جس نے انسانی جھ کو حیرت میں ڈال رکھا ہے، اور جسے جسے جیل خاشوں کو اس  
 نے زندگی اور بے دین بنا کر چھوڑا، شاید اس کا ترجمہ حافظ نے اپنے ان اشعار شعریوں میں کیا ہے۔  
 اہل ان اہل شریعت رنگ بدست قوت و انہماز غریب بگری، یسلم  
 اسے تازی شدہ مجروح زیر پاں طوق زینیں ہر در گری خنک یسلم

فہم ہے کہ شاعر کا ہر حال یہ ضروری ہے جس کا بالغہ واقعہ کے مطابق ہوتا ضروری نہیں، شعری شعری  
 ہاں کب باقی رہتی ہے، جب وہی کہا جائے جو ہے، آخر شاعر کا یہ دعویٰ کہ زمین پر رزق جا پڑا، غفلوں  
 ہی کو رزق کی پہنائی جا رہی ہے، اس کا تو یہ مطلب ہے کہ رزق کی گذارنے والوں میں کوئی ایسا جگہ بھی ہو  
 جسے رزق سے بالکل محروم رکھا جاتا ہے، بسا رزق سے محرومی کے بعد کوئی بھی ہی کب سکتا ہے پس پھر  
 قریب ہے کہ جو بھی ہاں ہی رہے ہیں یا جس کو خدا کی اس زمین پر جتنے دن تک بھی بیٹے کا مرقہ چھٹکا جاتا  
 ہے، اس وقت تک کے لئے اگر زمین کے جس مقدار کی جتنی نور واقعی ضرورت ہے وہ تو سب ہی کو پہنچ رہی  
 ہے، اگر وہ نہ پہنچتی تو شکوہ کرنے کے لئے شاید کیوں کا یہ گردہ جیتا ہی کیسے ایسا کہ نہیں نے پہلے ہی کہا  
 تھا کہ رزق احسانوں یا مرقہ ہر ایک کے تخیل یا فزاجزاد کا ہر سب ہی کے لئے جیتا ہے، ہاں آقا  
 کی تکافی کا حل سب ہی میں جاری ہے۔ آنکھوں میں تو رزقوں میں شکر و بانوؤں میں نور تو سب ہی  
 کے برابر جا رہا ہے، فرق جو کچھ ہے وہ صرف ہاں میں ہے، یعنی جن چیزوں سے تو رزق کی کسے ذخیرے

مختلف افراد میں تقسیم ہوتے ہیں، رنگ و بو، شکل و صورت، ذائقہ اور مزے کے لحاظ سے اختلاف ہوتا ہے۔  
 کچھ پایا جاتا ہے تو ان ہی صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قوانین ان کے  
 کے یہی ذخیرے کسی کے لئے لکھ دیے گئے ہیں اور کسی میں تانہ جوں اور رنگ ہی  
 سے ہیں۔ لیکن تانہ جوں کی منزلوں کو ملنے کے بعد جب وہ آئندہ پہنچ جاتے ہیں تو پھر ان میں مشکل ہی  
 سے امتیاز باقی رہتا ہے۔ اس لئے کہ جب وہ جڑ میں لڑتے ہیں تو ان میں جڑیں یکساں ہیں۔ سب ہی کھینچتے  
 ہیں، سب ہی پھرتے ہیں، سب ہی پھلتے ہیں، پھرتے ہیں، ان میں جڑیں تو ایک ہی جگہ سے ہوتا ہے۔  
 ان ہی کا پھر دوسرے سے بھی چور ہوتا ہے، بلکہ قوت و طاقت کے لحاظ سے کثرت میں زیادہ پائی  
 جاتی ہے۔ اگر یہ بحث چھوڑ دی جائے۔ تو شاید یہ بات اس سے بھی مانگے پرستہ ہو سکتی ہے۔ لیکن اسی شجر  
 بحث اگر ختم بھی کر دی جائے، جب بھی ہر حال میں شاعر کو جھٹکا کرنا ہی آیت

و صلح و ایۃ الاصلی اللہ  
 اور نہیں ہے کوئی چنے والا، گھاس کی  
 ساق چھا۔  
 زندگی کی ذرا دلی گدھا ہے۔

کے مشاہدہ ہی کی تصدیق ہر شخص کو کرنی پڑتی ہے جو یہاں شجر کے واقعات کو واقعات ہیں کے رنگ میں  
 دیکھ رہا ہو۔ شجر سے کہ اس میں ایک تو شاعر کا بیان اگر یہ شجر ہے اس نے جانتا ہے اور شاعر کا رنگ میں شجر  
 میں ہوتا ہے اور اصل یہ تریخی اور تفسیری سلوک ہی کا واقعہ ہے جو مختلف افراد انسانی میں پایا جاتا ہے  
 بسطوں کو دیکھ کر قدروں کو گریا یا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قدرت کے وہ مژدہ دہی نہیں ہیں، یا وجود  
 پائے اور بہت کچھ پائے کے مقابلے کے بعد گویا باور کرنے لگتے ہیں کہ انھوں نے کچھ نہیں پایا ہے۔  
 یہی چیز خدا اور مخلوق کے متعلق ان کے دلوں میں اعتراض و احتیاج کی اس کیفیت کو پیدا کرتی ہے  
 جس کا نام میں نے بوجھ رکھا ہے۔ کمزور اور حساب دلے اپنی اسی روش کو غلط و غصیب کی صورت  
 میں جھٹکا کر لیں کسی فکر "بھی کچھ دیتے ہیں، یا ممکن ہے کہ شکر کی صورت میں اس کیفیت کو بدل دیتے  
 ہوں، لیکن لوگ سمجھیں یا نہ سمجھیں عام حسابات میں اس کی ابتدا ہوتی ہے روٹھ ہی کی اس  
 کیفیت سے اور جیساکہ میں نے عرض کیا وہ فکر نہیں بلکہ اپنے پیدا کرنے والے سے ایک ختم کا غصہ  
 احتیاج اور ختم و ختم کی ایک صورت شکل ہوتی ہے۔ جس میں وہی سب کچھ کیوں نہیں دیا گیا جو دوسروں کو  
 دیا گیا، اگر وہ بھی آپ کے بندے ہیں تو ہم کی کسی دوسرے کی مخلوق ہیں، ہم جڑیں ہم دیکھ کر غصہ  
 شکلوں میں اسی غم کی سببنا ہوتی ہے، کہ اگر آپ لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اس دوسرے مزاج شاعر  
 نے جو کہ خدا

زندگی کی ہر شکل سے گندی خالت  
 ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

قاس کی نہیں آپ بھارتیہ کے شکایت کے اس باطنی احساس کے سوا اور بھی کچھ ہے؟  
 خلاصہ ہے کہ ارتق یا ساعش لحاظ سے عارض و مزاج کے اختلاف کی بنیاد پر قانون قدرت  
 کے تحت زندگی پانے والوں میں غم و خفقان کی کیفیت ایک توان لوگوں کے لحاظ سے پیدا ہوتی رہتی ہے جن کے

اسی ساعش ہے  
 شجر سمجھا جائے کہ سب کی سب چیزیں ہوتی ہیں، اس میں ہی کو سنانے رکھ کر کہ قندیلوں کا پھل پانے آپ کو اپنی  
 زندگی کے مختلف شعبوں کو شجر سمجھیں، سوا ہی اس میں خود کو خیر و کوئی پاتا ہے۔  
 لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا اسی کے ساتھ دوسری طرف اسی احساس کا ایک رخ و انتہا پائے  
 گھسٹا پھٹا شکلوں میں خود پیدا کرنے والے حلق کی طرف بھی ہوتا ہے، سمجھا جائے کہ ارتق اور ساعش  
 میں یہ تریخی عمل اور فعلت بیحد معنی بعض فی الواقعہ کار کا شجر ہر حال تقسیم زندگی کے حلقہ الی  
 قانون ہی کا نتیجہ ہے کہ ان کم جن قوسوں میں کھل کر اسی خدا کے انکار کی جرات نہیں پیدا ہوتی ہے، ان کے  
 اس احساس کا ایک رخ پھر عمل خدا کی طرف بھی مڑتا ہے۔ اب خواہ ان تاثرات کا حقیقی یا دوسری  
 واقعات سے متعلق ہو یا نہ ہو، لیکن اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بالآخر ان احساسات کی انتہا انسان  
 کی اسی جبلت اور ان کی آخری تکان ہی واقعات پر ٹوٹتی ہے۔ یہی پیدا کرنے والے سے جو پڑا انسان  
 کو پیدا کیا ہے۔

اور جہاں تک میرا خیال ہے وہی وہ ہے اس بات کی کہ قزاق میں اس مسئلے کے مختلف واقعات  
 کے ان دونوں رخوں کے انکار کی انکار تریخی میں پائی جاتی ہے اور اب آپ کے مسئلے مالک ان ہی  
 قزاقی تریخیوں کو دیکھنا ان حقائق کے نیچے درج کرتا ہوں۔

پہلی صورت میں خود اپنے بارے میں جس کے لحاظ سے غم و خفقان کی کیفیت جو دلوں میں پائی  
 جاتی ہے اس کے رنگ کو پینے کے لئے میرے خیال کے مطابق قدرت انسانی کے دیکھ دوسرے جبلت  
 اور فطری ہڈی ہی کو اٹھا کر قزاق نے ان کی صورت پیدا کرنا چاہی ہے، مطلب یہ ہے کہ یہی مسئلہ اختلاف  
 و تفاوت و تشیب و فرقہ کے ماحولی حیثیت سے تمام افراد انسانی کو ہم سطح اور برابر ہر کر دیا جائے اس  
 مطالبہ کے معنی کیا ہوں گے؟ یہی تا کہ جس طرح خدا کی اسی زمین پر ہی انسان کو رکھنے والی ہستیوں کی حیوانی  
 جہات میں اپنی خدا کائنات کی زندگیوں کی بدولت ایک دوسرے سے الگ تھلک اس طرح سے جو زندگی پھر  
 ہر ہی ہے کہ اس کو نہ اس کی ضرورت ہے نہ اس کی اس کو، البتہ تھے سے بے نیاز ہے۔ اور تھے ہمت سے  
 گویا پتا جاتا ہے کہ یہی نوع انسانی کے افراد کو کسی اسی قانون کے تحت زندگی بسر کرنے کا موقع دیا جائے  
 اتنے حیوانی جہات کو خود کو کشت کی اس بے نیازانہ زندگی سے متعلق ہوتے کا موقع جو یہاں

لی گیا ہے قزاقی اور ساعش مساوات کے قانون کے سوا اس کی وہاں بتایا جائے کہ اور کیا ہے؟ یہی  
 بات کہ اپنی اپنی ضرورت سے حاجت کے مطابق وازگھاس آپ و خود دوسرے کے کاموں کے بغیر ہوں کہ  
 ان میں ہر ایک کو میرا آپ ہے، ان میں اس طور پر میرا آپ ہے کہ ہر جنس اور ہر صفت کے ایک کو ایک کے ساتھ ہے وہی  
 دوسرے کو مل رہا ہے، اس لئے میں ہر ایک فعلی یا فز زندگی گزار رہا ہے۔ اور اس لئے کسی کو کسی کی حاجت  
 نہیں ہے۔ اب سوچنا چاہئے کہ یہی نوع انسانی کے افراد کو بھی ماحولی حیات سے ہم سطحیت و مساوات کے  
 اسی قانون کے تحت اگر رکھا جاتا تو اس کا نتیجہ کیا اس کے سوا اور کیا ہے؟ جیسے بکروں، بیلوں، گھوڑوں  
 گھوڑوں، وغیرہ و غیر حیوانی انواع اور جنسوں کے افراد قلقلہ ایک دوسرے سے بے تعلق ہو کر

یہی مقام ہے اس فطرت کے متعلق خرد و خوض کا جس کا سب سے بڑھتا ہوا بتایا جاتا ہے  
 کہ وہ مافی الضمیر ہے یہی باہمی میل و جلی، اتحاد و اتفاق، ہمدردی و ہم خواری حواس و ادراست، جس کی  
 زندگی کا سب سے قیمتی ترین سرمایہ ہے۔ اسی سرمایہ کی حفاظت و نگرانی کے لئے کانفرنسوں کے پڑاؤں،  
 مجالس کے ایجنوں، اساجد کے ممبروں سے مواخذ و مضامین کا ایک حرفہ جاری ہے۔ اتفاق و اتفاق  
 ہمدردی، ہمدردی، ایک دلی کی آوازوں سے دنیا گونج رہی ہے۔ اب یہی سوچنے کی بات ہے  
 کہ یہی صورت میں کیا زندگی کا وہ خوش نقشہ جس میں یہاں سے جوتے کے آدمی کو آدمی سے تو باہر ہے  
 اخلاق و اشتقاق، بے تعلق و جدائی، جیندگی و بے نیازی کا یہ وحشت ناک منظر کیا انسانی فطرت  
 کے لئے قابلِ برداشت ہو گا؟

نزدق دساشی حیثیت سے مراتب و مدارج کا جو احکام منہل انسان کے افراد میں پایا جاتا ہے  
قرآن میں اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ جو فرمایا گیا ہے

کچھ عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو اپنے شوہر کے ساتھ  
بے حد محبت رکھتی ہیں، ان کی سوشل کولون  
کے وہ ماحول میں پیدا ہو کر رہا ہے کہ جس نے  
جس کو جس سے ملتا ہے اور اس کا نام لیتا ہے

میں نے یہی کیا ہے، تاکہ ان لوگوں میں بعض بعض کے کام ہیں۔

اس کا مطلب آج ہی نہیں، مگر یوں پہلے مشہور مفسر قرآن العاضی جیٹاوی نے ہی اٹھا دیا ہے۔

یہ سب کچھ دیکھ کر میں نے سوچا کہ اگر  
میں اس کے ساتھ جاتا تو کیا ہوتا؟  
میں نے سوچا کہ اگر میں اس کے ساتھ  
جاتا تو کیا ہوتا؟

دینی الارض قطع مستجاب و سلب  
وجبات من احباب و سرب  
و تخیل صنون و غیر صنون  
یستی راع واحد و تفصل  
بعضها علی بعض فی الاکل  
(اربع)

۱۰۰ زمین میں باجم لے جئے قطعات  
ہیں اور باغ ہیں اور وادیوں کے  
اور کھیت ہیں اور غنم ہیں  
چرتے والے اور ایک دے والے  
کچنے جلتے ہیں ایک ہی پانی سے  
اور برتری جلتے ہیں بعض کو

بعض پر چوں ہیں۔

میں سے زمینوں کو پاد ہائے قواس واقعہ کی طرف منتقل کیا جاسکتا ہے ایسی سب کچھ ہر ملک اور ہر ملک کے ہر طاقتور اور فقیر میں جو نہیں پیدا ہو سکتا بلکہ ضرورت کی مختلف چیزوں کو قدرت نے مختلف ملک اور ان ملک کے مختلف قطعات کے ساتھ جو منتسب کر دیا ہے کسی کو مسکنات کسی کو زراعت کسی کو صنعت و تجارت اسی طرح مختلف جانوروں کا مختلف قایم اور کثرتوں کے ساتھ خصوصی خلق جو لگاتار ہے میرے خیال میں تو یہ بھی وہی تفصیل بعض علی بعض ہے کی ایک ایک شکل ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ اس ذریعہ سے کسی آبادی میں کس قدر اور کس چیز بلکہ مختلف بلاد و اعمار میں بکھری ہوئی انسانی بڑائی کو کسی باجم پروردہ کو کس کام قدرت لینا چاہی ہے اور دینا چاہی ہے کیا سنی یا تاریک کے نامعلوم زمانے سے وہ دروازے ملک کے رہنے والوں میں مختلف قسم کے تعلقات جو نظر آتے ہیں۔ موصلا کی جڑا سائیاں آج مہبت میں جس زمانے میں ان کا پتہ ہی نہ تھا اہم دیکھتے ہیں کہ ایک ملک کے تاجر دوسرے ملکوں میں ہندوستان میں سندھ و عمان و یمن و ایران و اے عرب کے ساحل پر عرب کے باشندے ہندوستان کے کناروں پر خلیجہ عمان و حبشہ و یمن و عرب کے دوسرے شہروں میں جو گھومتے پھرتے تھے بتایا جائے کہ کبھی اسی امتیاز و رشتہ کے بعد کو کسی چیز تھی جس نے کرہ زمین کے بعد ان مشرقی ہندوستان و انڈیا کو یوں جوڑے لگا دیا جیسا کہ یہ قدرتی رشتہ تھا جس میں مشرقی حبشہ کے بعد تو تھا مگر جاپان و چین کے باشندے اور مغربی آبادیوں کی آخری حدود تک کے رہنے والے اور جو ان کے دیہاتی علاقوں میں آباد تھے سب کے سب سنی کے دافن کی طرح پروردہ ہوئے اور یہی وہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ گھومتے پھرتے برعکس کا آدمی دوسرے علاقہ میں گھومتا رہتا تھا قافلوں کا ایک سلسلہ تھا جو وہاں تھا وہاں تھا ہر ملک کے باشندے دوسرے ملک کی پیداواروں کے لئے جہیز براہ رہتے تھے ہندوستان کے رہنے والے استنبول کے قایم و کافوں کے غرض استعمال کرتے تھے عرب کے رہنے والے سینٹ ہندوستان کے جو مسافر راہی زندگی کے لئے کاٹتے تھے اور میں کہاں تک تفصیل کروں کہ کہاں کہاں کے باشندوں کو کس ملک کے چاندوں کا تری کی راہوں سے اور کس کس علاقوں کے قافلوں کا غنم کی راہوں سے ان کے ہاتھ لگتا۔ جزیروں و اولی کو دیکھا جاتا تھا کہ لینے لینے جزیروں کی پیداواروں کو لئے صنعت کی طرف جاتا رہے ہیں ان کی ضرورت کی چیزوں کو لینے والے کہا گئے ہیں۔

حق کہ ہمارے ملک ہندوستان میں مسرتی اور مسرتی کے الفاظ اسی زمانے کی تاریخی یادگار ہیں جس کی خاص قسم کا نام مسرتی اس لئے رکھ دیا گیا تھا کہ مسرتی وہ ہندوستان آئی تھی اور مسرتی کو کسی چیز اسی لئے کہتے تھے کہ چیز سے وہ دوسرا جڑتی تھی اتنا ہے کہ علاج و معالجہ جیسی اہم ضرورت میں ہی ایک ملک بنیہر کسی دھندہ کے دوسرے ملکوں پر ہر دوسرے کا تھا۔ قدیم یونانی طب کے نسخوں میں روم کی مصلیٰ آرمینیا کی کل (مٹی) کشمیر کا بنشہ خوار چینی ترکستان کی بادیاں اور کیا کیا باتوں کن کن ملک کی پیدا شدہ دوائیں کہاں کہاں استعمال ہوتی تھیں۔ بلکہ آج رشتہ دارے دوسرا ہر ملک کے ملکوں کو صنعت و تجارت میں پاد کر آج جو مختصر ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مسکنوں کو صنعت چوتھے پیر اور پچیسویں صدی تک میں جو کل رہے ہیں اگر ان فنون کو بھی

فن قسمنا بینہم و معیتہم  
المیوۃ الدنیا و عینا بعضہم  
فوق بعض درجات یفصل  
بعضہم بعضا یا۔

ہم ہی نے ہائے دیکھا ہے  
(بہت زنگ) میں ان کی سببیت کو  
ان کے دریاں اور وادیاں و پانی  
نے بعض کو بعض سے ماسخ و مرتبہ کے

نہایت دور اس لئے لکھا ہے تاکہ حضرات میں بعض بعض کے کام ہیں۔

کے قوتی شہر کے کس قدر پائیدار ہو گیا جس کا جسے قواس کے انکار کی کوئی وجہ نہ تھی ہے مگر غرض ہی جانتا ہے کہ کس قدر کی پاداش میں ایسا ملک ہر پ کی مرز میں سے وطنیت کے بہت سے سرنگار ہی بہت انسانیت پر سوار ہو گیا۔ جوئی غیرت و جاہلی حقیقت کے قلعہ جذبات کو جبر کا جبر کا کہ ان ہی کو جتنے چکے تاریک کے نامعلوم قرون سے بے ہوش تھے۔ خود اکتائیت کے مسائل ہتھوڑوں سے اچانک فوجیوں کو چھو کر دیا گیا۔ دوسروں سے بے نیاز نہ ہو کر اپنی اپنی قوتوں کو ہر ملک خود مہبت کے اسی اختراقی و اشتقاقی فکر کا خوف باندھ کیا گیا اپنی اپنی منزلوں میں اپنے اپنے راہ لے جانے کے لئے ڈیڑھ ڈیڑھ ہتھوڑوں کی سجدوں کی تعمیر کا استقامت پروردہ تھے لگاتار میں یہ پادشاہی جیسے وسیع علاقوں کی مدد تک خود اکتائیت کی تحریک محدود تھی۔ لیکن جس اساسی تصور اس تحریک کی بنیاد قائم کی گئی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ بات ان وسیع علاقوں ہی تک محدود نہ رہے، کلی ہوئی بات ہے کہ ہر ہر قلم مختلف ملکوں میں اور ملک مختلف صوبوں میں ہر صوبہ مختلف اضلاع میں ہر ضلع مختلف تقصروں میں ہر منطقہ مختلف جہاتوں کی شکل میں مختلف سہولتوں کی وجہ سے بنا ہوا تھا اور ہے۔ ہر ملک کے رہنے والے بھائے دوسروں کے اپنی ضرورت خود ہی کریں۔ خود اکتائیت کے قانون کی جب بھی بنیہر تھی اور اس کے سوا ہر ایک کی سکتی ہے تو ملکوں سے آگے قدم کسروں میں اور صوبوں سے بھی صوبہ و ہر ضلع کے رہنے والوں تک ہر خود اکتائیت کے چھوڑے اگر پڑنے لگے ہیں تو جو بریایاں خدا کی آگے ہوئی فصل ہے جسے ہر حال میں آگے کو تاننا ہی پڑے گا۔ بلکہ ایک سب سے کہ انسانی حدود کو توڑ کر تقصروں بلکہ گلوں تک میں ہر جگہ چھو جائے۔ آبادیوں کی پکائی ان میں رہنے والے کے لئے ہر جگہ ہی جادہ ہیں۔ یہ خدا ہر اس کا نام قریب ہی معلوم ہوتا ہے۔

ایک فرد سے ملوں کارنگ تو اسی ملک سے صحت کے واسطے سے ہمارے بی بی کو باہر نکلے گا سو وہ جی نہیں دے رہا ہے۔ چاہنے والے اگر چاہتے ہیں تو جہ نہیں پاتے ہیں وہ ان کی چاہ کو کب پوری کرنے دیتے ہیں۔ لیکن وطنیت اور وطنیت کے ساتھ ساتھ خود کفالت کے مسلم اولیٰ غریب پر پب ہی کو اپنے ہاتھوں کی اس بھڑکائی جہنم میں خود کو دبا کر دے، بے گامگی سے عداوت کی آگ ملگائی باپ اسی آگ میں ہر شور سے شور سے خود یورپ کو بھی جتنا بڑھ ہے۔ اور یورپ کے ساتھ ہی سکینوں کو بھی با آخراں میں میں حصہ لینا ہی پڑا جنہیں ممکن تر کیوں سے یورپ والوں نے اپنا خلی بنایا ہے۔

اب سوچنے والوں کی آنکھیں کھلی ہیں، چاہا جا رہا ہے کہ اس ٹوٹی ہوئی دنیا کو اور ٹوٹی ہوئی تو خطہ تیر ہے، اور تو جی ہوئی تھی، بلکہ سمجھ ہے کہ خود اپنے ہاتھوں کی توڑی ہوئی اس دنیا کو پھر جوڑنا جائے، اب عصیۃ الاقوام (ایک آف نیشنس) یا تنظیم اسلحہ ادا زین قبیل بیسوں ناموں سے بیسوں تجویزیں جاری ہیں، تاکہ جہانگ کے گئے ہیں، ایام انہیں پھر ملا دیا جائے۔ حالانکہ دور کی ان کو لڑیں گے لڑنے میں وقت ضائع کرنے سے کتنا آسان خدایاں ہیں، پھر وہ گاہ کو خود کفالت کے اس جہان کی خد کو دماغوں سے نکال کر پھر اپنی آدم کے گھروں کو لیتا خود کفالت سے بھٹا سمجھ گیا۔ کے اسی قدر قی قانونی کے ماتحت چھوڑ دیا جائے، آزاد چھوڑ دیا جائے، تاکہ اس کے نامعلوم زمانہ سے جس محل پر اس کے احتیاجی و معاشی تعلقات قائم تھے، اسی محل پر ہر وہ دایم رہ جائیں۔

معرض سب کو سب کچھ پیدا کرنے کی تفتیش کی جگہ ہر ملک کو ان ہی چیزوں کے پیدا کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے جنہیں اپنے اپنے ماحول اور موسمی و مقامی خصوصیات کے لحاظ سے آسانی بہتر شکلوں میں وہاں کے باشندے پیدا کر سکتے ہیں، اگر ایک ملک کی آبادیوں کو دوسرے مالک کی آبادیوں سے جو بہت دور جہت کر دیا جائے تو وہ بھی بات خود کفالت کے جہانی اصول کے مقابلہ میں زیادہ مفید ہو سکتی ہے کہ کسی کو کر کے کر کے بنیائے۔

میں جیسا کہ اسے احوال

کی شکل میں خود صنعتی ملک کو جہاں تو کسی کسی طرح مصنوعی ذرائع سے کام لے کر غیر فطری طور پر اگرچہ فطری ملک میں بل بوتہ پر ملتا ہے، یوں ہی زرعی علاقوں میں بھی صنعتی کاروبار پیدا کیا جاسکتا ہے لیکن یہ کام نہایت زیادہ میں جہتی علاقے ہیں، زرعی پیداوار میں جتنی حد شکلوں میں وہاں پیدا ہو سکتی ہیں باجہ زرعی بنائے ہوئے شکلوں کی پیداوار میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں یہی حال مصنوعات اور ضروریات جیہ کی دوسری چیزوں کا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں اگر چاہا جائے تو انگوڑا، انار، باریج، پودا، پھل، بیتیہ ہو سکتے ہیں اور جو کچھ کھانے کی چیزیں ہیں انگوڑا، پودا، باریج، لیکن کابل یا کشمیر کے انگوڑوں یا اناروں کا مقابلہ کیا کر سکتے ہیں۔ جب ہندوستان کے آسوں کو کچھ کچھ کابل کے انگوڑے کھا سکتے ہیں، قندہار کے انار سے کام وہاں کو لذت پہنچا سکتے ہیں، اسی طرح ہم اپنے ملک کی قدرتی

ایک ہی معاشیات  
پیداواروں کو دوسرے ملک کی قدرتی پیداواروں سے جہاں آسانی بنا دے کہتے ہیں، تو خواہ مخواہ ایک خیر خیال کہ ہندوستان میں کاپیڑا کیا ہو، انگوڑا چوں کہ ہے، اس لئے ہندوستان میں کاپیڑا کا کثیر کے انگوڑوں پر ہیں اس سے ترکیب دینا چاہیے، دوسرا ہندوستان میں احساس کے سواہ چیزیں اور کیا ہیں، بلکہ کچھ تو ہے کہ وہاں مقام کی ان معاشی وابستگیوں سے چاہتے ہوئے اگر چاہیں تو ایک آف نیشنس (جیہا والی) یا مجلس اقوام (ایک وائی) اور غیرہ کے مفاد کو ایک حد تک اس ذریعہ سے بھی حاصل کر سکتے ہیں یہی ہٹری جنگ جو اسی ہی کی خود اسی کے تجسرات بتا رہے ہیں کہ زندگی کی معاشی معاشی ہونے میں شک و شبہ کے بغیر جیسی چیزوں تک نے جنگ سے لوگوں کو بے زار بنا رکھا ہے، اُن کو نہیں کیا کہیں نے طبریا کے مریضوں کو جتنا پریشان کیا ہے، کیا ان لوگوں میں اس کی جنت ہو سکتی ہے کہ جس ملک سے کو نہیں برا دیتی تھی اس سے جنگ کا ارادہ کرے، آپ اقوام کی مجلسوں میں اسی جنگ کو روکنے کے لئے قوموں کو اس پر قہر پور کرنا مشکل کا اقتدار سمجھتے ہیں کہ باوجود مصفاہ صحت کے آئندہ وہ جنگی جہازوں کی تعداد میں مقدار سے بڑھ جائیں یا سرے سے حربی آلات واسطہ کے کارخانے ہی بند کر دیے جائیں۔ کیا جنگ کے ان ہی خطرات کے اسناد کی ایک صورت یہ بھی نہیں ہو سکتی ہے کہ زندگی کی ضرورتوں میں ایک ملک کو دوسرے ملک کا کچھ اس طرح محتاج بنا دیا جائے کہ ایک کا کام دوسرے کے بغیر چل ہی نہ سکے، یعنی وہی قدرت کا جو قانون ہے اسی پر دنیا کو واپس چھوڑ جانے کی اجازت دیدی جائے۔ تو بالکل غیر نہیں، ایک بڑا سبب قوموں کی جہت آزماہوں کے شکوکے کیا یہ اندیشہ نہیں ہو سکتا ہے کہ ڈرائی کی صورت میں ان چیزوں سے محروم ہونا پڑے گا جس کی برآمد کا دار و دار اسی قوم ہے جس سے ہم ڈرا چاہتے ہیں۔ کچھ نہیں تو اسناد و جنگ کے اسباب میں ایک ستر سبب کی حیثیت سے یقیناً یہ ایک بڑی بات ہو سکتی ہے، بشرطیکہ قومیت کا اسباب قوموں کے سروں پر جو کھیل رہا ہے اس صورت کے اتارنے میں پہلے کا بیانی حاصل ہو جائے۔

اور یوں ہی تجربہ کی ایک بات یہ بھی ہے کہ تاریک کے نامعلوم زمانے سے جس ملک میں جہاں پیداوار کی بنیادی کاروبار اس ملک کی خصوصیات کی بنیاد پر جو پیداوار ہوتا تھا، اس کا کھانا نہیں کیا جاسکتا کہ اس ملک کے باشندوں کو جو ایک فطری مناسبت ان ہی چیزوں سے ہو جاتی تھی۔ بہارت و کار کو دی میں دوسرے مالک ان کا مقابلہ مشکل ہی سے کر سکتے تھے۔ یہ تجربہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ ہر ملک میں جہنم کی چیزوں کی پیدا کرنے کی کوشش پر خود کفالت کے نعرے کے زیر اثر اسی چیزوں سے جہاں پیدا ہو سکتی ہیں، اسی طرح مفید نہیں جیسے اس زمانے میں دنیا کے اس قدیم اصول کو جو توڑا گیا ہے۔ یعنی عموماً قاعدہ تھا کہ حصول معاش کا جس خانہ میں جہاں فطری طور پر چلا آ رہا تھا، لوگ اور احوال دیکھے بغیر اسی چیز کو اختیار کرنے پر مجبور تھا کہ اس کے لئے آ رہے تھے، جس کا اس فائدہ کے سوا کہ نسبتاً معاشی فائدہ میں لوگ اس لئے کم مبتلا ہوتے تھے کہ اپنی معاش کا فائدہ ان کے نزدیک نہیں ہوتا تھا۔ ایک اصول کا لوکا پیدا کرنے کے بعد فطری رہتا تھا، سمجھتا تھا کہ زندگی گزارنے کے لئے مجھے دی کرنا ہے جو میرا باپ کا ہے، دوسروں کی اولاد کو دے دے، تو یہاں پر ہے کہ دھلانے والوں کی شکلوں میں جیسا ہی نسبت سے

اشادہ پڑھا تھا وہی وہی تھی کہ کسی کسی زمانہ میں میں نہیں جانتا کہ کسی پیشہ ور کو اس کی شکایت پیدا ہوئی  
ہو کہ باپ کے جس پیشے کو اس نے اختیار کیا تھا اس کی مانگ نہیں چھوڑی ہے، اتفاقاً اس کا پیشہ کھانا  
تعلق عام حالات میں سے ہے۔

بہر حال اس فائدے کے سوا بڑا فائدہ اس کا یہی تھا کہ کچھ سے ہر پیشہ ور کا پیشہ چوں کہ  
لے شدہ ہوتا تھا اس لئے میراث اس وقت سے جب سے ہوش سنبھلا تھا، باپ سے اپنے پیشہ کے  
گروں کو سیکھتا رہتا تھا، مسلسل عملی مشق وقت آتے تھے اس فن میں اس کو ہر بنا دیتی تھی اور یوں  
بھی سورتی نوذرات کا انکار نہیں کیا جاسکتا، ہندوستان ہی میں دیکھئے، تعلیم و قلم کا جدید مغربی اصول  
ڈیڑھ صدی سے اس ملک میں رواج ہے، ہر صوبہ میں میسرین کالج بلکہ یونیورسٹیاں، میگزین، جرنل، اخبار  
مدارس قائم ہیں، لیکن اس ملک کے جن خاندانوں کا سورتی پیشہ تعلیم اور دماغی کاروبار تھا، مشق  
برہمن یا کائستہ، جدید تعلیم کے مستعد ہیں کیا ان کا کوئی مقابل ہے؟ بنگال کے بنگالی، کہا جاتا ہے کہ تعلیم  
جدید میں بہت آگے نکل گئے ہیں، لیکن اس پر کوئی غور نہیں کرتا کہ آگے نکلنے والوں میں اکثریت کبیرہ  
کن لوگوں کی ہے؟ پڑھ لکھنے والے دیکھ لیتے، ادبی، علمی، کرنجی وغیرہ برہمن یا مترا، گوش و جیرو  
کائستہ خاندان کے افراد اس کے بڑے ہوتے ہیں، یعنی وہی لوگ جن کے آباؤ اجداد ہزار سال سے تعلیم  
میں آگے بڑھے ہوئے تھے ابھی حال مدراس، امرتھ، وغیرہ کے ان علاقوں کا ہے، جہاں سمجھا جاتا  
ہے کہ جدید تعلیم نے اچھے اور ستا افراد پیدا کئے ہیں، بہر حال جو حال افراد کا ہے، وہی باقوام کا ہے،  
جس میں پیداواروں کا جس جس ملک سے قدرتی متعلق مدت و زمانہ سے رہا ہے، میراث قریبی خیال ہے کہ ان ہی  
ملکوں سے ان پیداواروں کے متعلق اچھی فہموں کی توقع کی جاسکتی ہے۔ بہر حال ان کی کارکردگی کی  
ملاہٹوں کو یہاں سے اجناسنے اور ترقی دینے کے مردہ کرنے کی کوشش خاص افراد کے تحت نہ کی جائے  
اور ملک کے متعلق قریب نہیں کہہ سکتا اپنے ملک ہندوستان میں تو دیکھ رہا چوں کہ سورتی پیشہوں سے  
لوگوں کو بٹا چکا کہ جب سے دوسرے شعبوں کی طرف دعوت دینے میں ہمت افزائیوں سے کام لیا جا رہا  
ہے۔ لیکن یہ کہ ابتدائیں کچھ لوگوں کو تشعشع ہو اور لیکن تعلیم یافتہ طبقہ میں تعلیم کا سوال تمام سوالوں  
سے زیادہ اہم جو جس وقت بنا ہوا ہے اس لئے سے پہلے لوگوں کو مرت کا مزہ چکھنا پڑ رہا ہے تو اس میں  
بڑا دخل ان ہی غلط فہم افراطیوں کو ہے، پہلے اپنے باپ کے سورتی پیشے اور اس پیشے کی آمدنی پر دل  
لگاتے تھے، بڑو ہا ہزار سال سے ایک خاص قسم کی ملٹی زندگی عموماً سب کو سرسلی، لیکن آج ان کی ہر خبروں کو  
گم کردہ ہیں پرندوں کی شکل میں دیکھا جا رہا ہے کہ ادھر سے ادھر سے پھرتے ہیں، مساجد کا آبائی ذریعہ  
خدا ہی کو بیٹھے اندر سرانجام دینے، رفق کال نہیں رہا ہے، اور بے بھی تو زندگی کو آبائی مہارت و مہر  
سے پوشیدہ ہو گیا، اب کوئی میسران ان کے سامنے ایسا نہیں ہے جس پر پہنچ کر اطمینان کا  
سائنس والے کہتے ہیں۔

آہم رفت، آہم رفت

خبریں کہ حشر نکل گیا، دماغ میں بات تھی، موقعہ انہی کا آئی، جی نہ پا کر اگر عمل جاؤں۔  
باب ہر اصل مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، میں کہہ رہا تھا کہ مساجد میں مراتب و مدارج کے اختلافات اور  
ان ہی اختلافات سے پیدا ہونے والی ہستی و زندگی کو اہمیت دے دے کہ اس زمانے میں ہر ملک و  
قوم کے حق میں اس مسئلہ کو ایک مستقل مسئلہ قرار کی شکل جو حل کی گئی ہے۔ ایسا مسئلہ جو ان کو تقریباً  
ہر ملک کے باشندے کا نب رہے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ دیکھئے اس مسئلہ میں ہیں کب جو سمجھا جاتا ہے سنا  
جائی اور جفا کی سرکہ اور فیوں کا ذریعہ اسی مسئلہ کو بنانے والے اس ملک میں کب بناتے ہیں۔

اب کسی کو مجھ سے اتفاق ہو یا نہ ہو، لیکن میرا خیال قریبی ہے کہ قرآن نے ظہری نتیجے سے کام  
لے کر اسی مسئلہ کو جس سے براہ نشروں نے چاہا ہے کہ انسانی برادری کو ہر ملک اور قوم میں ہمارے، سب کے  
نکراتے کے اسی کو بچھڑے ہوئے کے لئے کا ذریعہ اتنی آسانی سے بنا دیا ہے کہ غلط انداز کو قرآنی طور  
کے مطابق بنانے کے ساتھ ہی ان کا تباہی و تباہی سے نکل جاتا ہے، جسے چھٹا چھٹا کر بیٹھے بنائے آدم  
کی اولاد کو لوگوں نے بے چینی اور باوجود کی کلفت و حق میں مبتلا کر رکھا ہے، اور بچے کے قتل کو دیکھ  
دیکھ کر ساج کے بعض افراد کے قریب میں دوسرے افراد سے جو گرائیاں پیدا کرائی جا رہی ہیں، خیال  
کرنا ہر ان کو قرآن نے جو فائدہ نظر پیش کیا ہے۔ توڑنے کی جگہ جوڑنے کا ذریعہ اسی فقہ کو اس لئے  
دار کے جس طریقہ سے بنا دیا ہے، انصاف سے غور کرنے والوں کے لئے اس میں انشا و اللہ فہم  
سکینت کا بڑا سرمایہ ہا تھا سکتا ہے۔

ظہری بات یہ ہے کہ ہمارے اس شعبہ اور خلیش کو قوم مانگتے ہیں جو باہم افراد  
انسانی میں مساجد و مراتب کے اختلاف سے پیدا ہوتی ہے، اگر باہمی اعتبارات کا ہر ملک و قوم  
جس میں تقسیم میشت اور تفضیل بعض علی بعض کے قانون کے تحت آدم کی اولاد بکرتی ہوتی ہے، کھل جاتی  
بات ہے کہ میشت کے اس نظام میں زندگی اعتبار سے کسی کا بلند مقام پر قابض ہو جائے اور کسی کا پست  
بگ پر رہ جائے ناگزیر ہے، آخر جب سب کچھ سب کو نہیں دیا گیا ہے، بلکہ صلاحیتوں اور میشتوں کے مختلف  
ملکات و کمالات و صفات کے مختلف حصوں کے مختلف افراد حصہ دار ہیں، اور ہر کمال پر صفت اپنے  
کی قدر و قیمت کی وجہ سے برابر نہیں ہے، خصوصاً مساجد برتری جن کمالات و صفات کے بل بوتے پر لوگوں  
مائل ہو جاتی ہے، چوں کہ ان کی تعداد ہر آبادی میں متوزی ہوتی ہے، اس لئے باسانی ان کا جملہ فرقہ  
سندوں کو تیر نہیں آتا، بخلاف ان لوگوں کے جو مساجد برتری پر ترقی رکھنے والے افراد کے محتاج ہوتے ہیں  
کہ کثرت تعداد کی وجہ سے ان کا جملہ ہر ملک باسانی مل جاتا ہے، یہی سبب ہے کہ کسی امیر یا مہاجر کا ملانم  
توزیر رہتا ہے کہ اگر میں ان کے پاس سے چاہاؤں گا تو وہی کام جو میں انجام دیتا ہوں اس کام  
کے لئے خدا نے پیسوں ان کو مل گئے ہیں لیکن تو کی چیز میں اگر نہیں ہوگی تو میرے کام سے استفادہ کر کے  
امیرت دینے والے دنیا میں ہونگے کہ میں اس لئے ایسا آدمی جس کی مجھے ضرورت ہو اس کا تلاش کو میرے  
لئے آسان نہ ہو گا، یہ ایک واقعہ ہے جس کا متعلق و فقہ کے مشاہدے سے ہے۔



مافیہ سائنات  
 غرض منقذات صفت و کمالات رکھنے والی اس دنیا کے ہر ذی شعور کی طرف سے یعنی وہی، فراز و نشیب کے اس سوال کو اگلے طے کیا جائے تو بتایا جائے کہ نہ کوہ بالا جراب کے سوا کچھ دالے اور کیا کہہ سکتے ہیں منقذات کی مخلوق ہونے میں حلاوت و نباتات، حیوانات و انسان، جب سب باہر ہیں، تو کسی کو کم کسی کو زیادہ جود یا گیا ہے، اس کی توجہ میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہے کہ اس مطالعہ کے سنی قوی ہوئے کہ گونا گوں برکتوں، موجودات سے جبری ہوئی، دنیا گویا معرفت ایک ہی اشی کی شکل میں بدل دی جائے یعنی وہی بات کہ سب کو انجمن ہی انجمن بنا دیا جائے جس کا دوسرا مطلب یہی ہوگا کہ ریل گاڑی اور اس کے منافع و فوائد کے سارے فائدے ہی کو ختم کر دیا جائے۔ مگر ایسی ہر انصاف کی بات یہی ہے کہ انسان کی اجتماعی شکل اس جواب سے اطمینان حاصل کرنے کے باوجود جب انفرادی طور پر قدرتی زندگی کی کشش کشوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ تو اس وقت منقذات صفت کا یہ فلسفہ اور اس فلسفہ کے مصلح و ماحول سے متعلق غائب ہوجاتے ہیں، اسب جانتے ہیں روز قمر کے ان خبرات کو سب باندھتے ہیں کہ انتہائی ماضی و کار ساز دار و مدار صفت و کمالات اور ان سے پیدا ہونے والے طاری و مراتب کے ایسی اختلاف و تفاوت ہیں کہ قائم ہے۔ اس کو ختم کر دینے کے یہ معنی ہیں کہ احتیاجی تعلقات کا وہ رشتہ جو اس وقت ہم میں ایک دوسرے سے جوڑے ہوئے ہے، اسی وقت ختم ہوجائے گا، اسی طرح ختم ہوجائے گا جیسے خود کھانا زندگی رکھنے والے حیوانات میں ان مواد کے فقدان کی وجہ اختلاف و تفاوت کا یہی فقدان بنا ہوا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ بیلوں کی قطار سے کوئی بیل، یا گھوڑوں کے اصیل سے کوئی گھوڑا، بکریوں کے مندوں سے کوئی بکری اگر غائب ہو جاتی ہے تو ان میں کسی کڑواؤ لگاؤ و گرفت کے اس قدر کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ لیکن بڑی توہم انگیزی انتہائی آبادی کا کوئی معمولی رکن، خشک کوئی حتم، کوئی دھوبی، ایسی کچھ دن کے لئے اگر کہیں چلا جائے تو لوگوں میں کھلبلی مچ جاتی ہے، حد تو یہ ہے کہ محل محل پر جانچنے تک کی اسڑانگ ٹپے ٹپے شہروں میں قیامت برپا کر دیتی ہے۔

سوال یہی ہے کہ ان فیض مشاہدات، کھیلے کھیلے خبرات کے باوجود قدرتی پورے منقذات صفت میں غرضات کا یہ احساس انہیں کیوں نہیں دیتا؟  
 ہم خود پر قدرت کے مسئلہ کو بھی چاہا جاتا ہے کہ اس شکایت کے ازالہ کا یہ پیرائہ کیا جائے؟  
 چہ سے دالے ان ہی سوائے ہر پیرائے ہیں۔  
 کوئی یاد شدہ واپس ہے، کوئی نیا وضع  
 جیسے اہم ایسا بنا دیا تو انہی مشاغل میں جلا  
 آخر یہ بھی منقذات و فرائض یا سبب و فائدہ کا یہ فائدہ، ان صفت و کمالات، فطری ملکات و جہازات ہی کے ساتھ جب وابستہ ہے، جس کے متعلق قدر و قیمت کے اعتبار سے قدر ناممکن ہیں تو کمال ہی بات ہے کہ انسان فطرت کا جو پیدا کرنے والا ہے وہی فطرت کے ان جتنی لوازم و ناکہ جی خالق ہے اسی کی طرف احتیاج کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
 کل شیئ من اللہ و علیہ و الیہ المرجع

پہ خود دبا دبا دسند زخم  
 کی فکر ہی وقت اندر اندر جاری جان کھائے جاتی ہے، سر چھپاتے ہیں تو پاؤں کھتے ہیں ان پاؤں کی پیرا ڈالتے ہیں تو سر تنگ نہ جاتا ہے۔

قدرتی پیرائے ہر روزی پاتے والوں کے دلوں کا بھی احساس (ظہوری یا ظہری طور پر اس مسئلہ کا اثر ہے جس کا حلقہ بہ حلقہ منقذات یا سبب و فائدہ کے حلقہ خالی کی ذات کی طرف ہے اس سوال کا جواب کوئی موضوع انسانی کے بکھرے ہوئے افراد کی تنظیم اور باہم ان میں پورے شعل و تاب و اشتعال کے نشیبات کو پیدا کرنے کے لئے کسی کا وہ پیرا اور کسی کا بچہ ہوتا تو وہی تھا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ سب ہی اگر انجمن ہی میں جائیں گے تو ڈر اور ہڈی آخر گاڑی کا کون صبر دے گا، گاڑی میں یہ سب ڈبے یا بوٹی ہی نہ ہوں گے تو کیا ہر جہ کو معرفت انجمن سے کیا کام چلے گا۔ خواہ ساری گاڑی کی ریل و سرائے انجمن ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح جس انسان میں ہر ہر عضو کو دل و دماغ ہی کا مقام اگر عطا کیا جائے گا، تو ہر ہاتھوں، ٹانگوں، انگوٹوں کے وہی منت کوئی ادا کرے گا۔ واقعات کی حد تک باخبر ہے ایک مسئول جواب ہے، یوں ہی اگر سوچا جائے کہ حلاوت کی طرف سے اگر یہ مطالعہ پیش ہو کہ نباتات کی صفات سے ان کو کیوں محروم رکھا گیا۔ یا نباتات کی جانب سے احتیاج کی یہ آواز نہ ہو کہ جو ان کی کمالات سے محروم کیے گئے اور جو میں ان کا رعبہ پست کیوں کر دیا گیا، اسی طرح حیوانات اگر چاہتے ہیں کہ آدم کی اولاد میں صوری و سنوی قوتوں سے سرفراز ہے، وہی قوتیں جن کی بدولت صدی کا نجات پر انسان کی حکومت قائم ہے سب پروردہ مانگا نہ اقتدار چاہے ہوئے جس حتم کا تفرق چاہتا ہے کہ تاہم ان سے وہ کیوں محروم ہیں

مافیہ سائنات  
 غرض منقذات صفت و کمالات رکھنے والی اس دنیا کے ہر ذی شعور کی طرف سے یعنی وہی، فراز و نشیب کے اس سوال کو اگلے طے کیا جائے تو بتایا جائے کہ نہ کوہ بالا جراب کے سوا کچھ دالے اور کیا کہہ سکتے ہیں منقذات کی مخلوق ہونے میں حلاوت و نباتات، حیوانات و انسان، جب سب باہر ہیں، تو کسی کو کم کسی کو زیادہ جود یا گیا ہے، اس کی توجہ میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہے کہ اس مطالعہ کے سنی قوی ہوئے کہ گونا گوں برکتوں، موجودات سے جبری ہوئی، دنیا گویا معرفت ایک ہی اشی کی شکل میں بدل دی جائے یعنی وہی بات کہ سب کو انجمن ہی انجمن بنا دیا جائے جس کا دوسرا مطلب یہی ہوگا کہ ریل گاڑی اور اس کے منافع و فوائد کے سارے فائدے ہی کو ختم کر دیا جائے۔ مگر ایسی ہر انصاف کی بات یہی ہے کہ انسان کی اجتماعی شکل اس جواب سے اطمینان حاصل کرنے کے باوجود جب انفرادی طور پر قدرتی زندگی کی کشش کشوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ تو اس وقت منقذات صفت کا یہ فلسفہ اور اس فلسفہ کے مصلح و ماحول سے متعلق غائب ہوجاتے ہیں، اسب جانتے ہیں روز قمر کے ان خبرات کو سب باندھتے ہیں کہ انتہائی ماضی و کار ساز دار و مدار صفت و کمالات اور ان سے پیدا ہونے والے طاری و مراتب کے ایسی اختلاف و تفاوت ہیں کہ قائم ہے۔ اس کو ختم کر دینے کے یہ معنی ہیں کہ احتیاجی تعلقات کا وہ رشتہ جو اس وقت ہم میں ایک دوسرے سے جوڑے ہوئے ہے، اسی وقت ختم ہوجائے گا، اسی طرح ختم ہوجائے گا جیسے خود کھانا زندگی رکھنے والے حیوانات میں ان مواد کے فقدان کی وجہ اختلاف و تفاوت کا یہی فقدان بنا ہوا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ بیلوں کی قطار سے کوئی بیل، یا گھوڑوں کے اصیل سے کوئی گھوڑا، بکریوں کے مندوں سے کوئی بکری اگر غائب ہو جاتی ہے تو ان میں کسی کڑواؤ لگاؤ و گرفت کے اس قدر کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ لیکن بڑی توہم انگیزی انتہائی آبادی کا کوئی معمولی رکن، خشک کوئی حتم، کوئی دھوبی، ایسی کچھ دن کے لئے اگر کہیں چلا جائے تو لوگوں میں کھلبلی مچ جاتی ہے، حد تو یہ ہے کہ محل محل پر جانچنے تک کی اسڑانگ ٹپے ٹپے شہروں میں قیامت برپا کر دیتی ہے۔

سوال یہی ہے کہ ان فیض مشاہدات، کھیلے کھیلے خبرات کے باوجود قدرتی پورے منقذات صفت میں غرضات کا یہ احساس انہیں کیوں نہیں دیتا؟  
 ہم خود پر قدرت کے مسئلہ کو بھی چاہا جاتا ہے کہ اس شکایت کے ازالہ کا یہ پیرائہ کیا جائے؟  
 چہ سے دالے ان ہی سوائے ہر پیرائے ہیں۔  
 کوئی یاد شدہ واپس ہے، کوئی نیا وضع  
 جیسے اہم ایسا بنا دیا تو انہی مشاغل میں جلا  
 آخر یہ بھی منقذات و فرائض یا سبب و فائدہ کا یہ فائدہ، ان صفت و کمالات، فطری ملکات و جہازات ہی کے ساتھ جب وابستہ ہے، جس کے متعلق قدر و قیمت کے اعتبار سے قدر ناممکن ہیں تو کمال ہی بات ہے کہ انسان فطرت کا جو پیدا کرنے والا ہے وہی فطرت کے ان جتنی لوازم و ناکہ جی خالق ہے اسی کی طرف احتیاج کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
 کل شیئ من اللہ و علیہ و الیہ المرجع

کامدار میں اے چارنگی دوراندیش اور ایمانی و پیشانی نہ بھی مشورہ سے ہے  
اور اسی دنیا پر جب اگر عرض کر دیا ہوں  
واللہ جیلہ الوترقی لمن یشاء  
و یقتلہ  
میرا ہا ہے قہ پو کر دیتا ہے۔

لکھا اعتقاد میں اہل رزق کے بسط و قدر کو حق تعالیٰ نے ہر ماہ و ماہ است اپنی مشیت ہی کی طرف منسوب فرمایا ہے  
اور جہاں تک میں جانتا ہوں امارت و غربت، یا بسط و قہ کے متعلق آخری جواب ہے اجماع مذاہب  
کی طرف سے دے کر پڑنے والوں کی زبان بند کر دی جاتی ہے لیکن قرآن میں اسی جواب کو آخری  
جواب قرار دیتے ہوئے خاموش ہو جانے پر لوگوں کو اگر مجبور کرنا تو فیہ دلائل اور اپنی جنس کے متعلق  
تجزیہ و تفسیر میں دلیل ملے ہوئے کا دعویٰ ہی وہ کیوں کرتا جو شکوک و شبہات کی انتہائی پڑوں تک پہنچ کر  
اُن کی داریک سے باریک درگوں اور دھڑوں کو گرا پڑوں سے قطع فرما کر اکھاڑ سیکتی ہے؟  
آئیے اور اس مسئلہ میں بھی قرآن کی تجزیہ و تفسیر کا نشانہ کیجئے کوئی قول طویل یا مختصر ہے بلکہ  
دیباچہ کی پُرانی ترکیب سے کام لیتے ہوئے قرآن نے لوگوں کو جیسا کہ میں سمجھتا ہوں اور مستوجب کیا  
ہے کہ اہل رزق کی تقسیم بسط و قدر کے ان دو مختلف پیمانوں پر قدرت جو کر رہی ہے، اس کے متعلق یہ  
سوال کر سیکیں کہ یہی ہے؟ یا ظاہر ہے کہ اس سوال کے جواب دینے کا واقعی استحقاق اسی کو  
حاصل ہے اور اس کے سوا اور کس کو ہو سکتا ہے جو قصداً و اداۃً ان دو مختلف پیمانوں پر اہل رزق کو  
اپنے پیدا کئے ہوئے بندوں میں بانٹ رہا ہے لیکن قبل اس کے کہ خود بانٹنے والے اور تقسیم کرنے والے  
سے پچھا جاتا، قرآن نے لوگوں کی اس حماقت پر مطلع کیا ہے کہ انہوں نے پیش قدمی کے بغیر کسی  
حق کے اپنی طرف سے اس سوال کے خود قضا مشید دے دیا و قطعاً بے بنیاد و غلط جوابات گھڑائے اور ان  
پہلی غلط جوابوں کو محکم باور کیسے اور قدریوں نے پیٹھے بٹھائے اپنے آپ کو ایک ناشدہ اندرونی  
گوشت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اور دوسری طرف اسی غلط علم اور غلط احساس کا نتیجہ بیسیوں پر مرتب ہوا  
ہے کہ بچے متعلق وہ الگ ایک بے جا خواہش اعتقاد کی کے شکار بنے ہوئے ہیں۔ ماحول اس کا بھی وہی  
ہے کہ غلط علم سے لوگوں نے اس مسئلہ میں بھی جو غلط فہمیاں نظر کا م کر لیا ہے، اسی غلط علم کی تصحیح کر کے  
نقطہ نظر کا اصلاح قرآن نے ایک ایسے اجماعی رنگ میں کر دیا ہے کہ جن شکوک اور شکایتوں یا کہوتوں  
اور شبہات ہوں سے آج آسمانوں کو سر پہ اٹھایا گیا ہے، میں نہیں جانتا کہ اس۔ نے کے بعد ان کے  
خوف کے ہی خواب میں گمراہی باقی رہ سکتی ہے، اگرچہ ایک سے زائد مقامات پر قرآن میں مسئلہ  
پایا جاتا ہے۔ لیکن جیسے اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ جس توجہ کی یہ قرآنی آیتیں مستحق تھیں، اتنی توجہ  
ان کی طرف نہیں کی گئی، ہر حال توجہ کی گئی جو ان کی گئی ہو، قرآن میں تو موجود ہیں، انسانی ہی کو اب میں  
پہلے کہتا ہوں، سب سے پہلی آیت اس مسئلہ کی توجہ ہے جو سورہ صافات میں ہے اور خدا پائی جاتی ہے۔

واللہ الا انسان الا ذی اصابہ ابتلاء  
میرا خدا کو وہ و نقمہ فیقول ربی  
اکرم من و اللہ الا انسان الا ذی  
ما ابتلاہ بمرحہ فقل ربی  
مرفقہ فیقول ربی احسان کل  
جب میں کا الگ ہا پتا ہے تب ہی گئی کر دیتا ہے روزی کو اس کے تو کہنے لگے  
کر میرے مالک نے مجھے ذلیل و خوار کر دیا ہرگز نہیں؟

میں دوسروں کو کیا کہوں، خود اپنا حال ہی رت لگا اس آیت کے متعلق جب صحابین  
و بیوائے زندگی میں اس کا جو ترجمہ میں آیا تھا، اس کی بنیاد پر یہ خیال گذرنا تھا کہ انہوں نے  
جس بندے کو نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے، وہ اگر کہتا ہے کہ خدا نے مجھے نعمت سے سرفراز فرمایا تو  
خدا کیا کہتا ہے، آخر وہ یہ نہ کہے تو کیا کہے۔ پھر اسی کو ملا کے تو جی غلط سے ڈانٹنے کے کیا سنی، اسی  
طرح دوسرے جزائے متعلق بھی لگا دوسرے جتنا خدا کی شاکر متین معاش میں مبتلا ہو کر جو پیارہ اپنے ہونے  
میں ہلکا اور سبک ہو رہا ہے، اپنا توفیق کی اس کیفیت کا اگر انہوں نے کسی توجہ کا اظہار  
کرتا ہے، اگرچہ اس کی پہلی بات کے متعلق یہ بھی خیال گذرنا تھا کہ اس میں مالک کی شکایت کا پہلو چھلک  
پیدا ہو سکتا ہے، جو کہ اس کے متعلق تفسیر کی گئی ہو، حافظ کا شعر یاد آ جاتا تھا  
گناہ گریہ زبور اختیار با حافقہ  
تو در طریق ادب کوش گوگن و سن صت  
لیکن یہ قرطبی ادب کے ذیل میں سہابی احسان (میرے مالک نے مجھے ذلیل کیا) کی شکایت کو تو داخل  
کیا جاسکتا ہے، مگر پچھلے میں تو اس کی جو گمراہی زنی بلکہ  
احسان غصۃ سر بیک مخرجت  
تو اپنے رہا کی نعمت کا ہر پارہ  
یہ اسی کے مفاد کو دہرے والی حدیث  
ظہیر و فرقتہ حلیہ  
کے او کو لے کر اور۔

و غیرہ میں تو اسی کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ نعمت سے جو سرفراز ہوا چاہیے کہ وہ اس کا اعتراف کرے، پھر  
جس پر انعام کیا گیا اور نعمتوں سے فائدہ لے گئے جس میں وہی چاہیے کہ وہ اس کے مالک نے  
ہر انعام و اعزاز کیا، کے اعتراف کے ساتھ تہذیب و تمدن کے علم کی تفسیر اگر کرتے ہیں، تو غلط کیا کرتے  
ہیں۔ زبور تو کھانا کستن ان کو اس مقام پر کیوں شہر لایا کہ یہ واقعہ ہے کہ اس ہا سائل تک میں انہیں  
میں اہمیت رہا، ان لوگوں میں بھی دیکھتا تھا، لیکن زبور لیلی کا ازار نہیں ہوتا تھا  
دست کے بعد جو بات بھی جب وہ واضح ہوئی، تو مرند ہی نہیں کہ اس مقام کے متعلق جو شک  
تھے ان ہی کا ازار ہو گیا، بلکہ اس سوال کا یعنی اہل رزق کو بانٹنے والے نے بسط و قدر کے دو مختلف



خبریں اور ان خبروں کی کوئی قیمت دینے والے کو میں نے داؤد بنی کی بھی بیکس مساہ اور مزدوری کے بجائے ان خبروں سے میں نواز گیا۔ پھر کسی عقل کا مشورہ ہو سکتا ہے کہ وہی جس نے میرے ساتھ یہ سب کچھ کیا، پھر وہ کسی قدر مجھ کے بغیر میری رسوائی اور خدائی کے نہ ہے جو جائے۔ ذلت کا طوق پہنا کر میرے جائیوں کے درمیان سردارنا اور میری رسوائیوں کے ناختے سے لذت گیر ہونے لگے۔

مکالمہ یہ ہے کہ وہی قدر یعنی بتائے گا جو واقعی خدا اور خدا اس سے بڑھے بغیر جو سبائی و صافن اس پر مبنی رہا ہے اسے ہائے قدری رزق دے کر میرے مالک نے مجھے رسوا کر دیا) کے ساتھ قدری پر مبنی ہونے والوں کا گردہ کوچہ و نماز میں جو چاہتا ہے پھر تپے اور اس میں بہت کہ کچھ ایکٹھی کر اپنے سینوں میں لے اور دوسرے جو نماز پڑھتا ہے کسی حیثیت سے بھی ان کا یہ فیصلہ اور اس فیصلہ کا اثر اس میں لہانت کی قلم کے کچھ مینا ہے یا جسکی ہر نام عقلی کی راہ نمائی میں ایک لکھ کے لئے بھی قابل امتحان یا مستحق توبہ ہو سکتا ہے ۱

پھر حال تقسیم خلق کے ان دو خاندانوں کے متعلق یاد دہانہ جانتے والوں نے اپنے میں وہم کو قلم باند کر یا تنہا یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ ان کا یہ علم غلط تھا، ظاہر ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق وہم ہے اس کے مرنے ایک سنی اور سنی پہلو کی کا یہ علم ہو سکتا ہے، یعنی ہم نے کچھ کچھ متبادہ کچھ نہیں ہے کہ یہ سوال کہ پھر کچھ واقعہ کیا ہے، انسانی ہونے یا خدا کی مخلوق ہونے میں باوجود کہ سب برابر ہیں ایسی صورت میں ترجیحی وجوہ کے بغیر جنوں کے لئے بسط کے بدلے پر اور جنوں کو قدر کے چار پر آخر قدری کیوں باقی جا رہا ہے؟ ان کے جاہلی انسانی نے جو وہ ترغیبی ملی تھی وہ غلط تھی، ایک طرف اس کے غلط ہونے کی واقعیت یہ ترغیب بتائی کہ قدرت کے اس طرز عمل کی کچھ اور واقعی وہ کیا ہے؟ یعنی سنیوں سے واقعہ ہونے سے ظاہر ہے کہ مسئلہ کا جواب ہماری پہلو ہے، پھر یہی آدمی کے لئے وہ جھوٹی راہ رہ جاتا ہے۔

کیا قرآنی میں اس کا جواب نہیں دیا گیا ہے؟ کسی عجیب بات ہے، قرآن کے گئے ہے وہی، خدا جو سورہ الفجر سے میں نے نقل کئے ہیں، ان میں ایک صلب کے ساتھ یہاں بھی کچھ علم ساتھ دیا گیا تھا، لیکن خدا کے کلام کو کچھ بڑے دہے جب اسی طریقے سے پڑھتے ہیں، جیسے انسان کلام پڑھا جاتا ہے، قرآن کو کچھ ایسا ہے کہ قرآن جو کچھ دینا چاہتا ہے جیسا کہ چاہیے، اس کے پانے سے لوگ محروم رہ جاتے ہیں، نیا وہ مطلب و عقل کے لئے عام طور پر چاہا جاتا ہے کہ انسان بھی اسی کی نسبت سے زیادہ ہوں لیکن قرآن کے کچھ یہ کاری جانتے ہیں کہ اس کا مدیہ اس باب میں بالکل مختلف ہے، چاہے ایک ایک لفظ میں جو انسانی کے سمجھوں کو وہ ہند کرتا ہے، اور اگر ایسا نہیں جاتا، بلکہ انسانی کے مطابق قرآن میں انسان کا بھی طریقہ پیسہ اگر دیا جاتا، تو جس آسانی کے ساتھ میں ہونے کی وجہ سے انسان کی مخالفت جو رہی ہے میں تو نہیں جانتا کہ ہر زمانے میں وہ اسی طرح ممکن ہو، جیسے آج جو رہا ہے جیسے اسی سنیوں نے کچھ نہیں صرف ابتلا، خدا کے جیسے مذکورہ بالا دونوں میں فقط دو دفعہ دہرا دیا گیا ہے

خبر کرنے والے مگر اس میں غور کریں گے کہ مسئلہ کے بجائے پہلو کے متعلق وہ جو کچھ بھی جانتا اور یا خدا کرنا چاہتے ہیں، یہیں کچھ کسب کچھ ایسا ایک لفظ میں ان کو مل جاتا ہے، ابتلا کا کہ اس لفظ کو جو معنی میں رہا ہے کچھ دیکھئے، پھر میں مطالبہ پر روشنی ہے، خود بخود دیکھنے والوں کی سمجھ میں آئے لیں گے۔

ابتلا کا کہ آفریں کا جو حرف ہے، یہ تو خیر ہے اور انسان اس کا مراد ہے اور جاتا ہے اب صرف ابتلا، یا ضی کا صیغہ ہے، مصدر اس کی ابتلا رہے جو اردو میں بھی عموماً مشعل ہے، امتحان یا آزمائش، یا چننا اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ قرآن ابتلا کا ترجمہ ہوا، آدمی کے رب نے آدمی کا امتحان کیا، یا آزمایا، یا چننا، تو اس لفظ کے لغوی معنی ہونے اور مطلب سے غور کرنے کی چیز ہے کہ امتحان یا آزمائش، یا چننے کے الفاظ انسانی کی طرف جب منسوب ہوتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہو کر رہا ہے کہ جس کا امتحان لیا جاتا ہے، اس کے ایسے حالات ہیں جہاں امتحان لینے والا ناواقف ہو رہا ہے چاہتا ہے کہ امتحان کے ذریعے ان ہی حالات کو جاننے، مثلاً اس کے معلومات کیسے ہیں، مفاد علم میں اس کی استعداد کیسے ہے، یا اسی قسم کے نامعلوم امور سے واقفیت امتحان لینے والے کی فرض ہوتی ہے۔ پھر خدا کی طرف بھی امتحان کے لفظ کو جب منسوب کیا جاتا ہے، تو ایسا زبانہ اس کا بھی کچھ ہی مطلب ہوتا ہے، یا جو سکتا ہے یعنی خدا بندگان کے جن حالات سے ناواقف ہے، امتحان میں کوئل کر چاہتا ہے کہ وہی حالات کو وہ جاننے اور خدا کو سرے سے زمانہ یا دوسری بات ہے، لیکن خدا کو خدا ان کا ایک لمحہ کے لئے بھی کسی کو اس مطلب کے انتخاب کی جرات ہو سکتی ہے؟ پس سوال یہی ہے کہ کسی کا امتحان جب خدا لیتا چاہتا ہے، کسی کو آزمایا جاتا ہے چاہتا ہے تو پھر اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ عام یہی ہے اور ان میں عموماً، خصوصاً قرآن میں بکثرت بتا دیا گیا ہے کہ ہم معنی انسان کا انتخاب حق تعالیٰ کی طرف کیا گیا ہے؟ دریا فت طلب یہی بات ہے کہ اس وقت اس کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ جب یہ مسلم ہے کہ خدا کی باتوں کو مخلوقات اور مخلوقات کے صفات و افعال کے حاشی قرار دینا مذہبانا جائز ہے، کم از کم قرآن نے جیسے کئی شے (کوئی چیز خدا کے مانند نہیں ہے) کا بیان ان کے مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا ہے کہ ذات میں جو اصناف ہیں، یا افعال ہیں، الغرض کسی اعتبار سے کسی چیز کو خدا کے حاشی نہ دینا چاہیے، یہی وجہ ہے کہ سعادت بشارت علم و حیات و حیرت جیسے صفات قرآن میں جو خدا کی طرف منسوب کئے گئے ہیں، سب جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی طبیعت سے ان کا وہ مطلب قضا نہیں ہے جو انسانی کی طرف، بلکہ ہی صفات کو خود کو لئے کی صورت میں ہوا کرتا ہے۔ مثلاً بشارت یعنی دیکھئے یہی کی ایک صفت ہے، آدمی کی طرف جس بشارت اور دنیا کی کے انسان کو کم منسوب کرتے ہیں، تو اس وقت دنیا کی اس صفت سے مراد ایسی صفت ہے جو ممکن کہنے میں رنگ اور روشنی کی محتاج ہوتی ہے اور کچھ موقوف ہو کر موقوف ہو، ان شروط کے ساتھ اس کے آثار کا خود شرط واجب ہے، لیکن ظاہر ہے کہ کچھ ایسی بشارت کے مسئلہ خدا کی طرف جب منسوب کیا جاتا ہے، اور کیا جاتا ہے کہ خدا بشارت ہے، تو ہم میں ہر ایک جانتا ہے کہ خدا کی یہ صفت رنگ کی محتاج ہے نہ روشنی کی، نہ دوسرے شروط کی، بلکہ وہ دیکھتا ہے، ہر حال میں دیکھتا ہے، پھر دیکھنے کے

اس خدا جو مخلوق ہے مگر جاننے کے لئے اسے امتحان لینے کے لئے انسان کی طرف مشورہ جسے کی صورت میں اور سنی ہو، اور خدا کی طرف مشرب ہونے کی صورت میں دوسرے سنی ہوں اور آپ کی تیسری کہ اور ہوتا کیسا، یہ کتنی بڑی غلط فہمی ہے جو بعضوں سے میں نے سنی کہ ایسے مواضع پر اعتراض پڑنے کے بعد اعتراض سے گریز کے لئے خدا کی طرف امتحان و ابتلا کے مشرب ہونے والے انسان کے معنی کو مسموری بدل دیتے ہیں، حالانکہ آپ نے دیکھا کچھ ایسی ابتلا و امتحان کے فضائل کی خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ ایک عام کلی قانون ہے۔ جو ذات و صفات و افعال و غیرہ و سب ہی پر مادی ہے۔ خدا اپنی تمام مخلوق میں ایسے نرالیے غلے غلے ہے، اس طرح ابتلا و امتحان کا جو فعل خدا کی طرف مشرب کیا جاتا ہے، وہ اس امتحان سے جو ایک مخلوق دوسری مخلوق کی نسبت ہے، قطعاً مختلف ہے اور اس کو مختلف ہونا ہی چاہیے رہا یہ سوال کہ خدا کی طرف مشرب ہونے کی صورت میں ابتلا و امتحان یا آزمائے جانے کے ان امتحان کا کیا مطلب ہوتا ہے، یہ بھی ایسی بات نہیں ہے جو مروجی کو معلوم نہ ہو، آخر کوئی نہیں جانتا کہ قرآن میں ایک جگہ نہیں امتداد مقامات میں بار بار مختلف الفاظ میں یہ احاطہ کیا گیا ہے کہ انسان کی زندگی کی کوئی خاص حالت و کیفیت ہی نہیں، بلکہ جس زندگی کو آدمی اس وقت زمین پر گناہ رہا ہے، اس میں اس کی یہ پوری زندگی ہی ابتلا و امتحان ہی کی زندگی ہے، ایسی آیتیں مثلاً

خلق الموت والحیات لیبْلُوکَ  
ایکسو حصص معلولہ  
سب سے اچھا کون ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِنْ نَفْثَةٍ  
استخرج من عینک لعلَّکَ تَعْلَمُ  
انسان کو کفر اور سبوتا۔

ظاہر ہے کہ قرآن میں امتحان کی آیتوں کی کیا کمی ہے؟ حاصل میں کیا ہے کہ زندگی کا کوئی خاص پہلو، کوئی خاص فن، یا نہیں، بلکہ پوری زندگی ہی آدمی کی امتحان و ابتلا کی زندگی ہے، اور یہی ہے، تمام امتحان و کائنات کے مقابلہ میں بشری فطرت میں خواہ وہ کسی، نگ میں ہو، دور و جوں میں سے کسی ایک اور اور جوں میں سے کسی ایک پہلو کے انتخاب و اختیار کرنے کی جو خصوصیت رکھی گئی ہے، وہ حقیقت فطرت کے اس امتحان کے کلی اصول کا ایک حصہ ہی نہیں ہے کہ آدمی کی پوری زندگی ہی ابتلا و امتحان کی زندگی ہے، غلط فہمی ہوا کہ اس کی طرف ابتلا و امتحان کے الفاظ جو مشرب کئے جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہونا کہ جو باتوں کو خدا نہیں جانتا، امتحان سے کران ہی کو جانتا یا جانتا ہے، بلکہ منافی فطرت میں اقتدار و اختیار و انتخاب و ترجیح کی جو فطرت رکھی گئی ہے، اسی فطرت کے صحیح استعمال کے مطابق تمام ابتلا و امتحان ہے۔

تجدید کے بعد قرآن میں جو ایمانی علم و ابتلا کے نقطہ سے دیا گیا ہے، اس کا مطلب تیسرا کیسے جو ابتلا یا تک آپ کو، ابتلا و امتحان کے متعلق معلوم ہو چکی ہیں، ان ہی کو پیش نظر رکھ کر سوچئے کہ اس کا مطلب کیا ہوا؟ اقتدار و اختیارات کیا تھی اور غلط معلومات سے انسان کی فکری مشکوکیت کون کن غلط خیالوں کو پیدا کر رہی تھی، باطلی پر پائے پر رزق پائے والے اپنے باغیہ خیالات میں کس پر کس پر تھے، تھوڑا سا ہے کہ ان کا اکرام کیا گیا، اپنے ہم جنوں، ہم جنوں میں ان کا سراپا بنایا گیا ہے۔ گو یاد ہے قدرت کے چہرے پر جو سراپاوں میں ہیں، یوں ہی عزوت کے مطابق قدرت کے چہرے پر ہیں، گو یاد ہے قدرت کے چہرے پر ہیں، اپنے دران کے سپہ سالاروں سے گرم گرم ہو کر لگے رہے تھے، اگر کھڑا رہے تھے کہ ہمیں پیدا کر کے رسوا کیا گیا، یہی ایک رونا تھا، جس کے ساتھ وہ رو رہے تھے، حم کے آنسوؤں سے اپنے چہروں کو دھو رہے تھے، مگر تو خود تراشیدہ خیالات، غلط معلومات سے نکالے ہوئے غلط نتائج تھے، ظاہر ہے کہ ابتلا کا خدا کی اطلاع اب اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے، یعنی نادانانہوں، جاہلوں کو واقف بنایا جا رہا ہے کہ انسانی رزق کی دونوں شکلوں اور دونوں ہیاتوں میں بانٹنے والے اور تقسیم کرنے والے کی غرض یہ ہے کہ جس کسی کو جس پلانے پر ہی بسط سکے یا نہ پڑے، پر ہر واقعہ کے لیے یا پھر جو کچھ کسی جس شکل میں دیا جا رہا ہے، ہر ایک سے دیئے جانے کا مطالبہ ہے کہ جو کچھ انہیں دیا جا رہا ہے اس کے استعمال کے صحیح اور غلط طریقوں میں سے صحیح طریقہ ہے اسی کو اختیار کریں، جس کے دوسرے معنی یہی ہوتے کہ حیثیت کے ان دونوں ماحولوں میں مبتلا ہو کر معلوم ہوتا تھا کہ وہ کیا ہے، حاکم کے صحیح علم کی روشنی میں اب سوچ رہا ہے کہ حقیقت ہر ایک سے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کیا ہو چو تو اٹھا گیا ہے، اسی لئے تو سمجھا جاتا ہے کہ رزق میں جو یہاں پڑ جائے گئے ہیں، نہ جاننے کے دوسرے اپنے اپنے دلوں میں خواہ وہ کسی قسم کے خیالات پر کار سے ہوں، ایک اور واقعہ ہے جس کے حاکم اپنے اپنے ہر پہلو پر تھپتھپ رہا ہے کہ اس میں ان کی ذمہ داریاں بٹھائی گئی ہیں، اور ان رزق میں جو کچھ یا علی ہے، نادانانہوں کی وجہ سے اپنے مشق خواہ جس قسم کا بھی غلط خیال نہ قائم کریں، لیکن سبکی بات حقیقت کے مطابق ہی ہے کہ اس میں ان کی ذمہ داریاں گھٹائی گئی ہیں، جانتے دانے سے جو واقعہ ہے اس کا صحیح علم پانے کے بعد کھینچے جانے سے بھی بچا ہے، بلکہ اس کے سوا وہ کچھ ہی نہیں کھینچ سکتے ہیں تو خیر خیال سے بھی کام لیتا ہے۔ سورۃ الاحقاف کو ختم کرتے ہوئے اسی اجمال کی تفصیل ضرور دیتے ہیں انسان کے ہیں کی ہے،

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْفَلَاحَ فِي  
الْأَرْضِ وَرَفَعَ لَكُمُ الْمَوَاقِیْ  
وَجَعَلَ لَكُمُ الْوَسْیْلَ إِلَى الْوَسْیْلِ  
سَابِغَ الْمَوَاقِیْ وَجَعَلَ لَكُمُ  
الْفَلَاحَ فِي الْوَسْیْلِ

اور خدا ہی ہے جس نے زمین میں تم کو فلاح  
پائین (خیز) بنایا اور تم میں کو مہم  
سے درجوں میں اونچا کر دیا جس نے  
کیا گیا ہے کہ جاننے خدا نہیں سمجھنے  
کے متعلق جو نہیں اس نے دی ہیں فلاح

تہذا انکندو مستقیم ہیں ہے اور انشاء پر بھی بہت ہی جتنی ہے اور بہت زیادہ کم تر ہے۔  
 جس کا حاصل یہ ہے کہ زمین اور زمین کی پیداوار اور ہر قسم کے جانداروں کا جو اس وقت تک پیدا ہوا ہے  
 کے افراد میں سے جو دنیا گیا ہے اس کی وجہ سے کہ دینے والے نے جس کو جو کچھ دیا ہے اس کو  
 دیا ہے تاکہ وہ جانے اور اُن کے گویا انھیں جرات میں بھی دیکھیں کہ اس طرح آباد  
 کے ساتھ تو سوال کو فرما کا نام قرآن میں جو دیا گیا ہے تو اس حقیقت اور اس واقعہ سے اس واقعہ کے لئے  
 قرآن پر دلائل پاتا جانتا ہے، ماسخی زندگی کے درمیان اختلافات کے متعلق چلنے جو ساریاں  
 پہنچانی ہیں، قرآن کا قصہ ہے کہ علم کی روشنی دے کر پہلے ان ساریوں کا انداز کرے، اس کے  
 بعد اسی علم کے مطابق عمل کا نظام پیش کر کے مصلحت پر کیا جائے کہ ہر ایک اپنے علم کو کمال کے مطابق پہنچانے  
 کی کوشش کرے اور اسی طریقہ عملی زندگی کی تسبیح کا بھی اور مرتبہ بھی ہے، علم کی تسبیح سے پہلے عمل کے  
 اصول اور عمل کا جو لوگ ادا کرتے ہیں، یعنی ماننے کو کہنے کی حد تک تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی چل  
 رہے ہیں، لیکن پہنچنے والے ہی جانتے ہیں کہ قدم قدم پر چلنے کی آیتیں ہیں، ساریاں کس طرح ان کے لئے ہوں  
 - بنی بلی جاری ہیں، اسی مسئلہ میں خیال کیجئے، تقسیم بندی کے ان دو پانچوں سے پیدا ہونے والے شکلات  
 سے آپ چاہتے ہیں کہ لوگوں کو نباتات پیش جائے، لیکن تقسیم رزق کے اس دور کے تمام کاموں و اخراجات  
 سے متعلق ہے، وہ واقعات کے متعلق علم اور تحقیق کے کچھ ذرائع سے صادق معلومات جو حقیقت و حقائق  
 کے مطابق ہوں، معلومات کے حاصل کئے بغیر شکلات، ماسخی شکلات، ذرائع و مراتب کے ساتھ وہ  
 تعداد سے پیدا ہونے والے شکلات ان ہی معاذ، صرف انشاء کو اگر آپ رہتے رہیں گے تو وہ لوگوں کو  
 جانے دیجئے، ماننے ہی پہنچے ہر بات پر کہ کس پہنچے، تقسیمی واطین کی شکلیوں کا کوئی اثر آپ اپنے اندر بھی  
 فرما ہے، میں ہر عملی اقدام جو کچھ علم کی روشنی میں نہ ہو، ماسخی کا نام تو خیر کیا، اقدام اور ان ساریوں  
 طرح میں ہے، اسی مسئلہ میں کیا ہوا ایک جہاں ہے؟ مسئلہ پیدا کیا؟ سوال انشاء کیا، لیکن انشاء کے  
 بندوں میں کوئی نہیں جو پہنچے کہ جگہ لے وا اور باہم ایک دوسرے سے پھرتے، فالو اس عملی و حقیقی  
 سے پہلے کرنے کی باتیں قرآن میں کہ رزق کی تقسیم کا متعلق کس ذات کے ساتھ ہے؟ وہ خدا کی ذات ہے  
 یا خدا کے سو کوئی اور ہے؟ اور خدا اس سوال سے پہلے کچھ جواب سوال کیا ہے کہ جگہ لے والے سے  
 سے خدا کو اتنے بھی ہیں یا نہیں، اگر ملتے ہیں تو سب ملتے ہیں، یا کوئی پارٹی بحث کرنے والوں کی  
 صرف خدا کو اتنی ہے یا کوئی نہیں، اتنی کھلی ہوئی بات ہے کہ جو حق تعالیٰ کو اتنے ہیں اور میں ہیں  
 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا پیارا رسول جو یقین کر چکے ہیں، اس یقین میں ادنیٰ ترین شک بھی  
 اس کی ضرورت کے لئے ناقابل برداشت بن چکا ہے، ان کا اور ان لوگوں کا طریقہ بحث و تحقیق ایک کیسے  
 ہو سکتا ہے جو میرے سے ایسا ذرا اللہ حق تعالیٰ کے وجود ہی کو جھٹلاتا ہے، یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم کے ملاحقہ دھڑکی کے انکار پر ہی کو اور ہے، فکر و فکر کی راہ وہ لوگوں کی ایک کیسے ہو سکتی ہے؟ اور یہ  
 سارے مسائل کا ہیں، علم ہی سے توان کا متعلق ہے، مادہ کیا ہے؟ خدا ہے یا نہیں ہے، خدا کے رسول

۱۰۱  
 خدا کے رسول واقع میں تھے، موسیٰ یا (مستغفر و مستغفر اللہ) اس میں ابھی کچھ دبا اور خود ہے، شیک  
 شیک واقعات کے مطابق ہیں، موسیٰ کے جوابات کا کچھ کچھ علم نے شدہ فیصلوں کی صورت میں جہانگ  
 بحث و تحقیق کرنے والے حاصل نہ کر سکیں گے، فکر و فکر کی کوئی اسبق اس مسئلہ پر ان کو گھٹ کر نے کی  
 مہارت دے سکتی ہے، میں نہیں کہیں گے، خواہ ان باتیں ہی میں جواب کا علم حاصل کیا جائے، ہر گاہ  
 خدا حاصل کر سکتے ہیں، تو فنی و انکساری کے متعلق آخری فیصلہ دیا، فیصلہ حاصل کر لوں میں خود  
 شک کی پھر گناہش، کسی قسم کی گناہش باقی نہ رہے، مگر فنی ہو یا انبات و دونوں سے قطع نظر کر کے مسیح  
 نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کے کیا سستی؟ آخر اس قسم کے مباحث میں آج یہ چوک جانتا ہے کہ یہاں خدا کو یا  
 مذہب کو درمیان میں لے کر کیا ضرورت ہے؟ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب کیا بھی نہیں جہاں  
 کچھ نتیجہ تک پہنچنے کے لئے کچھ علوم کو درمیان میں لائے کی کیا حاجت ہے، خدا کا نام یا مذہب کا نام  
 ایسے مواقع پر لایا جائے تو عرض اس سے بھی تو ہوتی ہے کہ خدا نے جو علم اس مسئلہ میں دیا ہے یا  
 مذہب میں جو معلومات اس کے متعلق پائے جاتے ہیں، پیش کرنے والے ایسی کو تو خدا کے یا مذہب  
 کے نام سے پیش کرتے ہیں، ہم تو جہاں تک جانتے ہیں، یہی جانتے ہیں، ایسا مذہب میں کے لئے لائے  
 اسے تہا مذہب بھی ملتا ہے، جو معلومات اس میں ملتی ہیں، انھیں خدا اور علوم بھی یقین کرتے ہیں  
 لیکن مذہب ان معلومات اور خدا کے علاوہ وہ علوم کا زندگی کے جن مسائل سے متعلق ہو، ان میں کے  
 متعلق جب شیک واقعات کے مطابق فکر و تحقیق، بحث و تحقیق کا وقتہ چڑھے، توان معلومات اور اسی  
 علوم سے خود چوں کہ ان کی راہ نمائی میں ہم غلط تکیہ نہیں کر سکتے، اور اسی جہاں جہاں علوم  
 اور معلومات کو اپنا مذہب پیش کر لے، اور ایسی باتوں کو کہے کہ خدا کی باتیں ہیں، اس عقلی استفادگی  
 پر انگلی کی کوئی اتنا بھی ہے۔ میں تو نہیں سمجھتا کہ یہ بات عقل و جوش اس قسم کے تصانیف تک دھڑک  
 کی تشبیہ کرنے والی باہم نہ متنازع چیزوں کو اپنے دماغ اور دل میں کوئی کیسے جگہ دے سکتا ہے۔  
 لغت ہے ایسے مذہب پر اور اس کے معلومات پر جو عمل کے وقتہ بجائے کچھ راہ نمائی کے خدا اپنے  
 اور بجائے راستی کی جنت کے جوش کی جنم میں آدمی کو ڈھکیں دے۔  
 بہر حال ہم مسلمانوں کے نزدیک مذہب معلومات کے اس مجموعہ کا نام ہے جن کا متعلق علم  
 کے ذوال مرتبہ سے ہے، علم کا ہی ایک مرتبہ جس سے زخائب پوشیدہ ہے، اور نہ حاضر مستقبل  
 میں ابھی جو کچھ چلنے والے ہیں، پیش کرتے سے پہلے وہ جانا ہوا ہے، ظاہر میں جو کچھ ہے اس پر بھی  
 اور باطن کی گہرائیوں میں جو کچھ پوشیدہ ہے اس پر بھی علم کی راہ ذوال قوت حاوی ہے اور اس  
 خود پر حاوی ہے جس سے کسی شئی اور کسی مسئلہ کا کوئی پہلو پوشیدہ نہیں ہے، جس کے جھٹانے کی قوت  
 یا اسے قلوب سے سلب ہر کی ہے، یہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کیفیت میں دیا ہے  
 اسی یقین کے ساتھ ہم جیسا بھی چاہتے ہیں، اور اسی طرح ہم ہیں، ہر ایک مسلمان عقلی فیصلہ کی صورت میں  
 پہنچنے کے لئے ہوتے ہیں کہ اسی پر وہ میرے کا بھی مذہب کا بھی مطلب ہیں، کچھ یا کیا ہے اس کے سوا



ہم کہ جسنا جی نہیں پاتے ہیں مذہب کی صداقتوں میں جوٹ کے عناصر تحلیل پائے ہیں۔ اگر ان کے ملنے والوں میں مذہب کسی مصلحت آئینہ روخ نہ تھا تو اسے تو شاید بھروسہ بھی ہو۔ وہ کسی مذہب کی طرف انساب کی قیمت اگر صرف یہ سمجھتے ہیں کہ پڑائے آباد اہلداد کی وہ ایک مردہ یا زکا ہے۔ عملی زندگی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، تو ان پر کون مامت کر سکتا ہے، جب ان کا علم ہی غلط ہو چکا ہے۔ تنہا علم سے صحیح عمل اور صحیح عمل کے صحیح نتائج کی توقع اگر وہ نہیں کر رہے ہیں، تو انسان کا نقصان بھی ہو گا اس کے سوا وہ اور کچھ کر سکتا نہیں ہے۔ لیکن مسلمانوں میں اپنے پیغمبر کے ساتھ جن کا انسانی تعلق نہیں ہے، میں جانتا ہوں کہ وہ اپنے مذہب کے صحیح مصلحت کو جانتا چاہتے ہیں، اور ان ہی کے لئے مذہب

فریل مصلحت پیش کئے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام جہانی طبقات کے مقابل میں آدم کی اولاد کے ساتھ رزق کی تقسیم میں خود رزق کا یہ طریقہ جو قدرت کی طرف سے اختیار کیا گیا ہے۔ اس کا صحیح مفہوم صحیح علم کی روشنی میں کیا معلوم ہوتا ہے، بلکہ کیا یہ طریقہ خدا کے لئے چاہئے یا نہیں؟ رزق دیا گیا ہے۔ دینے والا ان سے کیا چاہتا ہے؟ جیسا کہ میرا التزام ہے، اسلامی مستندات سے اس کا جواب بھی ان ہی انداز میں درج کروں گا جو ان میں پائے جاتے ہیں، اور یہ بات کہ ان مطالبات کی تکمیل و تحقیر پر کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں، اور جو حالت قدرتی کر کے انہیں کن حیات زوں کو آخرت میں بھی نہیں دینا میں بھی کیا سمجھتے ہیں؟ قرآن میں چونکہ ان تمام امور کی طرف اشارے کئے گئے ہیں، اس لئے اپنی مصلحت کی حد تک ان کا بھی ذکر کروں گا۔

بلکہ اگر چاہیے تو ان سارے طویل طویل مباحث کی تہہ میں وحیقت جس چیز کا ذکر مضمود ہے وہ بھی آخری بات ہے یعنی حق تعالیٰ کے مضامین کی پروا نہ کر کے اپنی معاشی زندگی جو گزار رہے ہیں، اس کی صداقت اور آئندہ پیش آنے والی زندگی کی نہیں بلکہ موجودہ معاشی زندگی کو بھی قدرت کس طرح تکمیل بنا کر چھوڑتی ہے، یا وہ ہرگز اس سوال کے جواب میں بحث کا آغاز نہ کرتا یعنی دعویٰ کیا گیا تھا کہ جو شک کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں ان کے علم عقیدتیں راہ بھی اور قدرت بھی ہے کہ پیدا کرنے والے ہی کو اپنا والا اور مصلحت بنا کر یہ جتنے چاہتے ہیں۔ آہ آئندہ جو چیزیں آپ کے سامنے آئیں گی وہ اسی بات کی تفصیل ہیں جن کی حق تعالیٰ کو اولیٰ العباد بنانے کے ساتھ الا العباد شریک بنا کر پوجنے کی کیا شکل ہے۔ اس راہ پر چلنے کے نتائج آئندہ زندگی میں بھی نہیں بلکہ موجودہ زندگی میں بھی کن شکوں میں سامنے آتے ہیں اور اس راہ سے ہٹ کر خواہات وائحت کی زندگی بسر کرنے والوں کے مستقبل مرتے کے بعد ہی نہیں مرنے سے پہلے ہی قرآن کن خیال زوں کی وحکیوں دیتا ہے اور تجویز ان کی کس حد تک موافق و تصدیق کر رہا ہے لیکن بحث شروع کرنے سے پہلے ایک مسئلہ پر توجہ فرمادی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر دو قدر کے دو مختلف پہلوؤں پر تقسیم رزق کا جو مسئلہ دینیوں جہاڑی ہے ایک طرف تو اس کا یہ حال ہے کہ کوئی آبادی یا سنی ایسی نہ ہوگی جس میں اپنے مآول اور مقامی خصوصیات کے ساتھ اس کے خلاف ہونے کی وہ ضرورت نہیں رہتی جاتی جوں جوں اس کے اعتبار سے اس آبادی کے تمام باشندوں کو آپ خواہ کچھ بھی قرار دیں بسلی یا قدرتی لیکن خود آبادی کے باشندوں کو دیکھا جاتا ہے کہ لاپرواہی

بجاعت میں انہوں کے متعلق خیال کرتے ہیں کہ وہ ہبط کی حالت میں ہیں۔ اسی طرح دوسروں کو ان کے مقابلے میں سمجھتے ہیں کہ وہ قدرتی زندگی رکھتے ہیں، لیکن دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ ایسا آدمی کوئی آبادی میں بسلی معاش والا سمجھا جاتا ہے، بسا اوقات وہی اس سستی کے باہر رہنے والوں کے مقابلے میں قدرتی قرار پاتا ہے۔ وہ جو اس کی وہی ہے کہ رزق کی یہ دونوں حالتیں (ہبط و قدر) درحقیقت معاشی عمارت کی انسانی و بسلی شکلیں ہیں، یہی نہیں کہ ایک آدمی کسی آبادی میں تو بسلی سمجھا جاتا ہو، اور آبادی کے باہر دوسروں کے مقابلے سے خود وہی اپنے آپ کو قدرتی حالت میں پاتا ہو، بلکہ ایک ہی آدمی مختلف اوقات میں اپنے آپ کو کبھی ہبط کبھی قدرتی حالت میں پاتا ہے، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر کہا جاسکتا ہے کہ ایک ہی شخص ایک ہی وقت میں معاشی زندگی میں کبھی شمول ہیرہ باطل ممکن ہے کہ اپنے آپ کو ہبط کے حال میں پائے اور دوسرے طبقہ میں وہی قدرتی کیفیت محسوس کرے، رزق کی ان دونوں کیفیوں کی اضافی جوئے ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ صحیح طور پر افراد کی تقسیم و مشاوت ہے۔ عمل کی صحیح راہ ایسی صورت میں ہے کہ آدمی ہبط کی حالت میں جب اپنے آپ کو پائے سمجھے کہ بسلی ہلاکت کے عمل کا وقت ہے، اور جب قدرتی حالت میں اپنے آپ کو دیکھے تو اس وقت ان ہلاکتوں کی راہ انسانی حاصل کرے جس کا تعلق قدریوں سے ہے۔

یہ مسئلہ یہ سوال کہ جب سب خدا ہی کے بندے اور اسی کے آفریدہ ہیں، تو تقسیم رزق کے مسئلہ میں کسی کو ہبط سمجھنا چاہئے یا نہ؟ کہ میرا اور دوسروں کو قدرتی سمجھنا چاہئے یا نہ؟ کہ فریب کیوں بنا دیا گیا ہے میروں کے ساتھ قدرت کا ایسا کون اور کھار مشتر ہے جو عزت و نعمت سے وہ فوائد سے جا رہے ہیں اور فریبوں نے خدا کا کیا بگاڑا تھا کہ افسوس و عزت کا طوق پہن کر ان کو دوسرا اور ذلیل کیا جا رہا ہے ظاہر ہے کہ اس سوال کی بنیاد تو اس پر قائم تھی یعنی وقار و عزت کا دینے والے کی طرف سے سمجھا جانے کہ لوگوں کو دیا جاتا ہے، صرف دیا جاتا ہے۔ دے دیا جاتا ہے۔

لیکن جب صورت حال یہ نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہاں انگلیا ہے اور جسے جتنا زیادہ دیا گیا ہے۔ اسی قدر اس سے زیادہ مانگا گیا ہے، اور خود دینے والا جب یہی اعوان کر رہا ہے اور اپنے دینے کی غرض یہی بتا رہا ہے تو جو دینے والے نہیں ہیں، ان کے دوسروں کی کیا وقت باقی رہ جاتی ہے۔ کیسی عجیب بات ہے جو نہیں چاہتے تھے اور ہانے کا حق نہیں رکھتے تھے، بے جا ملنے پر ملے وہ جو کچھ کہہ رہے تھے، قطعاً وہ بات ان کی، اب تو اسی کو زیادہ دینا پڑے گا جسے زیادہ دیا گیا ہے اور وہی ہلکا چلے گا جسے زیادہ دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ مانگا جائے گا۔ اور شاید رحمت ہی کا یہ نقصان ہے کہ اکثریت دھرمیت کو زیادہ رزق دینی چاہئے ہے پر رزق غالب اس لئے بانٹا جاتا ہے کہ خدا ان کی ذمہ داریوں کو کم اور ان کے بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتا ہے، آخر ایسی ذمہ داریاں اور ایسا بوجھ جس سے ذہن نفس بامانی جہدہ برآ ہو سکتا ہے اور نہ ہر ایک میں اس بوجھ کے لادنے کی صلاحیت ہی ہوتی ہے۔ اگر اکثریت کو اس سے شغلی رکھا گیا ہے تو خدا کی ہر بات کی سوائے اور کیا سمجھا جائے، بلکہ اگر تو یہ ہے کہ ہر آبادی میں حدود دے چند افراد کو ہبط سمجھنا چاہئے یا نہ؟ کہ بسلی ذمہ داریاں عامہ بھی کی جاتی ہیں تو اس قدر

کوفہا میں خواہش اور فتنہ سنی سے وہ ان ذمہ داروں کو لینے کے لئے اپنے آپ کو چیل کرتے ہیں، احسن سبلی  
پہلے پر رزق پلانے والوں میں ایسا کون ہے جو خود قوقلوی رزق کا طالب خدا، لیکن قدرت نے اس پر  
سبلی رزق کا ہر جہ لا دیا ہے، عام طور پر دیکھا تو یہی جاتا ہے کہ سبلی رزق کے حاصل کرنے میں ہر ایک  
کو شمش کی انتہائی شکوں کو ختم کر دیتا ہے، بلکہ حاصل کرنے کے بعد بھی اس کی بات بلکہ امت کی ممکنہ  
صورتوں کے مینا کرنے میں ٹھٹھا کئی قسم کی کتابی کو کسی حال میں روا نہیں رکھتا۔ ان میں شائے ہی کوئی  
ایسا ہو گا جو اپنے رزق کے اس سبلی پلانے کو قدری پیمانے سے جتنی حد دل سے راضی ہو سکتا ہو پس  
بہرے جو کچھ جو تاسے خود لا دیتے والے کی خواہش اور مرضی سے جو تاسے اور بات کو ان ہی سے زیادہ  
مانگتا تاسے جنس زیادہ دیا جاتا ہے اور بھی ایک ایسا فطری مطالبہ ہے کہ مذہب تو غیر مذہب ہی ہے  
بہر کسی استثناء کے دنیا کے تمام مل وادیاں میں سبلیوں کی ذمہ داریوں کی فہرست طویل ہوتی ہے، بہر  
دیکھتے ہیں کہ غیر مذہبی وارثوں میں بھی مطالبوں کا سارا نزلہ اسی طبقہ پر نازل ہوتا ہے، جو نہایت سبلیوں پر  
رزق پاتے ہیں، مذہب میں جہر و خیرات، صدقات و زکوٰۃ، صلواتی و مروتات و خیر و جزہ مختلف ناموں  
سے ان ہر اگر ذمہ داریاں حامل کی گئی ہیں تو ٹیکس، ریت و سس ہایج خرچ اور یہی کہا جاتا ہے کہ کسی  
کس ناموں سے حکومتیں بھی لگائی گئی ہیں تو ان ہی سے لگتی ہیں۔ اسی طرح چندہ، فتنہ، مہر، داد اور احق  
و غیر اسامہ مختلف سے قومی کارکنوں کا حوالہ جو تاسے تو ان ہی پر ہو تاسے اور ہے سبلیوں کی بات کو ان ہی  
ضروریات میں خرچ کرنے کے بعد جس کے پاس کچھ پس ماندہ رہ جاتا ہو یا ظاہر ہے کہ انکا اگر جائے گا تو اسی  
سے مانگا جائے گا، اور وہ بات جب تک گذر چکی ان ہی لوگوں کو حیرا سکتی ہے جنس قانون سبلی پر مذہبی  
رہی ہے، ہاتھی جن لوگوں کی آمدنی خرچ کے ساتھ نپ تل کرتی ہو، یعنی خود کے یا سلفہ رزق جو پاس ہے،  
ان سے مانگنے والے آخر کیا مانگیں گے، ان کے پاس باسی ہی کب پتہ ہے، جس کے لئے کھانے والوں کو  
ڈھونڈنے کی ضرورت محسوس ہو، اور کچھ تو یہ ہے کہ فطری نقطہ سے پٹے چلے ایسے انکا دل فتنہ قبول ہوگا  
ذکر قرآن میں باسی اختلاف فرمایا گیا ہے کہ

اور جب میں سے کہا جا کہ آپ کے گھڑا  
تھیں جو میری حفاظت کی ہے اس سے خط  
کو تو انکار کرنے والے تھے والوں  
سے کہتے ہیں کہ ہم انہیں گناہیں نہیں  
کھا چاہتا تو کہہ سکتے تھے نہیں تو لوگ

(یعنی جو لوگ غریبوں کی اصلاح کا مطالبہ میروں سے کرتے ہیں، لیکن کوئی مگر ایسی میں۔)

فطرت کے ان بیماریوں سے اگر قلع نکل کر رہ جائے، تو عام حالات میں خود بسپیوں کا جذبہ خودی اپنی ان ذمہ داریوں کو محسوس کرے گا۔ نہ جن کا بسط کی حالت میں مطالعہ کیا جاتا ہے، اور اس لئے ان ذوق کے تسلی پرانے کے مستحق قرار دینے اور استغاثی ہونے کا جو دعوئی کیا ہے۔ میرے نزدیک تو یہ ایک ایسا دعویٰ ہے۔

جس کی تقدیر میں غصہ کی غلظت کرتی ہے جو خدا کا عذاب ہے کسی شخص پر غلظت کا عذاب دیا گیا ہو تو اس کے لئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو سب سے زیادہ عذاب سے محفوظ رکھے اور اس کو سب سے زیادہ رحمت سے نوازا جائے۔

و اما اذا ما ابتلاه فقد ر  
عليه سر زقه -  
کودتا ہے اس کی زدنی کو۔

یعنی قدر کی پیمائش پر بھی رنق جنس دیا جاتا ہے۔ ان کا بھی ابتداء ہی مقصود ہے، دوسرے  
 حصہ میں اس کا بھی مطلب ہوا کہ ان کو بھی جو کچھ دیا جاتا ہے، پختہ کیلئے دیا جاتا ہے، پختہ کیلئے اس کا نام لگ  
 تمام احساس اس مقصود میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ قدر کے پیمانے پر جو لوگ روزی پائے ہیں، سمجھا جاتا  
 ہے کہ روزی کے حساب سے ان کا قدر اور تنگی کی حالت میں ہونا ایسی کافی ہے، اب مزید ذمہ داری  
 ہون پر کیا حائد ہوگی؟

لیکن دوسرے ذہاب وادیوں کے متعلق تو میں نہیں کہتا، قرآن میں ایک طرف ذمہ داریوں کا ایک مسئلہ اگر ایسا پایا جاتا ہے جس کا متعلق بے بیوں سے ہے تو دوسری طرف ذمہ داریوں ہی کی ایک فہرست ایسی ہی ہے، جن کے متعلق لوگوں کا خیال خواہ کچھ ہی جڑو لیکن میرے نزدیک براہ راست ان کا ذمہ ان ہی لوگوں کی طرف ہے جو قدر ہی پیدا کرتے ہیں ان رزق پائے ہیں، اور اسی بنا پر میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اپنی متعلقہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا جیسے تکلف بے بیوں کا جلتا ہے، ایسے اسی طرح تقدیروں کے گردہ کو کسی قرآن لے ذمہ دار بنایا ہے۔ احباب میں چاہت ہوں کہ دونوں لطافت کی فہم آتی ذمہ داریوں کو الگ الگ درجہ کروں۔

بسطی رزق کی | جیسا کہ اسی یہ بات گزری کہ بسطی بیانے پر رزق پانے والوں کی ذمہ داریاں تو حق ہی ہیں  
ذمہ داریاں | جس کو رزق دوسرے بلکہ خود بھی اپنے آپ کو یہ بلکہ ذمہ دار محسوس کرتا ہے۔ اسی عام مطالبہ کی  
مطالبات بھی ان سے دیکھا جی رہی کہ عام نام خیر و خیرات، اتفاق فی سبیل اللہ ہے، اسی عام مطالبہ کی  
منظم قانونی شکل اگر کوئی ہے جس کی تفصیل قانونی ایما ب کے ذیل میں کی جائے گی۔ قرآن مجید اسی مطالبہ کا  
ذکر اس قدر تفصیلاً کیا گیا ہے۔ خود اسی موقع پر یہی سورۃ الفجر کی اسی آیت میں جس میں بسطی رزق کے متعلق  
اگر اسی نظریہ کی تردید کا (بہرگز نہیں) کے منکر سے فرماتے کے بعد یہ ارشاد ہوا ہے

بل لا تفرحوا بهنّ فرحاً عظيماً  
على طعام المسكين

بلکہ تم نہ خوش ہو کہ اگر تم خوش کرتے اور اعلیٰ ہو  
کھا لے دو لوگوں کو آمادہ نہیں کرتے۔

اس میں سچا بیسوں ہی کی ذمہ داریوں کا اظہار اجمالی الفاظ میں کیا گیا ہے۔ دیکھنے کے لئے گرفتار اپنے معذرت کو عائد کرتے ہوئے کسی نازک منظر پر تبصرہیں لکھ کر پیش کرتا ہے۔ یہاں نوٹ کے لئے ہفتہ کی کچھ تفصیلات اگر کر دی جائے تو قابل غماض نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ نعمت و عزت پانے کے بعد اپنا انوکھا

جہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ میرا کرام کیا گیا ہے، اور مجھے عزت بخشی گئی ہے، قرآن نے کلمہ کے الفاظ سے تو یہاں ہے کہ لوگ اس خیال کو اپنے اندر سے نکال دیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نسبت و عزت پانچے والا تو خیر اپنے اندر سے اس خیال کو نکال بھی دے سکتا ہے، لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ نسبت و دولت عزت و ثروت سے جو یہاں سرفراز ہوتے ہیں انہیں چال چلچراگ سرفراز اور رزادری ہی خیال کرتے ہیں، کسی کے پاس کچھ نہ ہو علم نہ ہو، فضل نہ ہو، فضائل و کمالات کے جتنے سلسلے میں سب ہی سے خالی ہو، لیکن اگر کسی جاکر وہ قابض ہے، کسی خرم کا وہ مالک ہے، تو لوگ باوجود کچھ نہ ہونے کے محض نامی دولت و ثروت کی وجہ سے اسے اپنوں میں بڑا آدمی ہی خیال کرتے ہیں، عموماً آبا دیوں کے بڑے آدمی کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ کسی کیسی درجہ میں ارتقاء اسے پہنچا رہا ہے، میرا رُخ ہے۔ پھر قرآن کلام پر گز نہیں، اس کے معنی سے تو یہ جو کہہ رہا ہے۔ جو بزرگ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسبت و عزت کو صرف اپنے احوال اور اپنے بڑا پا کا ذریعہ بنانا، قرآن صاف صاف لوگوں کو اس سے روکا ہے، روک کر ہر اسی عزت و ثروت سے جو فخر و دولت و ثروت رکھنے والوں کو حاصل ہو جاتی ہے، اس کے استعمال کے صحیح ذریعہ کی طرف ان آیتوں میں راہنمائی فرمائی گئی ہے، مقصد یہ ہے کہ جو عزت و دولتوں کو حاصل ہوتی ہے، اچا پاء جاتا ہے کہ اس عزت سے بڑائی کو ان لوگوں کی عزت اور بڑائی کا ذریعہ بنایا جائے، جنہیں دنیا بلا وجہ اپنی آنکھوں سے گرا دیتی ہے اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ قابلِ رحم حالت ان بچوں کی ہوتی ہے جو اپنے باپ کے سامنے سے محروم ہو جاتے ہیں، دیکھا جاتا ہے کہ تقریبوں میں، شادیوں میں، تہواروں اور عیدوں کے مواقع پر کہ باپ رکھنے والے بچے اچھے اچھے کپڑوں میں اپنے اپنے باپوں کے ساتھ خوش خوش اچھلتے کودتے ہرگز سے گرتے آتے ہیں، دل میں جس چیز کے خیر سے کی خواہش پیدا ہوتی ہے، اتنا ہی کہہ کہ باپ کی فخری عزت کو، جہاں جاکر کرام نکال رہے ہیں، لیکن ان ہی مجلسوں میں وہ بچے بھی ہوتے ہیں جن کے باپ سرکے ہیں وہ اپنے دل کی آواز کو سنے کہیں، اتنا ہی غلام چڑک رہا ہے، مے دیکھ، کس سے کہیں، ان کے نام نہ لے، اٹھنے والا اس پر سے گرج میں کوئی نہیں ہوتا، جو ان کی طاقت تھی وہ پھر دھاک چڑھتی، دل ہلا دینے والی کیفیت ہوتی ہے، جب مجمع میں کوئی بچہ اس شان کے ساتھ شریک ہوتا ہے، یہی وقت ہے ان لوگوں کی آزمائش کا جنہیں بڑائی بخشی گئی ہے، اور عزت عطا کی گئی ہے کہ اپنی بڑائی اور اپنی عزت سے کام لیتے ہو سو بڑائی کے اس مسوم کس پر اس کی بڑائی عطا کریں، ایک ایسا نطق اس کے ساتھ پیدا کریں کہ ان کی بڑائی کی وجہ سے ان بچوں کی سبھی عام بچوں میں بڑائی پیدا ہو جائے، گویا ان کی عزت کی وجہ سے لوگ ان بچوں کی سبھی عزت کرنے لگیں، اگر تم شرم کا یہی مطلب ہے۔

اور یہ حال تو ان بچوں کا ہے جن میں انسانی کمالات و قوت کی ابھی نشوونما نہیں چلی ہے۔ لیکن ان بچوں کے ساتھ ہر جمع، ہر آبادی میں انسانوں ہی کا ایک طبقہ وہ بھی پایا جاتا ہے، جن کی قریں ارتقاء کی مارچ کوٹنے کے بعد کسی وجہ سے ساکن اور معطل ہو گئیں، اور اسی وجہ سے بسا اوقات معمولی کمالات کی ضرورت بھی وہ اپنے دماغ و بارود سے پوری نہیں کر سکتے، ان ہی کو قرآن کی اصطلاح میں

دیکھتے کہ بچا ہے، ان لوگوں کو جنہیں پہلے پانچ پروردہ ملی ہے، یعنی ضروریات زندگی میں خرچ کرنے کے بعد جن کے پاس پس ماند ہوتا ہے، ان ہی لوگوں کو آمادہ کیا گیا ہے کہ یہ پس ماند دولت اس لئے تمہیں نہیں دی گئی ہے کہ صرف اپنے ہم جنسوں، ہم جنسوں میں اپنی بڑائی کا آرا اس کو بناؤ، بلکہ تمہارے اہل خانے جن میں کسب و سعی کی قوتیں جن کی شخصیت پر گئی ہیں، صرف یہی نہیں کہ ان کو کھلے ذہن کا ذکرہ بالا آیت میں قصاصوں کا منتظر فرمایا گیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ محض کے معنی میں یا پھر ان لوگوں کو آمادہ کرنا، قراب مطلب یہ ہوا کہ او باپ ثروت کو ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس کی وجہ سے نہ صرف خود بلکہ دوسرے دولت مندوں میں بھی سکینوں کی امداد و اعانت کا جذبہ پیدا ہو، اگر یا ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا جائے کہ لوگ امداد مساکین میں ایک دوسرے پر محبت چاہنے لگیں، اور یہ تعلیم اس عام قاعدے پر مبنی ہے کہ جو اہل ہر سو سائنسی اور ہر سماج زیادہ تر اپنے طریقہ کار میں دولت مندوں ہی کو ضرورت پاتی ہے، جس ملک کے دولت مند اپنی دولت کو کھیلوں، قماروں، حیثیتوں، افضول فریوں میں صرف کرتے ہیں۔ دیکھا دیکھی دوسرے بھی ان ہی پیچیدہ مشاغل میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور جہاں دولت مندوں میں نیکیوں، اخلاقیات و درویشوں، مساکین، نوازوں کی رسم جاری ہو جاتی ہے، تو دوسرے بھی ان کو دیکھ کر خیر کے ان ہی اہل و عیال میں اپنی پس ماندہ دولت کو صرف کرتے ہیں۔

الحاصل قرآن کے اشارے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دولت و نسبت و عزت و آبرو جنہیں دی جاتی ہے، اسی لئے دی جاتی ہے۔ اور یہی اس بڑائی اور کرام کا صحیح استعمال ہے جو عزت و عزت کی وجہ سے اہل کو حاصل ہوتا ہے، قرآنی آیت

احسن کما احسن اللہ ایک نیکی کیسے کرتے ہوئے ساتھ نیکی۔

میں بھی اس ضمن میں لوگ کا جو قدرت کسی کے ساتھ کرتی ہے۔ یہی صحیح استعمال بتایا گیا ہے اور میرا تو خیال ہے کہ ان لوگوں کے خط سے مذہب میں جس چیز کا مکتبہ کیا گیا ہے، اس کا ایک بڑا اور اہم پہلو امداد و افضول کا صحیح استعمال ہے، بلکہ اس عام قاعدے کی بنیاد پر جس پر عموماً اسلامی تعلیمات مبنی ہیں، یعنی عمل کی صحیح کا طریقہ اسلام میں یہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے لوگوں کے جہم کی تصحیح کر دی جائے، علم جب درست ہو جائے تو قدرت کی طور پر عملی اصلاح برآئی خود بخود آمادہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ صحیح علم سے خود بخود عمل پیدا ہونے لگتا ہے۔ آپ مسترآن میں عمل و اصلاحات سے پہلے عموماً امن کو منتظر ہوتے ہیں تو اس کا نفاذ بھی جی ہے، ایمان و اصلاحی عملی تصحیح ہی کا دوسرا اصطلاحی نام ہے، جسے جہم کے کوسلے اہل ایمان حاصل کرتے ہیں۔

پھر حال میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی قرآنی آیتیں مثلاً سورہ کہف میں بار بار اور کاشت رکھنے والے آدمی کو یہی پہلے پانچ پروردہ ملی گئی تھی۔ اسی کے متعلق کہنے والی

زبان سے یہ فقرہ جو کہلایا گیا ہے

لولا اذ دخلت جنتک قلت  
هللوا لله لا قوة الا بالله

اور کیوں نہ ہا یہ کیا کہ جب تیرے باغ  
میں داخل ہوا تو کہا ہر تیرا جو کہ چاہے

اللہ کا ہا ہے۔ نہیں ہے قوت لیکن اس طرح ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ قبول کو پہلنے کے بعد آدمی کو چاہیے کہ واقعہ کے مطابق اس کے متعلق جو کچھ کہنا  
اور علم ہوا اس کو اپنے سامنے سے اور حاصل ہونے والے حقائق باغ مانے کے سامنے اس کا باغ خدا حکم  
دیگا کہ اس باغ میں جب جایا کرو تو دریا میں سوچا کرو ایک قریہ کہ جو کچھ ہے سب اللہ کا پامال ہوا  
ہے، اور دوسری بات یہ کہ قوت اور طاقت جو کچھ بھی جس کسی میں ہے اس کا سرچشمہ حق تعالیٰ کی ذات  
مبارک ہے، تاکہ اس کے پہلے بات کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ جس شخص میں قوتوں کا ظہور ہوا وہ ان کو دیکھ کر  
چاہیے کہ اس واقعہ کے احساس کو ہم اپنے اندر پیدا کرتے رہیں کہ ان کی آفرینش اور پیدائش سے  
بہرہ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ سب کچھ قدرت کی کار فرمائیوں کا نتیجہ و اثر ہے، باغ بھی کو دیکھ لے،  
باغ کی زمین، باغ کے درخت، درختوں کی شاخیں، پتے، پھول، پھل اسی طرح وہ سارے اسباب  
جنہیں باغ کی مشورہ یا آوری میں داخل ہے، ان میں کوئی چیز بھی ایسی ہے جسے آدمی پیدا کرتا ہے،  
باغ تو خیر باغ ہی ہے، ایسی چیزیں جنہیں ہم انسانی مصنوعات خیال کرتے ہیں، بلکہ جن مصنوعات کے  
متعلق عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ان کی ایجاد ہے، مثلاً قریہ گاڑی اور اس کے انجن ہی کہہ لیے ہر کچھ  
انجن کے اجزاء اور تانبہ پیتل، انجن کے فلزاتی و برقی عناصر اور اس کے سوا جو چیزیں اس کے بنانے میں  
استعمال ہوتی ہیں۔ کیا ان میں سے کسی ایک چیز کے پیدا کرنے والے ہم ہیں، اسی طرح انجن میں چیزوں سے  
چلتا ہے، بتائیے کہ آگ ہر پانی، کیا آدمی ان کا پیدا کرنے والا ہے، پانی کو آگ پر چڑھانے سے  
اشیام پیدا ہوتی ہے، کیا پانی اور آگ میں یہ خاصیت آدمی کی رکھی ہوئی ہے۔ مکمل ہوئی بات ہے کہ  
یہ بھی قدرت ہی کا ایک بنایا ہوا قانون ہے، اس قسم میں حرکت پیدا کرنے کی قوت ہے، کیا اس قوت کو  
آدمی نے پیدا کیا ہے، سوچتے چلے جائیے، اگر آپ حقیقت پر نظر جاتے ہوئے سوچیں گے، تو بلا نظر  
پر سوال کے جواب میں آپ کو وہی حاشا خدا تعالیٰ کہتا پڑے گا، یعنی سب اللہ کا پامال ہوا ہے، اور وہی  
کا قدرت کی یہ کہ شہر و دیار میں جس گویہ قریہ فقرے یا اشارہ کا مطلب ہوا، وہی دوسری بات یعنی

لے کر وہی اگر سر پہ جائے کہ جو ایماوات و کنشانات کو ہم اپنی اپنی فانی فیتروں، عکس خود کی صورتوں کی طرف منسوب  
کرتے ہیں، کیا واقعی وہ اسے غری نمانے ہوتے ہیں، میں آپ کے سامنے دیکھ کر پیش کرتا ہوں، بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ  
جو یہ مصنوعات و ایجادات یا کنشانات ہیں وہ ان کی طرح منسوب ہیں، زیادہ (زیادہ خیال ہے کہ اگر خود ہی صد نہیں تو  
۹۰ فی صدی دیکھ کر وہی کہ جس میں باغ یا شہر کا باغ دوسرے سے سو فی صدی نہیں ملتا، یا کچھ شہری بہت ابتدائی قسم  
کے نصاب میں بھی کی ہے۔ یا تو عام حد پر حقیقی تعلیم یا فطرت کے متباد میں اس کی تعلیم (میرے برسرِ شہر)

قوت والا ہوتا ہے اس دوسرے کے ہزار کی طرف اشارہ ہے جو جھوٹا ایسے سو قہر پر دونوں میں پیدا ہوتا ہے یا  
ہر سکتا ہے، خیال یہ گذرتا ہے کہ جس قریہ سب کچھ قدرت ہی پیدا واریں، اور قدرت ہی قوانین ہی کے تابع، لیکن  
انسان جب تک ان قوانین کا علم نہ حاصل کرے کہ اور علم حاصل کرے کہ بعد اپنی محنت و توجہ کو ان پر صرف  
کرے، عقل کی ترکیبوں اور ذہن کی تجویزوں کو ان میں رنگ لے جائے، انہیں کا وجود نہیں ہو سکتا، اور انہیں  
ہی کیا، باغ میں جب تک باغیانی کے قواعد و قوانین کی پابندی نہ کی جائے گی اس وقت تک سب کچھ باغیانی  
اس کے چلنے پھرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے اور اس قدر ان چیزوں میں پیش قدمی کا ہے، اسی دور سے  
ان چیزوں کو انسانی مصنوعات و ایجادات میں لوگ شمار کرتے ہیں، ورنہ انسانی حق کو ہر کچھ سمجھتا ہوا کہ  
انہیں کے نو ہے یا اس میں ہر آگ جلتی ہے، جو پانی خرق ہو رہا ہے، ان چیزوں کا کلیہ ذکر کرتے وہ سمجھتا  
کرتے والا آدمی ہے۔

دراصل اسی کے متعلق اس دوسرے فقرے میں چاہا گیا ہے کہ شیک شیک حقیقت اور  
واقعہ کے باطن مطابق اپنے علم کو کر لیا جائے، یعنی سوچنا چاہیے کہ بلاشبہ ان امور کے بغیر انسان  
ترکیبوں اور ترکیبوں کو دخل ہے۔ لیکن جس اپنے آپ سے یہ سوچنا چاہیے کہ ان کے کون کون سے  
تعلق انسان کی جن علمی و عقلی قوتوں سے ہے، خود ان قوتوں کا پیدا کرنے والا کون ہے، مکمل ہوئی بات  
ہے کہ ہم جب خدا اپنے پیدا کرنے والے نہیں ہیں تو ان قوتوں کے پیدا کرنے والے ہم کیسے ہو سکتے ہیں  
جو چارے خدا پائی جاتی ہیں، بلکہ جو پیدا ہوا کرتے والا ہے، یا میرے کہ اس کے احوال و حقیقت سے ہماری  
ان قوتوں کا بھی تعلق ہے لا قوت الا باللہ، اصل اسی واقعہ کی یافت کا نام ہے؟

(اپنی سوچ کر لے کر)  
حقیقت رکھتی ہے، یہاں جیو برسی کے ہر عالم ایسی ہی کہہ لیے اس پرے سوچ کر سنا چھری سے کون واقعہ  
نہیں سوال کیا ہے کہ اگر آدمی کی فکری و عقلی قوتوں کے نتائج یا ایجادات میں سوچنا چاہیے کہ عقلی قوتوں کی تربیت کا  
جس لوگوں کو اعلیٰ تعلیم کا ہر دور و آخرہ یا قند ہے، ان کا باغ ایجاد کرتے ہیں، لیکن جب واقعہ  
میں ہے تو خود کرنے کی بات ہے کہ کن کنشانات و ایجادات کو ہم کس چیز کا نتیجہ قرار دیں، دوسری بات اسی کے  
ساتھ جس میں پیش کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے، فائدہ دوسرے بھی جانتے ہوں کہ ان ایجادات و کنشانات کے  
متعلق ایک عجیب آگاہی ہے کہ جو کسی ایک ایجاد کا خیال کسی ملک میں کسی شخص کے دماغ میں جب  
آیا تو شیک ان ہی دماغ میں، دیکھا گیا ہے کہ بالکل دور دراز ملک کے رہنے والوں میں سے بھی کسی کے  
دماغ میں بھی شیک ہی دماغ میں اس ایجاد کا خیال آیا، قریہ شہر صبا ہی ہوا، احوال کی اشاعت مشہور  
ایک مقالہ میں اسی تیار دے کے متعلق طے ہوا ہے۔ اس قدر واقعہ سے یہ مقالہ شہر صبا کی ایجادات و  
متعلق ثابت کیا ہے کہ ایک ہی زمانے میں دو مختلف ملکوں کے باشندوں کو ان کا قیام ہوتا رہا ہے۔ مثلاً  
امریکیں ایک بات کسی کی کہ میں نے، شیک اسی ہنر میں دیکھا گیا کہ انگلستان کا ایک آدمی بھی اپنے دماغ میں  
خیال کو پار ہے، اور بتایا جائے کہ اس فرد کی کیا قریہ ہو سکتی ہے؟

خاص یہ ہے کہ شکر کے مسئلے میں بھی محتاط واقعات کے مطابق اپنے علم کی تصحیح کر لی جائے اور اس مسئلہ میں واقعہ جب بظہر ان نعمتوں کی شکل میں جو کچھ ہم سے باہر ہے وہ تو مال اللہ کا اور جو کچھ ہمارے اندر ہے وہ تو قوت اللہ یا اللہ کا مظاہرہ ہے اور نعمت ہی کی ایک اہل ہی ہر شخص کے لئے ہے۔

سارا عالم بکرتا شاد و شکر کے معنی جو کچھ ہے سب اللہ کا پام ہوا ہے اس کے سوا اور کیا ہے یہ تو بابر کا حال ہے اسی طرح ہر شخص کے اندر جس قسم کی قوتیں، طاقتیں، کمالات و صفات پائے جاتے ہیں انہیں ہم ہے کہ سب کچھ تو قوت اللہ یا اللہ ہی کی تو خاص ہے مگر یا اللہ ہی دونوں میں سارا عالم آفاقی جہاں نشا عینی آدمی کے باہر ہوا یا اللہ و دونوں کا کچھ علم سمجھ کر آگیا ہے اسے جانے جتنا زیادہ سوچتے ہیں جائیں گے اسی مددیں اس علم کی واقعیت ان پر واضح ہوتی جاتی جائے گی اور جو اپنے علم کو اس طریق سے واقعات کے مطابق کر لے گا، ظاہر ہے کہ اب اس کے بعد جس کچھ راہ عمل کا مطالبہ ہو سکتا ہے وہ رزق پانے والوں سے کیا گیا ہے وہ خود بخود ان کے علم کا ایک منطقی ثبوت کی حیثیت اختیار کر لے گا یعنی یہ معلوم ہو جائے کہ بعد کہ ان نعمتوں میں قوتوں سے ان نعمتوں کو آدمی حاصل کرتا ہے، دونوں میری نہیں بلکہ براہ راست حق تعالیٰ ہی کی ہیں، تو خدا کی چیزوں کے ساتھ خدا کی مرضی کے مطابق طریق عمل اختیار کر کے میرے سے کیا دشواری پیش آئے گی، ہاں جنہوں نے اپنے علم کو واقعات کے مطابق کرنے کی کوشش نہ کی ہو یا علم تو ان کا درست ہو چکا ہو مگر ان کی کیفیت جیسی کہ چاہیے اسے حاصل نہیں ہوتی ہر وقت لگ کر ہوتی ہے یا ہوتی ہے تو ہی کو کچھ یاد رکھتی ہے۔ بلکہ اسی علم کو شکم اور قلوب میں پوری قوت کے ساتھ نگہ کر کے نہ سمجھتے ہیں کہ وہ باطنی اس کے مطابق ہم کو دیا ہے کہ زمین سے، ظاہری معاشات سے بھی لگا کر ان کا پانی، کھانے، پکوانے کا باطنی طور سے توفیق ہے۔ سچوں میں ہے انہی کی روایت ہے۔

جبکہ کئی فرقہ ہیں جو کہ ان کا تہذیب و تمدن ہے بلکہ فتنہ ساز ہیں ان سے کہیں کہیں نہ ملے۔

نیز کہاتے ہیں پہلے ہر شخص نے ان نعمتوں کے حصول کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو عالمی غریزوں کو مسلمانوں کے لئے چھوڑا ہے، سب کا مطلب وہی ہے کہ میں طرح میں مسلمان اپنے اندر نعمتوں کے متعلق جو کچھ علم ہے اس کے احساس کو زندہ اور بیدار رکھنے کی مسلسل کوشش کرتے رہیں کہ عمل کو آسہل کرنے کی یہی تجربی و نظریاتی راہ ہے اور صرف زبان بلکہ ریاچوں میں جبر آتا ہے کہ تمام نعمتوں میں جو سب سے بڑی نعمت خدا کے کسی بندے کے لئے ہو سکتی ہے یعنی مغفرت جب قرآن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بشارت حق تعالیٰ کی طرف سے سنائی گئی تو مسلمانوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشتغال اور زیادہ بڑھ گیا۔ پوچھنے والوں نے جب یہ معلوم ہوا

افلا انکم جبدا شکورون کیا میرے خدا کا شکر گناہ نہ بنوں۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان ہی نہیں بلکہ دوسرے اعضاء و اجزاء سے بھی شکر کی مشق کر کے اپنے باطنی احساس کو بیدار کرتے رہنا چاہیے۔

پھر یہاں مشورہ صلی سب کا آخر میں وہی عمل کی نصیحت ہے جس کے لئے علم کی تصحیح کر لی جاتی ہے۔

اس کی احساس کو مسلسل زندہ و بیدار رکھنے کے لئے مذہب نے حلاوت دل کے پام ہے کہ لوگ زبان سے ہی معاشات سے بھی ان نعمتوں میں ازبید رہیں جس سے اس احساس کی بیداری میں مدد ہے کہ ایسا چاہئے تاکہ عقلی رزق کی صورت میں غریزات میں صرف ہونے کے بعد آدمی کا جو حصہ لوگوں کے پاس پس ماندہ جاتا ہے۔

اس کے صحیح استعمال میں آسانی ہو اسی رزق مسموع کی ذمہ داری ہے، اور اس کا وہ ابتداء و امتداد ہے جس سے بیبیوں کو جہاں پر آجوتے کی کوشش کرنی چاہئے، اچھا اس سارے کا رویہ کہ نام خواہی شکل میں ہو یا عقلی، ہر زبان سے ہو یا جو ارجح سے اس کا حلق ہو سب کا نام شکر ہے۔ شکر ہی میں بیبیوں سے بار بار مختلف الفاظ میں اس کا مطالبہ کیا گیا ہے، اسی سے اس کی اہمیت ظاہر ہے کہ پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام جنہیں حق تعالیٰ نے عقلی رزق کی عطا فرمائی تھی، ہمارے گواہ ہیں انہیں انجب فرمائے کہ

سب ادب و عنایت ان شکورینک  
میرے پروردگار میرے دل میں پاتا  
القی و نعمت علی۔  
ڈالنے کہ جس نعمت سے آپ نے مجھے  
مرفور فرمایا ہے اس کا شکر دو کروں۔

قرآن میں اس کا بھی اعلان کر دیا گیا ہے، خصوصیت کے ساتھ قاذن کا عقاب عطا کیے ہوئے استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی اس کو منادی کر دی گئی ہے، یعنی اسی شکر کے متعلق فرمایا گیا ہے،

و اذ قاذن سربکہ عطاہم شکرم  
اور جب منادی کی تہار سے شکرت  
کو اگر تم شکر کرو گے تو میں قضا نہیں  
لا انہم یبدلونکم۔

پڑھنا ہی چاہا ہوا تھا۔

اور یہ کمال چل بات ہے کہ دینے والے کی مرضی کے مطابق جو طریقہ عمل اس کی دی ہوئی چیز کے متعلق آدمی اختیار کرتا ہے اسی پر جہود کیا جاتا ہے، جتنا زیادہ اس عمل میں وہ امانت داری کا اظہار کرے گا، اسی قدر زیادہ اس کے پر بھی کیا جائے گا۔ لیکن جہاں اس کے اگر دینے والے کی مرضی کے خلاف خیانت سے کام لے گا تو قرآن میں اسی معاملہ شکر کے بعد دھکی دی گئی ہے۔

و انہم کہن متحدون عذابی  
اور اگر تم ناشکری کر دے تو قیامت بھی  
لشعلہ ید۔  
میرا عذاب بہت سخت ہے۔

جس کا تفصیلی فقہ ان شاء اللہ غریب متا یا جائے گا۔

پھر یہاں عقلی رزق کی حیثیت ذمہ داری اور حقیقت بھی فرمائی ہے۔ اس کے سوا اور جو کچھ بھی ہو وہ اسی فریضہ شکر کی ادائیگی کی مختلف شکلیں ہیں۔ اس بحث کو اسی نقطہ پر ختم کر کے اب ان ذمہ داریوں کی تہذیبی بہت تفصیل کرنا چاہتا ہوں جس کا متعلق تقدیر رزق سے ہے۔

قدری رزق کی ذمہ داریاں یہ ہیں کہ میں نے پہلے ہی اشارہ کیا ہے اور پھر کہتا ہوں کہ تقدیر رزق کے متعلق عام خیال لوگوں کا کچھ ایسا ہے کہ رزق کی تنگی یا ساداشی متین، بالائے خودیہ جس کی پیغمبر نے

اسلامی مسافرت  
فلکت سے کی جاتی ہے۔ سمجھا جائے کہ رزق کا یہ حال ہے جو ایک ایسا ایسا جتنا ہے جس میں  
بتلا ہوئے دے کے لئے پہلی ابتلا کافی دوائی ہے، ایسی حالت میں اللہ پر فریاد و زاریوں کا اضافہ  
گنہگار کی کیا ہے؟ مشہور ہے کہ

خداوند روزی بھی مشتعل

یعنی روزی میں جو کٹکٹ و وسعت رکھتے ہیں، ان کو تو خدا اور خدا کے احکام کی تعمیل کا موقع حاصل  
ہے، اسی لئے مذہب نے ان پر اگر ذمہ داریاں عائد کی ہیں تو وہ اس کے مستحق ہیں، لیکن غریب قدری  
رزق رکھتے والا جس کا عمومی حال یہ ہو کہ سر چپا تا ہے تو پاؤں کھٹے ہیں، ایک بچہ کو سیتا تو دوسرا  
بچہ ادھر جاتی ہے، جس کی معاشی زندگی اس آؤ بیڑی کی شکستہ چوڑا ہر ہے کہ ایسے

پر گندہ روزی پر گندہ دل

آدمی سے فریاد و کس بات کی توقع کی جاسکتی ہے!

یہ ظاہر ہے ایک کٹھن چوٹی بات بھی معلوم ہوتی ہے، بھول ایک دل ہے اگر نہ کے کسی غریب  
فلکت کا ذکر کرتے ہوئے جھنجھکا کر اس نے لکھا تھا

حریت کی کشش کرنے سے قلب کی صفائی ہوتی ہے یہ بعض دگ کہتے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کو اس کش کش سے سادہ نہیں پڑا ہے

وہ نہ تمام کش کشوں میں جن میں کسی انسانی کو چسپا یا جاسکتا ہے۔

(غریب و افلاس) سب سے زیادہ پست اور دلیل کی خیرلی کشش ہے۔

(داستانی و مقامات ص ۱۷۷ معتقد ڈارنگ)

سندھی نے بھی مختلف پیرایوں میں اسی خیال کو ادا کیا ہے، ان کا زبان زوہام شر  
اسی سلسلے کا یہ بھی ہے۔

شب جو حقہ ساز می بندم

چہ خود باداد منہ زندم

اور گو محمد بن کے اصول پر ان مشہور اقوال کا آثار و ثبوت سے چونا شکی ہے، لیکن ہر حال مسلمانوں  
میں مشہور ہے اور اسلامی بزرگوں نے اپنی کتابوں، اپنی گفتگوؤں میں انہیں عرصہ امتثال کیا ہے، مثلاً  
کا دہ فقرات یکون کھرا

فرب ہے کہ نادری اور منی کو بیگزینا

یا

بافقر سواد الوجہ فی اللہ رب

روسیا ہا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات جو عارض اسناد و حج کے ساتھ مشہور ہے، ان دعاؤں میں  
سے ایک دعا میں یہ الفاظ بھی پائے جاتے ہیں یعنی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر (اسے اللہ میں فقر  
مناجی کے غنہ سے شری بنا دیا جاتا ہوں) بعض دعاؤں میں یہ بھی ہے کہ آری فرماتے۔

افقر عنی اللہ رب و افقر  
من افقر۔  
جو سے میرے فقر کے بار کو اڑائیے اور  
مناجی سے مجھے بے نیاز کیجئے۔

کچھ کہتے تو قدری رزق کے ان ہی حالات کی طرف ذکر و بالا اقول اور یہ غلوں میں اثر ہو گیا  
ہے جن کے مشق اس انگریز نے غلبہ و غلبہ کا اظہار کیا ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قدری رزق کے  
بعض مدارج ایسے ہوتا کہ جاں گسل و روح فرسا ہوتے ہیں کہ اس وقت کسی قسم کی کوئی نصیحت لوگوں  
کی سمجھ میں نہیں آتی۔

قدری رزق کے دراصل یہی جو غلوں کا حالات ہیں جن کی ذمہ داریاں اللہ کے قدریوں کے  
اسلام نے ان لوگوں پر عائد کی ہیں، جو ربط کے پیمانے پر قدرت کی طرف سے روزی پار ہے، ہر ملک  
اور ہر آبادی کے ان طبقات کو جو سبیل معاش سے سرخرا ہیں، ذمہ دار بنایا گیا ہے کہ ان سے لیا جائے گا  
اور ان لوگوں میں تقسیم کیا جائے گا، جو ان ہی کے ساتھ ان ہی آبادیوں میں قدری زندگی گزار رہے ہیں  
اسلام کو اپنے اصول پر اتنا اصرار ہے کہ قدریوں کے اسی حق کو تسلیم سے حاصل کرنے کے لئے اس  
نے اپنے ہاتھ میں تلوار رکھ لی، ان لوگوں کے نام سے سبلی آمدنی رکھنے والوں پر بات بطور قانون کی شکل  
میں ایک عیسائی (رزق) عائد کیا گیا ہے جسے سب جانتے ہیں کہ اسلام کے چار اہم اصولوں میں وہ ایک  
بڑا اہم رکن ہے۔ اسی قسم کا اہم رکن کو جو حد صدیقی میں بات بطور احادیث جنگ ان لوگوں کو دے دیا گیا، خارجی  
قدریوں کے اس حق سے گریز کرنا چاہتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علیہ اکبر نے حکم دیا تھا کہ  
ایک ڈوری بھی اس حق کی اگر دبا لی جائے گی، قرآن پر قتال اور ان سے جہاد کیا جائے گا۔

اور عرف الزکوۃ ہی نہیں ہر آبادی کے ارباب بسط پر مدد و انصاف کے نام سے جہاد واجب  
کیا گیا ہے اور اس طور پر واجب کیا گیا ہے کہ عرف اپنی ذات ہی کی طرف سے نہیں، بلکہ ان میں سے ہر ایک  
کی طرف سے یہ مدد نکالا جائے جس کا آدمی نہیں جوتا ہے، ہر سال تقریباً کوڑھار روپے کی شکل  
میں دنیا کے مسلمان اس صدقہ کو ادا کرتے ہیں، اور گو معتقد و بافرازات مسلمان یا نہی سے صدقہ  
نہیں ہے، لیکن مشرانی میں

والمعصود بالباس والفقیر  
محتاج کو۔  
ان کو مدد و قربانی سے) نصیحت زور

کہ جو حکم قربانی ہی کے متعلق پایا جائے، ظاہر ہے کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک چھوٹا سا قربانی کا یہ  
بھی ہے کہ قدری رزق رکھنے والوں کو سبیلوں سے امداد دلائی جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ الزکوۃ کی شکل ملک کے سوا قدریوں کی امداد کی اور بھی اسلام نے مختلف صورتیں پیدا  
کی ہیں، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت حدیث کی کتابوں میں منقول ہے۔

ان فی المال حق سوا الزکوۃ  
مسئلہ تلاوت تالوا لبر حتی تنفقوا  
آل میں الزکوۃ کے سوا حق ہے۔ جو حضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی مدد و تحقیر



جس کا زور ہے۔ نیکی کو بڑا سا سکوت

ما تخبون۔

جب تک وہ زکوٰۃ کو ملے تم پاتے ہو۔

اور اسی نے سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول یعنی

اذا دیت من کو تک فقد قضیت تم نے جب زکوٰۃ ادا کر دی، تو تم پر حق

ما علیک۔

یہ صرف حکومت کے اس مطالبہ سے قتل و رکت ہے جسے ایروں سے غریبوں کے لئے وصول کرنا اسلام نے

واجب ٹھہرایا ہے یعنی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد حکومت اب ایروں سے مطالبہ نہیں کر سکتی، خود قرآنی آیت

ان تبدوا الصدقات فنعنا

اچھا ہے، اور اگر اسے چھوڑ دیا تو

انفقاء فهو خیر لكم ویکلف

کے لئے بوجھ و غم اور بڑا بوجھ

سے بھی یہی مسلم ہوتا ہے کہ صدقات کی دفعیں ہیں، ایک تو وہ جسے علانیہ کئے بندوں دیا جائے، اور

بات ہی صدقہ میں پائی جاسکتی ہے، جسے حکومت وصول کرتی ہے، اور دوسری قسم الصدقات کی وہ

ہے جسے چاہئے کہ آدمی چھپا کر ادا کرے، قرآن میں وعدہ کیا گیا ہے کہ ان باتوں کا ادا اس خفیہ صدقہ

سے ہوتا ہے جو آدمی کو بری معلوم ہوتی ہوں کہ اس بات سے تمہاری باتوں ہی کہتے ہیں، ان حدیثوں سے

بھی یہی مسلم ہوتا ہے جن میں خبر دی گئی ہے کہ بلاؤں کو صدقہ کے ذریعہ سے ٹالا جاسکتا ہے یا صدقہ

خدا کے حصے کو سمجھا دیتا ہے، غالباً یہ حاکمیت خفیہ صدقات ہی کی بیان کی گئی ہے، تجربہ بھی اس کا

شاہد ہے۔ صدقات کی اسی قسم کے متعلق غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ انہیں اس طریقہ

سے لوگوں کو دیا کر دے کہ اپنے ہاتھ کی خبر پائیں کہ نہ ہو، مرنے ہی نہیں بلکہ آئندہ قانونی ابواب میں آپ

پائیں گے کہ عام خبر و خیرات صدقات کے سوا اسلام نے قرآن کو سیدھی کی ایک بڑی اہم و قرار دی ہے

اتنی اہم کہ شرمین چاہئے دونوں کی طرف سے قرآن میں ایک سے زیادہ مستقام پر خدا نے خود

قرآن کا مطالبہ فرمایا ہے

من یقرض الله قرضاً حسناً

کون اللہ کو اچھا قرض دیتا ہے، تو

بڑھائے گا، خدا اس کو۔

فیضاعف له۔

قرآن میں تو صرف قرض ہی کی حد تک یہ فرمایا گیا ہے، لیکن مشہور حدیث جس میں بیاروں اور عام حاجت

مندان کا ذکر کرتے ہوئے یہ مشہور روایت ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ اپنے بندوں سے فرمائیں گے۔

اے آدم کہتے ہیں: تم سے کیا مانگا

تو تم نے مجھے کیا مانگا، یا بندہ کہے گا: مانگا

میں آپ کو کہے گا: خدا، آپ تو خود

یا ابن آدم استطعتک فلم

تطعنی قال یا رب کیف اطعک

و انت سرب العالین قال اما

حسنت انہ استطعتک عبدی

سارے جہاں کے پانہا رہیں، تب

فلان فطعتک اما حسنت

نہا و فلان فرمائیں گے، مجھے کیا اس کی

ان ترا طعتک فوجہا

خبر تھی کہ میرے فلان بندے نے مجھ سے

ذکرک حسنتی۔

کیا طلب کیا تو تم نے مجھ سے ذکر کیا

کیا تو نہیں جانتا کہ اگر اس شخص کو تو کھانا تو پاتا تو اس کھانے کو میرے پاس۔

اسی طرح پیاسوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے اپنے آپ کو ان حاجت مندوں کی جگہ قائم فرما کر

پانے کا مطالبہ کیا ہے، سمجھا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو جو قدریوں کی طرف سے بیوقوف یا غافل ہوتی ہیں، کتنی ہیست عطا

فرمادی ہے، غالباً روح نے شاید اسی حدیث کے مطلب کو اپنے اس شرمین ادا کیا ہے۔

بدل کر فزوں کا ہم جسیں خالت

مناشائے اہلی کرم دیکھتے ہیں

اور قدری رزق کی پیچیدگیوں کے حل کی طرف ہی صورتیں اسلام نے اختیار نہیں کی ہیں، بلکہ میں سمجھتا

ہوں کہ باوجود قدرت و اقتدار کے پیغمبر اور پیغمبر کے جانشینوں (صلوات اللہ علیہم وسلم) نے زندگی

کے جس نمونے کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، کھانے، پہننے، رہنے، اپنے اپنے کاموں میں بقدر اختیار

فرمایا گیا تھا، اس کی ایک مصلحت اگر یہ بھی جائے کہ غریبوں یعنی قدری مسیحت رکھنے والوں کی دل پر

ازدشکین خاطر بھی اس طرز عمل سے مقصود تھی، تو ایسا سمجھنے کے کافی وجہ موجود ہیں، آخر خود ہی خود

کرنا چاہئے کہ جس کا دعویٰ ہو کہ اودیت معانیج خزائن الاسرار (نجاتی) مجھے زمین کے خزانوں

کی کنیاں عطا کی گئی ہیں، اور یوں ہی خدا کی طرف سے ہر قسم کی روحانی اور مادی قوتوں سے جو ہستی

مرفراز تھی، کیا اس کے متعلق مجبوری اور محدودی کا پکا سادہ سہی ہو سکتا ہے؟ جن مسلمانوں کو

خبر دی گئی ہے کہ زمین کو سونا بنانے کا اختیار بھی آپ کو سپرد کیا گیا تھا، اُحد پہاڑ نے چاہا تھا کہ اپنی

تمام چٹانوں کے ساتھ زر ناموس کی شکل آپ کے لئے اختیار کرے، اور جو مسلمان نہیں ہیں، کم از کم اتنا

توسبب ہی کہنا تھا ہی چاہئے کہ جس پر بندہ دوزخ میں اور کچھ مردوں کی شاخوں سے چھائے ہوئے مکان میں

پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات جس وقت ہوئی تھی، اس وقت اگر وہ چاہتے تو اس لاکھ مرلے سیل

کے بادشاہ کی حیثیت کا لباس اور مکان بھی رکھ سکتے تھے۔ مگر آخر وقت تک نہ خود اس اقتدار سے فائدہ

اٹھایا، اور نہ اپنے خاندانی والوں کو اس سے استفادہ کا موقع عطا فرمایا، ان کی چھٹی صاحبزادی بھی

۱۵۰ ایک نے قاضی جاسم کے حوالے سے اذس کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ عید کا رہنے والا ایک شخص صاحب نامی شاہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس نے دعویٰ کیا کہ ان نہج لاکھ ایک قصہ و توفیق و خلقی لطیبات لاکھ

(یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نواہز زندگی خداوندی کا پیغمبر تھی، آپ میں اگر اچھے کاموں کے کھانے کی حدت ہوئی

تو خود رکھتے) گو یا فقر کو جو میری دستبرد میں رکھتا تھا، لکھا ہے کہ اس زمانے کے علما اذس نے اس کے

حق کا حق دیا اور وہ سب بے حیائی (دیجیو کہ بے تمام لکھ و پیغمبر کی م ۲۵۸۹)

پہلی ہی بیوی رہیں اور انھیں بھرتی رہیں اس سوال میں ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا تھا؟ مگر علامہ ہنگ کی روایت۔

ان صلحا بھی تفرقہ و التسلیم  
یری میبیں تمام مسلمانوں کی معیتوں  
فی مصائبهم۔  
کے وقت قتل کرتی رہیں گی۔

میں اگر خیر کیا جائے تو اس سوال کا جواب سہوار ہے، خدا ہی جانتا ہے کہ سید اور پیغمبر کے گھرانے والوں کی زندگی کو معیار قدری میشت رکھنے والوں میں سے کتنے خستہ دلوں کے لئے مریم کا کام کرتا رہا ہے، اور قیامت تک کرتا رہے گا، بلکہ اسی کو نمونہ بنا کر اگر علماء اپنی زندگی کے معیار کی نگرانی کرتے رہیں۔ ایسے مشکلات سے حتیٰ الوسع پرہیز کریں جن کے میرٹھ آنے کی وجہ سے خواہ مخواہ غریبوں کو بے جا سزا کے انگوروں پر ٹوٹا پڑتا ہے تو یقیناً غریبوں کی دل دہی کا یہی ایک بڑا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفائے زیادہ دوسب کچھ رکھنے کے جس قسم کی زندگی گذاری اس سے بھی بڑی مسلم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں جسے جتنی زیادہ بندی طحا کیا جائے بستی میں رہنے والوں کی خاطر سے چاہیے کہ حتیٰ الوسع وہ اپنی زندگی کے معیار کو زیادہ بلند جوئے ذلہ و حضرت عمرؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب بنی قریظہ کو کسی سورہ کے حال تھا خد مت والی میں حاضر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کھانا کھا رہے تھے، ان کو اندھی بولیا حضرت عمرؓ کی حویلی صوفی خدا کو دیکھ کر جبرے کہا۔

هل لك من صلحا مريقال له  
الحو اسى۔  
آپ کیا ایسی خوراک استعمال نہیں کرتے جس کا نام نیک ہے۔

جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے تو جبر کو خطاب کیا کہ بھو،

يا ابن قريظ هل قري احدى  
من العرب اشد رمى۔  
ایہ فرقہ اس زمین عرب میں جسے بھی بڑی سختی والا اس وقت کوئی ہے؟

جبر نے جواب میں وہی کہا جو کہا جا سکتا تھا یعنی آپ سے زیادہ مقدور نہ کہنے والا کون ہے؟ تب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سوال و جواب کے بعد پوچھا،

ويحك يسبح ذلك المسلمين  
قال لا۔  
ابن فرقہ ایک سارے مسلمانوں کو تہنہ کرتا ہے یا نہیں؟

اس طرز زندگی کا جو اصل مقصد تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

بش الاولانى انما كلت طيبها  
واطعمت الناس كوا ديشها۔  
(ص ۴۴ ص ۴۵)  
میں بہت ہی نیک کام ہوں گا کہ اچھا چا تو خود کھاؤں اور لوگوں کو بھی خراب خستہ چیزیں کھاؤں۔

حام یادہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا کے امور کے لئے جو بنوئے جھوٹے ہیں، آج ان نمونوں سے لہجائے والے چاروں کو دنیا کی بہت سی اچھی چھٹی مساعی انبیاء لہجہ سیکھیں

نفس کے لئے قرآن کی سوانح عمری ہی پڑھنی چاہئے کہیں عجیب بات ہے، خلافت عادت آپ کو حسن غریبوں کے خیال سے ایسی فضا اختیار کرنی پڑی جو ٹیک طرح سے ہضم نہیں ہوتی تھی، کھانے کے بعد ہیٹ ہوتا تھا آپ ہیٹ پر ہاٹھ دیکھتے اور فرماتے

ان شئت قرع والى شئت  
لا تفرق ما لك عندى اذ صحتى  
ينفع الله للمسلمين۔  
(ص ۴۴ ص ۴۵)  
بڑا ہی چاہے تو کر لوں گا اور بڑا ہی چاہے تو کر لوں گا، مگر بڑے بڑے پرے پاس تھی اس وقت تک نہیں ہے جب تک کوئی کی موجودہ مصیبت مسلمانوں کے سر سے

مل نہ جائے۔

آپ بھائے کا واقعہ جس کے والی نے ایک طبع (اناری) بنوائی تھی جس پر غور ہے تھے جنہوں کو خبر نہ تھی۔ بارگاہ خلافت میں طلب ہوئے، حضرت عمرؓ نے باکر ڈانٹ کر پھر رہے تھے۔

بنيت العلية وارضفت بها  
صلى المسلمين والارض صلبة  
وا لبيصية۔  
(ص ۴۴ ص ۴۵)  
چمکے اناری (۹۹ خانہ) بڑا ہی ہے، اور عام مسلمانوں اچھاؤں و خیم پر اسی کے ذریعے سے خرافت و بھند کا حاصل کیا ہے۔

حضرت علیؓ کو کم اندر جو کو پونہ دو سو پڑوں میں دیکھ کر اس زمانے میں جب مسلمانوں کے آپ میرا دور تھیں تھے، دیکھنے والے نے دیکھ کر کہا۔

لقد قريح قبيصك  
لقد كرمك يا ايها النبي  
جواب میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا۔

لاذنه يفتش القلب ويقتضى به  
المؤمنين (فری ص ۴۵ ص ۴۶)  
اس سے دل میں نیکی پیدا ہوتی ہے اور مسلمان اس کو نوازنا سکتے ہیں۔

جو خیر فخر کی ہی دور روح مردوں کو صلا افزا محفل ہے، جس پر اس کے اختیار کرنے والے جتنا چاہیں فخر کر سکتے ہیں، اور اراوی شکست کی بھی شایع ہو چکا ہے، جس کے لئے ملحق خدا کے پتے ہمدوں نے دعائیں مانگی ہیں جس کا تو یہ ہے کہ سبط پر مقتدر ہونے کے باوجود قدریوں کی تسلی کے لئے قدی زندگی کے معیار کو اختیار کرنے والوں ہی کو ان ذمہ داروں کی تکمیل کا باآسانی موقوف نہ سکتا ہے۔ جو قدری میشت رکھنے والوں کی

لہ اور ہی مل ہے اس بڑے کا جو اس موخر پر مردوں میں ہے، یعنی ایسی کہ در شہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منور کا ذکر گذر چکا ہے جس نے دنیا کی نیکیاں کھانسیں صلا میں ہی رہیں، خیر کے لئے آپ نے غیب مانگی ہے جس میں ایک ہمدوں کے پتے ہیں زندگی خیر کی، بلا حسن و ملائم پتے نے خدا سے فراست کی لکھ کر کھینچنے کے لئے خیر کی کو حضورؐ کی اس کی جو بے حد خیر باری ہے جس نے دنیا کی نیکیاں کھانسیں صلا میں ہی رہیں، خیر کے لئے آپ نے غیب مانگی ہے جس میں ایک

طرف سے مذہب نے ان پر عائد کیا ہے۔

بہر حال قدری معیشت کی دشواریوں کو سہولتوں سے بدلنے کے لئے یہ قواسمی پالیٹوں کا ذمہ تھا، جن کا خطاب بھی اُسے قدریوں کے بطنوں سے ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ جن میں فرما سید گبریل اور کشکشوں میں قدری زندگی آدمی کو مبتلا کر دیتی ہے، ان کے مل کے لئے اسلامی دستور کے یہی قوانین کافی ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ عمل کرنے والے جیسا کہ چاہیے ان پر عمل بھی کریں، ان قدرت سے جو ذرا داریاں ان پر رکھی ہیں ان سے حیدر آج پورے کو بطنی چلانے پر روزی پاتے والے طبقات اپنا فرض خیال کر کے قدریوں کے جو حقوق بطنیوں کی آمدنیوں میں اسلام نے قائم کئے ہیں، حکومتیں ان حقوق کو حاصل کر کے حقداروں تک پہنچانے کا باضابطہ نظم اگر قائم کر دیں، اور اپنی براہ راست جو مطالبات اس سلسلہ میں بطنیوں سے کئے گئے ہیں، ان مطالبات کی تکمیل ہوتی رہے جن میں سادہ بلندی عطا کی گئی ہے، پستی میں رہنے والوں کے خبا، سے وہ بھی اپنی زندگی کے معیار کو حق اوست پست ہی دیکھنے کی کوشش کرتے رہیں، میں تو یہ خیال کرنا ہوں کہ قدری معیشت کی جن تلمیذوں کا دُنیہ کو ٹکڑہ ہے۔ بہت کچھ اس کے ازالے کی صورت یوں ہی عمل آ سکتی ہے۔

لیکن اسلام کامل دین ہی کیوں ہوتا، اگر اسی نقطہ پر اپنی تقسیم کو ختم کر دیتا، آپ دیکھئے ایک طرف بطنیوں کو خطاب کر کے قدری زندگی کی انجمنوں کے سلبھانے کی جو تدبیریں اس نے انتہی کی ہیں، وہی کیا کم نہیں، لیکن دوسری طرف براہ راست قدری معیشت رکھنے والوں کو بھی جو باتیں دی گئی ہیں، کاش! ان پالیٹوں کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی جاتی تو غریبوں کے طبقات کو اس کا تجربہ ہو سکتا تھا کہ اپنی جن سادہ بلندی عطا کی گئی ہیں وہ بطنیوں کے بظاہر دستگیر نہ کرتے ہیں، البتہ دوسروں کے بہت کچھ ان کے ازالہ کا سامان وہ خود بھی کر سکتے ہیں اور اب میں ان ہی چیزوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

قانونی حق و عصبہ میری ایک اصطلاح ہے، اور قرآنی سے ماخوذ ہے۔ جس کے قانون سے میرا اشارہ قرآن کی متعدد ذیل آیات کی طرف ہے، اور خدا فرمایا گیا ہے۔

ولا تبقوا عینیک انی صا  
متصنا بہ امر و اجا منہم  
من حقہ الحیوة الدنیا  
لفتنکم فیہ (۵)  
ما کہم انما من ان کا اس میں۔

بعض مفاد کی کمی و بیشی سے اس حکم کا اعادہ دوسری جگہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

ولا تبقوا عینیک انی صا  
متصنا بہ امر و اجا منہم  
من حقہ الحیوة الدنیا  
لفتنکم فیہ (۵)

ولا تبقوا عینیک علیہم (کہت)

فصل میں ہم نے دو گونہ کو سرخ و گریہ ہے

اور نہ اس پر غم گھاٹا

ان دونوں آیات میں مذہب سے منع کیا گیا ہے، اُن کے معنی سمجھنے اور لینے کرنے کے ہیں اور حق کے معنی آنکھ۔ مطلب یہ ہے کہ آنکھوں کو ان کی طرف اٹھانے سے منع کیا گیا ہے، جن میں گریہ بطنیوں پر روزی عطا کی گئی ہے۔ اور وہیں نہ فکر کا نقطہ بھی قریب قریب اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے جو مذہب کا مفہوم ہے، وغیرہ قواسم کا سرسری حاصل ہوا، بطنی طبقات کی تفریق ان الفاظ سے یہاں کی گئی ہے، جو کہنے کی بھی چیز ہے، اپنے اسے سمجھ لینا چاہیے۔

(۱) پہلی بات اس سلسلے کی "ازواج" کا نقطہ ہے، بطنی طبقات کی ایک خاص خصوصیت کی طرف اس میں جہاں تک میں سمجھتا ہوں اشارہ کیا گیا ہے، و مشاہدہ سے اس کی توجہ ہوتی ہے، یعنی دیکھا جاتا ہے کہ ضرورت سے زیادہ آمدنیوں پر جن لوگوں کو یہاں اقتدار بخشا جاتا ہے، عموماً ان کے قلوب میں ایک عجیب جذبہ اس بات کا پیدا ہو جاتا ہے کہ ضرورت کی ایک ہی چیز مثلاً سودی، لباس، پوشاک، مکان وغیرہ وغیرہ ہر ایک میں ان کی تعلق کسی ایک شکل سے نہیں ہوتی، باوجودیکہ ان کے پاس مثلاً موطر موجود ہوتی ہے، لیکن ایک موطر سے ان کا جی نہیں بھرتا، اول دوسری موطر کے لئے بے چین رہتا ہے۔ پھر شکل و صورت، رنگ روپ کا معمولی فرق بھی کسی دوسری موطر کی ضرورت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔

یہاں حال زندگی کی دوسری ضرورتوں میں ان کا ہوتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ان امیروں کے گردوں میں جب آپ داخل ہوں گے تو عموماً ایک طرف قطار و رفتار مختلف شکلوں، صورتوں کے چلنے نظر آئیں گے دوسری طرف کسی کو لے میں دیکھئے تو صرف چیلوں کا ایک بوجھا ٹیک اس شکل میں جیسے ترکش میں تیر رہتے ہیں۔ ان کی چٹری و اینٹوں میں رکھا نظر آئے گا، اور تو ان کا حال ہے، جن کا شمار مثلاً متوسط طبقات کے کچھ تو حرام کی زبان میں کہہ سکتے ہیں کہ چھٹ بیٹوں میں جو گئے جاتے ہیں، ازواجی مذاق میں ان کی کیفیت ہے، باقی ان میں جو رہے ہیں، ان کو تو دیکھا جاتا ہے کہ ایک بلڈنگ کے بعد دوسری بلڈنگ، اور ایک محل کے بعد دوسرے محل کا شوق کسی طرح ختم ہونے ہی کو نہیں آتا، ہر چیز میں زوج اور جڑے کے ذوق نے اس حد تک ان لوگوں کو پھینکا دیا ہے کہ کسی عمارت کے ایک پہلو میں اتفاق سے اگر کوئی مسجد آگئی ہے تو صرف ازواجیت اور جڑے بننے کے ذوق کی تکمیل کے لئے سنا ہی نہیں گیا ہے، بلکہ دیکھا گیا ہے کہ مسجد کے مقابل دوسری سمت میں شیک مسجد کی شکل و صورت رکھنے والی عمارت بنائی گئی، چونکہ قبلہ قریب ہے کہ ایسی صورت میں اس دوسری عمارت میں مسجد کا کعبہ کی سمت واقع نہیں ہو سکتا تھا اس لئے صاف میں تو وہ مسجد نہ ہو سکی، لیکن دیکھنے والوں کو اگر ملاحظہ ہو جائے اور شکل و مشابہت سے دھوکہ کھا کر اس میں نماز پڑھنے لگیں تو کچھ تعجب نہیں!

(۲) دوسری چیز زہرۃ الحیوة الدنیا کے الفاظ ہیں، الحیوة الدنیا تو کا ہے کہ انسان کی موجودہ پست زندگی کی تعمیر ہے، رہا زہرہ و صوفیت میں اس کے معنی تازگی اور شادابی کے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ

ایک توانا انسان کی موجودہ زندگی کے واقعی ضروریات میں ایسی ایسی ضرورتیں ہیں جن کے بغیر اپنی زندگی کو اگلی  
گدائیوں میں گزارنا ممکن نہیں ہے۔ **NECESSARY** کہتے ہیں ماوراء ضروری چیزیں وہ ہیں جن کا اصطلاحی (LUXURY)  
معنی ہے، لکھا ہو چکے تو کچھ حیوۃ الدنیا زندگی کے ثانوی ماحول کو لازم کی قرأتی تفسیر ہے، دوسرے  
مقام پر ماسی کو کبھی "حیوۃ الدنیا" بھی کہا گیا ہے، یعنی زندگی کے آسائش و زیبائش سے ان کا تعلق ہے  
ان امور کو ذہن نشین کر لینے کے بموجب مذکورہ بالا آیات کے مفہوم کو سمجھنا چاہیے۔

کام ہے کہ سبلی طبقات کی طرف بھاگ اٹھنے سے جب اللہ آیتوں میں منع کیا گیا ہے تو یہی قرآن ہے اس بات کا کہ براہ راست اللہ آیتوں کے خطاب کا قطع اللہ ہی لوگوں سے ہو سکتا ہے جو مباحثی محاذ سے سبلی نہیں بلکہ قدری زندگی رکھتے ہیں، لیکن جیسا کہ میں نے پہلے ہی عرض کیا ہے کہ بسط و قدر انسان کے معاشی مدارج کی اضافی ٹھیکس ہیں اس لئے ان کے معاشی میں بھی چاہیے کہ کسی خاص طبقہ کے متعین کر کے محدود کر دیا جائے۔ بلکہ دینی بات کو اپنے آپ سے بالا تر طبقات کے حساب سے جو لوگ یہ پاتے ہیں کہ مباحثی محاذ سے وہ قدر اور تنگی کی حالت میں گرفتار ہیں وہی اللہ آیتوں کا اپنے آپ کو مخاطب قرار دے گا تو ان آیتوں پر عمل کرتے کی کوشش کریں جن کی طرف حق تعالیٰ نے راہنمائی فرمائی ہے۔

مفسر دو تو ان آیتوں سے یہی ہے کہ ہر شخص کو مباحثی حدود و حدود میں اپنی حقیقی ضرورتوں پر نظر رکھنی چاہیے۔ دوسروں کے ساتھ ناپ ناپ کر اپنے اندر کمزری اور کم مانگی کا خواہ مخواہ احساس پیدا کر کے اپنے ہاتھوں خود اپنے آپ کو ذیلی طبقاتوں میں لوگ جکڑ نہ کریں، مگر یاد دوسرے الفاظ میں دینی بات جس کی طرف قرآن ہی کی آیت

ولا تمننوا ما فضل الله به  
اور نہ آنقدر کیا کرو اس چیز کی وجہ سے

خدا کے مہینوں کو بعض پروردگاری خط لکھی ہے۔

نی گویا میں نے بھی کہیں نکلا ہے کہ زندگی کا حقیقی معنی و مقصد کا پوری سمجھنے

یہ تو جہدِ دلائی گئی ہے، میں نے بھی کہیں گھسے کہ زندگی کی حقیقی ضرورتوں کی پوری پہچان کے ساتھ جہدِ دوسروں کے ساتھ اپنی زندگی کے معیار کو ناپ ناپ کر کرٹے اور بچتے رہتے ہیں، مادہ دنیا میں اگر تنہا پیدا ہوتے، اور ان کے ساتھ ان کا ہم جنس کوئی دوسرا نہ ہوتا، تو کھلی ہوئی بات ہے کہ دوسروں سے ناپنے کا ساتھ ہی ان کو نہ ملتا، پھر اس وقت جیسے اپنی زندگی سے آدمی سرور ہوتا، کیوں نہیں آتا، جہدِ دوسروں سے قطع نظر کہ اپنی زندگی ہم گذاریں، تجربہ بنا دے گا کہ جن گفتگوں اور الجھنوں کو آدمی قدری مہشت کی طرف متوجہ کرتا ہے، ان کا اکثر و بیشتر حصہ اس عمل کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ قطعاً وہی اور خود تراشیدہ تھا، لیکن قرآن نے اسی پر بس نہیں کیا ہے، بلکہ مذکور بالا آیات کے جن اوصاف کی طرف میں نے توجہ دلائی ہے ان پر غور کیجئے، فکر اے گا کہ ان اوصاف کا اضافہ باوجود نہیں کیا گیا ہے، آخر سوچنے کا بیسیوں کے جن حالات کو دیکھ دیکھ کر قدروں کا گروہ محزون و مغموم رہتا ہے۔ جنہوں کے بعد ان کی حقیقت کیا ہوئی نہیں ہے کہ زیادہ تر ان میں وہی ان ذاتی مذاق یعنی ہر چیز کو جوڑنے کی شکل میں رکھنے اور ہر شے کے متقابل کے ہتھ کڑے کے شوق سے ان کا متعلق ہے، کھلی ہوئی بات ہے کہ ایک قسم کی

طبیعی کے سوا اسے اور کیا سمجھا جاسکتا ہے، تاہم وہی اللہ کا رنگہوں، کارخانہ داروں سے پرچنے، وہی ایوان چھپنے والوں کے لیے اس زمانہ سے خوب واقف ہیں، جیسا کہ ایک ہی چیز کو مختلف شکلوں اور قابیلول میں ڈھالنا وصال کر دیا ان کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں، اور ان پیماروں کی ماؤنڈ نہایت سے جہاز واجبت کے ذوق کی عشاہریض ہوتی ہے، فائدہ دھاتے ہیں، بسلیوں کو جو کچھ دیا گیا ہے جو اس کی اس رافقی حقیقت پر مشبہ جو بڑے کاموں کی طرف قرآن نے آئنا جاسکے شکل سے اشارہ کیا ہے، ظاہر ہے کہ حقیقت کے سمجھنے کے بعد اسی ایلمی کی جو اس اپنے اندر کیوں پیدا کرے گا، اور میں تو سمجھتی ہوں کہ مشہور مددین

من حسن اسلام المصروع ترک آدمی کے اسلام کی خوبی کا، دیں ہے کہ

مآلا یعنی نہ۔  
 لا حاصل اور بے نتیجہ باتوں کو رنگ کر دے۔

لاہیک مصداق آدمی کائنات پر عمل بھی ہے، بلکہ مدخلوں میں چھایا ہے۔

پکنیک میں والدین یا صاحب دُنیائے ترے لئے کافی سچے سے

جو جنگ و داری معوسہ تک  
قرب ہو کر کا ازار ہو جائے اور جس سے

روان کان مٹی بٹک کر قنداک  
تیری ستر خوش ہو جائے۔ اور وہی کے رہے

وہاں کا ایک ملک دایۂ قیغہ۔

ماہی میں تیرے (سوا کسی مہر کو بھی) تو

ریکٹر اسکالہ

میں میں بھی اسی حقیقت کی ریافت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اب اس کے بعد پھرۃ الخیرۃ العریضۃ کے انظارِ خود کیجئے ہیں نے عرض کیا تھا کہ اسی کی دورِ مریا  
فیر قرآن ہی میں ترتیب الخیرۃ العریضۃ سے بھی کی گئی ہے، یعنی جن سراپوں کو سراپوں کا سراپہ سمجھا جاتا ہے  
قرآن نے اشارہ کیا ہے کہ اس کا شوق بھی زندگی کی فردیت سے نہیں، بلکہ زینت سے ہے، اسی لوگوں کو  
بابت دنیا کی زینت دی گئی ہے، اس زینت کے استعمال سے تو اس کو منہ نہیں کیا گیا ہے، بلکہ منہ کئے  
ہلوں کو لٹا دیا گیا ہے، جس کا ذکر پہلے مقام پر آچکا ہے، لیکن سوال اسی لوگوں کے متعلق ہے جو حیات  
دنیا کی اس زینت کا زہرہ سے محروم ہیں، کیا ان کی محرومی اس قابل ہے کہ اس پر قرآن کیا جائے، اور  
اس حشرِ زلّ و طال کو مٹانے کے لئے زینت ہی کو اپنی زندگیوں کا مقصد بنا لیا جائے؟ قرآن میں  
عنت تہدید ہی ایسے میں یہ فرماتے ہیں

ترید شریفۃ الحیوة الدنیا      کیا اس پسند زندگی کی زمین کو تم

اپنا مقصود جاننے پر۔

بہت دنیا کی زمین کو مقصود بنانے سے روکا گیا ہے۔ کیوں روکا گیا ہے؟ ایک خدا کا اس میں خاتمہ ہے، خیریت دنیا کی زمین سے جو رخ اٹھ گئے ہیں، انہیں اس کے استعمال سے جب منع نہیں کیا گیا ہے تو زمین کا استعمال ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی ناراضی کا سبب کیجے ہو سکتا ہے۔ واضح ہے کہ یہیں خطا ہے۔

ایجابی حکم کو لایا جائے، یعنی قسم کی باتوں کو جس میں سے ایک مشہور آیت ہے،  
 وان تدينوا الله لا يضرنا احد شئ مما كنتم تعملون اور اگر تشرکی سنت کو تم گنہگار نہ بنو گے اس کو۔

ذکرہ بالا آیت میں نعمتوں کے عدد و شمار کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اسی لئے جو قانونی اس سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام مل کی مناسبت سے عدل رکھ دیا گیا ہے۔ مذکور قانون تو مسلم حکم پر مشتمل ہے یعنی زمین سے روکا گیا ہے، اور عدل کا قانون ایجابی و اجباتی ہے یعنی جس نعمتوں میں آدمی زندگی کے ہر لمحہ میں ڈوبا ہوا ہے، ان ہی کے گنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، میرا کہنا چاہتا ہوں کہ قانونی ذکر قبیل کرنے کے لئے تیار نہ ہوں، ان کے معاشی حال سے اپنے معاشی حال کو ماننے کی وجہ سے غلوب میں محکوم نکلیات کے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں، صرف ان کا ہی ادا نہیں ہو جائے گا بلکہ یا تو نعمتوں کے شمار کرنے یعنی قانونی حد پر عمل کرنے کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ جذبات غلبہ کی مسرتوں سے دل بے رحم بن جائے گا، بخیر و شر

میں سے جس کی فکر ایسے آدمی پر ہے  
 قال انبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 اذ انظر احدکم فی حق  
 انخل فی اھمالہ..... فلیقل  
 فی ماھوہ مسفل حندہ۔

حساب سے اس سے بچے ہیں۔

جس کو سمجھتا ہوں کہ قانونی حد پر کی قبیل کی، ایک عملی شکل ہے، مطلب یہی ہے کہ بطور کی دولت و ثروت اجبت و خشکت کو دیکھ دیکھ کر اپنی قدری معیشت سے جو لوگ غیر مطمئن ہو جاتے ہیں، اور یا پھر ان کی حرص ان کو بے چین کرتی رہتی ہے، ان کو چاہئے کہ ان نعمتوں کو شمار کریں جو انہیں حاصل ہیں اور ان کا سامان نعمتوں کے خد کہنے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ ایسے آدمی کو چاہئے ان لوگوں کو دیکھے جو نعمتوں کے حساب سے اس سے بھی فروتر درجہ میں ہیں، مستعدی نے جس کی مثال دی ہے کہ بطور ہونے کے ایک دن راہ چلنے کا بھی اتفاق ہو جائے، ان کا دل میں شکوہ پیدا ہوگا کہ سامنے ایک آدمی پر تقریبی جس کے پاؤں کے پوسے سے اسے اس حال کو دیکھ کر

ہاں منہ حق بہ آدمی دیکھ کر  
 ہشک انت کا شکر بجا لایا، اور جتنے  
 نہ چلے پر دل کو صبر ہو گیا۔

۱۰۔ کوئی مشہور نہیں کہ قدری معیشت کی طرف جس میں ٹھیکوں کو منسوب کیا جاتا ہے، ان کا ایک بڑا حصہ اس کی سب پر عمل پیرا ہونے کے بعد صرف نام کی ہی نہیں بلکہ زمینیں و احوال سے بدل جاتی ہیں، مذکورہ بالا حدیث کے راویوں میں صرف بن جلد شریعت میں اس صاحب جمع انصاف نے ان کا یہ

ان لوگوں سے ہے جس کی معاشی زندگی زمین کے حساب سے خالی ہے، ان کو ہدایت کی گئی ہے کہ خواہ مخواہ بلاوجہ زمین کو اپنا مشروب بنا کر وقت کو لالچا لالچا نہ کریں، جب ضرورت پوری ہو رہی ہے تو غیر ضروری چیزوں کی طلب میں اپنے آپ کو دکھ میں آدمی کیوں مبتلا کرے، بلکہ زمین دلی آیتوں میں سے ایک آیت جو سورہ طہ میں پائی جاتی ہے اس کے آخر میں جو الفاظ ہیں  
 ومن رزق ربک خیر و ابطحی  
 ترجمہ مالک کی روایت ہے کہ اس کے لئے خیر ہی اور زبان باقی رہنے والی ہیں۔

اگر خود کیا جائے تو حیات دنیا کی زمین کو مشروب بنانے سے روکنے کے دوسرے وجہ بھی اسی سے جو میں آئے ہیں، مطلب یہ ہے کہ زمین سے ہٹ کر آدمی ان ہی ضروریات پر قناعت کرے جس کی بدولت اس کی زندگی گذرتی رہتی ہے، مگر ان نے جس کا نام رزق رب رکھا ہے تو زمین کی لوگوں کے لئے کھانے کے ساتھ ہی رب کی ہی روزی آدمی کے لئے خیر کا رنگ استیا رکھتی ہے، خیر کے معنی وہی ہیں کہ وہی اس کی ضرورت کے لئے بہتر اور خوش گوار بن جاتی ہے اور حاصل تو خیر کے نفاذ کا ہوا، رہا دوسرا نفاذ یعنی جو اس کے حصہ ہے، اس کو یوں سمجھئے کہ آدمی جب تک جیتا ہے، اس وقت تک ضروریات حیات ہر حال اس کے لئے مہیا ہوتے ہی رہتے ہیں، بلکہ وہ جیتا ہی اس وقت تک ہے جب تک قدرت ان ضرورتوں کو اس کے لئے مہیا کرتی رہتی ہے جن پر اس کی زندگی بنی ہے، اس لئے جب تک زندگی ہے اس وقت تک ان ضرورتوں کی فراہمی بھی ضروری ہے۔ اور جب تک یہ ضرورتیں فراہم ہوتی رہتی ہیں، اسی وقت تک زندگی ہے، اختتام یہ ہے کہ زندگی اور زندگی کی ان ضرورتوں کو ایک دوسرے سے کوئی صلہ نہیں رکھتا، مختلف ان چیزوں کے جس کا تعلق حیات دنیا کی زمینوں سے ہے، مگر زندگی کے ساتھ ان کی بھلائی و برکت کوئی نہیں لے سکتا، آئے دن لوگوں کو یہ تلقین بھی رہتی ہے اور جتنی بھی رہتی ہے کہ زمین والے ہیں جو جیتے رہتے ہیں، اور حیات دنیا کی ان زمینوں کے بغیر جیتے رہتے ہیں جن سے کسی زمانہ میں وہ مالی و غیرہ چیزیں پیدا نہیں ہو سکتی، زمین کے ساتھ دنیا کو مشروب بنانے سے منع کر کے، دوسرا قانون ہے جس کی طرف آئی کے نفاذ سے میرے خیال میں قرآن میں ایسا کیا گیا ہے، اور غالباً یہی مطلب اس حدیث کا بھی ہے۔

ما قبل و کفی خیر و الحی  
 ایس چیز جو کم ہو لیکن کافی اور بہتر ہو  
 اس چیز سے جو بہتر ہو، لیکن آدمی کو  
 (نیائی الحی)

خفت میں مبتلا کر دے (یعنی زندگی کے حقیقی نصب میں سے غافل بنا دے)

اور یہ مطلب تو حدیث "جو ہوا، باقی اس قانون کا دوسرا جزو ہے، عدل کے نفاذ سے ادا کیا گیا ہے۔ یہ اصطلاح بھی قرآن ہی کے الفاظ سے ماخوذ ہے

مستعد ہے کہ قدری معیشت رکھنے والوں کو ایک تو مسلم حکم دیا گیا ہے کہ طریق طرح کی نعمتوں اور حیات دنیا کی فرد تازی زیب و زینت سے جو لوگ سرفراز ہیں، ان کی طرف زمینیں دیکرنا چاہئے، یعنی ان کی طرف ٹھٹھکی باندھنے یا کو ٹھٹھانے سے منع کیا گیا ہے، اب یہی کے ساتھ قرآن ہی کے دوسرے

ذاتی تجربہ سے کیا ہے، یعنی اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد انھوں نے کہا۔

حضرت صاحب الاغنیاء  
کان اکثر جماعی کنت اری  
دایمہ خیر امن دایمہ وفایا  
خیر امن قری ظلم سمعت  
هذا الحدیث معصیت العقل  
واسترحت۔  
(رحمہ اللہ ص ۱۵۹)

اختیار کیا ہے اس دن سے میں نہیں ہوں۔

قدری معیشت اور اب سمجھا جاسکتا ہے کہ اس صبر کا مطلب ہے جس کا مطالعہ اگرچہ ان تمام اور قانون صبر کھنڈوں پر پیشانیوں پر پیشانیوں میں کیا جاتا ہے، جو موجودہ زندگی کے کسی شعبہ میں پیش آتی ہیں یا آسکتی ہیں۔ لیکن اب یہی پریشانیوں میں قدری معیشت کی پریشانیوں میں ہیں جس کے مشق و فراہم میں اسی صبر کے قانون سے استقامت اور مداومت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، صبر سے جس میں مقامات میں کام لینا چاہیے ان میں اس کے نفس کا بھی قرآن نے تذکرہ کیا ہے، اور جو لوگ قدری معیشت کی پریشانیوں میں صبر سے کام لیتے ہیں

الصابرین فی الالباب  
والنصر ۱۰۶  
وہی جو صبر کا مطلب اور معنی سمجھیں  
کے وقت صبر کرنے والے ہیں۔

کے ذیل میں شمار کر کے الی کی قرین کی گئی ہے،

میں یہ کہتا ہوں کہ تندرہ کے قانون کو سمجھنے کے بعد قدری معیشت رکھنے والوں کے لئے صبر کے مطلب کی تکمیل میں خود کرنا چاہیے کیا اب بھی دشواری پیش آسکتی ہے؟ آخر صبر کا کیا مطلب ہے؟ شیخ علی الدین بن عربی رحمہ اللہ علیہ نے صبر کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے یعنی جس شخص میں الشکوی (۲۱) ہوتی ہے، اپنے ہی کو شک و گھبر سے روکے رکھنا۔

کا ہے کہ تندرہ کے قانون کا حکم ان الفاظ میں قرآن نے عطا کیا ہے جس کی تشریح گزشتہ جلد میں اس علم کی روشنی میں صبر کے مقام تک آدمی قدرتی طور پر پہنچ جاتا ہے وہیں بتا چکا ہوں کہ ان قوانین سے حکم کی سطح کے بعد شک و شکایت کا اندازہ خود بخود ہو جاتا ہے، بلکہ بچاؤ اس کے دل کو شکریوں کے جذبات سے معور بنایا جاسکتا ہے۔ صبر غریب کا جن لوگوں نے دار و ستار کا نام رکھ دیا ہے، ان کی کہانوں نے تو صبر کے اس لفظ تک کو عربی زبان کے لفظ "صبر" سے ماخوذ قرار دیا ہے، جو ایسا جیسی تلخ چر کا نام ہے جس میں تلخی کو مٹانے کے لئے مختلف قسم کی تہذیبوں سے دنیا کے اکثر ادبیات میں کام لیا گیا ہے۔ لیکن حکیم و تربیت کا اسلام نے جو طبی طریقہ کار اختیار کیا ہے، یعنی عمل کی تسبیح کے لئے علم کی تسبیح میں

اسی طریقہ کار کو اختیار کرنے کے بعد آپ نے دیکھا کہ صبر کا اصل اس علم کا ایک ہی منطقی تجربہ بن جاتا ہے جو خداوند کی آیتوں سے جس میں بشارتیں ہیں، یعنی بسلی معیشت والوں کی دولت و خیرات کو دیکھ کر قدری معیشت والوں کو جو کوفت اور دکھ ہو رہا ہے، دیکھ کر کہ کائنات میں جتنا کھانا ہے، ایک سکون میرا ہے، ایسا سکون اور لوگوں کے سامنے اپنے افلاس یا اپنی تنگ دستی کے انکار سے آدمی کو بے نیاز کر دیتا ہے، یہاں لے دے کہ صبر کا مطلب ہے۔ وہ جو چیزیں آدمی کو تیر نہیں ہیں وہ ان کے لئے جدوجہد کرنا خواہ جنہی اسباب کی راہ سے کسی کو کشش کی جائے یا کائناتی پیداوار جس کے قبضہ قدرت میں ہے، بلکہ نام میں اسباب اسباب ہے اس کے آگے عرض و معروض کر کے ان چیزوں کے حصول کی تیز رفتاری کی جائے، یعنی دعا کی جائے، صبر کے معنی زور ہے، یہی وہ علم کے متعلق ہے جو کہ کہنا تھا پہلے کہ چکا چول، اور یہی دوسری تہذیب بھی صبر کا مطلب ہے، براہ راست الی کو لکھنا اور طلب کیا اس کا حکم تو قرآن ہی میں ہے، اسی آیت کے بعد جس میں عرض سے منع کیا گیا ہے، ارشاد ہے

واصبر لعلباد و تقصیر فی فکک  
والعاقبة للمتوی۔  
قرآن مجید کی آیت ہے۔

جس کا مطلب یہی ہے کہ صبر کا مطلب ہے کہ وہاں دولت و دولت کی طرف تکمیل یا تہذیب سے لڑنے والے نہیں ہوں، ان کو دیکھ کر اور اپنے آپ کو ان سے آپ کر لوگ اپنے ہاتھوں خود کو ذہنی طور پر اور دماغی کوفت میں مبتلا کرتے ہیں، بلکہ بچاؤ اس کے قرآن حکم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ڈٹے رہو، عبادت کی تشریح کرتے ہوئے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اللہ عباد محج العباد (عبادت کا معرودہ ہے) بلکہ بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ عباد هو العبادۃ (وہاں ہی عبادت ہے) پس عبادتہ ڈٹے رہنے کا مطلب یہی ہے کہ وہاں پر ڈٹے رہو، آگے و جدہ کیا گیا ہے کہ

فصل فی صبر

ام نہیں روزی کہہ دے رہی رہے۔

گویا دعا کے رات سے واقع ہونے کو بعد جو اس پر ڈٹا ہوا ہے، وہ روزی کے اس مرحلے پر جا کر کھڑا ہو گیا ہے کہ جس کسی کو جو کچھ مل رہا ہے وہیں سے مل رہا ہے، پس صبر کی تکمیل سے معذور نہیں ہے کہ غیروں کے سامنے ذلیل ہوتے سے اللہ کے بندوں کو بچایا جائے، وہ حق تعالیٰ سے مانگتا اس کے آگے اپنی غیروں کے لئے لڑتا ہے، پرو بندوں کی زندگی کے نصب العین کی تکمیل ہے، اسی لئے شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ

الصبر عندنا احدہ حبس  
النفس عن الشکوی لا یزالہ  
(فتاویٰ ص ۱۲۳)

صبر کی کیفیت یہ ہے کہ اپنے  
ہی کو آدمی کو شک و گھبر سے روکے رکھے  
لیکن خدا کے لئے نہیں۔



یعنی خدا کے سامنے اپنی ضرورتوں کا پیش کرنا، صبر کے معانی نہیں ہے۔ ترمذی کی جو یہ حدیث ہے کہ

قل انہی مصلی اللہ علیہ وسلم  
من نزلت بہ فاقہ فاقہا  
بالناس لہم رشد فاقہ  
ونزلت بہ فاقہ فاقہا  
فیومئذ انک یومئذ عاقل  
اور عاقل۔

دیر یا سیر یاں کے پاس روزی بچہ کر رہے گی۔

الہی اسئل ان زین کو جو حقیقی مالک و مختار ہے اس کے آگے اپنی ضرورت کو پیش کرنا، پیش کرنے رہنا اور اس ضرورت کی تکمیل کو حق تعالیٰ کے ہر ذکر و یاد اسی کا اصطلاحی نام توکل ہے، قرآن میں

سأبالمشرق والمغرب لا انا  
الاحقر۔

کا علم عطا فرماتے کے بعد

فانتخذنا ذکریا

میں بنائے تو میں کو یاد کیا۔

کے فرقہ میں اسی توکل کو ضرور حکم دیا گیا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ تقدیری مصیبت کی شکستوں میں قبر کی یا مکتوبہ کی اور قبر کے واسطے کو حادہ توکل سے جو کہ زندگی کے ایک ایسے طریقہ کی تعلیم مسلمانوں کو دی گئی ہے کہ مصیبت کی تقدیر اور تکلیف خوار کسی سال میں پہنچ گئی ہے، لیکن عمل کرتے والے ان کا عدول پر عمل کر کے پائیں تو جیسا کہ آپ کو خوش رکھ سکتے ہیں، بلکہ میں تو خیال کرتا ہوں کہ سورہ کہف کی آیت

وہب منک جمع والذین یؤمنون  
وہب منک اوقۃ و لعلی  
یریدوا وجہہ ولا تقدا  
حینا تک حنہم ترمید نراہنہ  
الحیوة الدنیا ولا تلحق من  
اغفلت کلہ عن فہمنا  
واقبح ہواہ وکالان اصرہ  
ضررنا۔

اور جو گنہگار ہیں وہ اپنی پناہ مانگنا کہ وہ بات اس کی حد سے گنتی ہو

اس میں بھی صبر کی تعلیم کے ملنے کی ایک نمونہ بتائی گئی ہے، مطلب یہ ہے کہ کسی عمل کے منتظر نہ رہیں آدمی کو اگر دشواری محسوس ہو تو عام قاعدہ ہے کہ غم و غم و غم و غم سے بہت بہتوں میں ہندی پیدا

ہو جاتی ہے، اگر خود کو جانے تو فکر کرنے لگا کہ مسلمانوں کو مذکورہ بالا آیت میں اسی کی ہدایت کی گئی ہے، اصل یہ کہ ہر معلوم چوتھا ہے کہ وہ اس طرح کہ اپنے وجود کا نصب العین بنا کر جیت، یعنی یہ سمجھنا کہ حق تعالیٰ اور اس کی رضایت کے مطابق زندگی بسر کرنا، یہی مسلمان کی سستی کا مقصد ہے، کا ہر ہے کہ اسلام کا آخری خلاصہ یہی ہے، پس حکم دیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے وہ اللہ کو اپنا مقصد اور اپنے وجود کا نصب العین بن لیا ہے، ان کے ساتھ اپنے آپ کو جوڑے رکھو، زندہ ہوں تو میں ہی کے صحبت میں رہو، نشست و برخاست ان ہی کے ساتھ رکھو، اسی طرح جو اس دنیا کی زندگی ختم کر کے دوسرے عالم میں جا چکے ہیں، ان کے حالات و سوانح کا پڑھنا، میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ان ہی لوگوں کی صحبت میں اپنے آپ کو رہنے کے ایک طریقہ ہے، دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہتے ہیں کہ صبر کے مقام پر اگر کسی کا پاؤں زینت ہو تو ایسے مسلمانوں کو چاہیے کہ اسلامی نصب العین کے دائرے زندگیوں کے غم و غم سے فائدہ اٹھائیں جو زندہ ہیں ان کو دیکھیں، جو مر چکے ہیں، ان کے حالات کتابوں میں پڑھیں اور اپنے نصب العین میں کامیاب ہوتے کے لئے جو طریقہ عمل ان کا تھا، یعنی وہ پروردگار کو اپنا مقصد بناتے ہوئے جیسا کہ چاہیے زیادہ وقت اللہ ہی کے ذکر و فکر میں گزارتے ہیں، اسی طرح ان غم و غم سے فائدہ اٹھانے والوں کو بھی چاہیے کہ ذکر و فکر میں الہی ہی کا طریقہ اختیار کریں، آخر میں یہ فرما کر کہ

ولا تقعد حینا تک حنہم

اور نہ ہٹاؤ اپنی دوزخ انگلیوں کو

میں گویا اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جیسے حیات دنیا کی زینت والوں کی طرف مٹکی باغض صفا نظر آتے ہیں، مٹکیا گیا ہے، اسی کے بالمقابل چاہیے کہ ان غم و غم پر نگاہ جمائے رکھی، ان کو دیکھ کر کہ مٹکی حاصل ہوتی رہے گی۔ آگے چل کر اسی مٹکیوں کو دہرایا گیا ہے جس کا مدین کے قانون میں ذکر و فکر چکا ہے، یعنی جن لوگوں نے اپنے وجود کا نصب العین قرار دے رکھا ہے کہ اس سبب زندگی کی زیب و زینت اور آرائشوں، آسائشوں کے حاصل کرنے میں اپنی آخری سائنس چوری کریں گے قرآن ہی میں ایسوں کے متعلق اس قانون کا بھی احادیث کیا گیا ہے کہ

من کان یرید المہیوة الدنیا  
و نہایتنا فوفی الیہم  
فیما وہم فیہا لا یجسرون۔

اور جو مقصد دنیا ہے اسی بہت  
زندگی اور اس کے زینت و آسائش  
کو پورا کر لے ہیں ان احوال کو سزا

انہوں کی کی مانی ہے دینے میں۔

جس کا مطلب یہی ہے کہ حیات دنیا اور اس کی زینت کے حاصل کرنے کو جو لوگ اپنے پیچھے کا واحد نصب العین بن لیتے ہیں اور اسی راہ میں سعی و عمل کی ساری توانائیاں کو خرچ کرتے رہتے ہیں ان کو بہتے عمل کے نتیجوں سے محروم نہیں کیا جاتا، بلکہ جو وہ سعی و عمل کے مطابق نتائج سے قدرت ان کو عطا فرما دیتی ہے، قرآن میں ہر جگہ کہا گیا ہے، آج اس کی تفسیر ان ممالک کے باشندوں کے طرز عمل سے





لیکن عام طور پر ان مطالبات کو اہمیت کیوں نہیں دی گئی؟ زیادہ سے زیادہ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرآن کے ان احکام کو کچھ نیک مشوروں کی حیثیت سے لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ خدا کی معیشت کے مصائب کا احساس لوگوں کو جب ہوتا ہے تو ان کا دھیان بھی ان قرآنی احکام کی طرف نہیں جاتا، جیسا کہ رسول پر آج بھی ایسی حالت میں ان پر فرض کیا گیا ہے۔ آخر ہر اہل اللہ دنیا و آخرت کی گونا گوں نعمتوں کی طرف نگاہ ڈالنے سے قرآن نے جن افکار میں متنبہ کیا ہے، کیا وہ معمولی افکار ہیں؟ لاتعداد ہیں۔ ان کے لحاظ پر غور کیجئے، صرف یہی نہیں کہ ہمیشہ یہی اس فعل سے روکا گیا ہے جس کی غفلت دوزخی فضا حرام ہر مانتی ہے، بلکہ آخر میں مشغولوں کے اضافے سے اس حکم میں جتنی قوت بھری ہے، اس سے معمولی عربی صفت کا پہلنے والا بھی واقف ہے، لیکن اپنے دلوں پر ہاتھ رکھ کر کہیں سوچنا چاہیے کہ ایسے سخت تاکید فرماتے الہی کے متعلق ہمارے احساسات کیا ہیں اور وقت پر اس حکم کی تفصیل کی توفیق کتنوں کو ہوتی ہے اور جو حال ذہن کے اس قانون کا ہے، یہی حال مال نعمتوں کے حد و اسے قانون کا بھی ہے۔ یہی حال ان فضائل کا بھی ہے جن میں میرا دھرم کے متعلق احکام نافذ کئے گئے ہیں۔

اس سے بھی عجیب تو بات یہ ہے کہ قدری معیشت کی ان ذمہ داریوں کے متعلق جو افکار مسلمانوں میں آج مروج ہیں سو کی حیثیت سے خواہ ان کا کمال ہی کیوں نہ ہو قرآنی افکار کا بالکل برعکس تصور کیوں قرآنی حکام و روایات کو ترک کر کے دوسرے افکار کو ان کا قائم مقام بنا کر پھیلا دیا گیا ہے مثلاً ایسے مواقع میں لوگوں کو قناعت کی تعلیم دی جاتی ہے، مگر اچھے اور حس سے روکا جاتا ہے۔ جیسے اس سے انکار نہیں ہے کہ ان افکار کا مقصد بھی اگرچہ قریب قریب وہی ہے جو قرآنی افکار کا مقصد ہے، لیکن قرآنی فیروں کو چھوڑ دینے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ ان غیر قرآنی اصطلاحات کو قرآن میں نہ پا کر غور و فکر بغیر شعوری طور پر کچھ منہمک احساس کا قائم ہو گیا ہے کہ قرآنی مطالبات ہی نہیں ہیں، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر دیگر لوگ کا ایک گروہ ہم میں ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو سمجھتا ہے کہ شاید غیر قرآنی مسلمانوں میں قناعت و کم طلبی وغیرہ کے جذبات مشکل ہوئے ہیں، یا ہر ہے کہ ان مطالبوں میں جو خود جلا ہو گئے ہیں یا دوسروں کو تنگ کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں زیادہ تاہدیان لوگوں کو قرآنی قیادت کے ترکہاں سے حاصل ہو رہی ہے، بلکہ کچھ تو یہ ہے کہ غیر قرآنی افکار کی اشاعت ہی کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا ہے کہ اس سلسلے کے قرآنی بیانات کے متعلق صحیح طور پر بھی لے نہیں ہو رہے کہ ان کا تعلق معیشت کے کس خاص کیفیت سے ہے؟ یہی جن قرآنی آیات کا تعلق قدری معیشت اور اس کی دشواریوں کے حل سے ہے، ان کے متعلق عام مسلمانوں میں جہاں تک میں جانتا ہوں اس منہمک کا کوئی خیال نہیں ہے، جو نہ ہی سمجھا جاتا ہے کہ ان کا خطاب ہر شخص سے ہے، خواہ وہ قدری معیشت رکھتا ہو یا بسلی، یہی وجہ ہے کہ جن خاص مقررہ ان قرآنی احکام اور مشوروں کو استعمال کرنا چاہئے، عام طور پر ان مشوروں پر لوگ ان کے استعمال کرنے کے حادی نہیں ہیں، اس لئے مسلمانوں کو ان آیتوں سے جو منافع پہنچنے چاہئیں، مہیا کرنا چاہیے

نہیں پہنچ رہے ہیں۔ ضرورت جب پیش آتی ہے تو لوگوں کے سامنے عموماً ان اشارات اور مقبولوں کو پیش کر دیا جاتا ہے جن میں غیر قرآنی افکار استعمال کئے گئے ہیں، ظاہر ہے کہ اگر براہ راست قرآنی آیتوں کے استعمال کا رواج مسلمانوں میں باقی رہتا، تو یقیناً اس کے آثار و نتائج موجودہ حال سے مختلف ہوتے۔

بہر حال جو کچھ ہو، مقادیر جو چکا ما آپ کے سامنے معیشت کی دونوں قسموں اور ہر قسم کے متعلق اسلام نے مسلمانوں پر جو فرائض عائد کئے ہیں براہ راست قرآنی افکار ہی میں پیش کر دئے گئے ہیں، احادیثوں کا استعمال بھی صرف تشریح و تفصیل کی حیثیت سے کیا گیا ہے، اس بحث کو اس نظر پر غور کر کے

حق تلفی میں سہا بک ضمنی شائبہ      بھٹی بات بدل دے جو قرعے و ربے سے  
ظہور میں وہی شائبہ فلیکٹر      تجھ تک پہنچا ہے، ہر جس کا بھی چاہئے

اور جس کا بھی چاہئے، دکھا کر دے۔

کی اس اہمیت پر کہ یہ کلمات ذکر کر کے چپ چر جاتا ہوں۔

یہاں تک تو ان ذمہ داریوں کا ذکر تھا جو رزق کی بسملی و قدر کی حالتوں میں قرآن نے عائد کی ہیں، اب وقت آ گیا ہے کہ ان ذمہ داریوں کی خلاف ورزی کے جن نتائج پر قرآن نے تنبیہ کی ہے اس کی تفصیل پیش کر دی جائے، جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ بحث کا حقیقی ماحصل معضوں کا بھی حصہ ہے اسی میں اس شبہ کا جواب آپ کو مل سکتا ہے جس کا ذکر ابتداً معضوں میں کیا گیا تھا یعنی معاشی زندگی میں خدا کریم العاف بنانے سے جو گریز کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ کم از کم موجودہ زندگی میں اس کے نتائج سے انہیں دوچار ہونا نہیں پڑتا ہے۔ یورپ و امریکہ کے باشندوں کی باخیا زندگی کی ثبوت میں پیش کی جاتی ہے، اسی خیال کی تردید واقعات کی روشنی میں اب آپ کے سامنے ہو گی، آپ کیسے سمجھیں گے کہ اس سلسلہ میں قرآن کی ساری معاشی تعلیم صرف دیکھنا نہیں ہے بلکہ زندگی کے حقیقی و مشاہداتی حقائق ہیں، اور اللہ التوفیق۔

اجالا پیچھے بھی اس کا ذکر آچکا ہے، درحقیقت اسی کی تفصیل اب مقصود ہے، قرآن میں معیشت کا ذکر کر کے ایک خاص قانون کا ذکر، ان افکار میں کیا گیا ہے، یعنی

وہن اعرض عن ذکرہ فذلک      اور جو کرا یا میری یاد سے تو یقیناً اس  
لہ معیشۃ ضعیفہ۔      کہتے ہیں ایسی معیشت جو ضعیف اور  
خف سے بری ہے۔

ضیق اور تنگی ایسی تنگ کی معنوی معنی اس کا حاصل اس کا بھی ہو اگر حق حقیقی اور اس کی جائز کردہ

ملک بات نام نہاد سچائی ہے کہ غلبہ ہوا، آیت قرآن میں ہی وقفہ پائی ہے، جہاں قدری معیشت کی بلخوں کا حوالہ دیا گیا ہے کہ ہرگز مضامین نہ کرنا چاہئے، جس پر کہنا احادیث پر پائی گاہوں کو جائز رکھو ۱۲

۱۰۰ ص ۱۰۰  
 ذمہ داری کو زیادہ نہیں کرنا چاہیے، قرآن مجید اس کی حیثیت میں وحدت  
 تنگی اور یقین پیدا کرتی ہے۔

گاہر ہے کہ یہ قانون زندگی کے ہر حال اور ہر عمل کو مادی سے مادی سمجھنا چاہیے  
 کہ ذوق کے حساب سے خواہ کدی بسکائی صحت میں ہو یا قہر کے جوہر میں متعلقہ ذمہ داریوں سے  
 احوال کو گریز کرے گا ماس کی حیثیت تنگی اور یقین کی شکوہ جو جائے گی مگر یہ بالکل ایک تجربی چیز  
 ہے اس لئے علم نے اس کی تفصیل کا طرک کم فرما دیا یعنی بات کہیں صحت میں یقین اور تنگی کی  
 کیفیت حیثیت میں کیوں پیدا ہو جاتی ہے اسے سمجھنا دیا گیا ہے کہ تجربی اس کا ہر سبب ہو سکتا ہے۔  
 لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں قرآن ہی کی متعلقہ باتوں کے متعلق ہر ایک خدا کا جائے  
 قہر و تجرؤ کے یوں بھی اس کے حساب اور اسباب سے پیدا ہوتے دئے آتا ہے یہ بھی کیا باک  
 ہے جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس باب میں اپنے خیالات عرض کرتا ہوں۔

بطنی حیثیت کی ذمہ داریوں کی کل ہوئی بات ہے کہ حیثیت میں بسکائی خواہش اس لئے کی جاتی ہے  
 کی طاقت و ترقی کے سبب اگر بطنی حیثیت سے زندگی میں سہولت اور آسانی پیدا ہوتی ہے مگر  
 انسان میں اس کے کمال اور اس کی طرف ترقی بھی جاتی ہے کہ خواہشوں کی کمال اور خودیوں کی فراہمی  
 اس سے امداد حق ہے لیکن بطنی حیثیت کا یہ خدا کی ہر حال میں پیدا ہوتا ہے قرآن ہی کی آیت ہے۔

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

۱۰۰ ص ۱۰۰  
 ذکر سے اعراض کرتے ہوئے اس اصول کو اختیار کرتے ہیں جس کا ذکر اس ہیسی والی آیت  
 کے بعد ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

واما من اعطى و اتقى و قس ۲۰۵ یا ۲۰۶

کوئی برائی کرنے کا؟ اس تکذیب بالحق کے رد عمل میں اگرچہ اسے ہر قسم کی رسوائیوں سے دوچار جزا پڑتا ہے، محسوسیت اس سے بے نیاز رہتی ہے، محفلوں میں مجلسوں میں لوگ اس کی دعوتوں، جنازوں کا تذکرہ کرتے ہیں، بلکہ کچھ تو یہ کہ نبی آدم کے حام قلوب میں اس قسم کے لوگوں کے متعلق جو ایک قسم کی عداوت پائی جاتی ہے اور خلق اللہ کی ساری نعمتوں اور مہلتوں کی تہ میں عداوت کو کیا حقیقی جذبہ پر مشیدہ ہوتا ہے، تو کون کہہ سکتا ہے کہ اسی عداوت کا یہ پرت نہیں ہوتا جس کے متعلق بعض سرخروں میں آیا ہے کہ نبیل خدا کا دشمن ہے مگر باوجود ان تمام باتوں کے اس کے قلب امتناع اس کے آنکھ کوئی برائی کرنے کا ایسی جواب کو دہراتا رہتا ہے، اور یہ بھی ایسی بات کہ بھلا اسے حوام اس کا کیا کر سکتے ہیں؟ لیکن کیسی عجیب بات ہے جو اس کے بعد اسی آیت کے آخر میں ہے، یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں

فَنفِيسُكَ لِلْغَاسِقِ - پس قریب ہے کہ ہم آسان بنوں گے اس کے لئے افسری کو مین دشتوں اور سختیوں سے بھری ہوئی زندگی کو۔

معلوم نہیں قرآن کے ان الفاظ کا مطلب دو مرتبے کیا سمجھتے ہیں، لیکن مجھ پر تو یہی کھولا گیا ہے، یعنی حوام ظاہر ہے کہ ایسوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، لیکن جس نے اسے یہ دولت دی ہے، اکیلا اس کے بڑے اقتدار سے بھی دو ٹوک جاتا ہے، میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا چاہے تو اس دولت کو اس سے چھین لے یا دولت ہی کیا، وہ تو قادر ہے کہ زندگی اور زندگی کے جن احساسات پر یہ بریاں وہ بوتا رہتا ہے، کیا زندگی سے جب چاہے اسے محروم کر دے، یہ تو خیر عام بات ہے، اور رات دی ہے جو تیار رہتا ہے، مذکورہ بالا قرآنی الفاظ میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ اس سے الگ بات ہے، یعنی سب کچھ تو اس کے قبضہ اقتدار میں رہتے ہوئے، قدرت کی یہ عجیب معنی تفسیر ہے کہ جس دولت و ثروت وہ اپنے پیسے کو آدمی زندگی کی سہولتوں کے لئے حاصل کرتا ہے، اور غالباً کچھ زندہ آدمی بھی ملانے لگا کی راہ میں ابتداء جب قدم رکھتا ہے تو اسی عام خیال کے زیر اثر ہی رکھتا ہے لیکن قدرت کی قہاریت کا یہ کیسا عجیب تقارر ہے کہ جب روپے پیسے پر اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو بھانے ایسی ہی آسان زندگی کے افسری (صلت و شہریوں سے بھری زندگی) اس پر آسان کر دی جاتی ہے، وہ سب کچھ کھکھک سکتا ہے، لیکن کچھ نہیں کھکھک سکتا، سب کچھ نہیں کھکھک سکتا، لیکن کچھ نہیں کھکھک سکتا، اپنے اپنے دائرے کے اعتبار سے آدم و حوا کی جن میں سورتوں کو وہ مبتلا کر سکتا ہے، دیکھا جاتا ہے کہ ہر ایک سے وہ محروم کر دیا گیا ہے، تا محروم کہ عزت، انتہائی عزت کی زندگی رکھنے والوں کو بھی جو سہولتیں میراثی میں عداوت کے ان رویوں کو وہ بھی نصیب نہیں ہوتیں، کچھ پرچھے تو ایسوں کو دیکھ کر بے ساختہ

اِس طرف تماشائیں لب تشنہ آب اند

کا سفر زبان پر جاری ہو یا تم سے گو یا اپنی ہمتی شک ریز مروج کے لیے حالانکہ اسے بٹایا جاتا ہے، مروجوں پر مروجیں گزرتی رہتی ہیں، اسی پرستے گزرتی رہتی ہیں، لیکن اس کو ریت کو رخصت کی

تشنہ لہی اور گردی اپنے حال پر باقی رہتی ہے، ہر حال حق تعالیٰ کی ذمہ داریوں سے انحراف و اعراض کر کے بھل کی راہ جو اختیار کرتے ہیں، ان کے متعلق قرآنی آیت

فَنفِيسُكَ لِلْغَاسِقِ - پس قریب ہے کہ ہم آسان بنوں گے اس کے لئے افسری کو

میں دشتوں اور سختیوں سے بھری ہوئی زندگی کو

کا مشاہدہ ایک ایسا تفسیری مشاہدہ ہے جس کی زندہ مثالیں دنیا کی آبادیوں میں جہاں ڈھونڈنے پرکے لی سکتی ہیں، ہر قسم کی سہولتوں پر قابو یافتہ ہونے کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ زندگی کی دشوار ترین مشکلوں کو اپنے آپ پر اس قسم کا آدمی کھتا آسان بنائے ہوئے ہیں، اور جیسے ان مثالوں کی کسی نہیں ہے، قرآنی الفاظ

حَقْنِ آبٍ بِالْحَقْنِ -

جسٹا ہے وہ الحق کو دینی جو

باتیں ابھی بھی جاتی ہیں

کے لئے بھی بھائے کن بوں کے کسی بھل زندہ فطرت کی زندگی کا مطالعہ ہی کافی ہو سکتا ہے، اس سلسلہ میں جن واقعات کا تذکرہ آئے دن ہوتا رہتا ہے۔ میرے نزدیک تو قرآن فہمی کے لئے دی ہی کرتے ہیں کسی کو زیادہ شوق جو توجہ کا کچھ شور و گلاب، ان کے مطالعہ سے اپنے شوق کو بڑھا کر سکتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا، افسری کی تکذیب کے متعلق تو کوئی برائی کرنے کا بوجہ جواب

ہی دہرکتا ہے۔ اس تکذیب کے رد عمل کا، جسے شکوں میں ہوتا ہے، ان کے متعلق بھی، مجھ کو کہ حاسدوں کو کہنے دو، وہ میرا بھائی کیا سکتے ہیں، حالانکہ اپنے دل کو مطمئن کر لیتا ہے، مگر کچھ تو یہ ہے کہ حسیات کی تنگی و تنگی کے لئے اس کی بھاری رسوائیوں کا کافی ہو سکتی ہیں، اور میں نہیں جانتا کہ حساسیت کتنے ہوئے، کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ خلق اللہ کی نعمتوں اور مہلتوں کی ہر بات اس کے دل پر نہیں پڑتی مال کا ایک بڑا معرکہ جیسا کہ حضرت حسین علیہ السلام سے مروی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہاں ہے لیکن قدرت کا یہ بھی انتظام ہی ہے کہ اسی آل سے رسوائیوں اور بے مہلتوں کے خریدنے پر وہ مجبور کیا جاتا ہے، تاہم جو ازیت اپنی بے عزتی سے آدمی کی ہوتی ہے، چوں کہ قلب کی یہ ایک عجیب کیفیت ہے جس پر گزرتی ہے، وہی اس کا صحیح اندازہ کر سکتا ہے، وہ مردوں کے مشاہدہ کی یہ چیز نہیں ہے

گود مری منازعتی افسری کی تفسیر یعنی دشوار اور دشمن زندگی جو اس پر آسانی کر دی جاتی ہے اور مزے کے اس سلسلہ میں باب اندرہ کہ میں تشنہ لہی کا تماشہ طبقہ دکھاتا ہوں، اسے یہ تو کوئی دشمنی ایسی بات نہیں ہے، سہولتوں اور آسائشوں کے لئے جو چیز حاصل کی جاتی ہے، مثالوں میں بتا چکا کہ اس کو اپنی دشواریوں اور سختیوں کا وہ ذریعہ بناتا ہے اور یہ ہے

من اعراض حق ذکری فان لا - جو کہ باہر زیادہ سے فرقہ ہے اس کے

محبتہ ضنکا - لئے زندگی میں اور نکلے سے بھری ہوئی

کی مشاہداتی تین اور کھلی ہوئی تفسیر، مرنے سے پہلے جسے ان لوگوں کو دیکھنی پڑتی ہے جو خدا واس کی



ذمہ داروں کے پاؤں سے گر جاتے ہیں۔

باقی مسلمانوں میں بٹکا ہونے کا جو ذکر میں نے کیا ماس سے مراد مطلب ہے کہ یہ سارے پانچ چھوٹے سیکس کو بیٹے پڑتے ہیں، جیسا کہ قرآن میں بار بار لکھا گیا ہے، اس کی بنیاد وہی "اسحق" کا نام ہے، یعنی دوسروں سے بے نیاز بنانے کی جو صلاحیت دولت میں نظر آتی ہے۔ یہی بات قرآن ہے، ان لوگوں سے جو کچھ کراتی ہے، لیکن کیا واقعہ بھی یہی ہے، اب میں لوگوں سے کیا کہوں، صبح شام ہر شہر پرستی و آبادی میں

ما اذ خنی عنہ حالہ و ما کسب

ذکام آیا اسے مال ہی اس کا اور نہ

دو جہ کہ کیا اس نے۔

کی قرآنی آیت کا ترجمہ لوگوں کو کرنا یا جاری کرنا اسی وقت نہیں، جیسا کہ قرآن ہی میں اسی سورہ وکیل کے آغاز میں فرمایا گیا ہے۔

ما یغنی عنہ مالہ اذا قودی

نہیں کام آئے مال اس کا جب زیادہ

ہو نہ ہو۔

خواہ یہ بتائی اور برادری مال کی برادری کی شکل میں ظاہر ہو، جو صاحب مال کی کرے تو غیر ایک مکمل چوٹی ہوتی ہے، بجز قرآن ہی میں آپ کو اس مضمون کی آیتیں ملتی ہیں یا نہیں۔

اخذہ لیروا فی الاثر فیکبر

کیا وہ پتے پھرتے نہیں زمین میں، پھر

کیف کا ی حاقبۃ الدین

دیکھتے ہیں کہ کیا حال ہو ان کا جو ان سے

من قبلہ کافرا اکثر منہم

پہلے تھے ان سے قوت میں ہیں، اور

واشد قوت و اشاسانی

زمین پر انہیں دھاریں ان دوسرے آئیں

الاس من فساد خنی عنہم

کو چھوڑنے میں، گنہگاروں کو

ما کافرا یکسبون

زیادہ ہیں تھے اور قوی ہو گئے۔ پر نہ

کام دے سکا ان کو وہ سب کچھ

کام دے سکا ان کو وہ سب کچھ

جو کیا تھا انہوں نے۔

یکسبون۔

کا ترجمہ ان میں سے کچھ اور جو باقی ہیں، انہیں آج نہیں تو کل بہر حال اس کا ترجمہ کرنا ہی پڑے گا، ہاں ہی کرنا پڑے گا، اور وہاں بھی جہاں کہنے والوں سے کہلایا جائے گا۔

ما اذ خنی عنہ حالہ و ما کسب

ذکام آیا (آج) مجھے پر مال بتدبیر

عفی سلفا نید۔

لیکن یہ تو بڑے پانچوں کی باتیں ہیں، زیادہ تر ان آیتوں کا تعلق اقوام و امم سے ہے، میں تو انہیں انفرادی کے تعلق دیکھ رہا ہوں کہ صاحب مال زندہ ہی ہیں، مال ان ہی کا مال ہے، دوسروں کی نگاہوں میں وہ خفی حال بھی ہیں، سب کچھ ہے لیکن باوجود اس کے

ما اذ خنی عنہ حالہ و ما کسب

ذکام دے سکا اس کو مال اس کا

اور کچھ کیا تھا وہ۔

یہ تفسیر بھی کہ ہے ہیں ماس نام کے خوردگوں کو تو چھوڑنے میں آپ کے سامنے سوس صدی کے سب سے بڑے انفرادی دولت مند کو پیش کرتا ہوں جو کسی خاص صوبہ یا ملک میں، بلکہ جنت اقصیٰ کے امیروں میں کسی سب سے بڑے میر گن گیا، اسی کی شہادت میں کی بنیادی سمجھئے

نہیں پاس اتنی دولت ہے کہ میں اس کا حساب بھی نہیں کر سکتا، کہا جاتا

ہے کہ میری جائداد کو روٹ پٹہ (۵) کروڑ روپے سے زائد کرتی ہے۔

یہ آپ نے اپنی چیز کو روٹ روپے سے زائد کی دولت موجود ہے، اس پر اقتدار کی حاصل ہے، اسی میں بھی نہیں ہے، زندہ ہے، لیکن خفا بخشوں کی ضمانت ایسا باغ میں قاضی اہم بات کے اندر

تھیکہ بھی جاتی ہے، اس کے متعلق اعلان کرتا ہے،

میں ساری جائداد کو دے ڈالنے کو بخوشی تیار ہوں، اگر ایک وقت میں

پیٹ بھر کر تاکھا سکوں؟

یہ حدیث احمدیہ صاحب درنا آبادی اپنے اخبار کے حوالہ، ۱۹۹۷ء میں تک انٹرنیٹ پر اس لیٹ کے بادشاہ، مشرقی ایشیائی کی اس ذاتی شہادت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

آپ کی (دارالکفر) جہزہ (تھا) ۸۰ سال کی ہو چکی ہے، ابتدا ہی سے سود

ہمیشہ کی اس کو جاری ہے، حال یہ ہے کہ بجز سود اور ریکٹوں کے ایک کوئی

مقدار کے وہ دن بھر کچھ نہیں سکتا۔

یہ حدیث احمدیہ نے کسی انگریزی ورژن سے، غرض کہ یہ حدیث احمدیہ نے کہا، دارالکفر اس

مال کا تباہی آئی نہیں ہے، جو اس خبر کی تحقیق و تلاش میں خواہ مخواہ وقت ضائع کیا جائے

تحت کے اعتبار سے آپ کو دارالکفر جیسے سرمایہ دار ملک ہے کہ دنیا میں زمینیں لیکن ابتدا سے

حدیث احمدیہ کی شکایت پیٹ بھر کر تاکھا نہ لے کر تیزی سے دانی تلوں میں قواس راہ کے اسی

حدیث احمدیہ نے حدیث احمدیہ کو پہنچا کر پہنچا کر پہنچا کر پہنچا کر پہنچا کر پہنچا کر

حدیث احمدیہ نے حدیث احمدیہ کو پہنچا کر پہنچا کر پہنچا کر پہنچا کر پہنچا کر

ہم عظیم ہم قدم جو ایسی اہم جہانی ہیں، میری مراد ہنری فورڈ صاحب شاہ مولانا سے ہے، اسی اخبار  
نکاح میں ان کے متعلق بھی یہ خبر شائع ہوئی تھی۔

تو (ہنری فورڈ) ایک نہایت اہم و اخلاقی ذمہ دارم انسان زندگی ہیں، جن  
بیمار سے اپنی زندگی کی خاطر سالہا سال سے اپنے اوپر ہر قسم کی لذت  
اور ترنمات فقاؤں کو حرام کر رکھا ہے، ڈاکٹروں کی ایک جہت ہر وقت  
ان کی نگرانی کرتی رہتی ہے کہ کسی وقت کھائے میں پر ہنری فورڈ نہیں۔

اور یہ واقعہ چونکہ دنیا کی ہر جگہ کے اخباروں میں چھپا تھا کہ یہی ہنری فورڈ صاحب جنہیں  
عربی اخباروں اور رسالوں میں "اخفی اغنیہ" عالم یعنی "سارے عالم کے امیروں کا سب سے بڑا  
امیر کے خطاب سے پیشہ یاد کرتے ہیں۔ ان کے اکلوتے نور فکسر پر بیاد کی کاہلہ ہوا سب کچھ  
کیا گیا جو ہنری فورڈ جیسے باپ سے اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے ممکن ہو سکتا تھا، لیکن دولت کے شوق  
تھا بخشی "کا انسانی نظریہ غلط ثابت ہوا، اور خدا کی بات

میان میں غنہ مالہ اخلاقیہ۔ اور یہی کام دیتا ہے مال اس کا  
جب مگر تپا ہے۔

پر رہی ہوئی۔ لیکن قدرت کی جہازانی کا رنسر لایا گیا اسی حد پر ختم ہو جاتی ہیں؟  
یا مناد دیگر اعترافی زندگی کو معیشت تنگ میں تلکیوں اور تلکیوں سے ایسوں کی پشت  
جو بری جاتی ہے۔ اس کے تلخ بنانے کی کیا مروت ایک یہی صورت ہے؟ فشرہ کی ایک  
پوری سورۃ جس کا سورۃ حمز نام ہے۔ ہم دیکھیں یہی کے بارے کی مشہور سورۃ ہے اس  
میں بھی مروت ایک اس معاشی مسئلہ کے ایک خاص پہلو کو بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال پہلے ہی سورۃ  
ترجمے کے ساتھ گھر دیتا ہوں۔

وہی نکل حشرہ بلرشی الذی یجمع	گندہ چھوٹا دے والے عیب ہیں
مالا وعدہ بحسب ان	کہنے والے کے لئے جو جمع کرتا ہے مال کو
مالہ اخلاک کلا ینبذون	اور گندہ ہوتا ہے اس کو خیال کرتا ہے کہ
فی الخطیۃ وما ادراسک	دوہم جنت ہے مال اس کا، ہرگز نہیں
ما الخطیۃ ناسر اللہ الموقدۃ	وہ جو گند دیا تپا ہے، اللہ میں ہرگز نہیں
الذی تقطع علی الاقصدۃ انہا	تجھوت بک، گندہ چیز ہے، آگ ہے انکی
حلیۃ موصدۃ فی عہد ممدۃ	سنگائی ہوئی، بڑا ہوتی ہے دلوں پر

اس آگ کے پتہ ہند ہیں بے بے کھوں میں۔  
میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جیسے واقعی میں مال اور مروت ایک کے متعلق "فشرہ" اور جس  
آیات و نکتہ تلک آدی کو پہنچاتا ہے، یہ ان کی تھیں اسی طرح مذکورہ بالا سورۃ میں سورۃ حمز میں

اسی مال اور مروت کی بابت ایک دو مراد عام خیال چرایا جاتا ہے، اسی کی بغیر  
بحسب ان مالہ اخلاک خیال کرتا ہے کہ دوہم جنت ہے اس کو  
مال اس کا۔

کے الفاظ میں کہی گئی ہے، یعنی یہ جو سمجھا جاتا ہے کہ زندگی کی راحتوں اور سہولتوں کو دیر پا بنانے  
کی یا قرآنی اصطلاح کی رو سے خود بخشی کی کیفیت مال میں پائی جاتی ہے اور اسی بنیاد پر خیال  
کیا جاتا ہے کہ مال اور مروت کا ذخیرہ جتنا زیادہ بڑھایا جائے گا، راحتوں اور سہولتوں کی دیر پائی اور  
خود کی ضمانت بھی اسی نسبت سے بڑھتی جاتی ہے۔ مثلاً دو سو روپے ماہوار کے خرچ سے زندگی کا  
بہرہ میسر قائم ہوتا ہے، اس میسر کو دو چار برقرار رکھ سکتا ہے جو اس آمدنی کو قائم رکھے، اور اگر مال کو  
بہرہ بڑھ کر پانچ ہوتا ہے، پانچ کے کراہی آمدنی کو بھی بڑھ جائے۔

مال کے متعلق خود بخشی کا یہی نظریہ ہے جو مروت جمع مال کے پیشے ہی پر نہیں بلکہ ان  
گونا گوں پیچیدہ متریوں اور ترکیبوں پر آدی کو آمادہ کرتا ہے، قرآن میں جس کی طرف حد و  
کے نقطہ سے اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ ظاہر ایک نقطہ معلوم ہوتا ہے، لیکن جہاں تک میرا خیال ہے یہاں  
ایک نقطہ ان تمام جہانی پیکروں کو مادی ہے، جن کی حایا ذخیرہ بنانے کے پیر سے کی جاتی ہے  
بلکہ اگر درست فکری سے کام لیا جائے تو اکاؤنٹ اور فیضان وغیرہ کے پر شرکت الفاظ سے  
موجودہ زمانے میں مالی کاروبار کے جن شعبوں کو موسوم کیا جاتا ہے ان پر بھی حد و مروت  
نقطہ کو مروت متعلق کر سکتے ہیں۔

آگے قرآن میں مروت کا نقطہ ہے، جو ایک تردیدی کلمہ ہے، جس کا اردو ترجمہ ہرگز نہیں  
ہو سکتا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ جمع وعدہ تلک پہنچا کر انیاں، خود اور دیر پائی کے  
میں مقصد کے لئے لوگ برائے ہوئے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ مروت کے متعلق جمع وعدہ تلک  
یہ تو میری خودی الغیب العین کے حاصل کرنے میں اس میں کامیاب بنائیں گی، قطعاً غلط ہے اس  
کے بعد جوہر الفاظ ہیں

ینبذون فی الخطیۃ وما	فشرہ جو گند دیا تپا ہے وہ اللہ
اوساک ما الخطیۃ ناسر اللہ	میں اور کس نے بتایا تجھے کہ اللہ کی چیز
الموقدۃ الذی تقطع علی الاقصدۃ	ہے، آگ ہے انکی سنگائی ہوئی
انہا حلیۃ موصدۃ فی	جو بڑھ رہی ہے دلوں پر، اس سنگ کوٹ
عہد ممدۃ	بند ہیں ان لوگوں پر بے بے کھوں میں۔

فشرہ ترجمہ قرآنی الفاظ کے سلسلے لکھ دیا گیا ہے، لیکن مطلب اس کا کیا ہے؟ موجودہ زندگی کے  
موجودہ مروتی زندگی آئے والی ہے، کیا ان کیفیات و حالات سے اس زندگی میں ان لوگوں کو دیر پا  
بنائے گا یا آئندہ زندگی کے سوا موجودہ زندگی میں ہی ہم ان کیفیات کو ان لوگوں کے اندر بے کھوں

اسلامی مساجد  
جن کی طرف سے دھنکے ان آثار اور نتائج کو خوب کیا گیا ہے، سورۃ کے ابتدائی الفاظ  
وہی لکل حصہ نہ قصور ہے۔ کتب پر شکارتے واسطے ہیں  
کے واسطے کے لئے۔

کہ پہلے پھر لین چاہئے، ممکن ہے کہ اسی سے اس سوال کا جواب بھی ملے۔  
ہمزہ کا مادہ ہمزہ ہے اور ہمزہ کا مادہ لڑ ہے۔ ہمزہ کے معنی کچھ کے لگانے کے ہیں۔ ہمزہ کا  
لفظ اردو میں بھی اسی ہمزہ سے بنا ہے۔ سوار اپنے جھوس میں لڑ ہے کیل جیسی ہمزہ اس لئے لگانے ہیں  
کہ گھوڑے کو لڑ لگانے کی ضرورت جب ہوتی ہے تو کچھ کے لگانے کا کام اسی کیل سے لیتے ہیں، قریب  
قریب تو کہ منہم بھی لڑ ہے، ہمزہ اور معانی کے معنی ۱۱۱ رب میں لڑی و معنی یعنی مارا اور بھانا بھی  
لڑ کا ترجمہ کیا گیا ہے، یہ تو ان الفاظ کے ابتدائی معانی تھے، بعد کو یہ معادہ ہو گیا کہ جن کے اقوال و  
افعال سے دل مجروح و زخمی ہوتے ہیں، اولیٰ یعنی گستاخ و عتاب سے لوگوں کو جو بھٹاتے ہیں، ان ہی کو  
ہمزہ لڑنے کے نام سے موسوم کرتے تھے، ماسی نے عام مفسرین نے چنگ نہی کرتے واسطے، فقرے  
کے واسطوں کے ساتھ تسخیر اور استہزا کرتے واسطے نقل بندے واسطے ضبط کرتے واسطے وغیرہ الفاظ  
ہمزہ لڑنے کی تشریح کی ہے، اب غور کرنے کی بات یہی ہے کہ مال کے متعلق جمع دھنکے گور کہ دھنکے  
میں جو لوگ شب و روز سہک و شمول رہتے ہیں، ان کا ہمزہ لڑنے کے ان معانی سے کیا متعلق ہے؟  
بات یہ ہے کہ تنگدستی اور دیر پائی کی ضمانت مال اور سرمایہ میں محسوس کرتے ہیں وہ دھنکے

اس ہم میں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، کہ لے والوں کو یہ تو بہت کچھ کہنا پڑتا ہے، لیکن حاصل کیا  
یہی چوتھا ہے، کہ جو آچکا ہے، اس سرمایہ کے ایک ایک پیسہ کی نگرانی کی جلتی ہے، اور جو اسی نہیں کیا  
اس کے لئے کے ملنے ڈرانے کو کسی طرح متعلق ہوتے نہ دیا جلتی ہے، اب اسی کے ساتھ اگر مروجہ کی اس  
حقیقت طرزی کو بھی سامنے رکھ لیجئے جو انہوں نے فرمایا ہے۔

بات ہے صاف مجھ سے سن لے  
حد و فطرت کے ہیں مقرر  
کہ میں اس کو کیا پڑے گا  
جو یہ گھٹے گا وہ پڑے گا

اور یہ بات اس مقام پر بھی صادق آتی ہے جو زندگی گزارنے کے لئے دنیا میں آدمی کو دیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ زندگی  
جو لوگ صحیح و کاملاً خوش کرتے ہیں تو ان انسان کے سامنے دوسری صورتیں پیش آتی ہیں، اگر اپنے سرمائے کے  
بڑھانے میں کامیاب ہونے تو دنیا دوسروں کا سرمایہ گھٹ جائے گا، اگر کام ہونے تو اس کا مطلب یہی ہے  
دوسروں کا سرمایہ بڑھ گیا اور ان کا گھٹ گیا، جہاں تک میں خیال کرتا ہوں جمع و صدقہ کی ہم کو بھی وہ نقص ہے  
مقابلہ کے اس میدان میں آدمی کو بہر حال گھسیٹ کو گھسیٹ ہی آئے گا جس کی طرف قرآن ہی دوسری دیکھ  
دھنکے، انکا اثر حقیقی نہ رہتا۔  
خفت میں ذل یا تم کو انکا اثر  
دولت کے بڑھانے میں باہمی مقابلہ  
الفاظ جو۔  
حق کو زیارت کی تم نے قبول کی۔

کے الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے، انکا اثر کا مادہ کثرت ہے، یہی کثرت جب "نکاح" کی شکل اختیار کر لیتی ہے  
تو کثرت بھی میں مقابلہ اور COMPARATION کا منہم اس سے سمجھا جاتا ہے، ہمزہ کا مادہ کثرت کا مادہ ایک یا چند  
ہے کہ وہی آدمی جو مرن زندگی کی حقیقی ضرورتوں کی تکمیل کے ارادے سے معاشی جدوجہد میں راہوں میں ابتدا  
قدم رکھتا ہے، اگر کہیں تاؤ سے کے پیر میں پڑ کر انکا اثر کے میدان مقابلہ میں کودتا ہے تو اسے وہی  
یہ دیکھا جاتا ہے کہ ضرورت کا سوال ایسوں کے سامنے سے ہٹ گیا اور صرف مقابلہ کا جھوٹا سر پر سرد  
ہو گیا، جیسے جیسے آگے بڑھنے کے مواقع مقابلہ کے اس میدان میں لوگوں کو ملتے پلتے جاتے ہیں، اس  
مقابلہ کا دائرہ بھی دلتا جاتا ہے، ابتدا میں کسی گھوڑے کے باشندوں سے مقابلہ تھا، تو گھوڑوں سے  
آگے بڑھ کر اب کسی انسان کے سرمایہ داروں کو اپنا ہم ختم بنایا جاتا ہے، جو اپنی عقل سے آگے بڑھ کر خفا  
ضلع کے دائرے کو چھوڑ کر صوبہ صوبہ سے نکل کر ملک اور ملک کے دائرے کو بھی توڑ کر ساری دنیا میں  
پہنچتا ہے کہ اسی کا گھوڑا اس راہ میں صوبہ سے آگے نکل جائے، بلکہ ممکن ہے کہ بعض میں انسانیت  
کی ساری تاریخ میں بھی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کا جذبہ انکا اثر کی راہ میں مسدود ہو جائے، لہذا کہ  
خفت میں ذل یا تم کو، کے الفاظ سے قرآن نے اس دماغی جذبی طرف اشارہ کیا ہے، جس میں  
انکا اثر کے پیار مبتلا ہو جاتے ہیں، حالانکہ مسلسل مقابلہ کے اسی میدان میں آئے دن ان کو دکھایا  
جاتا ہے کہ ان ہی کے ساتھ ملنے والوں میں کتنے ہیں جو گھٹے جاتے ہیں، پگھلتے جاتے ہیں، قبول ہیں  
نہیں پگھلتے جاتے ہیں۔ لیکن انکا اثر کے خلیوں کے کان پر جوں بھی نہیں دیتی، مادہ ہی طلب  
ہے قرآن کے الفاظ

حق کو زیارت کی تم نے قبول کی۔  
حق نہ رہتا اذاعت باہر۔

یعنی ایک دو قبول ہی نہیں بلکہ اعتبار جو بڑی جتنی ہی نہیں بلکہ نہیں الجھتا یعنی جس کی انتہائی شکل  
ہو ہے، ان اعتبار کی زیارت بھی مقابلہ کے ان دو منزلوں میں چونکہ پسیدہ نہیں کرتی، انکی مدد  
میں قبول کو دیکھ کر اپنے قریٰ انجام کا خیال ان کے سامنے آتا بھی ہے تو فوراً اپنی حقیقی اور اس دماغی  
ظہار کی سطح کے لئے اپنے سامنے اپنی آئندہ سنوں کو بے لگاتے ہیں، اگر تو چاہیے کہ لی جاتی ہے کہ  
مقابلہ کے میدان کے ان نتائج سے اگر کچھ نتیجہ اور استفادہ کا موقعہ قریب دے کے کی فرمایا ہوگا،  
جی آئندہ سنیں تو اس سے مستفید ہوتی رہیں گی، یوں اعتبار کی زیارت جس تیسہ کو ان میں بیدار  
کر سکتی تھی، تو یہی اسی قریٰ کو سن کر اسے بھی یہ سلا دیتے ہیں، اور ہر طرف سے بے خوف ہو کر  
کھڑے کہ اس میدان میں اپنا نصب العین اسی مقصد کو بنا لیتے ہیں، قرآن میں دوسری جگہ یہی  
مل کر تاہوں ان الفاظ میں اسے بیان کیا گیا ہے، یعنی

وینا کلون القراٹ اکلالتا  
کھانے کی شکل میں۔  
اور انراٹ کو تم کا ہے ہر صحت

تو کہ یہ میں انراٹ کا لفظ وراثت کی بدلی ہوئی شکل ہے، عربی زبان میں اس وزن اور اس

اسلامی مسابحات کی کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں، مگر یا پہلی منزلوں کے ساتھ پہلی نسلوں میں سرمایہ میں شریک ہوں، ان ہی کو اثراٹ کہتے ہیں۔ دو سرا جزا سی آیت میں "اکل لم کا ہے، اکل کے معنی تو کھانے کے ہیں، اکل کا معنی تو حولی زبان میں "رجل صلحہ" اس شخص کو کہتے ہیں جو قوم کے کھوے ہوئے افراد کو سمیٹ کر کسی فنکار پر جمع کرنے والا ہوا ہفتی الارب میں ہے "رجل لم" (جمع کنندہ قوم یا حشر پر آگندہ را) لغت کی اسی کتاب میں مذکور ہوا آیت کا ترجمہ اسی بنیاد پر یہ کیا گیا ہے:

ما کلون الترات ۱۰ کلادہا اسی  
نصیبکم و نصیب صاحبکم  
یہی کہا جاتے ہو۔

حاصل اس کا یہی ہوا کہ سرمایہ اور دولت سے استفادہ کی یہ شکل کہ پہلی نسلوں سے پہلی نسلوں تک وہ باہر شکل منتقل ہوتی رہتی رہے کہ دو مردوں تک قلنا اس سرمایہ کا کوئی حصہ نہ بچا سکے، بلکہ جو کچھ ہو وادہ وادہ رتی رتی، سب ایک ہی خاندان خاص نسل اور خاص جگہ ہی تک پوری طاقت کے ساتھ اس طور پر اس کو محدود رکھنے کی کوشش کی جائے کہ کسی حیر کے منہ میں اس کی کوئی کھیل بھی اڑ کر نہ پہنچ سکے مگر یہی بات جس کے استدلال کے لئے مسلمانوں کے مقبوضات اور آدمیوں کے متعلق قرآن میں لکھا ہوا ہے:

فکیلا یكون دولة بین الامم  
سرمایہ داروں ہی کے درمیان (مختار رحمہ)

صنکھ۔  
کا قانون نافذ کیا گیا ہے، خشک اسی کے قریب پر "اکل لم" سرمایہ داروں کا ایک خاص شیوہ ہے، مگر دارنگ نے امریکہ و یورپ کے موجودہ نظام سرمایہ داری کی تعریف کرتے ہوئے یہ الفاظ جو لکھے ہیں:

یہ (دراستی و حقائق ص ۲۳۸)  
میں تو سمجھتا ہوں کہ قرآنی الفاظ "اکل لم" ہی کی گویا تعبیر ہے، اور اسی کے بعد وہ حالت اس راہ کے پہنچنے والوں کی ہو جاتی ہے جس کی طرف تیار رہی کی مشہور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بایں الفاظ فرمائی:

کمالذی یا کل ولا یشیع  
اور سیر نہیں ہوتا۔

میں ایسا فرمایا ہے، بلکہ قرآنی کا وہ نقش بیان گویا ہی تو لوگوں کی ایک زندہ تصویر ہے، یعنی اس مثال شخص کا ذکر کرتے ہوئے جو زمین کی مٹی پر کڑکڑ گیا تھا، یا قرآنی الفاظ میں:

اخلدانی والارض و اشیع ہوا  
بلکہ "یہی غریب" کے۔

کی کیفیت جس پر مسند جو گئی تھی، اسی کے متعلق ارشاد ہے۔

فصلہ کشل الکلب ۱۰ حق عمن  
حلیہ پلٹ او ترکہ پلٹ۔  
ز و حکار و جب ہی پانچنے لگے گا۔

سرمایہ کے متعلق یہ خیال کہ زندگی کی ضروریات و حاجات کی تکمیل کا وہ ذریعہ ہے اور چیز قوس کے سامنے سے ہٹ جاتی ہے۔ بلکہ یہی ہے اس کے سرمایہ اور مال بذات خود اس کا مقصود و مطلوب بن جاتا ہے اسی لئے ہر مال میں جمع و جمع کا یہ مرض پانتا ہی رہتا ہے، اے جب ہی، اے بے جب ہی کتوں کی طرح زبان نکالے اپنے اوپر جس کی ایک ایسی کیفیت تھی کہ رہتا ہے کہ گویا اسے اب تک کچھ بھی نہیں ہے، اچھا کرتا جائے، گنتا چلا جائے اس کا کام اب فقط یہی رہ جاتا ہے، مگر ان ہی میں:

و تجمعون المال حباً حباً

جو فرمایا گیا ہے، اگر یہ میں اپنے خاص نقطہ نظر کی بنیاد پر جس کا ذکر آئندہ آئے گا، رہا ہے، مسودہ رزق طبقات کے یہ زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ اس آیت کا حقیقی قدی رزق پانچنے والوں کے اس گروہ سے سمجھا جائے، جو رزق کے اس قدی پانچنے کو اپنی امانت و ذلت کا سبب بناتے ہیں، لیکن اس میں کسی کوئی حرکت نہیں، اگر اس کو کام رکھا جائے۔ کیونکہ سرمایہ داروں کا یہ گروہ بھی بیشمال سے کسی قسم کا حشر محظوظ نہ کر سکتا ہے، یعنی ہر چیز سے فوٹ کر موت پائی ہی کی محبت میں حشر ہو جاتا ہے شب و روز وہ جمع و جمع ہی کے اور زمین میں جگا رہتا ہے، اپنی ساری عقلی اور ذہنی قوتوں کی جو عقلی کی آماجگاہ جمیع و جمع کے مقابلہ کے اسی میدان کو قرار دے لیتا ہے، اسی میں مات و دن وہ آٹھ کر لے لے مقابلہ میں مشغول، دھنک رہتا ہے، اور یہی چیز اس میں اس خیال کو پیدا کر دیتی ہے کہ جو کچھ بھی اس کے پاس جمع ہو گیا ہے یہ اس کی مدد کی چیزوں اور معاشی ہماروں کا نتیجہ ہے، قرآن کے سوسے بڑے تاریخی سرمایہ دار (قادیان کے حوالے سے فقرہ جو مشغول ہے، یعنی وہ کہتا تھا کہ:

انما اوتیتہ علی علم و عنایت  
یہ دولت جو دی گئی ہے، یہ میرے اس علم کا نتیجہ ہے جو میرے پاس ہے۔

و حاسی خیال کی ترجمانی ہے، جس کا پیدا ہونا اس قسم کے لوگوں میں ان کے اعمال و افعال کا کائناتی نتیجہ ہے، بلکہ اسی دنیا و پران کی زبانوں میں اس قسم کے فقرے جو جاری ہوتے ہیں:

لن تبیل حد ۱۰ حبلاً  
قلنا اب لیراقم کی ہوا یہ تمام مٹا  
برباد نہیں ہو سکتا۔

اسی کے قریب قریب متعدد مقامات پر قرآن ہی میں ان کی طرف جو الفاظ و ضرب لگے گئے ہیں تو وہ یہ نظم باطل کا نتیجہ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے جملہ اقدار میں جو کچھ بھی آیا ہے یہ ان کی حساسی اور علمی یا فائیدوں اور فتنہ نفل چاہے کیسیوں کا ثمر ہے۔

اور یہی مقام ہے جس پر پہنچنے والوں کا ہرگز ان کے ان امراض میں مبتلا ہونا ناگزیر ہے۔



اور ان سے بھی روٹھا ہوا ہے جو آگے نکلے ہوئے ہیں، اسی کے ساتھ ہر کسے ہوئے سے جسے کے متعلق ہو  
 ملے ہوئے ہو کہ اسے نکلنے دیا جائے گا، اور ہر وہ پیر جو اسی نہیں آیا ہے۔ لیکن اس کے آنے کا  
 کچھ بھی امکان ہے، اس کے متعلق بھی یہ فیصلہ کر چکا ہو کہ ہر حال اس کو آنا ہی چاہیے خود ہی سوچنا  
 چاہئے کہ باہر سے ایسا آدمی خواہ کچھ ہی نظر آتا ہو، لیکن اندر جانک کر دیکھئے، بجز آگ ہی آگ کے  
 اس میں اور بھی کچھ ہو سکتا ہے، خصوصاً زندگی کی ناگزیر ضروریات میں آئے ہوئے ہیں میں سے  
 کچھ چیزوں کا سفر جو تار رہتا ہو ہر حال یقینی ہے، اسی طرح جن آدمیوں کے حصول کا امکان پیدا  
 ہو جائے۔ مگر یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر حال میں ان کا حاصل ہونا تک ضروری ہے۔ ہر کوئی اندازہ کر سکتا  
 ہے اس چرٹ کا جو عمل عمل کر رہا ہے اس کے دل پر لگا ہوا ہے، اسی طرح جس کے آئے کا امکان  
 تھا جب اس آدمی سے اسے عروم ہوتا پڑتا ہے، اس کے فن اور بے چینی کی کج رواداد ہی دے  
 سکتا ہے اس پر گزند ہی ہے، بلکہ کچھ تو یہ ہے کہ ایسوں کے لئے خرفہ ہونے ہی کی صورت میں نہیں  
 بلکہ خرفہ ہو جانے یا جمیع خرفہ مراد کے متعلق ہو جانے کے خلاف ہی جن جیسا تک صورتوں میں  
 اس میں ڈرانے اور دھمکانے رہتے ہیں۔ اور مختلف اندیشے اور اختلافات جن جن شکلوں میں اس میں پیدا  
 رہتے ہیں، بھائے خود ایک مستقل بلاتے جان کی صورت میں اس کے اندر نہک جھاتے رہتے ہیں جس سے  
 نباتات کی کوئی صورت اس کے پاس نہیں ہوتی، آخر اس راہ کے بعض تجربہ کاروں سے کہہ دیں  
 میں اس قسم کے اعتراضات جو ملتے ہیں، مثلاً امریکہ کے مشہور کرولین کیریگیل کا یہ زبان مذہام  
 فقرہ نقل کیا جاتا ہے کہ کیا کرتا تھا،

کہ تھی (دینی) کسی مسک نہیں سکتا (مختصر بیرونی مری ۱۹۲۵ء)

یا اسی قادیون آباد کے دوسرے قادیون ملک راک فیلر آجہانی کے متعلق یہ لطیفہ جو لکھ لکھا جاتا ہے  
 کہ کسی مجلس میں گلابی کے حوالہ پر بحث ہو رہی تھی، راک فیلر نے اس وقت تقریر کی۔  
 قیام الیٰں کی مراد کہ مانی سے مال رو دولت کہا ہے، کیا اسی کو نام کا مانی ہے  
 میں کہتا ہوں اور مجھے کہنے کا حق ہے کہ سب سے بڑا شخص وہی ہے جس کے  
 پاس مال کے سوا کچھ نہ ہو، میں کہتا ہوں کہ اگر مجھے بتلاد ہی میں اس کا متنا  
 دیا تاکہ کس قسم کی زندگی چاہتا ہوں، تو میں اپنے لئے یہ اختیار کو اختیار کرے  
 پاس کچھ نہ ہو یا جو قربت متورزا بقدر ضرورت ہو، لیکن اسی کے ساتھ مجھے  
 بتادیا جائے کہ میرے سے کیا مفاد کیا ہے؟ (مختصر بیرونی مری ۱۹۲۵ء)

ان حضرات کی تہ میں بجز ان نفسانی کیفیات و حالات کے اور کوئی چیز چمکی ہوئی ہے اور  
 آپ پڑھیں اس کے بعد سورہ ہمزہ کے ترجمہ کا یہ ٹکڑا۔

وہ جو مال جمع کرتا اور گنتا ہے، اسے چال کرتا ہے کہ مال اسے ملو وہ  
 ویر پائی حفا کرتا ہے، ہرگز نہیں نقصانہ جو تک دیا جائے اسے نقصانہ

چراغ رکھ دینے والی ہیں) اور یہ ان کی چیز ہے آگ ہے اللہ کی ملگاٹی  
 ہوئی، چڑھ جاتی ہے، دونوں پر اور اس آگ (کے پٹ) بند کر دیئے جاتے ہیں  
 (اس پر) جو بے بس سوزوں پر کھڑی ہے؟

یہ سچ ہے کہ حقیقی رنگ میں یہ کیفیت قرآن کے سامنے اسی وقت پیش آئے گی، جب ہر حقیقت اپنی  
 اصلی رنگ میں نمایاں ہوگی، لیکن جو کچھ ہونے والا ہے، دیکھنے والے چاہیں قرآن ہی اس میں  
 مکان کا تماشا کر سکتے ہیں، جس کی دیواریں ہی آگ ہی کی ہیں، اور جس کی چھت بھی آگ ہی کی ہے  
 ایسی چھت جو بے بس سوزوں پر قائم ہے، مادہ اسی آگ میں اسے جو تک کر پٹ بند کر دیا  
 گیا ہے، نکلنے کی راہیں چاروں طرف سے مسدود ہیں، آخر قرآن ہی میں تو  
 روانہ جہنم لپیٹے بالکھنن اور قلعا جہنم گیرے ہوئے کافروں کو  
 فرمایا گیا ہے، کم از کم

احاطہ صبر و صبر و صبر  
 اس جہنم کے سراپہ دونوں نے ہی کا  
 احاطہ کر لیا ہے۔

اس کا تو انکار نہیں کیا جاسکتا، بلکہ کچھ تو یہ ہے کہ جو چیز آج اندر ہے، وہی تو کس باہر نکل آئے گی  
 اجساد کا تروح اور ارجاح کا تجسد، اباب خانی کا مسئلہ ہے، اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ  
 کے جوہروں کے متعلق سورہ ہمزہ کی جس منرا کو مرث ادھار ہی ادھار سمجھا جا رہا ہے، اگر خور کیا جائے  
 تو اسی سورہ کے الفاظ میں فقرہ کی جھلک بھی ان لوگوں کو نظر آ سکتی ہے، جو مال و سرمایہ کے ساتھ  
 انسانی خبیثات کے تحت کا سامنا ان قرآنی آیات کی روشنی میں کر س گئے، مثلاً سورہ ہمزہ  
 اس آیتیں گرداب کی کچھ میں آج بھی محسوس ہو سکتی ہیں جس میں چھن کر جمیع وعدہ کے ان جوہروں کو  
 ہر حال میں پکراتے ہی رہتا پڑتا ہے، یہی جذبہ قدرت کی ملگاٹی ہوئی آگ کی شکل اختیار کر کے  
 ان کی چھاتیوں پر چڑھ کر سونگ دیتی رہتی ہے، باہر سے دیکھنے والوں کو یہ بھارے نظر آتے ہیں  
 کہ ان کے اوپر بھی ادب ہے، اور نیچے بھی روپیہ ہے، وہ درجوں ہی میں جاتے اور اسی میں سوتے  
 ہیں، لیکن جس کی نظر انداز کچھ بھی اندازہ کر سکتی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ قرآنی اخلاص کی تصدیق میں  
 وہ شک کر سکتا ہے، بلکہ ہمزہ تو قرآن کے جو شعلہ ان کی زبانوں سے نکلنے رہتے ہیں، کچھ پوچھ تو جو کچھ  
 ان کے اندر ہوتا ہے، وہی ان شکلوں میں ان کی زبانوں کی راہ سے باہر نکلتا رہتا ہے، گویا ان  
 کی شہادت کا ہر کی یہ حالت ہوتی ہے، بلکہ سورہ ہمزہ کی یہی آیت یعنی

یحبب ان حالہ واخللہ  
 خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اسے  
 دوام بخشتا ہے۔

نے میرے ذہنی کو ایک عجیب مسئلہ کی طرف متکل کر دیا ہے، میں نہیں کہتے کہ قرآنی الفاظ کی تفسیر  
 ہے، بلکہ میرا مقصد یہ ایک ذہنی استعمال ہے، خود کرنے کے لئے دوسروں کے سامنے بھی پیش کر دیتا ہوں۔



مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قتل میں جس الطغور کا ذکر ہے، اگر یہ کہیں میں اس کے متعلق یہ قول پائے جاتے ہیں، اور اس ہی قول میں سے عوام میں ایک قول یہی بات کہ وہ گھبروں کا وقت تھا، جس کے قریب جاتے سے حضرت آدم علیہ السلام کو شک کیا گیا تھا، زیادہ مشہور ہو گیا ہے، اگر یہ جاتے والے جاتے ہیں کہ کسی صحیح روایت سے ثابت ہے اور دوسرے اقوال کی تائید کسی صحیح حدیث سے ہوتی ہے، اسی لئے عقائد شریک محمد کو کلام نے اپنی تفسیر روح الباقی میں لکھ دیا ہے کہ

والا دینی عدم القطع بھا

قلوبہم یسیر کیا جائے۔

اسی لئے میرا حقیقہ بھی اگر چہ یہی ہے کہ جس چیز کو خدا نے ہم چھوڑ دیا، ہم خواہ مخواہ اس کی نشانی میں کیوں سر کیا ہیں، خصوصاً جب اس کا کوئی قطع بھی نہ ہو، آخر اگر یہ متعین بھی ہو جائے کہ وہ گھبروں یا انجور یا حقل یا حیات ہی کا وقت تھا تو اس سے کوئی خاص علمی یا عقلی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا، لیکن اگر حضرت آدم کے اس قتل کو موت قتل کی حیثیت سے نہ چننا جائے، بلکہ اولاد آدم کی موجودہ زندگی میں اس قتل کے اہواز سے قطع اٹھانے کا ارادہ کیا جائے، تو اس وقت دوسرے اجزاء سے قطع نکل کر تے چلے ہیں، ان غیر کے متعلق یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن ہی میں جب یہ موجود ہے کہ پہلے چلے گئے، ان شیطان نے حضرت آدم کو کھانک

حل ادک انی شجرة الخلد

کہا، نہ توئی کو دل نہ رہی پہلے کے

درخت کی طرف۔

اور دوسری جگہ اسی کی تفسیر کرتے چلے شیطان ہی کی زبان سے یہ ادا کر دیا ہے کہ اس نے آدم کو دھوکا دیا تھا کہ خدا نے اس اشتر سے تم لوگوں کو اس لئے روکا ہے کہ اس اشتر کے استعمال کے بعد تم دونوں کو مخلوق حاصل ہو جائے گی، یعنی نکلنا میں رہا جاؤ گے تم دونوں ہمیشہ رہنے والوں میں) کا جو حاصل ہے۔

اب ایک طرف اس لئے کو سامنے رکھ لیجئے اور دوسری طرف سورہ ہمزہ کے اس مضمون حضرت کیے کہ آدمی مال اور مراد ہی کے متعلق خیال کرتا ہے کہ اس میں مخلوق کی کیفیت پائی جاتی ہے، اس کے بعد اگر یہ سمجھا جائے کہ حضرت آدم علیہ السلام جس عالم میں اس وقت سے اس کے سامنے خواہ کسی صورت میں وہ چیز پیش ہوئی ہو، لیکن آدم کی اولاد کے سامنے وہی آج مال اور مراد کی شکل میں جلوہ گر ہوئی ہے، تو جہاں تک قرآن کا اقتضا ہے، یہ خیال چندان بید نہیں قرار دیا جاسکتا، افعال امور پر خود کیجئے۔

۱۱) حضرت آدم اور ان کی جہی حو علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ

کلوا منا من اهل الجنة

ولا تقربا ہدن ۱۱ شجرۃ  
فکلوا من اهل الجنة  
جہاں سے جی چاہے۔ اور نہ قریب چلے  
اس درخت کے، کیونکہ وہ جہاں تک  
خود اپنی جگہ سے نکلے والے، یعنی کائنات میں جہاں تک۔

آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ اولاد آدم کے سائرنگ کی تمام ضرورتوں کی محتاج ہیں ان کو کھانک اور کھانک کی تعداد میں اس طور پر زندگی گزار رہی ہیں کہ صبح سے شام تک خوب کھا کھا پی پی چرتی چلتی رہتی ہیں، لیکن ان میں کوئی بھی اپنی ضرورتوں کے متعلق غلو اور بر پائی کی ضمانت میں سرگرداں نہیں ہے، ان سب میں صرف ایک آدم ناد ہے جو آج کی ضرورتوں کی تکمیل کے بعد کل کے متعلق ہمیشہ غرض رکھتا ہے۔ عدم اطمینان کی اسی کیفیت کے ازالہ کے لئے وہ اس چیز کی تلاش میں سرگرداں ہے جس کے حصول سے غلو بخشی کا خیال اس میں پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی مال اور مراد یہ گویا آج جو مل رہا ہے، کل دی مل رہا ہے سمجھا جاتا ہے کہ اس کی ضمانت مال اور مراد ہی میں مستور ہے، جیسا کہ تفصیل اس پر بحث ہو چکی۔

(۱۲) حضرت آدم علیہ السلام کے قتل میں ہے کہ شجرۃ الخلد کے کھینے کے ساتھ ہی ان کے قتل (چھلانے کی چیزیں) مکمل گئیں، آدم کی اولاد میں بھی یہی دیکھا جاتا ہے، بلکہ قرآن ہی کے حوالے سے گزر چکا کہ مال کی محبت میں جب جہی کی راہ آدمی اختیار کرتا ہے تو افسوس یعنی اچھی باتوں کی تکذیب شروع کر دیتا ہے، گویا یوں مال اور مراد کی محبت اس کے محبوب کو کھول دیتی ہے۔

(۱۳) اسی اشتر کے کھینے کا نتیجہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ اس صورت میں ظاہر ہوا کہ ان کو موت اور آخرت ملنے کا حکم دیا گیا، حق تعالیٰ کی درگاہ میں قرب کا جو مقام ان کو حاصل تھا اسی سے وہ اتار دیئے گئے، آدم کی اولاد میں بھی یہی دیکھا جاتا ہے کہ مال اور مراد پر مانتا ہوا حاصل کرنے کے بعد اس کے سارے احتیاجی تقاضات اسی مال کے ساتھ قائم ہو جاتے ہیں، نہ اور کھانک کے درمیان جو احتیاجی تقاضے رہنا چاہئے، وہ تقاضے باقی نہیں رہتے، تقاضے میں بھی یہی گھبراہٹ ہوتی ہے جس جہی و استغنی کے الفاظ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱۴) مال میں جیسے غنا بخشی کی کیفیت یہ ظاہر ہو گئی کہ موسوس ہوتی ہے، گویا آدم علیہ السلام جہاں تک پہنچ رہے ہیں یا جاتا ہے، اسی کھوئی پہنچ کی تکمیل کی ایک شکل مال میں پائی جاتی ہے، حضرت آدم کو بھی شیطان نے مجبور اور باتوں کے یہی کھانک اس اشتر کے استعمال سے چرنے کو حکم (فرقہ) میں سکتے ہیں، اس لئے خدا نے تم کو اس سے روکا ہے۔

(۱۵) شیطان نے اس شجرۃ الخلد کی ایک صفت ملک لایہی جی بیان کی تھی، یعنی ایک ایسی چیز ہے جو پڑائی اور کھنڈ نہیں ہوتی، مصافحات کے ماہر جو اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ فرسودگی اور کھنڈ دینا کی دوسری چیزوں پر جو قاری چڑھتا ہے، لیکن سنا دیا گیا کہ بات نہیں پائی جاتی، بلکہ کھنڈ ہے کہ وہی جی ایک ایسی چیز ہے کہ کسی کو فرض میں آگیا دیا جائے اور سو سال بعد واپس لیا جائے۔ تو نہ دینے والا ہے کہہ سکتا ہے کہ سو سال کی اس مدت میں تمہارے روپے پڑے

اسلامی صحافت اور فرمودہ چرگئے، اور مذہب نے والا واپس لیتے چرگئے یہ خیال کر سکتا ہے، بلکہ جس تو تازہ حال میں روپیہ دریا جاتا ہے، خواہ کتنی ہی مدت بعد واپس ہو، اسی حال میں واپس ہی جانا ہے، ایسی صورتیں جو پرانی نہ ہو، میں تو خیال کرتا ہوں کہ دنیا میں روپے کے سوا شاید ہی کوئی دوسری چیز ہو۔

۱۷) ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اسی شجرۃ النخل کی مزار میں بیڑا اور نرول کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ تنہا ہے بعض بعض کے دشمن رہیں گے، یعنی بعض کو بعض عدو آدم کی اولاد میں بھی آکر جتنے جنگڑے رگڑے، جنگ و جدال چوڑے پھاڑوں پر چوں یا بڑے پھاڑوں پر، آخری چیز ان تمام لڑائیوں اور جنگڑوں کی تہ میں موتا بھی مال و دولت ہی چوتی ہے۔

میرے ذہنی امتحان کے اسباب یہی تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کس حد تک صحیح ہے ہون و مانع میں ایک بات آئی تھی، مرقوں سے کشکد بھی تھی، اس کا انہار کر دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

حذو اللہ متانی و هو اعلم بہر ادا۔

بہر حال ان قرآنی بیانات کا تعلق قرآن سے تھا، جو مال کے ساتھ نہیں اور صحیح و سچا شیعہ دیکھتے ہیں، باقی ان ہی سرمایہ مندوں میں بعضوں کو جو دیکھا جاتا ہے کہ انصاری کی زندگی بسر کرتے کرتے اچانک کسی کسی کچھ دن کے لئے ایک ہی دن دو دن کے لئے کچھ ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں کہ یہ ظاہر محسوس ہوتا ہے کہ اب ان پر گویا امیر کی زندگی آسانی کی گئی ہے، شاید کسی قریب کے موقع پر وہی شخص جس نے ساری عمر ایسی گذاری جس کا گذرنا شاید کسی اور کی غریب قدری سہولت رکھنے والے کے لئے بھی دشوار ہو، لیکن یہی غریبوں سے بھی غریب تر زندگی رکھنے والا چند دقوں کے لئے امیر بننے کا مظاہرہ کرتا ہے، یا وہی جو تین چار سالوں سے کام لے کر تمام عمر غریبوں کی خدمت میں اضافہ کرنے کا ذریعہ بننے لگا ہے، ایک ایک شے کو غریبوں کی وجہوں میں پہنچا کر سیکڑوں اور ہزاروں روپے وصول کرتا رہتا ہے، اس طور پر وصول کرتا رہتا ہے کہ وصولی کی اس مہم میں کسی غریب کی لاچارگی یا چاری پر غور ہونے کے لئے بھی اس کا دل قس نہیں کھاتا، لیکن ناگوار دیکھا جاتا ہے کہ شہر کے کسی موڑ اور چرہ ہے، پر کسی پڑا یا آتش کے سامنے دھرم کے نام سے کسی بلند بالا اور بھارت کی تعمیر میں وہی اس لئے مصروف ہے کہ کتنے مانگوں کو آرام ملے گا، سا فراس میں بیڑا لے جائیں گے، یا انہیں قبیل چیرنی chauri اور خیرات خانے کے نام سے کسی بڑی رقم کا اعلان اس احساس کے ادھاکے ساتھ کرتا ہے کہ اس کا دل آدم کی بے سرمایہ اولاد کے لئے روتا رہتا ہے، مگر اس کے لئے اس کا کعبہ پشٹا جاتا ہے، انسانی چہرہ کے ان ہی خرفیہ جذبات سے بے کل چہرہ کہ کبھی ہسپتال موقوف ہے، کبھی مدارس کے لئے مشہور کر دیتا ہے کہ اس نے سابر ت جاری کیا ہے، غریبوں میں حق تقسیم کرتا ہے، حالانکہ یہ تعلقات لئے دن دنیا میں پیش آتے ہیں، لیکن سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ دنوں میں یہ سوال کیوں پیدا نہیں ہوتا کہ

نفل ابتلائی کے انکار کے بعد کہنے والے، سب کچھ جڑ کٹے ہیں تو کیوں کہتے ہیں؟ کیا وہ خدا کو خوش کرنا چاہتے ہیں، اللہ اور اللہ کی ذمہ داریاں ہی اگر انہیں یاد رہیں تو سرمایہ کے جتن کتنے ہیں وہ خدا کی رضایت سے بے چارے ہی کیوں رہتے؟ یہ نہیں تو کیا واقعہ غریبوں کی خدمت پر واقعی کیا ان کا دل دکھا ہے، انسانی برادری کے متعلق ان کے دل میں کیا رحم کا کوئی بندہ حقیقتہً منظم ہوا ہے؟ جی کی مالی فریبی موزوںوں کے خون بھی کسے چرتے سے پیدا ہوئی ہے، کیا سمجھ میں آتے کی بات ہے کہ ان کا دل غریبوں کی خدمت پر تڑپ سکتا ہے، مافلاس پیدا کر کے عام باشندوں سے امراض کے مقابلہ و مقادمت کی قوت جن کے قوتوں کی بدولت سلب ہوئی ہو، کیا ان ہی بے دردوں کو ان بیماریوں کی بیماریوں سے بھی کوئی ہمدردی ہو سکتی ہے؟ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے جب وہ خرچ کرتے ہیں، تو بیشا سوال ہوتا ہے کہ کیوں کہتے ہیں؟ آئیے، شیعہ، قرآن کی آیتیں سنئے، آپ خود نہیں سوچتے تو قرآن جو کہہ رہا ہے، گھرا لے اسے تو سوچا کیسے، ارشاد ہے،

صَالِیْ الذِّی یَتَّقِ مَالَهُ سَیَیَا

۱) انسان کہنے کے بعد اس میں جو چیزوں

۱) انسان و لا یروہا سب اللہ

۱) انسان و لا یروہا سب اللہ

۱) انسان و لا یروہا سب اللہ

جس سے معلوم ہوا کہ خرچ کرنے والے صرف اسی لئے حسیں نہیں کہتے کہ خدا ان کے اس خرچ سے خوش ہوگا یا خدا کی محنت کو اس سے قائم رہے گا، بلکہ خرچ کی ایک صورت وہ بھی چوتی ہے، جس میں یہ تصور ہوتا ہے کہ وہ سب ماعاد اللہ اس (لوگوں کو دکھاتا ہے) ان کے مصارف کا نصب العین ہوتا ہے اور یہ بھی بات کہ دیکھنے اور دکھانے کا تعلق خدا سے جو توڑ چکا ہے اب وہ دکھائے بھی تو آخر کسے دکھائے؟ جی کہ غریب بنا کر وہ اپنی امیری پیدا کرتا ہے، ان ہی غریبوں کی آنکھ میں اپنے دھرم مانا اپنے ہمتیوں سے، کچھ پرچھنے تو سرمایہ والوں کا یہ طبقہ خاک ہو جاتا ہے، مگر یہ بالسنی سے پیدا ہونے والی محنتوں کو اس نام پر سے چاہتا ہے کہ لوگوں کی مائشوں اور ریح مراہوں سے بدلے دے اور اسی لئے سیکڑوں چوڑی کی کٹنے والی بلی دراصل تاج کے لئے کرکشی ہے، بلکہ سب نہیں تو ایک بڑا اگر وہ ان میں ایسے بدیاخوں، سیاہ بیڑوں کا بھی چرتا ہے جو ریادان س کی اس کائنات سے ہی غریبوں کے قلوب کو ہز و تزلزل کے تیروں اور برہمنوں سے گھائل کرنا چاہتا ہے، تاکہ دوسروں کی تسبی ہو، اس خیال سے باوجود قدرت و اختیار کے اللہ کے خاص بندے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں خدمت کی زندگی گزارتے ہیں، انہیں اسی کے مت بل میں دوسروں کو تھلائے اور جلائے کے لئے اپنے مالی زور اور سرمایہ کی قوت کا یہ مظاہرہ کرتے ہیں اور جو ان کی نیت، نہ بھی چوتی ہو لیکن تقریباً بت سے ہٹ کر خرچہ کئے والوں کے سامنے، بات تو ضرور چوتی ہے کہ دوسروں پر ان کی دھندلی کا

میں صاف ہے، اس کی بنا پر یہ کہ دنیا میں جو ہمارا وہ لکھا ہوا آدمی ہے، مصروف اور مہلوس ہیں اس کا تذکرہ کیا جائے۔

بہر حال اب یہ چاہیہ کہ یاد رہے کہ دیکھنے کی بات ہے کہ عمر بھر کی غربت کی زندگی کے بعد چند دنوں کی امیری کے اس منہ پر سے جو اغراض ان کے پیش نظر ہوتے ہیں، ان میں کہاں تک کامیاب ہونے کا موقع ان کو دیا جاتا ہے اور ان کے ایک مثال یہ ان سے باہر ان کی اس کو دیکھنا کہ

خوشہ گشت مصروف علیہ توبہ  
فما صابہ دابن فخرکہ صلا  
لا یبتدرون علی طغی ما کبوا  
وہ لا یلا یحییٰ ولفی کفرین  
بچوں کو پٹن کو پٹا نہیں ہاتھ گتھی ان کو اپنی کمانی اور اشر نہیں راہنما  
فرمان ہے اٹھو لوں کی۔

ایک مطلب تو اس کا وہی ہو سکتا ہے، جس کا ذکر قرآن ہی کی دوسری آیتوں میں آیا ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی ان کا سارا کیا کر دیا جائے گا، اس طور پر برباد ہو جائے گا کہ ان مصارف کا کوئی اثر الہ کے ساتھ نہیں جائے گا، آخر خدا کو دکھانے کے لئے جو خرچ نہیں کرتا، تو اس وقت جب خدا ہی سے بدلہ پانے کی گھڑی سامنے آئے گی، اسے کیا مل سکتا ہے، جس لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے، ان کا ہر پہلو کو قیامت کے دن وہ تو بدلہ دے نہیں سکے گا، اور بدلہ اس وقت تقسیم کرے گا اسے دکھایا نہیں گیا تھا، قرآن کی اس تم کی آیتیں مثلاً

مثل ما یلقون فی ہذہ  
المیوۃ الدنیا کثیر مریح فیہا  
متر اصابت حرات قوم ظلموا  
افسوس منا حلتہ ووسا  
ظلموا اللہ وکن کا فوا  
افسوس من ظلموا  
اور ظلم کی قدر سے اس پر لکھا ہے، آپ یہ خود غم کرتے رہتے ہیں۔

فینقضونہا شہرکون علیہم  
حسرتا۔  
ہیں وہ خرچ کرتے ہی، پھر یہ جاننا کہ  
خرچ ان کے محبوب کی صورت۔

ظاہر ہے کہ جیسا کہ قرآن کے وہ بتا رہے ہیں جو مرنے کے بعد دوسری زندگی میں ان کے سامنے پیش آئیں گے۔

لیکن صفحہ ان میں چنانچہ مثالی جہد کی گئی ہے، جس پر اگر دھی جوتی ہیں، پانی کی ایک پوچار آتی ہے اور دھو دھو کر پھر اسے صاف ستھرا پاٹ بنا رہی ہے، اس مثال پر اگر غور کیا جائے تو یہاں والے مصارف یعنی بجائے خدا کے لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرنے والے جو خرچ کرتے ہیں، ان میں جس قسم کے اغراض خسروی یا غیر خسروی طور پر ان کے سامنے ہوتے ہیں۔ ان سارے اغراض پر موجودہ زندگی ہی کے حساب سے یہ مثال صادق آتی ہے، آخر میں پوچھتے ہیں کہ بیک کی آنکھوں میں دھرم سٹو اور ہسپتالوں کی خاک جھرتے والے سو خزانوں کو یا جو دے سب کچھ کرنے کے دینا یہ کیسی اچھے خانا کے ساتھ یاد کیا ہے؟ ممکن ہے کہ وقتی طور پر پاس اور شکر کے الفاظ پیش کرنے والوں کی طرف سے پیش ہو جاتے ہیں، لیکن شکر و شکر کی یہ اگر دو لوگوں کے خوب پر گنتی دیر تک بھی رہتی ہے، ان کی کہ ان دھرم سالے بناتے تو ان میں ہسپتال کو لئے واقعی کے متعلق یہ غیر شہر میں پسیتی ہے کہ ہزار روپے دیکھ کر غصے خوں پیا سے کی تاکہ روپے کی کو طی نیام کرادی گئی، اس کا یہ سارا کیا کر دیا کہ دھل کر نہیں جاتا، میں یہ چیت ہوں کہ وہ حکومتیں بھی تو جگہ جگہ ہسپتال قائم کرتی پھرتی ہیں، سرنگیں بناتی ہیں، پل بھی بناتے لگاتی ہیں، جس کے علاوہ مطالعوں، بیماری بیماری مصروف کے ذکر سے دنیا بھر کی اصلی ہے، صاف ہے اسٹیم اور ذرا شقیں کے ان سوداگروں کے متعلق آخر وہ میں کیوں رعاداری نہیں پڑا ہوتی؟ ہم جم کر کمزورہ گرد کیوں دھل دھل جاتی ہے، جبے بنی قوم کے خوب پر مشقت ترکہوں اور تیرہوں سے اس قسم کی ہلاک حکومتیں پھرتی رہتی ہیں، ایک یہ دلیل نہیں ہے اس بات کی کہ دنیا و انسان کے مصارف کا اثر ظہم ہی ہو، بلکہ تو بہت جلد زائل ہو جائے گا، ان کی گہرائیوں میں جو نیات ان کے متعلق جاگزیں ہے، جس ادب جاننے کے بعد وہی اجبر کرانہ پرستہ ہو جاتے ہیں، اسی طرح دنیا و انسان کے جس خرچ میں آنکھوں کا دکھا اور دونوں کا کھانا مشغور ہو، یا دکھانا نہ بھی اپنے مانی جلال اور سرب کی قوت خوب جا بہ مقصود ہو، خود ہی خیال کیے کہ دکھانے یا جاننے کے ان دونوں عمل کے اثر کی عمر بھی کتنی ہو سکتی ہے، اپنے بچوں کے حقیروں میں، عسکروں میں، شادیوں میں، منگے ٹولے، بھائی برائی دھل کر دکھانے کے لئے مشرق میں جو مصارف کئے جاتے ہیں، اور مغرب مشرق کی انتساب زریوں، پٹا خوں، دلوں، ہاجلوں، ارض و سرور کی محنتوں پر ہنسنے والے اور پواسر کے باخشدوں کے متعلق ان ہی مالک کے خیالوں کی زبان پر جو خبریں جاتی ہیں کہ معمولی روز مرہ دوست اجاب کی دھو توں میں اڑانے والوں نے برائوں اور پیر تو سے لگائے ہوئے رنگ رنگ کے چنگوں کو کھانا کھانے کے بعد یہ کہنے پر ہے، اڑا یا کہ صرف اسی دھوت کے لئے ہزار روپے خرچ کر کے پریشانی زندگی میں ان کی لئے شکرانے کئے تھے، (دیکھو اہل امی می مشغول) یا پھول کے گدھتوں کی جگہ ہر جہان کے لئے موقوفوں سے ہزار ہا ایک ایک صدق صادق رخصت کے وقت دیا گیا، یا سکر پینے کے لئے ان کے سامنے جو کاغذ تقسیم کیا گیا، وہ تو تھوڑے بڑے ٹوٹا ٹوٹا کاغذ تھا، اور اسی قسم کے کامان سی مصارف کے آخر وہ بتا کر آپ ہی بتائیے کہ

کشتل صفوان علیہ فرام  
 فاصابہ وابل ففرکہ مسلدا  
 سہات دینا

کے سوا کچھ اور بھی ہوتا ہے،

آپ نے اپنی فوجیں سب کی تقریب کی یاد کو مانتوں میں منحوش کرنے کے لئے ناگہانوں  
 فاکہ اڑا دیئے تھیں آپ کی فوجیں بہر حال آپ ہی کی فوجیں ہیں، دوسروں کو آخر تک مجبور کریں گے  
 کہ وہ آپ کی فوجیں سب کو ان کی شادی کو خواہ مخواہ چا دیں کہتے چلے جائیں، کب تک؟  
 دن دو دن انرا سے زیادہ ہلکا دھڑکتا، بسلا اس کی فرصت موجودہ کل کل کی زندگی میں کے  
 ہے کہ تمام مشاغل سے دست بردار ہو کر وہ صرف اسی سبق کو گھومتا اور رشتا چلا جائے کہ فلاں صاحب  
 اپنے صاحبزادے کی شہ میں اتنا رویہ مرن کیا، اور صاحبزادی کی شادی میں اتنا شایا، کن کن ہتھوں  
 اور کیسے کیسے کشی راستوں سے لوگ روپے حاصل کرتے ہیں اور آسری کی کیسی کسی حشرات، منیت  
 مایوں میں یا جو قدرت و قوت کے اپنی اور اپنے بال بچوں کی زندگی گزارتے اور گزارتے ہیں،  
 اور سب کچھ اس لئے کرتے ہیں تاکہ لڑکی کی شادی کے دن اپنی امیر کی منشا ہو کہ وہ قد ان کو  
 میرا جائے، ان کو موخر دیا جاتا ہے اور ساری جمع کی کرائی دولت ایک دو دن کے اندر بارشوں  
 اور حوصلوں کے قدموں پر تار کر دی جاتی ہے، پھر اس گردے کے سوان کو اور کیا ملتا ہے جو کچھ  
 دن کے لئے پہلک اور عام منقوش کے دماغوں اور دلوں پر پہنچتی ہے، جنہیں نہ آپ سے تعلق ہے نہ  
 آپ کے بچوں سے نہ آپ کے معارف سے گویا ایک پٹا ہے جس پر آپ کا کوئی اغلوئی اثر  
 نہیں ہے، کسی پٹا پر گرد پہنچتی ہے اور وصل جاتی ہے، بگلی سی پر چار اس کے دھو دینے کیلئے  
 کافی ہوتی ہے، بہر حال میں طرح دیکھئے،

فیہنفتونہا مشفقون علیہم  
 پس خراج کریں گے اس جمع کی ہوائی  
 دولت کی اور وہی دولت بن جائے گی

حسرت و غم۔

کے سوا آخری انتہام گریا دلالتاں کے ان مصارف کا کیا کسی کچھ اور بھی ہوا ہے؟

پس حاضر دہی ہے کہ ہر خدا کے لئے خدا کی منقوش پر خراج نہیں کرتا، ان ناشکروں کے مصارف کو  
 پر خراج دانا حاصل بنانے کو دیا جاتا ہے، اس لئے بڑے سوچنے والوں کو کسی بات کے سوچنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے  
 کہ خراج کرنے کے بعد سوچتے ہیں تو حیرت و ذہانت کی آگ ہی پانچیں لوٹا پڑتا ہے، پرانی قوموں کے  
 مشعل قرآن میں ذکر کیا گیا تاکہ پیغمبروں سے پوچھتے تھے،

انتہی کل ریح ایہ فبشور  
 ہر دین میں عداوتوں کا کوئی ماحول نہیں رہتا ہے

لیکن ان کے مشعل تو سبھا جاسکتا تاکہ عقل ارتقاء کے مہد ان میں ان کی دماغی صلاحیت  
 کے قریب ہی ملے، اس قسم کی عداوتوں کا ارتکاب کرتے تھے، لیکن ارتقاء کی آخری منزلوں پر جانے  
 لئے دماغی دماغوں کو بھی جیب دیکھا جاتا ہے کہ شکر کے ہر ہر پر اسٹیج پر اگر رسے ہیں یا رکوں  
 اور ہنرہ نازوں کے بیچ میں پتھر کی سورتیاں بٹھا رہے ہیں، ان پر بھی اور ان میناروں اور دوسری  
 جن کے اندر دگری ہی سے کسی کو پتہ مل سکتی ہے، اور زمری ہی میں وہ کسی کو اس دے سکتے ہیں  
 انھوں نے کہ روپے ہر سال خرچ ہوتے ہیں، ان ہی لوگوں سے چین چین کو خرچ ہو رہے ہیں جنہیں  
 خرچہ پانے کے لئے کھاس کا چمچ بھی بھنگا ہوتا ہے، چھٹ پاتھوں پر بھی بیٹھے کے لئے جن کے  
 پانس ہنرہ نہیں ہیں، اخباروں کے سوانہ سے کے لئے بھی جو بیارے اپنے پاس کوئی مسلمان نہیں  
 کھتے، اناس کے دکھانے کے لئے آپ ہر سال خبروں کی کمالی چوٹی آغزوں کو اس طرح جو چونکے  
 خراج اپنے روشن داغ اور ترقی یافتہ حلق سے کبھی آپ نے پوچھا ہیں کہ آخر کیا چور ہے، کیوں پہل  
 ہے؟ جو سرکے ہیں کیا پتروں میں ان کی شاہتوں کے قائم کر دینے سے جو سرکے ہیں کیا واقعی وہی ہوتے  
 ہیں، چنگا ڈول کے سوا جن گنبدوں اور میناروں میں ان کوئی بس نہ سکتا تھا، ان کو ڈھک ڈھکوں  
 کے تیر ہونے والے میناروں اور گنبدوں میں واقعی، عجبت ہے کہ جو دھڑکے چکے چکے دھڑکے دھڑکے  
 خراج اور ہر کچھ اسے دھڑکے دے؟

واللہ لا یجوز ان یخلفوا فیہ  
 اور اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتا کہ

خبر آپ خوب خواہیے، ابھی خرچ سوچے اس کا کوئی اور جواب آپ کو کسی حیثیت سے کسی ہی نہ ملے  
 دہ مرتے کی بات ہے کہ جیتی جاگتی صورتوں کو تو جو کوئی مانتا ہے، اور مردہ تصویروں اور پتھروں کے  
 مشعل دھڑکیا جائے کہ اس سے فتویٰ ملے میں زندگی پیدا ہوتی ہے، اور نہ زندہ ہوتا ہے تو کس کا  
 کی روح سال ہوتی ہے،

افساکم ولما فبشور  
 تم پر جتے ہیں

ان ہی خرچ کرنے والوں میں ایک طبقہ جو ان لوگوں کا ہے جن کے سران میں اتنی ذرا دہیوں  
 کے مشعل تو ایک جہ بھی نہیں چرتا، لیکن خود اسی سرانہ کو کھڑکھڑات سے محنت دیکھنے کے لئے دل کو لکھ  
 کرتے ہیں، قرآن میں ایک عجیب شاہان لوگوں کے مشعل ہی پایا جاسکتا ہے، وہ قبیلہ بنی قریظہ  
 احکامات صلا لیسد - کہا یا میں نے مل ڈیروں۔

آخری کو خوب کیا گیا ہے، وہیں ایک فقرہ بالکل اسی کے مشعل یہ بھی تھا یعنی  
 ایسبائی لیس فیکر علیہ احل  
 کیا خیال کی کہ کس پر کس کا

دوسروں سے مجھے بحث نہیں، لیکن میرے خیال میں اس آیت کے متعلق جو بات آتی ہے اسے عرض کرتا ہوں، مطلب یہ ہے کہ ماہل اور سواہ میں خود بخود کسی کی قوت پاکر توجہ و تہ کی تیروں پر محفل کرنے والوں کو متنبہ کیا گیا تھا کہ صرف یہی نہیں کہ ان کا یہ خیال غلط ہے، بلکہ منافق کے اس پیر میں الجھائے جانوں کو اس وقت بھر کس نکال دینے والی آلاء اور ایک ایسی نسیانی کیفیت میں جھونک دیا جاتا ہے جو اپنی اندرونی لکھ کو بے حسیت میں چور کر رہی ہے اور دوسری بارے باطن کے ان ہی آنکھیں کینیاں میں اٹھتے پھرتے رہتے ہیں، اسی طرح خراج کرنے کے متعلق یہ خیال کہ وہ خطرات سے محفوظ کر کے آدمی کو اپنی زندگی بسر کرنے کا موقعہ عطا کرتا ہے، میں بحث ہوں کہ مذکورہ بالا سوال یعنی توہ کیا خیال کرتا ہے کہ بس نہ چپے گا اس پر کسی کا جس میں بھی گویا چرکیا گیا ہے کہ خطرات سے محفوظ ہو جانے کے مقصد میں وہ کیا بھروسہ یا ناکام ہو رہا ہے۔ اس کے پتہ چلانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس سوال کو اپنے دل میں اٹھائے اور سوچے کہ دولت کی خواہ جتنی بڑی سے بڑی مقدار اس مقصد کے لئے خرچ کی جائے، پھر بھی آدمی کیا اپنے آپ کو وہ اپنے سرمایہ کو خطرات سے محفوظ پاتا ہے؟ میں میں نہ چپے گا اب اس پر کسی کا اسی سوال کو، شاکر دیکھئے اس کے دل کا اس کے دماغ کا احساس کیا ہے؟ بلاشبہ جب سوال ہے، وہی نہیں جو بیچارے انسان خطرات کی راہ میں دس بیس ماہد خرچ کرتے ہیں، بلکہ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر کہ وہ ہرگز اس حق کو کچ تو اہم ہر ادب کے خرچہ کیلئے والوں کو گناہ دیکھ جاتا ہے کہ خرچہ کرنے کی حد تک تو وہ مسترح کرتے رہتے ہیں، خوب خرچہ کرنے رہتے ہیں، لاکھوں لاکھ تھرا دالی فرجیں رکھتے ہیں، مافی سے اپنی پشیمار اور اسلوب تیار کرتے ہیں، لیکن وہ بیوقوفانہ کرتے کے لئے اپنے سرمایہ کا تقریباً اکثر و بیشتر حصہ اسی ماہ میں بہاتے رہتے ہیں، احوام کی ہمدردیوں کو حاصل کرنے کے لئے ان کے پیٹ کو زہریلی پادوں میں کو آرام پہنچانے کے لئے ریلوں بناتے ہیں، سڑکیں تعمیر کرتے ہیں، حوام کا کام نکالنا ہوا زنگن ہوا، لیکن کچھ ہی ہیں کہ ان ہی کو ڈھکی لٹھ بنانے کے لئے تقسیم گاہیں کھولتے ہیں، ایجنور مشیناں قائم کرتے ہیں، انیس باوجود سب کچھ کرنے کے دوسرے ہی نہیں وہ خود میں جلتے ہیں کہ قرآنی سوال،

ایک حسب احوال یقیناً علیہ لعل کی نہیں کرتے وہ کہ اب میں بچہ

کے جواب میں نہیں کہ سوائی اربوں بلور مکیروں کے خرچہ کرتے والوں کی طرف سے بھی کم از کم اس وقت تک تو کوئی دوسرا جواب نہیں ملتا ہے، ایک خطرہ تھا ہے، تو وہ من خطرات و انت نکالے پرور سے یکم سے دو کسے اقم سے جمانے گئے ہیں، ہر صورت سے صورت سے عرصہ کے بعد تیرا، مکی بڑی سے بڑی مقدار ان ہی سرنگلے دے خطرات کی راہ میں آگ اور دھواں میں جن کو قرآنی آیت

جہاں منور احوال کا فواید لعل جس میں چکر گیا جو کہ کیا دھواں انہوں نے اور بے خبر ہو کر دیا، کچھ نہ کرتے تھے۔

کا حق شافرت پذیر نگاہوں کے ملنے پیش کرتی رہتی ہے، خرچہ کر کے چھوٹے دائروں کے خطرات سے اس قسم کے خرچہ کرنے والے پاتے ہیں کہ وہ محفوظ ہو گئے کہ چانگ اس سے بڑے خرچے کو دیکھتے ہیں کہ سر پر گزارا دھار رہا ہے، آدمی یہ کہے کہ خرچہ کر کے، ہمارا کیا جس میں خرچہ کرتے والوں کے قتلے ساتی ہے، ساتی جاتی ہے، ایسا ہی جاتی ہے کہ خرچہ کے ہر پلانے پر خطروں کا لوگوں کو شکر رہتا پڑا کتنے دن کی بات ہے، ابھی ابھی گزری ہے، آدمی دنیا اور اس کی پیداواروں کا شخصی مالک نہ جس کے ذاتی مصارف کی فہرست تیار کرتے والوں نے یہ تیار کی ہے کہ۔

جو فری پہننا خدا وہ سلم ایک بگ بگ بگ کرنے والا گویا ایک شہوت خا ایک نہیں، اذ بے بے بے موتوں کے ہار اس پر پلے چڑے تھے، ملنے سب سے اوپر ایک نعل تھا، جس پر الماس کی ایک حلیب چڑھائی گئی تھی باہ میں ملکہ کھڑا تھا، عدا خدا جو موت زرخا لعل سے ڈھا گیا تھا، جس کے اوپر رنگ رنگ کے انمول جو اہر چڑے چڑے تھے، دھماکے سرور ایک ٹوٹا الماس کا، اور اس کے سوا بھی وقت فرقا استعمال کے لئے اس کے خزانے میں جو جو اہرات رہتے تھے، جن میں الماس، زمرد، یا قوت و خور سب ہی طرح کی چیزیں تھیں، جس کی مجموعی قیمت کا اندازہ اسٹی لین پونڈ (ایک ارب بیس کروڑ روپے) سے کی جاتی تھی، اور جن میں بعض جو اہر کی نمونہ ہزار ہزار سال سے ہی متباد تھی۔ اہلال و میر ۱۹۱۲ء

لیکن وہ بھی جب واقعہ ثابت کر دیا کہ فیض رعلیہ، احد انہیں قابو میں نہ کر سکا، کسی کا حق کے مقام تک نہ پہنچ سکا، اور ہزاروں کسی دے بیسی وہ بھی اس کے بچے بھی اس کی جمود پوری بھی جس کے سامنے تڑپا کر ذبح کئے گئے، تو میں میکینوں نے خود اپنا اور اپنے عزیزوں بلانے و تھرو اور دوسرے حق داروں کا پیٹ کاٹ کاٹ کر ہزاروں لاکھ و خور احد انکی صورت میں کچھ سرمایہ میں کر رہا ہے، کس بنیاد پر ان خزانوں سے اس کی توقع کی جا سکتی ہے کہ ہر ایک کے قابو سے باہر چھلانے کا دھمکی کے خطرات سے اپنے آپ کو محفوظ محسوس کر سکیں؟

خلاصہ یہی ہے کہ اپنی سبلی معیشت میں اندر اس کی جائزہ کہ جو ذمہ داریوں سے اغراف و غیر ارض کرنے والوں کو نہ تو سرمایہ کے جمع ہی کرنے میں چھین کی صورت میں آتی ہے اور نہ خرچہ ہی کرتے ہی سکے نہ تاکوئی حشر انہیں نصیب ہو رہا ہے، دیکھا ہی ہا رہا ہے، اور قرآنی میں جو کچھ سنگی ہے جس کا حاصل ہو رہا ہے کہ اضطراب اور بے چینی، تڑپ اور حق و خش اور تپش، سوز اور جلی، درد اور کرب گھٹن اور کڑھن کی سانس ان کے اندر ہی جاتی ہے اور وہی باہر ہی آتی ہے، اس ہی بدبو تیش گرم گرم سانسوں کے ساتھ، جتنے ہی جس اور جس دلی مرتے ہیں تو آخری سانس بھی ان کی باطن ان ہی ستن گندی کیشتوں میں ٹوٹتی ہے، مرتے سے پہلے ہی تقدت کا انتقام ان کے سانس جو دم کی

۱۷ صحیح ہندی دھرم تیرہ سو سال سے کہ گنگا سریشی میں آیا ہے کہ جب تک وہ نہ بن جائے تب تک ہندی دھرم کے منہ پر خلیفہ میں اپنے تئیں کے متعلق بتائی اور وہوں کے حکمرانے کے گرد گھومتے دے اپنے آپ کو پائیں کہ گنگا شریا افرات فریض میں بطور دم خیریتہ جیوتی میں شرف فرم قبول آتا لگتا نا کر کہ ان کا حال ایک ایسے سانپ کی شکل میں ہو گا جس کا سر بالکل بکھن ہو گا جس کے چہرہ وسیلہ سے نہ بنے ہو گئے پٹ لیا گیا ہے کیوں کی کہ ان سے انہوں کے دلوں پر جڑوں کو پکڑے گا کہ وہیں ہوں تیرا دل میں ہوں تیرا دل نہ چکا  
حکمران علی شاہ نے ہمیں فرما کر ایش چکر کو دست فریضہ میں گائیں نے اور گنگا میں جڑوں میں پکا اوٹوں اور دوسرے شریوں کی رکنا ادا کر کے  
حکمران کے تئیں کہ وہاں ہی جاؤ اور وہاں انہیں دفن کیا جائے گی جس کے سوتے اسپتالی کی تئیں آگ میں چائی جائیں گی اور وہی ہو گئے  
اور وہی بنائیں اسی کی تئیں اسی چائی ہوں تئیں سے واقعی جائیں گے۔ اے امت ان لوگوں کو ایش حاکم جس چو کی کہ وہوں دیکھا  
تو کہ جو جانا ہے اس کے صاحب سے تیرا علی حشر دھرم سے پیاس پڑو مال اس کی تیرا پیاس کی ہے اختلاف شروع ہو گیا ۱۷

دیکھنے والوں نے دیکھ کر ہسی کو غلطی کی ایک جہت میں پھانسی پڑی ہوئی اس کی کھٹکلی ہوئی ہے اور غلطی کے نتیجے میں اس کے ہاتھ کاٹ لیا جاوے گا اور یہ رقم بڑا ہوا ہے جس کا غلطی ترجمہ ہے۔

مجھے اپنی طویل زندگی میں تجوہ ہو گی کہ راحت کی کاغذی انگریز ہے تو وہ بے کے ڈیروں میں وہ نہیں ملتی، میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر رہا ہوں، اس لئے کہ تھائی اور اندرونی سے میں عاجز آ گیا ہوں۔ جس وقت نیویارک میں میں معمولی فرد درخت اس وقت مجھے سمرت حاصل تھی۔ لیکن آج کو ڈروں کا مالک ہوں مگر میری اندرونی کی انتہا نہیں، اور ایسی زندگی پر میں موت کو ترجیح دیتا ہوں۔

اور یہ کوئی مادہ واحد نہیں ہے گھر میں امریکہ کے ارب پتی کا یہ قول گزر چکا کہ  
"تاکہ تھی آدمی مسکرا نہیں سکتا"

راک جیڑ کے یہاں کا بھی کہیں ذکر آیا تھا کہ سب سے بڑا مفلس وہی ہے جسے روپے کے سوا اور کچھ نہ دیا جائے۔ اسی اخبار کا ہی میں یہ خبر بھی شائع ہوئی تھی، جس واپس نامی انگلستان کے نامور رئیس تھے، مولانا عبدالمجید صاحب (دیوبند) نے ان کا تعارف کر لیتے ہوئے لکھا تھا کہ ملک (انگلستان) کے نامور امرا میں ان کا شمار تھا، بڑے ذہین اور صالح مشہور تھے۔ ان کی وجہ بوجہ کا لوگ بول مانتے تھے، حالات یہ تھے کہ آج ایک خیر کھول کر فکھوں کا کھکا کھکا ڈیر لگا دیا، کل روٹی کے کاٹنے جاری کر کے روپے کا انبار لگا دیا اور سوں گھوڑوں کی بازوؤں میں بازی لگا کر فکھوں کا کھیت کیا۔ ایک روز برکے نام کی فیکٹری کے مالک چوگئے کہ دولت و ثروت غم و غصہ کے ساتھ موسائی میں گھٹنے لٹنے کا بھی بڑا شوق رکھتے تھے، شاہی خانوادے تک رسائی تھی۔ ان مرض میں ہی نہیں بلکہ عداوت مالک یعنی اس راہ کے سر پٹے کے ماہر و شاطر تھے، لیکن چوہا کا مولیٰ ہی ارقام فرماتے ہیں،

ایک دہی جب اشکستہاں میں ٹینک سو روچ گھر میں کا بند لوگ مار رہے تھے۔ دیکھا گیا کہ بند کر کے یہاں سائش سے خالی ان کی لاش پڑی ہوئی ہے، مرنے والے ایک غریب بھی تھی جس میں کھانا تھا۔

(تجزیہ)

تھوٹ کے دروازے پر قدم رکھتے وقت اپنے آخری مضمون میں اس شخص کے نقطہ نظر سے موجودہ تمدنی زندگی پر تبصرہ کروں گا جو مغرب و خلیج پر رومانہ ہو رہا ہے، میں نے یاد شاہوں تک کی مزبانی کی ہے۔ بڑے بڑے امراد اور والیاں ریاست سے میری بے غفلت کا یا رمانہ رہا ہے، سیاسیات کے حلقے میں بھی رہا ہوں، ایک خلیج کا ملک بھی رہا ہوں، ایک ایک دین میں ساڑھے سات سات لاکھ پونڈ (گویا ایک کروڑ بیس لاکھ) کی

دو بات کمائی ہے، اخبارات کا حصہ دار رہا ہوں، گھوڑ دوڑ کی بازی میں ایک ایک لاکھ پونڈ جیتا رہا ہوں، مائیکسٹر ایک اپنی اسپیشل ٹرین پر چلے جوں، اس لئے موجودہ زندگی پر اسے دینے کا حق رکھتا ہوں؛ آج میں اپنی زندگی کے آخری دن جب کہ ماضی کے سارے شے جلدی جلدی میرے پیش نظر ہوں، اب مجھے نظر آ رہا ہے؛

موجودہ تمدن بجز دس دواجنش نفسانی صفت جاہ کے  
لگا کر کے اور کچھ نہیں ہے، جذباتِ عالیہ اور قوتِ اخلاقیہ و  
خیالی میں ہوس، اور ان کی بجائے ایک نفرت انگیز جنگاں برپا ہے،  
ایک طرف شہوتِ مادیہ، شہوتِ زرا، شہوتِ زن کا زور ہے، دوسری  
طرف برعکس دنیا فطرتِ جدید کے جن میں مبتلا ہے، ہر شخص پر دوسری  
سوانح ہے کہ محنت کم کرے اور دوسری زیادہ لے اور کچھ بے خوب  
اٹالے کو ملیں، ازہرستی کی اس خدمت کو دیکھ کر دوسرا راضی ہے  
دلی دھڑک رہا ہے، میں خدا کے آگے جھکتا ہوں، میں اسی سے ٹوٹتا  
ہوں، میں قمار بازی کی مصیبت میں مبتلا رہا ہوں۔ اس کی سزا مجھے  
ملنی چاہیے۔ (ج ۲۔ ج ۳) (مجموعہ مکتوبات)

وہیں اس شخص کو دیکھ کر بخون لہ  
معوشتہ ضحکا۔

کی مشاہداتی اور تجرباتی تفسیر کے لئے کافی ہے، اس کا تویہ ہے کہ ذکرِ اشد سے اعجازی زندگی انتظام کے تجربات کو آئے دن پیش کرتی رہتی ہے، جس پر گزرتی ہے وہی نہیں، بلکہ وہ بھی اندرونی مکمل مکمل کے اپنے ساتھ آگاہ کے مشاہدہ کے ساتھ اس اوقات موقعات میں رہتی ہیں، جو ظاہر سکھ اور دھیت سزا سرد دکھ بھری زندگی رکھنے والے لوگ مبتلا رہتے ہیں، اپنے اپنے بنگلوں، طرح طرح کے گلوں، پر شوکت سوار یوں کے درمیان خدیم خدیم کے جبرٹ زندگی ہے یا کوئی موقعات ہے ہم تو اس دینے کے ہاتھوں مرے

۱۰

خشب کا اجنبی اس زندگی میں ہمیں یاد دلاتا ہے  
اور اسی قسم کے اشارہ پر سر دھتے پایا گیا ہے  
موت اس لئے ڈا شاعر ہے کہ

موت سے پہلے آدمی غم سے نہایت ہائے کیوں



خیم ہستی کا اسے کسی سے جو جز مرگ عطا ہے  
 خیم ہر رنگ میں خلق ہے سحر جوئے نیک  
 جیسے اشعار میں وہی بات کہہ دی ہے جو ان کے دل میں تھی مگر مرحوم کے ایسے اشارہ  
 غریب الکر کے گرد کیوں ہیں جناب و غلطہ کنی کہہ  
 اسے ڈراتے چہرے سے کیا وہ زندگی ہی سے ڈر رہا ہے

یا

اپنی مرض کے مطابق دہر کو کیونکر کروں مجھ کو بے مددختہ آتا ہے مگر کس پر کروں  
 سن کر ہیٹھ ترپتے اور پھرتے ہی دیکھا گیا ہے، جس کی وہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے  
 کہ جو کہ ان کے اندر ہوتا ہے، اسی کی عین تازی یہ اشعار کر رہے ہیں۔ آج بھی کسی کو خلق جو  
 لکھنے یا توحید سے لاپرواہ ہو کر بسلی میشت رکھنے والوں کا تجربہ ان اشعار کو سنا کر وہ کر سکتا ہے  
 کسی جیس میں جہاں اس طبقہ کے لوگ جمع ہوں، آپ مذکورہ بالا اشعار یا اسی مفہوم کو دوسرے  
 شاعروں نے بکثرت اپنے شعروں میں ادا کیا ہے، انہیں سنائیے اور پھر دیکھیں تمنا۔ دیکھیں کہ  
 اپنے دل کے حالات کا آئینہ ان حرکات و سکنات کو کس طرح بنا رہے ہیں جو ان اشعار کے  
 سننے کے بعد ان پر طاری ہوتے ہیں۔

ابتہاں ایک سوال چلتا ہے اور یہاں سوال ہے کہ قدرت کے ان نظریہ زووں کو  
 جگتے اور جگتے رہنے کے باوجود پھر کیا ہے کہ ان میں کوئی بھی بسلی میشت سے بھی دستبردار  
 ہونے کو تیار نہیں ہے، اور زناخرازی طریقہ عمل کو ترک کر کے بازگشت پر کوئی آمادہ نظر آتا ہے  
 اگر واضحی ان ہی گفتوں اور سوزشوں میں ان کی زندگیوں میں جلتی اور بجتی رہتی ہیں۔ تو ایسی کو کسی  
 چیز سے جو انہیں اندر ہی اندر پکڑے رہتی ہے، سب کچھ کہتے ہیں، سب کچھ کہتے ہیں، عقل رکھتے ہیں، ہوش  
 رکھتے ہیں، احساس رکھتے ہیں، جب پاؤں پلٹ گئے ہیں، پھر کتنے ہیں، پھر وہ کیوں نہیں  
 پلٹتے، کیوں نہیں پھرتے؟

اب میں اس کا جواب کیا دوں، حالانکہ پڑھا جاتا تو قرآنی ہی میں اس کا جواب  
 بھی مل سکتا تھا، لیکن مصیبت یہ ہے خصوصاً اس زمانے کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ  
 جن ان دیکھے اسباب و مصلحت کو بتانے کے لئے پیغمبر آئے تھے، ان ہی ان دیکھی باتوں کو دلیل  
 بنا کر پیغمبروں کی پیغمبری اور انبیاء کی نبوتوں میں شک و تازی کی جا رہی ہے، طبیب کے پاس مریض  
 اسی لئے قریب آتا ہے کہ مرض کے جن اسباب کا پتہ اسے نہیں چل رہا ہے، طبیب سے ان کا مسلم  
 حاصل کرے اور اسی کے مطابق طریقہ علاج اختیار کرے۔ لیکن مرض کے جن مصلحتی اسباب کی طبیب  
 نشان دہی کر رہا ہو مریض اگر ان ہی مصلحتی اسباب کو دلیل بنا کر طبیب کی خیانت ہی کا انکار کرنے لگے  
 کہنے لگے کہ اپنے مرض کے جن اسباب کو میں جانتا ہوں چوں کہ ان اسباب کی تم نشان دہی نہیں

کر رہے ہو، یعنی جو کہ میں جانتا ہوں وہی جو تم نہیں بتا رہے ہو، اس لئے تمہارے طبیب ہی مجھے پڑ  
 مجھے بھروسہ نہیں، بتائیے کہ اس قسم کے مالی خرابیاں رکھنے والے مریضوں کا علاج دنیا کا کوئی طبیب  
 کر سکتا ہے؟

حواس اور عقل کی راجوں سے بین چیزوں تک آدمی کی رسائی ممکن نہ تھی، ان ہی چیزوں  
 کے بتائے اور ان ہی کا علم دینے کے لئے تو خدا نے نبوت اور وحی کی نئی راہ کھولی تھی، لیکن کہنے والے  
 اگر اس پر اصرار ہو کہ ہم وہی اور صرف وہی مانیں گے جسے ہم پہلے سے جانتے ہیں، تو آپ ہی بتائیے  
 کہ ایسے ذہنی انحطاط کے مریضوں کے لئے پیغمبروں کی پیغمبری اور نبیوں کی نبوت ہی کی کیا  
 ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

یہی سوال ہے، کتنا اچھا، کتنا معقول سوال ہے، دکھ اور دکھ کے اسباب سے انسان  
 خطرناک جانتا ہے، انحرافی زندگی اگر دکھ ہے تو چاہیے خدا کی آدمی اس سے بھاگتا، نہیں بھاگے گا  
 کیا، دیکھا تو یہ جانتا ہے کہ بڑے بڑے دانشور کا خود دن بدون اس میں بڑھتا ہی چلا جاتا ہے، تنہا  
 حلقوں میں جکڑنے والے کو شام رہتے ہیں کہ نذر مصلحتوں والی زنجیریں ان پر جڑ جادی جائیں  
 یوں ہی ہزاروں لاکھ لاکھ لاکھ والے جہاں تک جاسکتے ہیں، جاتے ہیں قطعاً کسی نہیں کرتے  
 یہ بھی کہتے ہیں کہ کچھ بچی کبھی مسکرا نہیں سکتا، لیکن جو کچھ بچی ہیں وہ کر دہنی بننے کے لئے اور کر دہنی  
 اور بچی بننے کے لئے بے چین نظر آتے ہیں، پھر یہ فقہ کیا ہے؟

اب آپ مانیں یا نہ مانیں، لیکن قرآنی ہی میں اسی ذکر اللہ سے انحراف کی پاداش میں  
 اس دور میں مصلحتی سزا کا جو ذکر کیا گیا ہے، یعنی ارشاد ہے،

وَمَنْ يَشِ عَنِ ذِكْرِ لَوْ حَسِبَ  
 اور جو انکسیر چلا ہے، رحمن کی یاد سے  
 نفیض لہ شیطا ناخولہ قرین  
 تو جیسے لگا دیتے ہیں ہم اس کے ایک  
 (نہف ۳۷)

اور یہ ہے درحقیقت عقلی میشت اور تازی زندگی کے پہل کا وہ عقلی خبر مرئی درخت جس کے چل کا مزد تو  
 ان میں سے ہر ایک کو پہنچتا ہی پڑتا ہے، جس کی زندگی و ذکر اللہ سے کٹ کر گذرتی ہے، اب آپ ہی  
 بتائیے کہ درخت ہی جب تک اکھاڑا نہ جائے گا، چل کے پھلنے کو کون روک سکتا ہے، کیسے روکی سکتا  
 ہے، اور انسانی فطرت کے جگر میں جڑ قائم کرے والا ہی وہ درخت ہے جس کے اکھاڑنے اور کاٹنے  
 کی کوئی شکل اس کے سرانہیں ہے کہ جس چرکی حرارت سے وہ مرجھاتا ہے، اور جگر کرنا ہے، گرتے  
 کے بعد خود بخود اس کی بڑھ نکل جاتی ہے، اسی حرارت کے پتہ کرنے کا سامان کیا جاسے۔

جو نہیں جانتے کہ خود میں کیا ہوں، وہی پوچھتے ہیں کہ یہ شیطان آؤ کیا بلا ہے، گمراہ  
 دینے والے اس کا کیا جواب دیتے ہیں، لیکن میں تو سمجھتا ہوں کہ وہ بیچارہ کچھ نہیں ہے، صرف قدرت کا  
 ایک انتقامی تازیانہ ہے، پیدا کر کے والے نے انسان کو جس نصب العین کی تخلیق کے لئے نہیں کے

اس کو رہ بے پایا ہے۔ جو جس حد تک اس کو دنیٰ منصب العین سے ہٹا ہے۔ ذر کے والے کوٹے کی شکل میں وہی ان پر برستا ہے، برستا پڑتا ہے، شیک جیسے بل سے نکلنے والے چھوٹے کوئی دروچ لیتی ہے، اپنے منصب العین سے ہٹنے والوں کو الشیطان بھی اسی طرح دروچ دیتا ہے، اس کو اسی لئے بنایا گیا ہے، یہی اس کا کام ہے، ایک جگہ نہیں قرآن میں مختلف مقامات میں

۱۰ عبادی نہیں علیہم سلطان	برے بندوں پر تجھے قابو حاصل نہیں۔
کے اعلان کے ساتھ اس کو حکم دیا گیا ہے۔	
واجب علیہم عینک وچنگ	اور چڑھ جاؤ پر آدم کا والدین
وشارکتم فی الاموال	اپنے سوار اور پیادوں کے ساتھ
والاولاد واعد حرمها	صحابی بن جائن کے اسرار اولاد
یسد حرم الشیطان	ہیں، اور دھروں (کے نیراز دکان)
الا عن ورسا۔	ان کو، اور نہیں دھوے کر تپا ہے
شیطان مگر من فریب۔	

اولاد کے ساتھ الاموال میں جن لوگوں کے وہ صاحبی الاثر کیا ہیں جاتے ہیں، یعنی ماننے کو ان ہی سکینوں کو تو دل کی شکل میں چھو یا تھوڑا کی راہوں میں، برمال میں ان ہی منافع احسان میں مبتلا کرتے ہوئے وہ گھیلے لئے پیدا جاتا ہے، جن کی تفصیل قرآن کے حوالہ سے گزری ہے، شمس رانی زندگی گزارنے والوں کو اس سال میں جو دیکھا جاتا ہے کہ چھینے ہی جاتے ہیں، چھاتے ہی جاتے ہیں، جلتے ہی جاتے ہیں اور گھٹنے بھی جاتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ بڑھتے ہی جلتے ہیں، پڑھتے ہی جاتے ہیں، تو درحقیقت وہ خود نہیں بڑھتے، خود نہیں چھڑھتے، شمس ان کی روحانی میں دیکھئے اس شیطان کو جو انہیں دبوچے ہوئے بڑھاتا اور چڑھاتا جاتا ہے۔ اسی موقع پر شیطان کی زبانی قرآن میں یہ الفاظ نکل گئے ہیں کہ اس نے آدم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا لا احتسک ذسیتہ (میں ڈھسائی لگاؤں گا اس کی اولاد کو) گرجوں اور گھوڑوں کے سہ پر بیٹا ہے لگام کے لوگ رستی باندھ کر کبھی کہتے ہیں، اسی کو اردو میں ڈھسائی لگانا اور عربی میں احتساک کہتے ہیں، ہمارے مغربی لگاتار کہتے ہیں۔ یعنی جیسے گرجوں اور گھوڑوں کی شہری لگا کر لوگ لے پھرتے ہیں جو گرجوں اور گھوڑوں کی تزیین کی شکل ہے، شیطان نے بھی دعویٰ کیا کہ انہیں گھسیٹوں گا اور ذلت کے ساتھ گھسیٹوں گا! گھسنے والوں کا یہ تھا شکنت دردناک ہے، اگر با وہی شکل ان پر صادق آتی ہے کہ کٹل کر یہ نہیں چھوڑتے، ... بلکہ کٹل ہی انہیں نہیں چھوڑتا چاہتا۔ جب تک کہ وہی چھوڑے کہ اس پہ چھوڑنا

چائے جس کے سوا دنیا کے کسی جھاڑ اور پھول کو وہ نہیں سکتا، صحیح مدخل میں آیا ہے، ۱ ذی ذکرا اللہ خنفسی جب آدمی اللہ کو یاد کرتا ہے تب وہ نیچے مرگ جاتا ہے۔

ورن جب تک یہ نہیں ہے اس کا کام ہی ہے کہ جس چیز میں درحقیقت غنا بخشی کی قوت نہیں ہے یاد کرانے کو وہی آدمی کو خفی بناتی ہے، خود بخشی کی غایت سے جو واقعہ میں محروم ہے، دھوکہ دیتا رہے کہ وہی خود بخشی ہے۔ جن اسماء وافعال کا بالآخر کوئی نتیجہ نہیں، یاد کرنا کہ اسی راہ میں غنا وہی نتیجہ خیز ہیں، اس راہ پر چلنے والوں کو کچھ نہیں ملتا، سکھا تا رہتا ہے کہ سب کچھ اسی راہ میں ملتا ہے، الغرض جو ہے، طبعی شیطا کے بعد نظر آتا ہے کہ وہی نہیں ہے، اور جو نہیں ہے، عجیب بات ہے کہ آدمی دیکھتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ وہی ہے، یہی ترجمہ ہے، آیت کو یہ قرآنہ وما یصلحہم الا غفلا لا یخفروا اور نہیں دھوکہ کرتا ہے ان سے شیطا لیکن مرگ قریب اور دھوکہ۔

کا، اور اب سمجھ میں آتا ہے اس کا مطلب کہ وہی قرآن ہی اسلام جس کی شہرہ کی زمین اور زمین میں جو کچھ ہے، بلکہ آسمانی زمین اور اس کے درمیان جو کچھ ہے، خدا نے سب کو انسان ہی کے لئے بنایا ہے، اسی قرآن میں

وہا الخبیوة الدنیا والا اور نہیں ہے، بہت زندگی، لیکن محتاج الغرور۔

اور ان جیسی آیتوں کو بھی جو پایا جاتا ہے قرآن کا کیا مطلب ہے؟ حالانکہ یہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان آیتوں میں اسی نکرہ کو دہرایا گیا ہے، جس کے مانتے والوں نے دنیا اور دنیا کی چیزوں کو پایا اور پایا کا جہاں قرار دیا ہے، بہتوں کو دونوں نکرہوں میں تناقض نظر آتا ہے، بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ اسلام کی تشریح و تفصیل کرنے والوں میں دو مشکل گروہ پیدا ہو گئے ہیں جو اسلام کو دنیا کا بھی ایک معاشی نظام قرار دینا چاہتے ہیں، وہ تو اس قسم کی آیتوں، حدیثوں کے ذکر سے بیزگار کرتے ہیں

لے مسلمانوں میں بعض چیزیں کہ ایسے طریقے سے شہرہ ہیں کہ ان کے مشفق کہا جاسکتا ہے کہ صحت اور صحت کے طریقوں کا تو سب ذکر کرتے ہیں۔ لیکن بات کہ یہ علاج ہے کس مرض کا۔ اس سے بہت کم لوگ واقف ہیں، یہی ذکر اللہ کا مسئلہ ہے۔ اسلامی تصور کا سارا دار و مدار اسی کثرت ذکر پر ہے۔ صوفی کہتے ہیں اس کو جہا جو کسی حال میں ذکر اللہ سے خالص نہ ہو، اور اسی دوام ذکر کی کیفیت کو حاصل کرنے کے ارہا پتھون نے بے شمار طریقے ایجاد کئے ہیں، لیکن سوال کہ ہر وقت ہر حال میں خدا کے ذکر کی آدمی کو فرصت ہی کیا ہے؟ اس کی طرف کم تو ملتی جاتی ہے۔ حالانکہ دوسرے فرما کے سوا ذکر اللہ کا سب سے بڑا فائدہ اسی شیطا کے مرض کا زوال ہے، اس کا دوا صرف اللہ ہی ہے۔ ۱۲

اور جن پر وحی جذبہ کا ظہر ہے وہ ان ہی آیتوں کو پیش کر کر کے ان کے خیال کی تردید کرتے ہیں، مگر وہ غلط ہے اور نہ غلط ہے، لیکن والوں میں دنیا اور دنیا کی پیداواروں کو جو ابتلائی ذمہ داروں کے ساتھ جیتے ہیں اور شیک و پی مثل جو ہمیں سے بھاری و خیر و حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے اسی کو اپنی بستی زندگی میں دستور العمل بناتے ہیں، ان کی بھی دنیا آخرت کی تمیز کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس حدیث کے ایک جز کا پہلے بھی ذکر آیا ہے یہاں پوری حدیث نقل کی جاتی ہے، ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں،

جلسۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الخیر و جلسنا حوله فقال ان مما احاط علیکم بعدی ما یضیق اللہ علیکم من نہرۃ الذنوب و فیما فی الخیر بالشر یا رسول اللہ فسکت عنہ فقالوا ما شانک حکلمہ رسول اللہ ولا یکلمکم واسرینا انہ یغزل علیہ خاقا قبحم و یرخصاء قال ابن اسحاق انما ان الخیر لایاتی الخیر و ان حد المال خضرۃ حلوة و ان مما یبیت الریح ما یقبل جفا و یرلہ الا اکلۃ الخضرۃ فانما اکلت حتی اذا امتدت فاما کلت استقبلت عین الشمس فقلت و یالبت شدا رقت و ان هذا المال حلوة من اخذہ بحقه و وضعہ فی حقه ففهم الطعونة هو و لیس صاحب المال حویل و علی منہ و لیس

فقرین لائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر اور ہم لوگ آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے تھے کہ جب سے شروع کیا، باوجود جس چیز سے ڈر رہا ہوں اپنے ہمراہ وہی چیزیں ہیں جن میں خیر کے لئے دنیا کی زندگی سے اور اس کی زمین بناؤ سنگار سے اپنی آنکھ اسلامی فخریات کی طرف اشارہ فرمایا بار بار (تہ کہ ایک آیت سے اللہ کے رسول کی خیر اور بھلائی کے بعد شر اور برائی آئے گی وہی بھلائی ہے) کیا برائی کا نتیجہ پیدا ہوگا؟ تب نبی ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمایا نے کہ بنا شروع کیا، رسول اللہ تاکیدات فرما رہے تھے جس سے قرین بول رہے تھے (جو تو نے خواہ مخواہ سوال کیا) اسی حال میں دیکھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے لگی (یعنی تہذیب وحی کے وقت جو ایک خاص حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہوتا تھا وہی کیفیت شروع ہوئی) پھر اس حال سے اتفاق ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدان میں پہنچے تھے اور فرمایا کہ

و البیتہ و ابن السبیل  
او کما قال صلی اللہ علیہ  
وسلم و ان من یأخذ بنیر  
حقہ کالذی یأکل ولا شیخ  
و یكون علیہ شہید  
یومہ القیامہ۔

(رواہ البیہقی و سلم و نسائی)

ابھی جس نے سوال کیا تھا وہ کہیں ہر  
پھر فرمایا کہ اچھی چیز نہیں پیدا کرتی بلکہ  
اچھے ہی نتائج کو اگر حب اس کا شعل  
کچھ طور پر کیا جائے) پھر فرمایا کہ دیکھا  
ہو مال اور سرمایہ ہر مال میں چیزیں ہیں  
برساتی ہوں ان کے کنارے جو برائی  
آگتی ہے (معاذ اللہ اچھی چیزیں نہیں ہوتی  
جب کوئی باغ و زریادہ مختار میں کھا جائے تو وہی دار و دار حق ہے یا قریب موت کے  
پہنچا دیتا ہے، اگر ایسی عورتیں جو مرد پر دلبستگی میں ہیں کہ وہ انہیں کھاتی  
ہیں، پھر جب ان کے دونوں پہلو برابر ہو جاتے ہیں، تو آفتاب کے سامنے دو چپ  
میں جا کر بیٹھتی ہیں، پھر گوہر کرتی ہیں اور پیشاب کرتی ہیں، پھر جا کر چھوٹی ہوتی  
را اس مسئلہ کو بیان کر کے منسما یا) پس یہی حال مال کا ہے، بڑا مختار ہے  
جب لختہ مال اس کو حق کے ساتھ ملے، اور حق ہی میں اسے خرچ کرے اور پھر جو چیزیں مال  
ہے، اور ایسا سرمایہ دار بہت اچھا آدمی ہے، اپنے اس مال سے کچھ نہ چھین سکتا کوئی ہے  
پھر مال بھی اچھا سرمایہ دار ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اور فرمایا کہ جو مال کو  
اس کے حق کی راہ سے نہیں دیتا، اس کی مثال ایسی ہے کہ کھائے جائے گا نہ کھائے گا نہ کھائے گا  
نہیں رہتا اور قیامت کے دن بھی مال اس کے ساتھ گواہ بن جائے گا۔

آپ نے دیکھا اسلام کے نقطہ نظر کو، وہی مال اور وہی سرمایہ جس سے عموماً مذہبی مزاج والوں نے ہمیشہ  
نفرت ہی کا اظہار کیا ہے۔ تو حق را دین مال کو سمجھا جاتا ہے کہ روشن خیالی کا دین تھا۔ لیکن چھٹے  
پھر حال وہ دین ہی تھا، اس لئے نقطہ نظر کو حق کے خطاب سے زیادہ تو حق کو ہی ہمت نہ چوئی کہ  
کسی اور نام سے ان دو فتنوں کو موسوم کرے جن کے متعلق انہیں میں خبر دی گئی تھی کہ سونے کے گنگے  
سے اونٹن کا گھڑنا اس سے زیادہ آسان ہے کہ آسانی باو شہت میں دو فتنوں کو گھسنے کی اجازت  
دی جائے۔ لیکن اسلام اسی دولت اسی سرمایہ اور مال کو حیر کر رہا ہے اور یہ کہ بھلا خود وہ قطعاً شر  
میں ہے، اجتناب شریروں کا خطا اعتدال اس کو شر بنادیتا ہے، یہی حاصل ہے مذکورہ بالا حدیث کا  
بلکہ اگرچہ تو جہتے ہیں کہ سب کچھ نہیں ہے، یہاں کے سوا کہیں بھی کچھ نہیں ہے، قرآنی میں  
لعمدہ الا الحیوة الدنیا  
ہست زندگی کو۔

خل یجسم فی الحیوة الدنیا  
یا کفایت ان کی سرگرمیوں ہی ہست زندگی میں

۱۔ اس میں حاجات  
دوسرا نسخہ اس میں مسک کی تھیر کی گئی ہے، یعنی وہی مسک جو تھیر مغربی اقوام وطن اور ان کے طبیوں  
کی اکثریت پر مسلط ہے، یعنی پیٹ اور روٹی والا خاص مادی فکر ہے اور شیک اس کے بالمقابل جو یہ  
کہتے ہیں کہ کچھ بھی یہاں نہیں ہے یا جو کچھ بھی ہے ہونے کے لئے نہیں بلکہ بدلنے اور مرنے کے لئے  
لئے ہے، جس کا ذکر جیسا کہ گذر چکا، قرآن میں

سہبانیۃ ابتداء حواما  
ربانیت کا مسک جسے ہم نے ان پر  
واجب نہیں ٹھہرایا تھا۔

کبتنا هو علیہم۔  
کے اتفاق میں کی گئی ہے۔ ان فرض مادیات اور روحانیت ان دونوں افراطی و تفریطی فتنہ فطرت کے  
درمیان سب دستور بہت سے ازالہ کے اپنی پرانی تدبیر اتارے کم لے کر اسلام نے انسانی فطرت کو  
اس کی وہ کھوئی ہوئی چیز عطا کر دی، جسے مغربوں کی عقیم سے بننے کے بعد ہمیشہ کھو بیٹھی ہے،  
الغیر لایاتی الا بالغیر (اچھی چیز نہیں پیدا کرتی، لیکن اچھے ہی نتائج کو) یہی وہ غیر مادی فتنہ ہے  
جس میں وہ مادی مضمون سمٹ کر گیا ہے جسے اب تک بسلی زندگی اور اس کی ذمہ داریوں کی تسلیل  
میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے، دولت اور سرمایہ سے جب غلط نتائج کا تجربہ لوگوں کو ہونے لگا  
اور ہر کچھ کا کوشاں رہا جس میں سرمایہ اور مال کے ان نتائج کی تحنیں لوگوں کو نہ چھوٹی پڑی  
ہیں، آج کل بھی ہوا ہے، پورا ہے، اور کل بھی یہی ہوا تھا ہوتا چلا آیا ہے ہمیشہ والے جب  
چیننے لگے، اور ہر حقارے خود سے وقفہ سے دنیا کو اس راہ میں چیتا ہی پڑا ہے تو حقایقوں نے  
خود کو دیکھ کر ریش کے واویلا کو خود سے ہی کی طرف منسوب کر دیا۔ سرمایہ اور مال دولت اور  
ثروت کے نام سے تیرہ بازیاں شروع ہو گئیں، اسی پر مغربوں کے تیرہ نظریوں کی گولیوں کی بارش  
شروع ہو گئی، ان ہی نظریوں اور نظریوں سے کسی رہبانیت و کلیت کی شکل اختیار کی، کسی ملک میں  
فرز و کیت کا چرچا نہیں کر اسی نے سر اٹھایا، اور آج وہی اشتراکیت و اشتعالیت اور انہیں قبیل مختلف  
مذہب کے جیسے میں سرمایہ داروں کو دھمکا رہی ہیں، مالداروں کو ڈرا رہی ہیں۔

لیکن انسانیت کی تسکین و علاج کے لئے جن طبیوں کو قدرت پیدا کرتی ہے، ان قدرتی  
اطباء نے مولے کو نہیں بلکہ ان کو لڑکا جو سرمایہ کو غلط طریقہ سے استعمال کر رہے تھے، ان کو سلجھایا  
جنہوں نے خود اپنے کردار سے کام لینے کے فطری طریقوں کو اٹھادیا تھا،

گنیمت سے رات کی جب وہ چھا جائے اور تمہارے دل کی جب وہ روشن ہو  
اور تمہارے اس کی جس نے فرد مادہ و مرد و عورت پیدا کئے۔

قرآن مجید میں ان ہی عجیب و غریب قسموں اور تاریکی انکشافات کے حقیق اشاروں مردوں، عورتوں  
اور باجم ان کے صفات سے پیدا ہونے والے تجویز کے کنائی ذکر کے بعد  
ان سے کچھ لاشعری۔  
فطرت کی تسکین (عملی سرگرمیاں)  
فطرت کی ہیں۔

فرانک

قاصد من اعطی و ما فتنی  
و صدق بالحقستنی فنیست  
للیس بنی۔  
نزدگی کر۔

۱۔ اس میں حاجات  
جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ سب کچھ دیا گیا ہے جو اس سلسلہ میں اب تک کہا گیا ہے یا کہا  
جا رہا ہے یا کہا جا سکتا ہے، آئیسری (آسانی زندگی) کی ضمانت لی گئی ہے، ان لوگوں کے لئے  
عطا کی مشوروں سے بہت کم قدرتی طبیوں کے اس علاج کو اختیار کرنا چاہتے ہیں، جن کو  
قرآنی آیات کے متعلق جو کچھ کہنا تھا پہلے کہا جا چکا ہے، پڑھنے والوں کو چاہئے کہ جیسا کہ  
میں، خور سے پڑھیں، علاج کا یہی لازوال فطری طریقہ ہے، فطرت کی راہوں سے بہت کم جو  
ہی چلتا چلے گا، دکھ کے ساتھ اسے واپس ہی ہونا پڑے گا، آج نہیں تو کل اسے پھینکا نہ ہی  
لے گا، ایک کا نشانہ اگر نکلے گا تو دس کا تے چھیں گے، اگر ایک گرمی لگے گی تو کل کر دی مشیوں  
فرہوں کی شکل اختیار کر لے گی، عارف و دوی نے اپنے تیشی بیان میں اسی مضمون کو کتنے اچھے  
لہجے میں ادا فرمایا ہے، شوقی میں ہے:

کس ہزیر دم خرقا سے بند  
ن آدی کسی جگہ سے کی دم کے نیچے کا تہ چھا دیتے  
خود داندخ او بر می جہد  
گھسا کٹے ٹکٹے کی تیر سیرنگ دھخت ہے سونے

میں جہاں خوار و مسک تر زند  
کچھ چاند تاج کا اور نہ جہلی سے چیت پھینکا  
خوار و بدخ خوار از سوز و درد  
جنتی انداخت حد جا ز نسیم کرد

گھسا کٹے ٹکٹے کے لئے مارے ہیں اور دھکے  
دیکھو وہ گھٹا گھٹا کی سیکڑوں پر زخم پیدا کر رہا ہے  
آج دنیا اس حال میں مبتلا ہے، انسانیت کے جسم میں جو کاشا چھو گیا ہے، اس کاٹنے کے ٹکٹے کا  
طریقہ جس بزرگوں کو معلوم ہے، اس طرح کے ان بیضا بیروں سے تو بیاد و اختیار کی گئی ہے، اور  
خشش کی جا رہی ہے کہ ان سے بے شعور رہ کر اس کاٹنے کے ٹکٹے میں کامیابی حاصل  
کئے گی، لیکن مسکین گدے کو کون بھلائے کہ خوار واری کی اس کوشش میں بھائے ٹکٹے کے  
اور اندر دھنسا چلا جائے گا، مرد و گڑبھا اس کاٹنے کو نکالنے کے لئے گھسا گاٹے گا، سیرنگ  
ہم اپنے اندر پیدا کر لے گا، بقول اکبر مرحوم

بتنا ہزیر کو جال کے اندر  
جال گھسے گا کمال کے اندر  
بھلی میشت کی ذمہ داریوں سے انفرادی کے وہ نتائج جن کا تصور علامہ اخوندی زندگی کے

اسی معیشت اور زندگی میں ان کے لئے قرآن و حدیث اسی دنیا میں چوتھا ہے۔

قدری معیشت اور اس کی ذمہ داریوں | اب میں چاہتا ہوں کہ قدری معیشت کی ذمہ داریوں سے ان کے لئے قرآن و حدیث کی تفصیل کر دوں گا۔

ذکر اسلامی وثائق و نصوص میں کیا گیا ہے، قربات یہ ہے کہ

من اعرض عن ذکرہ  
فان له معیشتة فنسکا۔  
جو کہ با بری یاد سے ہیں اس کے لئے  
معیشت ہے جن کو اللہ سے بھری ہوئی

کی قرآنی آیت میں جس جرم کی پاداش میں زندگی کو تکلیف دینا دیکھنے کی دھمکی دی گئی ہے اس کے جس طرح اس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو بیسلی پیمانے پر رزق پاتے ہیں، اسی طرح اس کے دائرے میں وہ بھی شریک ہیں جنہیں قدری پیمانے پر روزی لی ہوئی ہے کیونکہ حق کا لفظ عام ہے اور ہر اس شخص کو مادی ہے جو ذکر اللہ سے پرست کر اور کثرت کر چنا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ معیشت خواہ بیسلی ہو یا قدری جب معلوم ہو چکا کہ اگر رزق کا ہر حال خاص قسم کی خدائی ذمہ داریوں کا لب ہے تو جو ان ذمہ داریوں کو پوری کرے گا، ان کے نتائج بھی اللہ کے سامنے آئیں گے اور جو اس سے لاپرواہی اختیار کرے گا، قدرت کے استقامی خیمہ زوں سے اپنے آپ کو وہ بہا نہیں سکتا اسی طرح

من یبش عن ذکرہ لرحمنی  
لفیضہ شیطانا فہولہ قرین۔  
اور جو انہیں چاہے اللہ کی یاد  
میں بیچے گا دیکھتے ہیں ہم اس کے  
شیطان کو، پس وہ چاہتا ہے اس کا ساتھی۔

کا قانون جیسے بیسلیوں کے لئے ہے اور ذکر الرحمن سے اعراض کی سزا شیطانی تشدید کی شکل میں ہے انہیں بگھٹی پڑتی ہے۔ اسی طرح اس جرم کا ارتکاب اگر قدری معیشت والوں کی طرف سے ہو گا تو اس خدائی تازیانے کی اسے وہ اپنے آپ کو کیسے محفوظ رکھ سکتے ہیں، بلکہ

الشیطان یبدک فی الغفور  
ویاھرکم بالھشواء۔  
الشیطان دھمکتا ہے تمہیں الغفور سے  
اور تم کو دیتا ہے بیانی کی باتوں کا۔

کی آیت جب بری نکال دیتی ہے، تو ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ میں یہاں روں کی آمدنی ٹیکہ خرچ کے مطابق یا صل اس کے برابر برابر جوتی ہے، یعنی خرچ کرنے کے بعد جن کے پاس کچھ نہیں ماند نہیں رہ سکتا، ایسوں کے لئے معیشت کے اسی رنگ کو پیش کر کے ہر گز نہ دے دے دی کہ جانا سے نکال کر شیطان آئے دے دے دن کی ضرورتوں کے اندھ نظروں کو پیدا کر کے ان کے کلیجوں کو صحت اور فردا کی فکر میں ڈال کر امروز کی لذتوں کو بھی ان غریبوں کے لئے تلخ بنا چلا جاتا ہے اور یہی مطلب ہے الشیطان یبدک فی الغفور کا (یعنی شیطان تمہیں محتاجی اور ناداری کی دھمکی دیتا ہے، لیکن بیسلی معیشت رکھنے والوں میں اس خیال سے ڈرانے کی گنجائش ہے کہ نہیں پاملاس نے حسن

اعطاش اور بے مائیوں پر اشیانہ ان لوگوں کو ان کا تار پتا ہے جو بیسلی معیشت رکھتے ہیں، محت ہے کہ فقر کی دھمکی تو ان پر کارگر نہ ہوگی، تو آوارگی اور بد چینی کی راہوں پر ان کو ڈالتا ہے، م طر پر نوابوں، جاگیرداروں، سرمایہ داروں کا جو حال ہے کہ اپنی بیسلی معیشت کی ابتدائی ذمہ داری جب وہ بے پروا ہو جاتے ہیں، تو ان کی آمدنیوں کا بڑا مصرف بھی انہیں اٹھاتا رہ جاتا ہے۔

بہر حال یہ تو اجمال ہے، قرآنی میں اسی اجمال کے جو تفصیلات پائے جاتے ہیں وہ اب ان ہی کو پیش کرنا چاہتا ہوں، لیکن ان تفصیلات کے ذکر سے پہلے میں ہر اسی مسئلہ پر توجہ دینی چاہتا ہوں کہ تاہوں جن کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے۔

عرض کر چکا ہوں کہ قدری معیشت والوں کو جن معاشی پریشانیوں میں عام طر پر مبتلا کیا جاتا ہے، ان کا ایک حصہ فردہ ہے، جن کی ذمہ داری بالکل ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو بیسلی معیشت رکھتے ہیں۔ لیکن اگلے لم کے حارضہ میں مبتلا ہوجانے کی وجہ سے قدریوں کے ان جائز خرچ کو نہیں ادا کرتے، انہیں ادا کرنا چاہتے، جو دینے والے کی طرف سے ان کے سرکار میں تحریر کیا گیا ہے۔

اور اگلے لم کا استقامتی روگ ہے بھی ایسا ناپاک روگ کہ جن پر اس کا دورہ پڑ جائے وہ صرف یہی نہیں کہ جو آچکا ہے اسی کو پوری طاقت سے اس طور پر پکڑے رہتے ہیں کہ ایک کیل بھی چاہتے ہیں کہ دوسروں کے منہ میں ازکر نہ جاسے پائے، بلکہ دوسروں کے لئے کے حقوق کو بھی چھین چھین کر چاہتے ہیں کہ کھتے چلے جائیں، خود ان ہی کے ملک ان ہی کی ان ہی لوگوں پر جن میں وہ رہتے رہتے ہیں کچھ بھی گزر جائے۔ لیکن اگلے لم کے ان روگیوں کے ان ہی جو بیسلی نہیں رہتے، خصوصاً جن ملک میں آئینی پشت پناہی بھی اگلے لم کے ان آسیبوں کو میرا جاتی ہیں تو پھر ان کے بے پناہ مظالم کا کیا شکا نہ ہے، آج جن کے تاشے ان ملک کی نظر آ رہے ہیں، جہاں دولت کا طوفان برپا ہے، ان کی کس اوسا آمدنی کی ہمی بیروں کا بیکریل یاں ملک کے سادہ لوح عام باشندوں کو خرچ کرتے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ سنا یا جاتا ہے ہر ہر توشے مٹوئے وقت سے مختلف ہزاروں میں اعلان کرایا جاتا ہے کہ خفا ہمارے کی اوسا آمدنی فی کس

قیان سوا اسی روپے ہیں

مٹا کھاتے کے وقت تو اس آمدنی کوئی کس پریشا یا پاتا ہے، لیکن بھائے اوسا کے واقعی جو سنا نہیں بلکہ دولت ہے، افروت ہے، اس کی قسم کا وقت جب آتا ہے تو اسی گیارہ سو اسی روپے اس آمدنی دیکھنے والے ملک کے عام باشندوں کے منظر پر خبریں ہی معلوم ہوتی رہتی ہیں کہ ملک میں بے روزگاروں کی تعداد ایک کروڑ میں لاکھ ہے۔

روں کی زمین امریکہ کا حال ہے (دیکھو سار جاسہ دہلی اپریل ۱۹۵۷ء)

اور دوسری امریکہ تو ایک برا فطرت ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں دنیا کے آخری کنا رے کا وہ جزیرہ جگہ جزیرہ چمیں کے متعلق کہنے والے کہتے ہیں کہ صورت بنگال کے کسی بڑے ضلع کے وقت سے اس کا رقبہ تیرہ گونہ نہیں ہے، لیکن مسنت و معرفت، تجارت، سیاست و حکومت، بنگلہ اور اسی قسم کے بائزور کا پائزہ فرانس سے کام لے کر دنیا کے اکثر حصوں کی پیداواروں کے سیلاب کا دہانہ اس وقت تک رہا، اسی ملک کی طرف پھیر دیا گیا ہے، یا بقول اسی ملک کے کسی باشندے کے دنیا کی دولت کا اسی ملک اس ملک دانوں کو لے گیا ہے، ابجائے پانی کے اسی اسپنج میں سارے جہان کے کھانے والوں کی کھائیوں کو جذب کر کے لوگ لے جاتے ہیں اور اسی ملک کے دریائے نیل کے کنارے اسے پھرتے ہیں، پھر ٹلے گا یہ سلسلہ دس بیس سال سے نہیں بلکہ صدیوں سے جاری ہے اسی لئے فی کس کا دوسرا پانچواں بھی امریکہ کے برابر نہیں تو اس سے کم بھی نہیں ہے۔

میرا اشارہ جزیرہ برطانیہ اور اس کے باشندوں کی طرف ہے۔ فی کس اوسط کا حساب اور واقع میں فی کس اس مجموعی سرکاری سے لوگوں کو کتنا مل رہا ہے جو ہر سال اس میں داخل ہوتا ہے اس سے درحقیقت واقعتاً تو وہی حشرات ہرکتے ہیں جن کا شغل ہی اعداد و شمار کا یہی قصہ ہے۔ تاہم مجھ جیسے دورافتادوں کی نظر بھی اس فن کے ماہرین ہی کے بعض بیانات پر کبھی کبھی پڑ جاتی ہے، ان ہی میں سے ایک رپورٹ ہے، یعنی جزیرہ برطانیہ کی آبادی جس زمانے میں بتائی جاتی تھی کہ چار کروڑ تیس لاکھ اور فی کس کے حساب سے اوسط نکالنے والے ساطح ساطح متر متر روپیہ فی کس کا اوسط نکالتے تھے۔ لیکن واقع میں دولت کی تقسیم اس ملک میں جس طریقہ سے ہوئی ہے اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ شہرہ کی مردم شماری میں چار کروڑ تیس لاکھ کے باشندوں کے اس ملک میں ان لوگوں کی تعداد جو اپنی آمدنی کے اعتبار سے کمزیر (کم پتی) کہلاتے تھے، کہ کروڑ لاکھ بلکہ ہزار ہی نہیں صرف پانچ سو تیس تیس تھی (والفعلت ص ۱۸۳)۔

ہم میں ایک آدمی کا حال ایسا ہے کہ گویا کوئی دھوبی اپنے گدے کو کوئی تکی اپنے گھوڑے کیل کو بھی رکن پسند نہیں کر سکتا؟

چار کروڑ انسانوں میں پانچ ساڑھے پانچ سو انسانوں کا ٹاکہ جتنی چوڑا اور اس کے بعد انہی چار کروڑ کی بقیہ آبادی میں ہر چار میں سے ایک کو مویشیوں، گائے، بیلوں، بھڑوں اور بکریوں سے بھی بہتر زندگی گزارنے پر کس نے مجبور کیا تھا؟ یا ہر کے باب انگڑوں اور آتش باروں نے؟ یا اندر کے پانچ سو ساڑھے پانچ سو لاکھ بیلوں کے اکل لہنے؟ کتنا دلچسپ ہے فی کس کے اوسط گاہے افسانہ جیسے ست ستاکر غریب چاندنی ہمیشہ اپنے بیلوں کی زبانوں سے دھکھار لگا دیا اور دروایا گیا ہے۔

یاد دل ہے ان ہی دنوں میں حرام کے مقامیوں سے مجبور ہو کر انگلستان کی حکومت نے بھی اپنے سمیت اگمال میں ایک حد تک انفرادی ملکیت کے حقوق کا جب احترام کیا، غریبوں کو کچھ امداد شاہی کیلئے یا سرمایہ داری کے خزانے سے لئے گئی تھی تو دوسرے چروٹوں کو دیکھ کر کسی مڑا سٹنگھرنے لگا، اب ملک میں انھوں کی وہ حالت نہیں ہے۔

ڈیلی میراٹرنے جہاں ہی خود روختوں کا نشانہ ہے، اس ملک کی اشاعت پر سپر کر لکھا تھا، ہم دریافت کرتے ہیں کہ مڑا سٹنگھرنے گھروں کے اندر جانے کا اتفاق ہوا ہے اسے کچھ بھی اٹھا رہا ہے کہ اب بھی (تقسیم خیرات کے بعد بھی) ستنے گھرانے ایسے ہیں جن کا گزر زیادہ تر محض روٹی اور چار ہے، بھائے کھن کے جوہر پتی پر بسر کرتے ہیں، جنھیں گوشت اور بھری (بکیر آلو) کے کبھی دیکھنی بھی نصیب نہیں ہوتی۔

ڈیلی میراٹرنے بیان اس وقت کا نہیں ہے جب انگلستان میں راجہ ہندی کا لٹاؤ ہو چکا تھا جب تک ٹیانی سے پہلے کا یہ قدر ہارنے والے جو کچھ کا نہیں، جیتے دلے، بلکہ مقبوضات پر جانے والے انگلستان کے راجہ میں نہیں آتا ہے کہ نہیں ہے یا کچھ کم اس قسم کے ہندوؤں کی اوسط آمدنی رکھنے والے ہندوؤں کے کس بنیاد پر فرماتے، اور ان دلاتے تھے، جو ہندوؤں والا ہندوستان سے لے کر کھیل ادا میں والے انگلستان کا حال ایک

تکھڑا لگا سگو ہیں چودہ ہزار مکانات ایسے ہیں جو صرف ایک کو ٹھہری رہا ہیں، اور ہر کو ٹھہری میں چار چار پانچ پانچ چھ چھ آدمی رہتے ہیں، یہیں ہزار مکانات دو دو کو ٹھہریوں پر خالی ہیں، اور ان میں سات سے بارہ تک گزر کرتے ہیں۔

یہ بیانی دیا تھا جناب سر لارڈ جارج صاحب سابق وزیر اعظم دولت انگلیش اکسٹورڈینسٹریکٹ اس لئے یہ اعداد و خفہ فراہم کئے تھے کہ وہ لوگوں کی تعداد میں اضافہ ان ہی اعداد کے پیش کرنے ہی سے ہو سکتا تھا اور لگا سگو تو ہر حال لگا سگو ہے، بلا داندنیا کی فکر، لہذا ان ہی کا حال جب

مٹا، سر لارڈ جارج ای کا بیان۔

اس خیر خندان کی کل آبادی کا پانچ ڈیڑھوں سے مکانات میں بسر کرتی ہے؟

خیر خندان اور خندان دھلے جن ملکوں اور جن شہروں پر حکومت کرتے ہیں، اگر وہاں کے باشندوں کو اپنے کے لئے مرغی کے پیرے ڈوبے بھی نصیب نہ ہوں تو لوگوں کو اس پر حیرت کیوں ہے؟ ان ہی دنوں میں جب یہ خبریں ایک کالم میں شائع ہوئی تھیں تو دوسرے کالموں میں جس قسم کی خبروں کی بھی کبھی کسی محسوس نہیں کی گئی ہے۔ اور لگا بھی یہ دونوں ملے ایک ساتھ ایک ہی رفتار سے جاری دوسری ہیں، مٹا، انگلستان ہی کے متعلق

تیار اب جو ہتر کروڑ روپے کی صرف خراب لٹاؤ خالی گئی، لگا، ہندوؤں کی

تقدتوں نے اپنے چروں (صرف چروں) کی آبرائش کے لئے خانہ پوڈ وغیرہ پر چھ نٹیں کروڑ روپوں سے زیادہ خرچ کئے (ویسٹ خسر گزٹ ۱۶ مارچ ۱۹۳۳ء)

اور ہیں

تاکلون، الغزات، کلا لہا، کلاس، ہر (اور وٹی سربراہی) اگلی کم کے ساتھ۔

یہ وہ زندہ فقیر ہیں جن کی بدولت چار کروڑ کی آبادی میں سے دو کروڑ انسانوں کو تو سسکتے تھیں یاں رگڑتے ہوئے مویشیوں کے ماتر مرغیوں کے ڈیڑھوں میں پایا گیا، لیکن اسی ملک میں لڑھکاتے والے چھ ہتر کروڑ بھی نہیں بلکہ چھ ہتر کروڑ چار روپے کی سالانہ خرابی میں بھی لڑھکا رہے۔ اشتراکدہرے اگل کم کا زور کو رخساروں پر چھ نٹیں کروڑ کی دولت ل ل کر ہر مل لکھ دی جائے، لیکن لاکھوں اور کروڑوں باشندوں کے ہونے کے ہونے اور ملے اجماع کے لئے اس کے پاس کچھ نہ ہو، اور اس پر بھی دنیا کے کان کو اس قسم کے دعووں مسلسل دعووں سے ہرا لایا جا رہا ہو کہ انھوں سے چین کر ملک کے عام باشندوں تک دولت اور حکومت کے پہنچانے میں ہم ہی نے پیش قدمی کی ہے۔ درواز اس سے پہلے جہاں بھی گندے جو بھی گزرے، چور تھے، ان مارے اپنے اور اپنے بال بچوں کے سوال ان کے خزانوں میں ملک کے عام باشندوں کے لئے نہ تھا، دنیا ہی انصاف کر سکتی ہے کہ جس ملک میں ایک طرف تو یہ حال ہے کہ چھنے والوں نے ال جہر میں چار چار روپے اور جو ہتر ہتر کروڑ روپے کی خراب لٹاؤ ڈال چو، لیکن اسی ملک میں خرابی کے متعلق خبروں کے ایسے طبقات بھی پائے جاتے ہیں، وہی لٹاؤ جس میں خرابی سمیت کچھ امدادیں، اسی سہ سہ جیس میں ڈیلی میراٹرنے اخبار سے شائع کی تھی، لگا سگو میں دھکی کے تین لکھ اتھائی خراب کی لاری سے لڑھک کر زمین پر گر پڑا



شرک پر خراب پہننے لگی ہزار کے اوپر عوام کا ہجوم تھا جو مرا جیاں اور بڑھتیں  
 نے ٹوٹ پڑا، اور ایسٹن تری جوتی روحوں نے تو کمال ہی کر دیا کہ شرک پر  
 اوندھے لیٹ کر نالی میں بہتی ہوئی خراب کو پینا مشہور کیا اور بھولوں  
 نے اس میں پکڑے ڈبو ڈبو کر پھرنے میں پھر ٹپا (ما خود  
 از ج ۲۔ مکی مشکوٰۃ)

اگرچہ ایک جزئی واقعہ ہے، لیکن اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سرمایہ داری کا جو کلام نظام  
 آج یورپ و امریکہ میں قائم ہے، اسی نظام کے تحت زندگی بسر کرنے والے ممالک میں بیلی معیشت  
 رکھنے والوں نے قدرتی رزق والوں کو محرومی و مفلسی کے کس آخری نقطہ تک پہنچا دیا ہے۔ گندری  
 تالیوں میں بہنے والی خراب جس کے پینے پر شاید کئی بھائی تیار نہیں ہو سکتا، لیکن آپ دیکھ  
 رہے ہیں کہ یورپ کے خراب افراد کتنی سرت کے ساتھ اس قسمت خیر مزیدہ کو اوندھے چھوہ کر  
 تالیوں میں منڈولے اسی کو پی رہے تھے:

اسی نے قدرتی معیشت کی وہ دردناک حالت جو بیلی معیشت والوں کے اگلے کمرہ انتہائی  
 خود خواری و خود فروشی کے جذبات کے تسکین کا نتیجہ ہے، اس کی اصلاح و تسکین کے قصہ کو قر اسی  
 قدرت کے حوالہ کرنا چاہیے جس نے ان کالماز چرو و سینوں کے چنگلوں سے نجات دے کر  
 تاریخ کے موجودہ دور تک نسل انسانی کو پہنچایا ہے، قرآن کا وہی خدا جس نے اپنے مصلحتی

ادب سا بلکہ لبالب صناد اور زار بکعات میں ہے۔  
 کا اعلان کیا ہے، اور بتایا ہے کہ قدرت کی مصلحتی نگرانی اندازہ کرتی رہتی ہے، تاہم  
 فاکٹر و افیسما الفساد جب بگاڑ اور فساد کو بڑھا دے ہیں  
 (مدحہ اور اصلاح پر)

کے درمیان کلم و قدری کا پارہ چڑھ کر جھپٹتا جاتا ہے تو منہ اسی کے ساتھ  
 نصیب علیحدہ ہر یکا سوط میں رہا دیتا ہے اور ہر شراب  
 عذاب کا کوڑا۔

کا تجربہ کر وہ زمین کے باشندوں کو ہمیشہ کرتا رہا ہے اور کج مصلحتی توازی کے جس حد کو نامہ داری کے  
 جن محدود رنگ پہنچا دیا گیا ہے، مرصاد (گھات) والے رب کے سوا عذاب (تازیاد) عذاب اکوگون  
 انتظار کرتا چاہیے، اور میں تو سمجھتا ہوں کہ شاید قدرت کی اس مصلحتی بے آواز والی لاسلمی کی مار کے آواز کا  
 ظہور شروع ہو چکا ہے، آخر قرآن ہی میں یہ جو فرمایا گیا ہے، یعنی

وذرنی واطمئن بین اولی خلقہ  
 وہ ہلکے قلیلا و لہ دنیا  
 دنکا لا و حیمما و طعما  
 چھوڑ دو مجھے اور ان جھٹلانے والوں کو  
 جو صفت والے ہیں اور بہت دوائی کو  
 تھوڑی، قضا ہمارے پاس ہیں بڑھیا

ذات غصۃ و عذابا ایسا

اور آگ کا ڈھیر لگا دیا جائے گا

انکے جانے اور ڈکھ ہوا عذاب۔

نصت کیجئے یا سرمایہ اسی کو پالنے کے بعد اپنی مشعلہ ذمہ داریوں کو جنہوں نے جھٹلایا تھا، کچھ دلی کی  
 ڈھیل کے بعد ان ہی کے غلوں میں آج آخر اکیت و اشتہائیت اور اسی قسم کے مختلف نئے جو انکے  
 نظر آ رہے ہیں، ایسے نئے جنہیں نکلنے والے رنگ کتے ہیں نہ اگلے والے اگل کتے ہیں، سرمایہ و عشتہ  
 مزدوری اور اسی قسم کے دوسرے معاشی مسائل کچھ ایسی جھپٹانک شکلوں میں جو دانت دکھا رہے  
 ہیں کہ موجودہ عہد کا ہر صاحب نصت اپنی اپنی نصتوں یا اپنے اپنے سرمایہ کے حساب سے بدخواہیوں  
 میں مبتلا ہے، کیا ان کو دیکھ کر بھی اس کا انکار کیا جاسکتا ہے کہ مرصاد والے رب کا سوط  
 خراب اور خبی کوڑا خبیہ سے سر نکال کر خباہت میں رہنے والوں کی بیٹھوں پر نہیں  
 برسے لگا ہے؟

اخر اکیت معاشی نظام نہیں | پر حال قدرتی معیشت کا یہ پہلو زبردستیوں کی زبردستیوں کا چونکہ  
 بلکہ قدرت کا انتقام ہے | نتیجہ جو ہے، اس نے ان زبردستیوں کا مقابلہ تو وہی کر سکتا  
 ہے جس کا ہاتھ سب سے اونچا ہے اور آج ہی نہیں بلکہ ہمیشہ زبردستیوں کو زبردستیوں پر چڑھاتا  
 رہا ہے۔ جسے بڑے گھروں کو گھروں سے دیکھا گیا ہے کہ اس نے چوڑا، اور میں تو سمجھتا  
 ہوں کہ توڑ چھوڑ کے اس سلسلہ کا آغاز ہو چکا ہے، ہر عہد آغاز ہو چکا ہے تو کسی نتیجہ تک پہنچا  
 اس آغاز کا انجام پہنچ چکا ہے۔ غلطی میں مبتلا ہونے والوں کو غلطی جو کچھ ہی لگ رہی ہے  
 وہ صرف یہ ہے کہ انتقام کو وہ واقعی انسان کا کوئی معاشی نظام سمجھ رہے ہیں، لیکن وہ خدا خود  
 اس کی شہادت پیش کرتے پلے جائیں گے کہ انتقام صرف انتقام تھا، وہ دنیا کا کوئی واقعی نظام نہ  
 تھا، اور نہ ہو سکتا ہے، انتقام کے دن جنٹ پورے ہو جائیں گے، تب ہی آدم کی معیشت کا جو فزی  
 نظام ہے وہ خود بخود قائم ہو جائے گا وہی ہوتا رہا ہے اور دنیا کی عمر کی مدت اگر اسی کچھ باقی  
 ہے تو اللہ کی اسی نصت کا ظہور پیشا ہو کر رہے گا۔ دن تجد لسنة اللہ تجدہ۔

پس قدرتی معیشت کے اس پہلو کو چھوڑ کر میں اسی معیشت کی طرف اس شکل سے بحث  
 کرتا چاہتا ہوں جو بنی آدم کے صفات و کمالات کے قدرتی تقاضات کا لازمی نتیجہ ہے، اور قرآن میں  
 جیسا کہ بار بار گذر چکا

اللہ یسطر الوشق لم یشتا  
 و یقین د۔  
 اللہ ہی کشادہ کرتا ہے جس پہ چاہتا ہے  
 روزی کو اور دیکھتی تھی کہ دیتا ہے  
 جس کی روزی کو چاہتا ہے۔

کے الفاظ میں یہ لے کر دیا گیا ہے کہ انسانی اعمال کی مصنوعی کوششوں کا نہیں بلکہ معاشی و راج و  
 مراتب کا یہ اختلاف حق تعالیٰ کی قدرت قاہرہ اور ارادہ باہرہ کا پیدا کیا جو خدا و ارادہ پیدا کیا چاہے

اور

میں بیٹھیں اور ذکر و احادیث پڑھیں  
شیطانا فضولہ قریب۔  
پس جو جاسے وہ اس کا ساتھی۔

جیسا کہ بتا چکا ہوں، دونوں میں حسن (جو) کا فضا حام ہے، جیسے پہلی معیشت والوں کو مادی ہے  
اسی طرح ان لوگوں پر بھی یہی قاعدے ملتی ہیں کہ جو اپنی قدری معیشت میں خدائی ذریعہوں  
سے مزبور زندگی گزارتے ہیں، باقی احساسات کے بجائے اس کا یہ سلسلہ شیطان کس طرح شروع کرتا  
ہے، جہاں تک قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے ابتدا اس کی اس کیفیت سے چلتی ہے جسے سورۃ النجم  
کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، یعنی

واھما الا انسان ذھابا بکلا  
سربہ فقد س علیہ ذرقہ  
فیقول سربا اھل اھل  
الکلمۃ سربا اور ذیل کر دیا۔

جس کا مطلب یہی ہوگا کہ اپنی قدری زندگی کے متعلق بھائے یہ خیال کرتے کہ یہ بھی ابتداء اور حتمی  
زندگی ہی کی ایک شکل ہے، اور جو ذریعہ داریاں ایسی حالت میں آدمی کے سپرد کی گئی ہیں جن کی تکمیل  
کی کوشش کرے، وہ یہ خط خیال اپنے اندر قائم کر لیتا ہے کہ میرے پیدا کرنے والے نے قدری  
معیشت کی اس حالت میں مجھے جسکا کہ کے ذیل اور سوا کر دیا۔ اپنی قدری زندگی کے متعلق بھائے  
یہی خیال یقین کیجئے کہ شیطان کا وہ پہلا عمل ہے جسے سلسلہ ہونے کے بعد اپنے معمولوں پر  
وہ شروع کر دیتا ہے۔

جہاں تک واقعات کا تعلق ہے عام حالات میں اگر غور کیا جائے تو غربت کی زندگی اپنی  
قرآن کی اصطلاح میں جس کی قدری معیشت نام ہے، یہ خیال کرنا کہ میری رسوائی اور ذلت کی وجہ یہی  
ہوتی ہے، واقعہ سے بہت کم تعلق رکھتا ہے، آخر ہم میں ہر ایک کو سوچنا چاہیے کہ اس کے سامنے  
ہر وقت ہر گز کہ چھوٹے لاکھوں لاکھ قرداد میں غریب مرد و عورت جو گذرتے رہتے ہیں، ایک شخص ہائے  
دوہ بیچارے غریب ہیں، یعنی ان کی آمدنی ان کی حاجت و ضرورت کے مطابق ہے، صرف اس لئے  
ان کس کو ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یہاں حال قریہ ہے کہ ہر شخص اپنے حالات میں متفرق  
ہوتا ہے، اور مردوں کے سوچنے کا موقع بھی کسی کو کب ملتا ہے، اور اگر کسی کے حال کی طرف کسی دوسرے  
کو توجہ دینی ہوتی ہے تو جہاں تک میں جانتا ہوں کسی کی قدری معیشت کا حال سمجھ کر لوگ محسوس  
کی کہاتے ہیں ان کے ذیل و خواہ ہونے کا خیال بھی کسی کو نہیں گذرتا۔ آخر غربت و فقاہت کی وجہ  
آدمی کا دوسروں کی نگاہوں میں رسوا اور ذلیل ہونا اگر ضروری ہوتا، تو آج دنیا کے ٹھہرے ٹھہرے

معاشرے میں کوشش میں کامیابی اسی وقت صرف اسی وقت ہو سکتی ہے جب انسانوں کے پیدا  
کرنے کا اختیار خود ہم انسانوں ہی کو مل جائے اور اس کے بعد اندھ جتنے نیچے بھی پیدا کئے جائیں  
وہ اپنے تمام اخلاقی و دنیوی صفات کے لحاظ سے برابر کے پیدا کئے جائیں، لیکن جب تک ممکن  
صلاحیتوں اور منافعتوں کو ملنے کے لوگوں کے پیدا کرنے کا یہ سلسلہ جاری ہے، معاشی طبقات  
کے تفاوت کے اس سلسلہ کو بھی کوئی روک نہیں سکتا، ہر حال معیشت کی اس قدرتی کیفیت میں  
زندگی گزارنے کے قرآن میں جو ہندسہ جو بتائے گئے تھے ان کا ذکر تو گذر چکا، اب دیکھئے کہ قرآن  
ہدایات کو شکوہ کرنے والوں کو جو غلو کریں کھاتی پڑتی ہیں، وہ کیا ہیں، خشک پہلی معیشت کی ذریعہوں  
سے لاپرواہی ہونے والوں کے متعلق قرآن میں جو بیان کیا گیا ہے کہ اس کے پیچھے شیطان لگا رہا  
ہے، اور وہی شیطان آدمی کے صحیح احساسات کو زبردستی کر کے بالآخر خلیفہ خستہ خشک اور خستہ  
انہیں شکار بنا دیتا ہے، یقین کیجئے کہ یہی حال ان لوگوں پر بھی طاری ہوتا ہے اور اسی کو طاری ہوتا  
چاہئے کہ قدری معیشت میں مبتلا ہونے کے بعد میں پائیزوں سے استفادہ نہیں کرتے جس کی طرف  
روزق کے اس خاص حال میں راہ نمائی کی گئی ہے۔ وہ اس کی وجہ یہ ہے کہ

میں اعرض عن ذکرہ  
فان لا معیشتہ فتنک  
جو کہ آیا یہ یاد دہشت و فتنہ اس کے لئے ہے  
معیشت زندگی، شکار و تفریح سے بچنا

اے بکریز کسی حد تک کہ جسے معاشی مراتب و درجہ کے اختلافات کا تصور نہ ہو، وہ ضرور ختم شدہ ہوئی ضرور منافعتوں  
پر جھگڑا کرے کوشش قدری و غیر قدری کے انتساب کے ختم ہوجائے گا، اب میں لوگوں کو یہ کہوں، اخباروں میں پڑھتے  
ہیں، اس قسم کی خبریں دیکھتے ہیں، مثلاً ایک دھندلکڑا سے بے شک میں تفرقہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ  
تعلیٰ تو درگاہ کی حد اقل کامیابی یا میں اس وقت تو سب پاس ہو گیل و گھٹ کر ہے  
میں جہاں میں صرف دس فیصد کی ایسے ہیں جن کی آمدنی نو سو روپیہ کی ہے، اور باقی میں دھکی  
آمدنی کا دس فیصد میں دس فیصد سے زیادہ نہیں، اور یہ معلوم کتنے لوگ ان کی زندگیوں  
مکھنے والے ایسے ہیں جو ایک ایک داڑھی کرتے ہیں، (کے ۱۰۰ روپیہ سالانہ)

اس نذر کی ہر روٹ بھال ہی کی ہے جب اس کی آمدنی اس کی کل آمدنی میں سے دس فیصد ہو سکتی ہے، اور باقی  
کی دس فیصد جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے، اور یہ سب پاس ہزار روپے تک پہنچ جاتی تھی۔

وگرت کا ہر روپہ ایک آنا دیکھتے ہیں، اس میں محسوس دیکھتے اور دیکھتے دیکھتے کہ ان تمام افراد پر  
توجہ نہیں گلا یا سکتا، بلکہ ہر حالت آسانی کا یہ دیکھتے ہیں، اور ایک ہی گھنٹہ ہی جاتے ہیں، لوگوں اور قادیانوں کی  
سندھ لکھتے ہیں، ان قدرتی صلاحیتوں کی کسی چیز کے سوا آمدنی کے اس ضمیمہ تفاوت کی توجہ اور کیا ہو سکتی ہے جو  
ہم فطری طور پر افراد انسانی میں پائی جاتی ہیں، اور باقی خزانہ صلاحیتوں کے تفاوت کا نتیجہ معاشی فرق مراتب  
کے نتائج کی شکل میں رہتا ہے، ۱۲

میں کھینچا جاتا ہوں کہ نظریہ ابتلائیہ کے انکار کے بعد جسے مصلیوں کا گروہ پائے کے بعد  
ہوتا ہے کہ مال دولت کے جس حصہ پر اس کا اقتدار قائم ہو گیا ہے وہ اس کے اور اس کی اولاد  
بہرے لگنے پائے، قرآن نے جس کی تفسیر ماکھون احداث اکالات کی ہے، اسی طرح جو گمبھ  
اس نعمت سے محروم ہوتے ہیں، یعنی قدری رزق پاستے ہیں، ضروریات حیات میں صرف ہوجانے  
بعد جو سران کے کسی جز کو پس ماند نہیں کر سکتے، ان کا مال دولت سے وہی خلق پیدا ہوجاتا  
ہے، جو در و فراق، غم و غم میں مبتلا ہونے والے عاشق مہجور و مکیں کو اپنے پھلے چوٹے عشق سے  
تو ہے، ایام و جرم میں عشق کا جذبہ جیسے عاشق مہجور کو ہرگز سے تو کر صرف  
بٹنے میں نظر جاناں کے ہونے

۲۵۳  
میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ افلاس و غربت اگر کوئی مصیبت بھی ہے، تو وہ صرف  
مصیبت ہے کوئی نہ سبب یا کر و ار کی خرابی تو نہیں ہے، جس کی وجہ سے آدمی ذلیل خیال کیا جائے  
واقعہ تو یہی ہے کہ غریب آدمی کو ذلیل خیال کرنے والا دراصل خود ذلیل ہوتا ہے جس کا اندازہ  
اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ غریبوں کو ذلیل خیال کرنے والے علانیہ اپنے اس خیال کا اظہار  
نہیں کر سکتے، ماسی نے نہیں کر سکتے اور نہیں کہتے کہ وہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ میرے اس خیال کو جو جی  
سے گا، بجائے غریبوں کے بعد کو وہ ذلیل خیال کرے گا۔

پس حقیقت تو یہ ہے کہ وہ یہی ہے۔۔۔ لیکن قدری معیشت کی ذمہ داریوں سے جو محروم  
ہو کر زندگی گزارتے ہیں، وہ دیکھا جاتا ہے کہ خواہ مخواہ کوئی ذلیل خیال کرے یا نہ کرے لیکن وہ  
چشمیں گئے اسی احساس اور خیال میں گتے رہتے ہیں کہ میں اولاد آدم کا ایک ذلیل ترین فرد ہوں  
وہ بے چارہ تو یہ خیالی کرنا ہے کہ میرا یہ احساس خود میری طبیعت کا احساس ہے اور ایک واقعہ کا  
احساس ہے، لیکن اب اس لیکن کر کوئی بتائے کہ اس پر شیطان مسلط ہو گیا ہے اور جو واقعہ  
نہیں ہے بلکہ وہ واقعہ کارنگ دے کر اس کے سامنے وہ پیش کر رہا ہے اور شیطان کا سب سے  
بڑا کہ تہذیبی متویل و ترویج ہے، اور بات اسی نقطہ پر کب ختم ہوتی ہے، عزت و ذلت بلندی و پستی کا  
سارا معیار جس کے سامنے صرف رو پروردہ گیا ہو، ایسا آدمی اگر ہر چیز سے الگ ہو کر صرف عزت و  
جلال کے اسی معیار و جد کے عشق میں ڈوب جائے تو جس خط خیال کا وہ شکار ہو گیا ہو اس کا  
تو یہ ایک لازمی نتیجہ ہے، بسلی و قدری معیشت دونوں کو ابتلائی حالات قرار دیتے ہوئے سورۃ النجم  
کی آیتوں کے بعد آخر میں دو فقرے جو پائے جاتے ہیں جن کا پہلے ہی ذکر آچکا ہے، یعنی

وَمَّا كُنْتُمْ الْغُرَّاءَ الْفُقَرَاءَ  
مَحْجُورِينَ مَحْجُورِينَ

میں نے پہلے ہی اشارہ کیا تھا کہ جیسے پہلے فقرے یعنی ماکھون انزوا کا کلام کا خلق مصلیوں  
سے ہے اسی طرح اگر دوسرے فقرے یعنی محجورین محجورین اشارہ کرتا ہے تو یہ حال کو جو ہم کے مصلیوں کے متعلق لکھا  
ہوا ہے اس کا خلق قدریوں سے ہے تو جہاں تک مشاہدہ کا خلق ہمیں کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

فقرہ والا ہے، اور بے عزت وہی ہے جو روپے سے خال ہو، مشہور فارسی شعر  
غزلک باش و خرس باش و یاسک موار باش  
میرے باطنی باطل، لیکن اند کے زردار باش  
کی ذہنیت جب کسی فرد یا قوم اور ملک پر مسلط ہوجاتی ہے تو اس کے زردار باش کے مشورے کی تعمیل کا  
موجود جس کو گول کو نہیں دت، قدرتی طور پر ہر چیز سے الگ ہو کر اسی زردار باشی کو وہ لہنے و چوڑ کا  
آخری نمشا یعنی بنا لیتے ہیں، ششک آج موجودہ مغربی تمدن نے جس حال کو دنیا میں پیدا کیا ہے  
وہی حال کو شاید تاریخ میں اس کی نظیر مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ کیونکہ عشق مال و موار پر اگر کوئی  
نیامادہ نہیں ہے، قدری معیشت کو جس زمانہ میں بھی محسوس کرنے والوں نے اپنی امانت کا ذریعہ  
محسوس کیا ہے۔ قدرتی اس عشق کی آگے ان کو اپنے قلوب میں سلگانی اور بڑھکانی ہی پڑی ہے لیکن  
جہاں تک میں جانتا ہوں دل کے اس کیفیت کے انکار کی جھوٹا لوگوں کو جرات نہیں ہوتی تھی، یا  
جھوٹی جی ملی تو کچھ پیچھے دیے فکروں میں جھوٹی تھی، آدمی مرے مال اندوزی یا زور آفرینی کا آلہ ہے  
اس کے سوا وہ اور کچھ نہیں ہے، یا دوسرے فکروں میں اس کی تفسیر آج کرنے والے اسی الفاظ میں جو  
کر رہے ہیں کہ آدمی صرف پیٹ سے یا غفلت روٹی سے پیٹ ہی کے لئے وہ جیت ہے اور پیٹ ہی  
کے لئے مرنا ہے، روٹی ہی کے لئے غفلت سے انسانی شکل کو پیدا کیا ہے اس کا حاصل کرنا انسانی  
حاصل کرتے ہوئے اپنی آخری سانس چھڑی کرئی، یہاں فطرت ہی اس کے وجود کا سبب بننا نہیں ہے

میں نے پہلے ہی اشارہ کیا تھا کہ جیسے پہلے فقرے یعنی ماکھون انزوا کا کلام کا خلق مصلیوں  
سے ہے اسی طرح اگر دوسرے فقرے یعنی محجورین محجورین اشارہ کرتا ہے تو یہ حال کو جو ہم کے مصلیوں کے متعلق لکھا  
ہوا ہے اس کا خلق قدریوں سے ہے تو جہاں تک مشاہدہ کا خلق ہمیں کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

جس بلند آفتابوں کے ساتھ تیز کسی شرم و حیا کے آئیں سب کچھ بیا بگ بول رہی رہی بیا بگ بول رہی رہی  
 جو کیا بار بار ہے، تیرے دل میں، تیرے دل میں پہنچنے والے صرف ان ہی آوازوں کے ساتھ جو پہنچ رہے  
 ہیں، لگے جیسا ڈھنگا کر جو پہنچ رہے ہیں، انسانیت کی تاریکی کا کوئی ٹکڑا کسی قوم کسی ملک کے کسی  
 دور کا خود بخود کیا بن سکتا ہے کہ زمین کے کہ پر بنی آدم کے گھراؤں میں اتنی ڈھلانیوں اور انتہائی  
 بے حیائیوں کے ساتھ کافروں کو بھی پہلے ہی سندنے والوں نے یہ سنا یا تھا یا زبانوں پر اس قسم  
 کے الفاظ آئے تھے شاید یہ قرآنی الفاظ

تصویرت السال حبنا جسد

کی حلا نہ جسیرہ ہے، اسی لئے ان حالات میں جو کیفیت دلوں میں پیدا ہوتی تھی زبانوں سے  
 بھی اس کا اقرار کر لیا گیا، اور اس طرح اقرار کیا گیا کہ آج ان الفاظ کے انکار کرنے والوں کو  
 بھی مصلوب طیار یا جارہا ہے وہی دوزخ کے اور دھکے مارے جا رہے ہیں، جو انسان جیسی بلند  
 ہستی کو اتنا پست قرار دینے سے بیکار ہے ہیں۔

یہ حال انسانیت کی بلندی دینی کا یہ حصہ بچا ہے خود ایک الگ حصہ ہے، جو خود مومن  
 خوس (درجہ) یا سگہ دار بنا کر نہیں پیدا کیا گیا ہے، اسی کو انہی چندوں یا دوزخوں کے مقابلہ  
 اتارنے کی کوشش کسی حد تک کامیاب ہو سکتی ہے۔ اس وقت میرے سامنے یہ بحث نہیں ہے  
 میرے پیش نظر اس وقت جو کچھ ہے، وہ صرف یہ ہے کہ قرآن کے فقرے ابتداء کا انکار کیا گیا یا  
 لہذا کی ذمہ داریوں سے انکار کیا گیا، اس انکار کے بعد انسانی احساسات میں قدری معیشت کے حلق  
 ہر چند خیال پیدا ہوتی ہیں، قرآن کی رکشلی میں اسے ان لوگوں کے نگے رکھ دوں جو قرآن کو  
 سمجھتے اور سمجھ کر اسی کی مدد میں چلتا چلتے ہیں، آپہنچے دیکھ لیا کہ پہلی افتاد انسانی فہم پر  
 اس مسئلہ میں چڑھتی ہے وہ یہ ہے کہ قدری معیشت کو لوگ اپنی امانت و ذلت کا ذریعہ بھیج کر دے  
 جتھے ہیں، اس کے بعد ہر تار خوار ذلت کی اس حالت سے بچنے کے لئے مال اور سرمایہ کے اس  
 شب غریب یا متعین مفروضہ کی آگ اپنے اندر بھرا لیتے ہیں، جس کی حیرت انگیز نے شب بزم سے کہ ہے  
 گویا بلی معیشت والے جیسے نظریہ انسانیت کے انکار کے بعد سرمایہ کے متعلق آکل تم میں جٹکا  
 ہو جاتے ہیں، اسی طرح قرآنی اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ قدری معیشت والوں کو مال کے  
 حسب کم کا شمار ہوتا ہے۔ یہی قرآن سے بھی سمجھا جاتا ہے اور واقعات بھی اسی کی توثیق دیتے  
 کر رہے ہیں، لیکن بات کیا اسی منزل تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے؟ اگر ختم بھی ہو جاتی تو جنہیں اپنی  
 انسانیت اور اس کی قدرتی بلندیوں پر تانے والے کا ایک معمولی ذہنی انقلاب کے ہاں سوال اٹتا  
 ہے کہ جانا یا گرائے والے کا ان کو اتنا شہ گرا دینا در حقیقت کچھ کم سزا دینی، لیکن کہنے والے  
 کہ کتنے تھے بلکہ کہہ رہے ہیں کہ اپنی بلندی و برتری کا یہ خیال انسانوں کا خود ساختہ ایک ذہنی خیال  
 ہے، زمین پر رہنے والے سوروں، جنگلوں میں گھوم گھوم کر شکار کرنے والے ریکھوں، بکروں، گھوڑوں،

کوچوں میں دو بہرہ مارے چھوٹے دلتے کتوں سے آخر آدم کے بچوں کو بلند یا لاکھوں خیال کیا جائے،  
 کیوں نہیں سمجھا جائے کہ کھانا، پینا، مرنا، اس جو انی نصب العین سے زیادہ انسانی وجود اپنے ساتھ  
 کوئی اور اپنا نصب العین بھی رکھتا ہے، جیسا کہ قاعدہ ہے کہ قرآنی حجت جبریتہ پالغہ یعنی آخری  
 دروازے تک پہنچانے والی حجت ہوتی ہے۔ اس مسئلہ میں بھی کم از کم میرے نزدیک یہی دراصل  
 اس لئے اختیار کیا ہے

مطلب یہ ہے کہ مال کے حسب کم ان سرمایہ کا عشق مفروضہ جب ان طبقات پر مسلط ہو جاتا  
 ہے جنہیں قدرتی بلندی پر ہاں رہی لی رہی ہے، تو پھر  
 اسے عشق بلکہ ملے جلے اسے عشق کہیں لے چل

کے دوروں سے ان بجا رول کو کون بچا سکتا ہے جو اپنے آخری محبوب کے مصل کی تئوں  
 میں تڑپتے اور ایڑیاں رگڑتے رہتے ہیں، قدری معیشت کی دشواریوں کو آسان بنانے کے  
 سامنے ذرائع جن کی فراہم ہونے تعلیم دی ہے، عشق کی اس آگ میں جل جلیں کر جسم ہو جاتے  
 ہیں، اور وہی پورا تا ماضی چھوٹا

ان تفصیل فی امور طاعت و فساد  
 اپنے سوال اور سرمایہ کو جسم بھی ہیں  
 کا دواخوں میں نمودار ہوتا ہے، صلوات کیلئے یا مذہب و دین ایمان و حریم کا ماضی ہر وہم کی  
 راہوں سے رشتہ توڑ دیا جاتا ہے۔ مذکا قانون خدا والا حکم، صبر و تحمل، دعا، انکسائی الادائی،  
 ترک مالائینی، الغرض وہ ساری ذمہ داریاں جو قدری معیشت میں الرجن کی طرف سے حائل کی گئی  
 ہیں، وہ جھاڑ دی جاتی ہیں، اپنے عشق مطالبات کی تکمیل میں بے روک ٹوک لوگ مشغول ہو جاتے  
 ہیں، مہلے آئینی کی اس زندگی میں زمین پر جس قسم کا فساد بھی پھوٹ پڑے اس کا کون انکار کر سکتا  
 ہے، ماضی مسائل کے متعلق حضرت خشیب علیہ السلام کی تیش قوم جس نے اپنے اندر مال کے ہی  
 حسب کم کو پیدا کیا تھا، اسی قوم کو خطاب کر کے اللہ کے منادی حضرت خشیب علیہ السلام کے جو اس  
 قسم کے الفاظ قرآن میں مضموناً کئے گئے ہیں،

و تقعد دن بکل حواط قعد  
 اور بیٹھے ہو تم ہر راہ پر دھکے دے  
 و لا تقعد وانی الامم بعد  
 اور نہ بگاڑو پیداکر دوزخ میں جس کا  
 اصل صحابہ۔  
 شد مبارک ہے۔

طبعی مواخذ کے ان فطرت کی تفسیر اگر کوئی چرنا چاہے، تو وہی ملک میں جا کر پڑا سکتا ہے جو  
 کہنے کی مدد تو سب سے شہ آئینی ملک میں، بلکہ آج تو دنیا کی آئین گئی اور آئین مادی کا  
 کام دینی کر رہے ہیں، اور انسانی اخلاق کی تسبیح کا وہیہ خطائز جس کے متعلق یاد دہانے کے



یہ واقعہ چھٹا تھا کہ ایک دینی جب طرح پرست تھا، اگلی دن کا یہ مصنف قسیم یا فخر گھر سے ہاتھ  
 قسمت کی ماری ایک نیم صاحبہ شکر سے گزر رہی تھیں لگے میں ان کے ایک ہار پڑا ہوا تھا جس  
 کی قیمت پندرہ سولہ ہزار روپے سے کم نہ تھی ماسرگشتی ہار دانی نیم صاحبہ کو تنہا پاکو صاحب مصنف  
 صاحب نے ہار پر ایک جیشا مارا، غریب صورت کیا کر سکتی تھی، وہ دیکھتی کی دیکھتی ہاتھ کی دھڑکی اور ہار کو  
 لگے سے اتار، مصنف صاحب یہ جادو جادو کیا گویوں میں غائب ہو گئے، لیکن نیم نے سمجھ بھانہ چھوڑا  
 چھوڑا، اچکا اچکا گھٹکتے ہوئے وہ بھی ان کے پیچھے دوڑنے لگی، سامنے راہ گیر جو آرہے تھے،  
 انہوں نے اس ظلم یا فخر مصنف چور کو پکڑ لیا، اتنے میں پولیس آگئی، چور گرفتار ہو گیا، لیکن کہ  
 بے چارے کے جرم میں قید سال کی سزا اس چور مصنف کو بھیجی گئی (ماخوذ از سچو سچو)۔  
 یوزان دور (۱۳۰۲ء) دسمبر (۱۳۰۲ء) بدھستی سے یہ چور مصنف صاحب پکڑے گئے، اس لئے بات  
 کھل گئی۔ ورنہ خدا ہی جانتا ہے کہ کوالی کے حبس کے حاشیوں سے بھرتے ہوئے اس ملک  
 میں "این کلین" کا بے خطا اور یقینی علاج کن کن نتائج کو پیدا کر رہا ہے۔

اور یہ حال قرآن کا ہے جس میں جرائم کی ان راہوں پر بھیجئے اور قصہ آزمائی کی بہت پائی  
 جاتی ہے، لیکن قہری حیثیت رکھنے والوں میں ناکام حاشیوں کا وہ گردہ جو کہ تا سب کچھ چاہتا  
 ہے، لیکن کچھ کر نہیں سکتا، اس کے درد کا اندازہ کن کن سکتا ہے کہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس حور  
 قرآنی میں ہے کہ اپنی جاہلیت کے دور میں عرب کی سرزمین کا یہ عام رواج تھا کہ محض معاشی و تجارتی  
 خراب تھے، اور مال کے حبس کے پتھر کی ٹھیکوں کے لئے وہاں کے باشندے اپنے بچے کے کھڑوں کو  
 بھی ذبح کرتے تھے نہیں بچا کرتے تھے، قرآنی کو اسی رواج کے انداد کے لئے ایک سے زائد ٹاپے  
 ولا تفسدوا ولا تفسدوا ولا تفسدوا اور یہی رواج اور دل افلاس  
 کے نتیجے ہے۔

۱۱۔ اطلاق۔  
 کا حکم نافذ کرنا تاہم اور جہاں تک حرب کی تاریخ کا تعلق ہے، قرآنی حکم کے بعد چور گنتی اور قصات کلیں کے

ملکہ عام طور پر مشہور ہو گیا ہے کہ جاہلیت میں عرب وائے موت اپنی لڑکوں کو زندہ درگداس لئے گردیتے تھے کہ  
 اپنی لڑکی کو کسی اجنبی بزرگ کے لئے بھروسہ پران کی قربت اور جاہلی حیثیت کا وہ ذوق جو کہ اس کے ساتھ قلم ہی وجہ سے  
 نہ کر سکتا تھا، کہ اس کو کوئی بڑی بڑی شہرت تک بھی نہیں دے، لیکن لڑکیوں کے سو گھوں یا عام اور لڑکے بچوں یا لڑکیوں  
 ان کے قتل کے جاہلی دستور کا ذکر تو قرآن میں ایک سے زائد جگہ پر کیا گیا ہے، جہاں اس کا ذکر ہے، جہاں اس کا ذکر ہے  
 رسم کی وجہ سے اور موت ہی موت کی گئی ہے جسے آج یہ کھڑوں کے جواز بلکہ وجوب کے مسئلہ میں حرم پیش کیا جاتا ہے  
 میں معاشی و تجارتی حاشیوں کی گئی ہے جسے آج یہ کھڑوں کے جواز بلکہ وجوب کے مسئلہ میں حرم پیش کیا جاتا ہے  
 کے رسم کو بھی خود ہیوں کی کسی قسم کے مل کا ذکر یہ ملایا جاتا ہے۔ بڑے بڑے قرآنی میں بڑے بڑے قتل اور دل افلاس کا جہاں بھی ذکر  
 ہے، وہاں ہی کے ساتھ ہی خفیہ اطلاق و افلاس کے اندیشا کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس جگہ ان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، لیکن، تو جاہل عرب اپنی جاہلیت کے  
 دور میں کرتا تھا، آج ظلم یا فخر چور و امریکہ میں پیدا ہونے کے بعد نہ سہی، پیدا ہونے سے پیشتر  
 ہی بچوں کے گھگھے ماؤں کے پیٹ ہی میں یہ کھڑوں اور غیر کی مختلف نمبروں سے جو گھونٹے جا رہے  
 ہیں، کیا اس کی وجہ اس کے سوا اور بھی کچھ ہے کہ دوسروں سے بچتے کی محنت جو اپنے اندر نہیں کھتے  
 تالی حبس کے ان حاشیوں نے اپنے قہری سراپے کو بچانے کی یہ تدبیر پیدا کی ہے کہ قہری حیثیت  
 کی پریشانیوں میں جن سے اضافہ کا اندیشہ ہے اپنے ان بچوں کو پیدا ہونے سے پہلے ہی زندگی  
 کے حقوق سے محروم کر دیا جائے۔

اور قہر کیا ہیں قہم جو جاتا ہے، آج نہیں کہ آج تو دشمن کشی کے مشاغل میری ممالک  
 مشغول ہیں، لیکن ان ہی دلوں میں جب تک دشمن کشی کا یہ قہر نہیں چھڑا تھا، کوئی نہیں جانتا کہ  
 قہری حیثیت ہی کے متعلق ان ممالک کے باشندوں کے خطا احساسات نے ان کے لئے "اطلا دشمنی"  
 ہی نہیں کہ گولڈ پیر ہی خبر ہی جوتی ہے بلکہ خود کشی کے فعل کو بھی ان کا ایک مجبور فعل بنا دیا تھا،  
 ان ہی دلوں کے اخباروں کی یہ خبریں کہ سے پریشان ہیں کہ بعض حلقوں میں خود کشی کو آسانی  
 بنانے کے لئے باخدا بد انجمن اور کتب قائم تھے اور سامنے تھتے تھے جن میں لوگوں کو یہ بتایا جاتا  
 تھا کہ یہ سہولت تمام اپنی زندگی کے قہر کو وہ کس طرح ختم کر سکتے ہیں، یہ قہر اس کے ذریعہ کا نام  
 اس مسئلہ میں سب سے آگے تھلا

۱۱۹۶ء۔ اس راج کی افاحت میں مشہدے اکبر میں اخبار میں برگزیدہ سہری گارڈی کا ایک  
 بیان خود کشی کے واردات کے متعلق شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے اعلان کیا تھا کہ  
 ان کی رائے میں خود کشی کا سبب سے بڑا سبب خانگی اور مالی دشواریاں  
 ہیں (۱۱۔ اپریل سن ۱۹۶۷ء)

بچوں کو سہری گارڈی کے معاملہ کا خاص مضمون خود کشی کے واردات ہی تھے ماس لئے ان کے بیان کا  
 بہت اہمیت دی جاتی تھی، ماسی بیان میں انہوں نے یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ  
 "ہر ہمت اور سفا آٹھ آدمی زبانی یا تحریراً مجھے اپنے ارادہ خود کشی سے مطلع  
 کرتے رہے ہیں، جس سے خود کشی پر آمادہ رہے ہیں مگر زبان سے انکار نہیں کرتے تھے  
 کی قہر و انگشت ان میں ہر مل پاکی ہزار تک پہنچتی ہے (راخدا مذکور)  
 دیکھنا پڑے تھے کہ ان کا بہت کھار قہری حیثیت میں جو کھار خود کشوں کو کس خبر پر آمادہ ہونے کے لئے مجبور کر کے  
 انہوں نے اپنی قہری زندگی کا رشتہ جب خود سے توڑا تو اس رشتے کے توڑنے کے بعد لازمی نتائج میں سے  
 اپنے آپ کا دیکھ کر پکارتے تھے، یہی لوگ ہیں جن کے متعلق قرآن میں یہ چاہا گیا ہے۔

ملکہ اس کا خیال کہ یہ ہر ہمت اور کس کا پتہ لگانے کی جگہ گئی، ماسی بیان میں اس کا ذکر ہے کہ وہ قہری حیثیت میں جگہ تا ۱۱

وہی یلین ان لہن بھلا اللہ  
فی الدنیا والآخرۃ  
فلین دیسبب انی السماء  
مشہد لقطع فیظفر حل یدہیں  
کیوں کا مافیضہ۔  
اور خیال کرتا ہے کہ نہیں مذکر سکا  
اگر اس کی دنیا میں اور آخرت  
میں تو تائے وہ دوری کسی  
بھند میں اور پھر پانی لگا کر اس  
کاٹ دے اور دیکھے کہ اس پانی سے

کہا اپنے دل کے ہم وختہ کا ازالہ کر پایا

اس موقع پر ایک اور شخصی واقعہ کا ذکر خاتمہ اس قرآنی شہدے کے کچھ نہیں زیادہ مددگار ثابت ہو سکتا ہے  
موفیہ حبہ الما بدوریا آبادی نے ایک مغربی خاتون جس کا نام سترکیٹس تھا  
اس کے مشق یہ کہنے کے بعد کہ

یہ ایک حسین عورت تھی ۲۹ سال کی جو اب عورت ہو رہی تھی۔ اولاد بھی  
بہت تھی موجود تھی شادی پر صحت پانچ سال گزرے تھے۔

موریت کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ فوجانی اور عتوانی شباب کے زمانہ میں "فلم اشارتے بکلمہ  
بھی ل چکا تھا لیکن آخر چند سے ہٹ کر ایک کے چوبیسے کا اس نے فیصلہ کیا تھا۔ اب اسباب کیلئے  
لیکن جیسا کہ مستحق ہے رزق میں پیمانہ پر اس کے لئے مقدر ہوا تھا وہ قدر کا پیمانہ تھا، سببائی  
زندگی کی رنگ رلیوں کے بعد قدری سببیت کا یہ حال اس کے لئے ناقابل برداشت بن گیا جس قدر  
وتہذیب میں وہ پیدا ہوئی تھی، ظاہر ہے کہ خدا اور اس کی ضرورتوں سے خیر و شر میں اور بوس تہذیب  
تھی، ایسی حالت میں جو خسریری فیصلہ اس نے کیا اسی کو پیش کرنا میرا مقصد ہے۔ اس کی خود  
وضاحت تحریر کا ترجمہ ہے۔

میں مالی مشکلات سے جس کا کوئی حل نہیں مجبور ہو کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا  
ہوں، میری آمدنی اتنی رہی جس سے خود میری اور میری بچی کی گذر ہو سکے،  
خوہر سے میرا افتراق ہو چکا ہے، میری ایک اولاد کی وہ پرورش کر رہا ہے،  
میرے دوست و احباب ایسے موجود ہیں جو مجھے مالی امداد دے سکتے ہیں لیکن  
اس کے بعد ان کے دلوں میں میری محبت اور قدر باقی نہ رہے گی۔

اس تحریری فیصلہ کے بعد اپنی امانتوں اور فرائضوں سے اس مایوس تہذیب میں پیدا ہونے والی  
اس عورت نے کبھی عجیب بات نہ کہ جس کا قرآن میں اشارہ کیا گیا تھا یعنی فلین دیسبب انی السماء  
(ہاں یہ کہتے ہیں کہ اس نے اشارہ لیا تھا) (پھر اسے کاٹ دے) گو یا اسی حکم کی تعمیل اور تجربہ کی  
راہ بتاتے ہوئے اپنا اور اپنی بچی کا اس نے خاتمہ کر دیا، جیسا کہ قرآن میں پوچھا گیا ہے۔

فلین حل یدہیں کیوں کہ اس نے پانی سے  
ما فیضہ۔  
ہر دیکھے کہ اس پانی سے  
دل کے ہم وختہ کا ازالہ کیا

اس کے دل میں بھی اس کا خیال آیا، مردہ فیروں میں زندگی کے بعض جرائم موجود ہوتے ہیں، خصوصاً  
موت کے وقت کسی نہ کسی حد تک ان زندہ جرائم کی حرکت کا احساس ہوتا ہے، اسی احساس کو دہانے  
کے لئے اس عورت نے یہ بھی لکھا تھا۔

تیرا اپنی بچی کو کسی اپنے ساتھ ختم کئے دیجی ہوں، اس نے بھی ختم کرتی ہوں  
کہ اگر وہ حسین نہ تھی اور میرے خیال میں وہ حسین نہیں ہے۔ تو کوئی اسے  
پہچے گا بھی نہیں، میں ہی اس بچی کو جو دہیں لائی تھی، اور میں ہی اس کے  
ختم بھی کر دیجی ہوں،

جو سوالات اس کے دل میں اٹھ رہے تھے، سادہ کے ان ہی پر دوں کو الہ پر ڈال رہی تھی۔  
آخر میں اس نے یہ بھی لکھا تھا،

مجھے یقین ہے کہ میری اور اپنی بچی کی جانی لینے میں حق بجانب ہوں، ابتداء  
میں چپتا رہتا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد اتنی زیادہ  
ہے، خیر اس زیادتی سے بعد دو عورتوں کے تو کسی جوبی جائے گی!

لیکن ظاہر ہے کہ دم بچنے کے بعد اس کی یہ سادی چالیں اور اس کا کید فقط اس کے لئے نفع بخش دوا نہ ہو سکتا  
تھا، جب کہ موت سے پہلے کی زندگی جو اس کے ذکر سے الگ ہو کر گذر رہی تھی۔ اس کے خلق اس نے  
لکھا تھا کہ تیرے نے زندگی کو اپنے حق میں ایک مصیبت پایا، میری زندگی کا کوئی حصہ ہیں سے نہ گذرے  
میرے مردوں کو درغہ پایا، کوئی مرد اپنی طرف کے بننے پر جیت بھی نہیں، اس نے اس بچی کو میں  
اس مصیبت میں ڈال نہیں چاہتی!

من اس حق عن ذکری  
فان وہ معیشتہ ضنکا۔  
اور جو کہ لایہ زرا دے اس کے لئے ہی  
میت میں اور جگہوں سے جوبی جاتی۔

کی یہ کتنی کتنی تفسیر اور اس کی تصدیق کی کتنی واضح شہادت ہے۔

حقیقت فریب ہے کہ کچھ ایسے اعتبار و استعان کے موجودہ زندگی اور اسی کی راحتوں اور خوشیوں  
اول و آخرت کے خلاف ذرا دماغ سے بے ہوش ہو کر جیتے ہیں، اگرچہ یہ ظاہر ہو جاتے ہیں، لیکن  
کچھ پوچھتے تو وہ ہر وقت موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہتے ہیں، آپ دیکھ رہے ہیں ایک جوان کا  
میں عورت کو جوانی اور بہار کے دن میں نے ہر قسم کے فو دے آزاد ہو کر گذرے، سینہ کے افق پر  
ستارہ بنی ہو کر چمکتی رہی، لیکن وہی اقرار کرتی ہے کہ  
میرے نے زندگی کو اپنے حق میں مصیبت پایا، میری زندگی کا کوئی حصہ ہیں سے نہیں گذرے؟

طہ اشہد قرآن کی مشہور روایت کہ طرقتین بل الا شاف علی نفسه و سیر و دوا لقی معا ذرہ و (دیکھ آری اپنے چہرے  
دیکھنے والا ہے خواہ اس کے غمزدوں کے پر دے ہی کیوں نہ اڑھاتا پلا جائے ۱۲



اسی سادہ شاخ  
گرنی جس کا فنا قابلِ خور ہے جس کا کھانا مطلب ہی ہے کہ بسلی اور قدری معیشت کے  
دونوں حالات میں معیشت خشک اور تلخ زندگی ہی وہ گذارتی رہی رہی اس کا احکام ہے اور اس کی زندگی  
کے دونوں کے جو کچھ کھائی کھوئے ہوئے۔ آخر دونوں کو دنیاوی دولت و ثروت کے ساتھ جب اس طرح  
جوڑ دیا جائے کہ وہی سب کچھ ہی کر رہ جائے، نہ پہلے کی صورت میں چلنے کے دو لے اور جذبات  
اور ہونے کی صورت میں زوالی نعمت کے اندیشہ اور خطرات اس قسم کے نفوس کے لئے جس طرح  
سودا ہی روح بنے رہتے ہیں مگر ان کا اندازہ بہ نسبت دوسروں کے خدا ہی کو زیادہ ہو سکتا ہے  
انبار کچا ہیں ایک دفعہ دین کے سب سے بڑے ہنوز، خود دینے اور دوسروں کو نہانے والے  
مقال پادری چاہیں کے متعلق، خیر مومن و مومن اجناسات کے حوالے سے یہی معنی۔ مولانا عبد اللہ صاحب  
صاحب نے لکھا تھا۔

پچھلے دنوں انھوں نے دھرم کے کچھ بچنے انبار وصول ہوئے۔ سب میں  
حکم کا یہ افسانہ موجود تھا کہ اپنی چارلی چاہیں کی بیڑی صاحب ستریا چلیے  
اپنے شوہر کا مار پر دعویٰ دائر کر دیا جو ہر طرح کے گتہ و گتہ الزامات پر  
شامل ہے اور جس کی بنا پر چارلی چاہیں کی برسون کی کمانی، لکھو کھا پڑے  
کی جائزہ او خطرے میں ہے۔

مولانا نے اس کے بعد جہاں گئی تھی وہی تھی کہ خداوندی نصرت سے اسے بڑھا جائے لکھا تھا،  
ان راولوں کے بیان کے بموجب اب چارلی کے دم پر پر تکلف باس کی  
جگہ چیتڑے لگے ہوئے ہیں، چہرے پر ہوائیاں چوٹے رہی ہیں،  
صورت پھر حشت برسنے لگی ہے، ہیرا نہ سالی کے آثار اس پر طاری  
ہو گئے، صورت اتنی چمک رہی کہ پہچاننا دشوار ہے۔

آخر میں غور و فکر اندل کے حوالے سے مولانا نے نقل کیا تھا،

گل جو دنیا کا زہر ترین دل تھا، وہ آج دنیا کا مردہ ترین شخص ہے (۱۴۱۵ھ)

انشاء اللہ اپنے چہرے اور اس کی کیفیات کو دل کے حالات سے ہمہ کن کی عمر ہر مشق کا راز۔ آپ  
دیکھ رہے ہیں کہ کمال کے حبیب اور سرمایہ کے مشق مضبوطی اس کو کتنا متاثر کیا تھا کہ مصنوعی صحت  
کے طاری کرنے کی بھی ساری مبارک خائب ہو گئی اور جو آگ اس کے دل میں بھری ہوئی تھی اسی کے  
شعلوں نے چہرے کی ساری مصنوعی بنا شعلوں کو جھک کر خاک ٹپا بنا دیا، اور یہ قدری معیشت میں  
جسک ہو جانے کے خطرے، مروت خطرے کے احساس کا اثر تھا، پھر اسی سے ان کا نہ کیجیٹان سیکھنے کی  
فنیاتی کیفیتوں کا جو واقعی ان ملک میں قدری زندگی گزار رہے ہیں اور گزارنے پر مجبور ہیں، فکر و  
ابتکارات کا انکار کر کے، نئے مفکرین اور ماہ ناؤں نے جن ذہنی اور فکری انگاروں، دھچکے ہوئے  
انگاریوں پر ٹوٹنے کے لئے ان کو چھوڑ دیا ہے، سادہ انشوراس کی سوزش و تپش کا کوئی شکار نہ ہو سکتا

اسی سادہ شاخ  
یادگار کی دوزخ کا انکار نہیں کیے کہ انھوں نے لئے خدا ان کے اندر دوزخ میں کہ جڑک شست ہے، بندے  
والے نے آدمی کی فطرت میں ہی بنائی ہے، ان ہی خصوصیتوں کے ساتھ بنائی ہے، قدری معیشت کا  
وہ حال میں انسان کا خدا اور خدا کی مشیت خدائی رحمت و نفرت سے مشتمل توڑ دیا گیا ہے  
قدری زندگی کو بندہ بسلی زندگی سے بدل دینے کا سارا اختیار و اختیار خدا ہی کا ہے خود انسان ہی کے پرورد  
کر دیا گیا ہے، وہی جس کی پیروی اس زمانے میں کی جاتی ہے کہ اپنی تقدیر کا مسما پر شخص بذات خود  
ہے، کامرانیوں کو قواس وقت جاسے دیکھنے میں ذکر ان لوگوں کا کر رہا ہوں جو سب کچھ سیکھ کر  
سکھا کر پھر بھی اپنی تقدیر کی تعمیر میں ناکام رہتے ہیں، مادہ حالات ان کو ناکام رہنے پر مجبور کرنے میں  
بھی جن کے بھی انگاروں اور باطنی جسم کو کشدی کہنے کے لئے آج اشتریت کا جتنا اڑا دیا گیا ہے  
سراپہ داری اور سرمایہ بے زاری کی اس کش مکش کا انجام کیا ہوگا، ابھی تو وہ سلسلے نہیں ہے  
جس سوال ان سے ہے جو اس وقت حل رہے ہیں، اور ان سے پہلے حل ہی کر رہے ہیں۔  
نئی قدری زندگیوں کو دوزخ بنانا کر گذری ہے، ان کے ساتھ یقیناً ہی کیا گیا کہ دوزخ سے دوزخ کا  
نیل نکل کر ان کے دلوں میں دوزخ بھری گئی، اس وقت تک بھری ہوئی ہے۔

حالانکہ میں یہ کہتا ہوں پہلے ہی کہ چکا ہوں کہ یہی قدری معیشت جو مہمانیت کے لئے  
ہے جنم ہی ہوئی ہے، ابتکائی فکر کی راہ نمائی میں اسی زندگی کو جنموں کے لئے گزارا ہے اور آج  
ہی خدا کے فضل سے ایک بڑی قدر اور زمین کے اس کو یہاں اسی زندگی کو گزار رہی ہے جو فنی و مومن گزار  
رہی ہے، اگر اپنی زندگی کو وہ جنت کی زندگی نہیں بنا سکے اس وقت اسی بات یقینی ہے کہ اس جنم میں بھی  
تیس جنت نہیں پڑا ہے جس میں جنم کے انکار کر کے والوں کو آج جلتے جلتے کھڑے اور کرانے دانہ  
تے دیکھا جا رہا ہے، بلکہ کچھ پوچھتے تو جس جنت کو آج خیال مروت خیال ٹپا جا رہا ہے، میں تو دیکھ  
ہوں کہ اس جنت کے خیال نے ہی ان ہی جنتوں کی زندگیوں کو جنت بنا دیا ہے، انسانی آبادیوں  
کی تمام جنتیں اگر دوزخ بنا جائے تو کو ان کی مروت گھٹ چکی ہے اور گھٹائی چلی جا رہی ہے، لیکن پھر  
آپ کی ایسے افراد ان ہی انسانوں میں مل جائیں گے جن کی زندگی کو جنت کے اسی خیال ہی میں مروت  
نیل جنت بنا رکھا ہے، دوسروں کو اختیار ہے خواہ وہ کچھ ہی سمجھیں، لیکن میں تو یہی سمجھتا ہوں  
ان لوگوں کو جب کبھی دیکھا ہے تو یہی افسوسناک انداز میں پیدا ہوا ہے کہ جن کا خیال ہی جنتی زندگی  
نے کی حالت اپنے اندر رکھتا ہے، اسی جنت کی واقعی حقیقت اپنے اندر مروت و نشاط کے  
مستندوں کو بیٹھتی گی۔

لوگوں نے سمجھا نہیں دوزخ ہی انہیں یا ذہب کا ادھ جس کے نتائج کا براہ راست متعلق  
ہوئے سمجھا جائے، اور کوئی شبہ نہیں کہ ذہب اور ذہبی کاروبار کے نتائج کا جتنی متعلق ہے  
مروت ہی کے ساتھ، لیکن اس وقت ذہبی طور پر اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شوری یا غیر شوری  
اور دنیا کی زندگی میں ہی دین یقیناً ان کا بپ پیدا کر رہا ہے، دیکھا جا رہا ہے، ان کا بپ اور ان کا

اسی معانیات  
تجربہ شاہد ہے کہ دنیا کی دوزخ کا خوف جس حد تک جس کی زندگی پر مسلط ہوتا چلا گیا ہے، اسی حد تک دنیا کی دوزخوں کا درد کہ جس کی فصل اختیار کرتا چلا گیا ہے، پیچیدگی سے  
میر و سلم کی دعاؤں کا یہ فقرہ

عنایتا صائب الدنیا  
یعنی کی نعمت میں جس کے ذریعے دنیا

کی معیشتیں بگنی پڑتی ہیں باقی ہیں۔  
میں تو سمجھتا ہوں کہ اس کا یہی مطلب ہے اور کبھی یہی حال دنیا کی جنت کا بھی ہے کہ جس کا جتنا نیا وہ  
امکا دوزخ کی اس جنت پر بڑھتا چلا گیا ہے، دنیا میں اس پر جنت کے دوزخ کے کھٹے پٹے گئے ہیں۔  
اب لوگوں کو کیا کہیے وہ آدم کی اولاد سے بنی اور نیک کردار کی مطالبہ کرتے ہیں کہ ان  
میں ہر ایک کو جو امانت بھی سپرد کی جائے بغیر کسی حیانت کے امانت کے فرائض کو وہ انجام دیتا چلا جائے  
ان غریبوں پر پشیمانی چڑھائی جاتی ہیں جو حکومت کے محکوموں میں رشتہ نہیں لیتے ہیں اور عایا کو بھی  
لوٹنے میں اور جس حکومت کے غلام رہتے ہیں جو ختم ہونے پر اس کی آمدنیوں سے بھی نفع اٹھاتے ہیں  
ان مسکینوں کے خلاف ایک چنگار برپا ہے جو تجارت میں دھوکے دیتے ہیں، صنعتی دستکاری میں  
غریب سے کام لیتے ہیں، ان کے لئے قانونی پر قانون بنائے جا رہے ہیں، قریبی دشمنانہ  
جا رہے ہیں، جیلوں کی دھکیلاں دی جا رہی ہیں، سوسائٹی میں ان کو رسوا کیا جاتا ہے، لغزشوں اور  
عاشقوں سے ان کے قلوب کو لوگ چسپی بنائے ہوئے ہیں، حالانکہ سوچنے کی بات یہ تھی کہ ہم کا خوف  
جن کے دلوں سے نکال دیا گیا ہے اور نکال دینے کی مسلسل کوشش جاری ہے، کاجوں میں مسکینوں  
میں، قسطنطنیہ میں، پٹنہ میں، راسا میں، سیٹھاؤں میں اور شاہ کاجوں میں جھوٹوں میں اور  
کجیوں میں اور کچھ جوتا جوتا ہو رہا ہو، دیکھو دیکھو کیا کر رہے ہیں، بدیہی سزا یا جڑ سے آدمی کو دوچار جوتا  
پڑے گا، اس کا منہ پر گبارا یا جا رہا ہے، یہ ذہب کا ڈھکھڑاٹ ڈھکھڑاٹ ہے، ہر ایک کی قدر  
خوشی کوشش، اس کے باور کرانے پر مرکز ہو گئی ہے، پھر جو آئے والی زندگی کی سزاؤں سے  
خبر نہ ملے گئے ہیں، جہاں ڈرنے ہو، پولیس کا ڈرنے ہو، عدالت کا ڈرنے ہو، ہاں ان افسال کے  
اور تکلیف سے آپ بھی جتنے کہ وہ کیوں ڈریں، جن سے ڈرنے کا آپ ان سے خواہ مخواہ مطالبہ  
کر رہے ہیں، رفعت کی اس آمدنی سے وہ کیوں دست بردار ہوں، جس کی اطلاع حکومت کے  
دسترس نہ ہو رہے وہ دھوکے کیوں زد ہیں جب جانتے ہوں کہ جسے دھوکہ دیا جا رہا ہے وہ  
دھوکہ کھا سکتا ہے، آخر لوگوں کو آپ یہ بھی سکھا رہے ہیں، آپ کے اساتذہ سکھا رہے ہیں، آپ کے  
ارباب نصیحت دنا ہیں سکھا رہے ہیں، خوار گارہے ہیں، مقررین سننا رہے ہیں، حتیٰ کہ بازرگروں  
کو تک دیکھ جا رہا ہے کہ باور کر رہا ہے، جس کو جگہ یہاں آدمی اس زندگی میں کھو جا رہا ہے، پھر وہ  
کے ساتھ ساتھ صرف اسی کو لا جیسے ہاں اور اس زندگی میں، اس کے بعد زندگی ہی نہیں

اسی معانیات  
کسی کو ملتی ہے اور وہ چیزیں ملتی ہیں جن کی زندگی کو ضرورت ہے، آپ یہ بھی سنا رہے ہیں اب  
میں آپ کو ان آپ کی عقل کو کیا کہوں کہ اس کے ساتھ بھی بڑھاتے جاتے ہیں کہ اس روپے کو  
ہاتھ مت لگاتا جس کے لینے کی قانونی اجازت نہیں دیتا، کیا قانون کے روپے کو جسے روپے کو  
چھوڑ دینے سے قانون پر اس رحم کو مجھ تک پہنچا سکتا ہے، آپ نے انسانی کی فطرت کا مطالعہ  
کر لیا ہے تو کیا کیا ہے جس پر کسی خطرے کے بغیر کیا جا سکتا ہے، ان پیسوں کو کوئی کیوں  
چھوڑے، جب تک کہ نہ باور کر دیا جائے کہ ان پیسوں کے چھوڑنے والوں کو روپیہ دیا جائے گا  
لیکن روپیہ تو روپیہ ان چھوڑے ہوئے پیسوں کے معاوضہ میں کوڑی دینے کے لئے بھی آپ  
تیار نہیں، پھر کتنا غیر فطری مطالبہ ہے کہ ان پیسوں کو چھوڑ دیا جائے، انہیں حرام کیا جائے  
صرف اس وقت پر ہی اجازت، بددیانتی و جھوٹ کے ذہنی الفاظ فقط الفاظ سے آپ کب تک غافل  
اشیا میں گئے، جب خود اپنے ہاتھوں میں دھوکہ دیا جا رہا ہے جس پر ان الفاظ کے زور کی  
نیاد قائم ہے، مولینا رومی نے کفر فرمایا ہے۔

تا زیندہ کود کے کو سبب ہست  
اور باز گفہ را زہر ز دست  
اور کو دک یا تچوں کی فطرت کا جو حال ہے کہ شری یا زکوٰۃ سے اس وقت چھوڑ سکتے ہیں  
جب اس کی جگہ سبب انہیں بگڑا جائے، یہی فطرت جو ان اور بڑھوں میں ملتی ہے، یہی  
ہے، تبدیلی جو کچھ بھی ہوتی ہے، باہر مل جاتی ہے، لیکن آخر ہر حال میں سب کا ایک ہی رہتا  
ہے، قرآن مجید کی آیت

احملوا اہمنا و احملوہا الدنیا  
نعم و لیس و نہیہ و فتنہ  
پیشکھ و شکاف فی الاصول  
والاولاد۔  
ہاں اس بات کو کچھ نہیں ہے یہ ہے  
زندگی ایک سبب (دیکھیں) اس کا فتنہ  
اور نہایت بڑا و سنگین اور ہر حال میں  
فتنہ ایک اور دوسرے کے ساتھ ہیں  
فرمان اور اصل روایت اور دیکھتے ہیں مثلاً۔

میں آدمی کی موجودہ بہت دنیاوی زندگی کو، ظاہر یا خفا اور اہم جو تقسیم کیا گیا ہے، اشیاء سے  
جی جس کی تقدیر ہدیہ ہے، یعنی پیدا ہونے کے بعد آدمی پر پہلا حال جو فطری ہوتا ہے اس کی  
حیرت سے کی گئی ہے، سب کچھ کو دکھانا ہے، بالفاظ دیگر ایسے اعمال و افعال جو اپنے اندر  
کسی خیر کو نہیں رکھتے۔ عام خیال یہ ہے کہ بچپن میں بچے شفا علی شاہ دھول کے گھر وند بن بنکر  
خوش ہوتے ہیں، حالانکہ ان گھروں میں کوئی روکتا ہے نہ ہی سے لود کسی قسم کا فائدہ کوئی اشیاء  
سکتا ہے، اس قسم کا کام آدمی صرف ابتدائی زندگی ہی میں کرتا ہے، اس وقت تک کرتا رہتا ہے  
جب تک اس میں دنیا کے کچھ بوجھ کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی، لیکن جب یہ دور گزر جاتا ہے  
تو اس کے بعد آدمی جو کچھ کرتا ہے، اشیاء اس کی صحبت پر نہیں ہوتی، ایام فطرت کے کسی



بچے جتنے ہیں، جو جنہوں جتنے ہیں، اور جسے جتنے ہیں اور جہاں جتنے ہیں، مرنے پہلے جا رہے ہیں اور کاشما  
بات اسی پر ختم ہو جاتی، یعنی الحیوة الدنیا اور اس کی مختلف ناخوشیوں کے نتیجے میں اور لا حاصل ہو کر  
یہ نہیں ختم ہوتی بلکہ جاتی ہیں جیسے بارش اور اس کی ناخوشی خود بارش کے ٹھکانے سے بے نتیجہ جی جیسی  
جاتی ہیں، لیکن قرآنی میں آگے جو اصطلاح دی گئی ہے کہ

وَفِي الْآخِرَةِ لَعَذَابٌ شَدِيدٌ (اور اس پہلے تکشے جوتہ دیندے ہیں)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَفْزِیْ فِي مَوْتِهِمْ شِرْکًا (کچھ زندگی میں مرنے سے پہلے اور مرنے

المریضۃ)

یعنی حق تعالیٰ کی رضا مندی)

جس کا بھی مطلب ہو کہ اپنی ان ناخوشیوں کو ختم کر کے ان کی زندگی ختم نہیں ہو جاتی، یعنی اس طور پر  
ختم نہیں ہو جاتی جیسے بارش کی بنائی ناخوشی ختم ہو جاتی ہیں، بلکہ جیسے ختم ہونے کے آدمی کی  
زندگی کو دوبارہ قریب یعنی عذاب شدید (سنت مار) سے دوچار ہو رہا ہے یا اس کے سامنے  
مغفرت کا۔ سرچشمہ آتا ہے جس میں خوف رکھتے والے پر ختم کی آلودگیوں سے پاک و صاف  
ہو کر اپنے تمام احساسات و جذبات کے مطابق دائرہ وجود کی اس مرکزی طاقت کو پاتے ہیں  
جس کی کوئی حدود و قیود نہیں ہے، قرآنی اصطلاح میں جس کا نام رضوانہ اور رضوان اللہ ہے۔

الحیوة الدنیا کی پست زندگی اپنے اور اس کے ساتھ جب ختم ہو جاتی ہے تو اس کے بعد  
کیا جرت ہے؟ فیضانیہ یا جتنا جو اس کا جواب نہیں دے سکتے وہ ان کے حواس دے سکتے ہیں اور  
ان کی عقل دے سکتی ہے اور اپنے اس جہل سے ظاہر ہے کہ اس علم کا مقابلہ نہیں کر سکتے، نیز  
غیب و شہادت کے جاننے والے نے حکایا ہے پس پتھر و دیوار کو وحشی خدا کے پتھر و دیوار کو  
ان بچے ہیں جو جہل جانتے ہوئے ہیں کہ اس پست زندگی کے بعد دوسری زندگی میں ان دو واقعات  
میں سے کسی ایک کے روبرو ان کو ہر حال ہوتا ہے کہ اگر عذاب و آتش ہے تو پھر ان کی ہر تکان  
ابھی ختم ہونے والے نتائج کے مقابلہ میں ہماری موجودہ الحیوة الدنیا اور یہ سارے بلے حاصل  
اور دلائل کے سوا اور کیا رہ جاتے ہیں جو مذکورہ بالا آیات کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ

صَالِحِیْنَ الّٰہِیَۃِ الْاٰخِرَةِ (اور انہیں ہے بہ پست زندگی لیکن مومن)

الضار ویر۔

آئندہ پیش آنے والے انتظام الہام نتائج سے غافل بنا کر جس بے نتیجہ زندگی نے اپنے ان احساس  
اور ادراک آدمی کو ابھار دیا، خود ہی سوچنا چاہیے کہ ترمیم، قریب یا مستحضر ہونے کے سوا اس کا  
نام اور کیا رکھا جائے۔

تیمو قرآن آیات کا مطلب ہوا، میں نے کہنا چاہتا تھا کہ لا حاصل اور بے نتیجہ کی وجہ سے  
الحیوة الدنیا کا ابتدائی دور اگر کسی دور ہے، غرضیت اور غرضیت کے سارے مشاغل اگر صرف

کھیل کر دینے تو اس کے بعد آنے والے اور اپنا گمان نہ سوچنے والوں کی نگاہوں میں خواہ جتنی ہی پست  
رکھتے ہوں، لیکن اپنی بے فکری و لاعلمی کی وجہ سے ان کو بھی عقوبت یا کھیل کود کے سوا اور کوئی دوسری  
بات آخر کیوں بھیجی جائے۔ غائبانہی وہ ہے کہ قرآن میں کبھی چوڑی الحیوة الدنیا ہی کو بہرہ و لعب کے  
نام سے موسوم کیا گیا ہے اور میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ مشاغل اور کاروبار کے لحاظ سے زندگی کے مختلف  
اور ادراک میں جو کچھ بھی تہہ لیاں ہوتی ہیں وہ صرف باہر میں ہوتی ہیں، اور نہ اندر کا نقطہ نظر ہر حال میں  
جوانی میں بھی بڑھاپے میں بھی تو کون کا وہی رہتا ہے جو بچپن میں ہوتا ہے، یعنی خجہ سے بے پروا  
ہو کر صرف لذت و مسرت کے وقتی تعاقب کو سبھی پورا کرتے رہتے ہیں، الایہ کہ اپنی اللہ تعالیٰ کا رشتہ  
بیمبروں کی راہ نمائی میں جس لوگوں نے اللہ میں کے ساتھ جوڑ دیا ہے، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں  
کہ دین سے رشتہ پیدا کر لینے کے بعد دنیا بھی بدل جاتی ہے، اس میں بھی انقلاب اور عظیم انقلاب  
پیدا ہو جاتا ہے، اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ سبھانے والے دنیا کو بھی سبھانہی کئے، غفلت سبھانہی  
کئے، جب تک وہ انسانیت کے دین کے سبھانے میں کامیابی نہ حاصل کر لیں گے۔ دین کے بگاڑنے  
والوں کو تاج نہیں محسوس ہوتا ہے تو کل مانتا ہے کہ گناہوں نے انسان غریب انسان کے دین کو  
بگاڑ کر اس کی دنیا بھی بگاڑ دی، اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس بگاڑ کے ظہور کا سلسلہ شروع ہی  
ہو چکا ہے اور جو شروع ہو چکا ہے۔ ہر حال ختم ہو کر بھی رہے گا۔ تجربات بھی ثابت کر رہے ہیں  
جائیں گے، مشاہدات بھی بتاتے چلے جائیں گے، ہم ہوں گے، ہمارے دین کی ایک اس وقت جو بھی  
ہوں گے ان کی آنکھیں دیکھیں گی، یقیناً دیکھیں گی، وہ سب کچھ دیکھیں گی جو اس وقت کہ جا رہا  
اللہ اللہ سارے معاشی جھگڑے، معاشیاتی مقابلے جو افراد سے گزر کر اقوام تک کو  
میدان میں لے آئے ہیں، زمین انسانی دلوں کے فوں سے لالہ زار بنی ہوئی ہے، آسمان آگ برسا  
رہا ہے، فتنہ اور فساد کے دھوئیں سے کائنات کی ساری فضا بھری ہے، پیٹنے والے کھانے  
رہے، چلانے والے چلتا رہے ہیں، مازال کی ساری کوششیں جو ان جھگڑوں لا حاصل اور بے نتیجہ جھگڑوں  
کے ختم کرنے کی راہوں میں ممکن نہیں، تجربہ ہر راہ کی ناکامی کا اعلان کر چکا ہے، لیکن حصول ازالہ کی  
جس کوششوں میں حکم تک دوبارہ ہو چکے ہیں، اگر سوچا جائے انصاف کے ساتھ ہر قسم کی تنگ  
نظریوں سے الگ ہو کر سوچا جائے تو اللہ تعالیٰ کا اللہ تعالیٰ سے رشتہ جو اگر بھی ہے ازالہ کے صرف  
ایک ہی بلکہ ہی نمبر کے مقابلہ کے سارے جذبات کا روح الحیوة الدنیا اور اس پست زندگی سے ہٹا کر  
الحیوة الاخریٰ کی بندوبست زندگی کی طرف پیر دیا جائے اور مال کی اسی تہہ پر نہ دیا جائے۔ اسی  
قدردار دیا جائے ہٹا کر ایک ایک ازالہ کے لا حاصل معنی میں دیا جا چکا ہے۔ اور جیسے  
الدنیا کے الآخرہ کو سامنے رکھ کر انسانی کو دعوت دی جائے جیسا کہ قرآن نے  
اسی طریقہ عمل کو اختیار کر کے

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْفٰتِنٰتِ الْفٰسِقٰتِ (پھر نہ بنو کہ فاسق و فاسقہ میں سے بن کر غافل)

کی دھرت دی ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ انارک کی کوششوں کی راہوں سے جن مقاصد کے حصول میں دنیا کا کام قطعاً ناکام ہو چکی ہے اور ہو چکی رہے گی، ان ہی مقاصد میں انارک کی اس معمولی تحریر سے کامیاب نہ ہو سکے گی۔ یہ انگ بات ہے کہ لوگ انارک ہی پر آمادہ نہ ہوں۔ یا زبان سے اقرار کر کے دل کے ساتھ کواحد نہ پھیریں جس کی طرف پھرے گا ان سے مقابلہ کیا گیا تھا، لیکن سزا لینے کے بعد تو ان مقاصد میں کامیابی اصول انارک کی تسلیم کا ایک ایسا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے جس میں شکوک کا امکان ہی نہیں ہے۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ انارک کے اس اصول پر اعتماد اس حد تک بڑھتا جائے گا، جس حد تک مذہب پر انسانیت کے اعتماد کو آپ بڑھا لیں گے، لیکن مذہبی اعتماد کے حصول کا جب تک وہ حال ہے جس میں دنیا کو آج بٹلا کر دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ انارک کی اس عمر کا ذکر منطوق کے سوا اور کیا ہے؟

اور یہ تھے اسلامی مساجد کے وہ اصولی کلیات جن کا قرآن میں اب تک میری جستجو نے سراغ لگایا ہے، اس وقت تک تو جو بائیں بھر میں آئی ہیں وہ یہی ہیں، آئندہ اور چیزیں بھی جو جتنی پہلی جائیں گی انشاء اللہ ان کا اضافہ کیا جائے گا۔ بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ ان ہی اصولوں کو دیکھ کر دوسرے ارباب فکر و فکر قرآن ہی سے دوسری چیزیں بھی نکال سکتے ہیں، ان میں میری فکر اب تک نہ پہنچ سکی ہے۔

ابنہ آؤ میں ایک چیز قرآنی ہی کی ایسی ہے کہ اس کا ذکر اگر نہ کر دیا جائے گا تو قرآن پڑھنے والے محسوس ہے کہ بعض دوسروں میں جھلک رہی ہے!

میرا مطلب یہ ہے کہ معاشی مزارع کے جس اختلاف کی حیر قرآنی اصطلاح کی رو سے میں نے بے قیود زندگی کی ہے، جیسا کہ تفصیل بتا چکا ہوں کہ عام حالات میں معیشت کی دو فزوں شکلیں ابھلتی رنگ بھی کی جوتی ہیں، یعنی کسی کے ساتھ حمل کے خیر کے طور پر زندگی کی تقسیم ان دو فزوں پر ہوتی ہے، بلکہ زندگی کے یہ دو فزوں پہلے استعمال اور ابھلا کی دو شکلیں ہیں، جو کہ دو فزوں استعمال میں یعنی ہر چار اپنے ساتھ کچھ ذمہ داریاں رکھتا ہے، ان ہی ذمہ داریوں سے پیدا ہوا ہونے کی کوشش بھی ان میں ہر ایک کا نصب العین ہونا چاہیے، پھر جیسے ہر امتیازی کا قاعدہ ہے کہ اس میں خیر کی جو چیزیں ہوتی ہیں ان میں بعض کا یہاں ہوتے ہیں بعض ناکام، ان ہی حال ان لوگوں کا ہے جو معیشت کے کچھ دو مختلف پیمانوں پر روزی پار ہے، ان ہی مسئلہ میں جو کچھ مجھے کہنا تھا کہ چکا، لیکن سوال ہے کہ اس موجودہ پست زندگی (المیۃ الدنیا) میں جیسے بھی جہاد دیا جائے گا یہ کیا ہیشتان کی حیثیت ہی سے دریا جاتا ہے؟ قرآن کے پڑھنے والے جانتے ہیں انہوں کو جانتا ہی چاہئے کہ اجتماعی طور پر اقوام و اقوام کی خوش حالیوں اور مصائبوں کو مسکافات اور مہاجرات کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے، قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ کا جتنا حصہ قرآن میں مندرج ہے۔ وہ یہی بتانے کے لئے مندرج کیا گیا ہے کہ خدا اور اس کی مرضیات پر چڑھنے والوں سے خدا بھی راضی رہا اور خدا کے قوانین نے بھی ان سے

ہم نوائی کی، اور قدرت کے مقررہ قوانین پر چڑھنے سے جنوں نے بغاوت کی یعنی پھر ہی قوانین سے تضاد کی راہ جو قوسوں نے اختیار کی، ان سے خدا اور خدا کے نمکبرخی قوانین متضاد ہونے لگے، اور اس تضاد کے بعد ان کے عروج کو زوال سے ترقی کو تزلزل سے بدل دیا گیا، جیسا کہ میں نے عرض کیا قرآن پڑھنے والوں کے لئے قرآن کا یہ دستور کوئی جھپی ڈھکی بات نہیں ہے، بلکہ چند کلیات جن کے محور پر قرآنی تعلیمات گردش کرتی ہے ان میں سے قوسوں کی حیات و ممات کا یہ ایک مسئلہ اور دوسری کلیہ ہے جس کے شاہد و نمائندہ کے بھی پیش کرنے کی حاجت نہیں، اس لئے میں کچھ پہلا کہ نگرانی انسانیت یعنی معیشت کے بے قیود و قدری پیمانوں کو قرآن میں ابھلا و امتحان کی جو دو شکلیں قرار دی گئی ہیں قواس کا حقیقی ارقام و اقسام کے اجتماعی حالات سے نہیں ہے بلکہ اشخاص کی شخصی زندگیوں کا یہ قانون ہے، یہی وجہ ہے کہ اجتماعی طور پر عروج کی حالت میں کوئی قوم چھوڑ کر زوال کی، لیکن انفرادی حیثیت سے افراد میں روزی کی تقسیم کرنے کا یہ مسئلہ دونوں پیمانوں پر جاری رہتا ہے، دوسرے لشکروں میں یوں کہیں کہ اجتماعی طور پر زندگی کے نقطہ نظر سے ان کا حال کچھ بھی ہو، مگر کسی ز کسی رنگ میں بعض افراد ان کے امیر بھی نظر آتے ہیں اور بعض غریب بھی، یعنی بعضوں کی آمدنی قدرتی ضرورت کے برابر اور اس کے ساتھ ہی جوتی ہے، اور بعضوں کو اس کا موقع مل جاتا ہے کہ ضرورت و حاجت پر خرچ کرنے کے بعد وہ میں ان میں سے کچھ ہیں اور کرتے ہیں، انفرادی قدر و بسط کے ان دونوں پیمانوں پر افراد میں پھر بھی روزی تقسیم ہی جوتی رہتی ہے، ہم ان کے انسانیت کی جو تارنگہ اس وقت تک کی موجود ہے اور قوسوں کو اس زمانہ میں بھی جن حالات میں پایا جاتا ہے ان کے افراد کی معیشت کی یہی کیفیت نظر آتی ہے، عروج یا زوال دونوں میں جیسے یہ نہیں دیکھا گیا کہ ان میں ہر ایک شخص بے قیود و زوال والا نہیں جاتا ہے، یعنی سب امیر ہی نہیں ہو جاتے بلکہ باوجود قیود عروج کے افراد کی بڑی اکثریت میں عروج و زوال کے ان ہی دونوں میں قدرتی جاتے پڑے روزی پانی ہے، اس میں طرح زوال و انحطاط کے دونوں میں بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض افراد اسی کیفیت زدہ قوم کے بے قیود پیمانے پر روزی پار ہے ہیں!

اور پہلی بات تھی جو اس مسئلہ میں کہنا چاہتا تھا، یعنی اقوام و افراد میں جو فرق قرآن میں کیا گیا ہے اس پر لوگوں کو متوجہ کر دوں!

دوسری بات اسی مسئلہ کی یہ ہے کہ انفرادی معیشتوں کا ابھلا و امتحان پر مبنی ہے، اگر یہ معیشت کا عام قرآنی قانون ہی معلوم ہوتا ہے، بے قیود و قدرتی پیمانہ پر بھی یہاں افراد کو جو کچھ مل رہا ہے، یہی سمجھنا چاہئے کہ ان میں سے ہر چار اپنے کی جو ذمہ داریاں ہیں، موجودہ زندگی میں ان ذمہ داریوں کی تکمیل ہی آدمی کا سب سے بڑا فریضہ ہے، اس نئے کے جو گئے یا غیابوں کے بجائے کا وقت اس زندگی کے بعد آئندہ زندگی میں ملے گا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسانیت استعمال کے برا معیشت کی ان دونوں شکلوں میں اور کچھ نہیں ہوتا، کچھ لوگوں نے اگر یہ سمجھ لیا کہ

جو کہ میں عرض کرتا چلا آیا ہوں، اغانیاں سمجھ کر اس کے گھنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے، میں نے سبلی اور قدری معیشت کے مابین دونوں پیمانوں کی ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہوئے ان نتائج پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ چلا آیا ہوں جن سے موجودہ زندگی بھی میں آدمی کو قرآن کے بیان کے بموجب ڈوپار ہونا پڑتا ہے تو اس کا مقصد یہی تھا کہ موجودہ زندگی کے احوال کی جزا و نمزا کا حقیقی مشہد اگرچہ مجازات و مکافات کی آئندہ زندگی بھی ہے، لیکن اسی کے ساتھ بعض احوال و افعال ایسے بھی ہیں جن کی مزا و جزا کا ظہور موجودہ زندگی میں شروع ہو جاتا ہے اور معاشی ذمہ داریوں کے متعلق احوال و افعال بھی جیسا کہ قرآن کے حوالے سے مسلسل دکھاتا چلا آیا ہوں جیسے اس قبیلہ کی چیزیں لکڑی میں اسی ضابطہ پر ہیں یہ خیال کرتا ہوں کہ الرزق یا معیشت کے یہ دونوں پیمانے ابتداء ہی میں اور ابتداء ہی ہونے کے ساتھ ساتھ بسا اوقات مجازاتی و مکافات بھی ہوتے ہیں اسی سلسلہ میں جو چیزیں ہمیں باطنی ہیں ان کو پھر بیرونی قیاس کو بھی نظر آئے گا، مثلاً قرآن کی آیت

فَلَمَّا صَوَّبَ سِجِّينَ مَا يَفْعَلُ  
مَلَأَتْهُ سِجِّينَ  
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى  
فَسُيِّرَ سَاسُهَا  
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى  
فَسُيِّرَ سَاسُهَا  
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى

میں احوال (داد و دہش) جو لائق اور احسن کی مشق پر مبنی ہو فرمایا گیا ہے کہ اس پر عمل کرنے والوں کے لئے امیر کی تکرار ہو کر دیا جائے۔ امیر کی (آسانی زندگی) ایک عام اور مطلق نکتہ ہے جو ہر قسم کی زندگی کو عام ہے، اگر یہ سمجھا جائے اور یہی سمجھا یا گیا ہے کہ موجودہ زندگی ایسوں پر آسانی کر دی جاتی ہے تو اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ قرآنی آیات اور حدیثوں کے حوالے سے بات جو گذر چکی ہے کہ مثلاً صدقہ سے رزق پلا ہوتا ہے یا اسی قسم کی دوسری آسانیاں میرا آتی ہیں، ظاہر ہے کہ اس کا تعلق موجودہ زندگی ہی سے ہے، بخاری کے حوالے سے میں نے کئی جگہ بتایا تھا کہ چٹائی کے ڈھنگ جاننے کی وجہ سے جو لوگ غار میں بند ہو گئے تھے، اپنے عمل کے بدلے سے انہوں نے اس زندگی میں فیض اٹھایا تھا یا بارخ کی آمدنی کو جن حصوں میں تقسیم کر کے اب پاشی کے جو فوائد حاصل کرتا تھا، اسی ساری روایتوں کا حاصل اس کے سوا اور کیا ہے کہ غیر و غیرت و صداقت و جرات و غیرہ کے نتائج سے موجودہ زندگی میں بھی کئے والے کے لئے قدرت سہولت عطا کرتی ہے، یعنی امیر کی تکرار آسانی کرتی ہے، اسی کے بالمقابل قرآن سے سورہ فرقہ میں بارخ والوں کا جو مشہد لکھی قسط بیان کی گئی ہے کہ سکینوں اور فریبوں کو ان کے حقوق سے محروم کرنے کے لئے چاہتا تھا کہ بیٹوں کو صبح سویرے تڑکے تو ڈر کر نکل جائیں، لیکن قبل اس کے کہ وہ بارخ پہنچیں قدرت کی طرف سے ان کا بارخ اور اس کے بدلے میں ہر پچھلے تھے تو اس قدر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے نیکی کے بدلے کا عہدہ اسی زندگی میں شروع ہو جاتا ہے، اسی طرح معاشی مزا کی مبادی پر ہدی اور بدعتی کا بھی اثر پڑتا ہے۔

اسی طرح قرآن کے احسن (قدرت پرست حیلہ اسلام) حضرت دالاک حضرت

آپا لکھنے کے لئے کمرے کے بعد جہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ شاء معمر نے خزانہ الارض (زمین کی آمدنیوں) کو ان کے ہر در کے سر زمین سر کی حکومت ان کے حوالے کر دی تھی تو یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

كُلُّ لُكَا مَكْنِي وَصَفَ فِي الْوُجُوهِ  
يَتَبَرَّحُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ  
(برسند طبراسم) جہاں چاہتے تھے۔  
حق قائل ہے عمومی رنگ میں جو راہ ان کی ہے!

فصیب بر حستان فصحاء  
ولا نضج اجرا الحسنين  
ایہ بیان ہے کہ اپنی رحمت سے چاہتے  
اور انہیں ضائع کرنے پر ہم نوا تھا  
ایہ لوگوں کی جو بھلائی کرتے دلتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں اسی دولت و ثروت افکار اور اختیار کو جو زمین سر میں حضرت موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل گیا تھا۔ رحمتا رحمتا یعنی ہماری رحمت اور مہربانی کے نقطے سے اس کی تفسیر کی گئی، جس کے یہاں حق قائل کی رحمتوں اور مہربانیوں کا ظہور کیسے دنیاوی دولت و ثروت کی شکل میں بھی ہوتا ہے اور آگے یہ فرما کر ہم محضوں کی مزدوری کو ضائع نہیں کرتے، اس سے بھی اسی کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی خدمت و عزت جو مصر میں ملی تھی یہ ان کے احسانی احوال و افعال کا بدلہ و اجر تھا، خود برست حیلہ اسلام کی زبانی بارک کا یہ فقرہ قرآنی مبادی جو ضائع ہے یعنی مصر میں خدائے ان پر جو نوازشیں فرمائیں اور ان کا بچھل پھانٹاؤ ان کو عین سے چل کر مقرر میں ان کے پاس جب آگیا تو آپ نے فرمایا

فَدَمِنَ اللَّهُ عَلَيْنَا آمَنَ  
مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ  
لَا يَضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ  
ہم پر بڑا کریم کیا، اللہ قائل ہے جو تیرے  
سے اور میرے کام آتے ہیں تو قائل  
اللہ قائل ہے ان کی ہلاکت نہ کرے دالوں کے  
ابو کو ضائع نہیں کرتے۔

قرآن کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے احسانی احوال و افعال کا صلہ ان آسانوں اور سہولتوں کو قرار دے رہے تھے جو اس وقت ان کو مصر میں میسر آئی تھیں۔

لیکن یہ عجیب بات ہے اور یہی بات میرے اس مضمون کی سب سے زیادہ قابل توجہ جگہ غالباً دل ہلا دینے والی بات ہے کہ الحیدۃ الدنیا کی یہی سہولتیں یہی آسانیاں جنہیں ہم سبلی معیشت بھی کہہ سکتے ہیں، زندگی کی یہی شکل اقوام کے لئے بھی اور کم سکتا ہوں کہ افراد کے لئے بھی قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کسی حیلہ و ترقی کا قدرتی انتظام بھی اختیار کر لیتا ہے۔ باہر سے دیکھنے والوں کی نگاہوں میں وہی انتظام حیلہ اور جزا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن خود دینے والے کا

یہاں ہے کہ در حقیقت باطنی مزا کی خطرناک انتہائی خطرناک شکل ہوتی ہے۔ اقوام کے متعلق اسی عجیب و غریب قانون کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ قوموں اور امتوں کو جو نکاتے کے لئے جب پیغمبر اور صلہ بھیجے جاتے ہیں تو ابتداً انھیں دوسری شکل اختیار کرنے والوں کو اپنا تا، (جنگ و جبر کی سختیوں) اور انفراد (فرد و یاد و فرد کی معیشتوں) میں ہٹا کر کے جنسوں کا بنانا ہے لیکن جن کے دل سخت اپنے یہاں ہوتے ہیں، وہ قدرت کی ان تینوں کو مختلف تاویلوں کی راسخ سے قرار دیتے ہیں کہ یہ تینہ نہیں ہے، بلکہ دنیا کے عام حادث و واقعات میں، انسانی اسباق کی ذکر و بارے میں کسی تعلق نہیں ہے، ہاں ایک سے زائد مقامات پر قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ اس قسم کی تاویلی ذہنیتیں رکھنے والی قوموں کے ساتھ قدرت کا عام دستور یہ ہے کہ کچھ دن کے لئے انھیں ذلیل دی جاتی ہے، و ذلیل ہی نہیں بلکہ ان مواقع کی ایسی آیتیں مقررہ الا نام میں ہے،

فلما انشروا ذکر وہا بہ ففکنا  
علیہم ابراب کل شئی۔  
انہ ہرگز کے وہا نہ۔

یا سورۃ الاحزاب میں ہے،

فما بعد لنا مکان الیئہ  
فما بعد لنا مکان الیئہ  
پھر آئے ہماری کی جگہ میں کہ بدل دیا  
ہاں یہ وہی وہی کہ خراب ہو گئے۔

و غیر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گنہ شدہ حالات سے بھی زیادہ آسانوں کے وہا نہ سے الی پکڑے جاتے ہیں اور کسی سختی میں ہر قسم کی چیزوں کے اور زندگی کے تمام شعبوں کے ابواب و دروازے ان پر وا ہوجاتے ہیں، الیئہ (برائیوں) کو امانت (جائیوں) سے بدل دیا جاتا ہے، اگوا یا مٹی ان کے ہاتھوں میں پہنچ کر اسی حالت میں سونا بنتی چلی جاتی ہے، وہ بڑھتے ہیں، بڑھاتے جاتے ہیں بڑھاتے پلے جاتے ہیں، حتیٰ آخر کسی سختی میں اس کو اس زمانہ میں ترقی و عروج اور ترقی و اعتدال کی انتہائی بلند یوں پر ان کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ مگر اس کے بعد یہ فسر مار کر یہ کہ الا نام کی آیت کے آخر میں ہے،

حتیٰ اذا فرجوا بما اتوا  
اخذنا ما هم یفتقروا  
میسورون ففکنا (ابراہیم)  
الذین یفکروا و المجد للہ  
سرب و المجد للہ  
شاہد و مستنصر وہی ابرار و مفسدین کے ہاتھ دالے کی۔

یا سورۃ الاحزاب کی آیت کے آخر میں ہے،

حقاً انھوں و قالوا قتالہم  
ایماناً انھوں و قالوا قتالہم  
فلما انشروا ما هم یفتقروا  
لا یفتقروا۔  
یہی نہ ہوا۔

جس کا معاملہ یہ ہے کہ ان ساری ترقیوں اور انھوں کے بعد قدرت کا مٹنی ہاں چاہیے، ان کو پکڑ لیتا ہے اور اس طور پر پکڑ لیتا ہے کہ ان کا سارا کیا کلا یا برباد ہو کر رہ جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ تو ان کے آخری انجام کا حال ہے، لیکن سرکشی و طغیانی اقوام کے ساتھ قدرت کا انتقامی ریتا، جو یہ ظاہر سر فرماؤں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، ان لوگوں کے لئے بڑا اجر آزمائش اور انتہائی ضرورت کا سبب بن جاتا ہے، انھیں انجام سے پہلے انتقام کے اس عجیب و غریب جمہوری دور میں زندگی گذارنی پڑتی ہے اور جو حال اقوام کا ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا، قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ افراد کے ساتھ ہی قدرت کسی اسی قسم کا سلوک کرتی ہے، یعنی دیا تو جاتا ہے ان کو مزا و انتقام ان کی غفلتوں، مجرا و غفلتوں پر تاک غفلتوں کا اضافہ ہوتا چلا جائے، مقصود یہی معیشت کی اس فزنی کے اڑھلنے سے بھی اور مقررہ ہوتا ہے کہ وہ اندھے بنائے جاتے ہیں اور دولت و دولت کی ٹوٹیں ان کے کانوں میں، اسی لئے طغیانی جاتی ہیں تاکہ پھر ان کی ماحول چاہ اب ان کی نکرہ بٹے اور سہا بٹوں کے منتھے سے بھرے بن جائیں، لیکن اپنی جگہ اس خیال میں گئی رہتے ہیں کہ وہی قدرت کے پیار سے اور ان لوگوں میں میں جن میں یہاں کیا گیا ہے، خدائی منتوں سے مستعدا کیے، قرآن میں اسی آیتیں مقررہ

فلما یجیک غم و المجد للہ  
انما یرید اللہ لیعذبکم  
بما فی الحیوة الدنیا و فیہ  
الفساد و المجد للہ  
پس جہت میں زوالے جئے ہاں کلا  
انہ ان کی اولاد اس کے سرور کو  
دوسری بات نہیں ہے کہ کلا ہاں ہے  
کہ ان کو عذاب دے وہی چیزوں

سے (یعنی اموال و دولت و کثرت سے) اس بہت زندگی میں اور فرمودہ ہو کر گئے  
ان کی جانی اس حال میں صحت شکر ہے۔

تسلط معیشت کی اسی مطلق قالب کے متعلق ہمیں کی گئی ہے کہ ان کا حال کہیں لوگوں کے ایمان کو نہ لڑا دے، مسلمانوں میں اطمینان کیا گیا ہے کہ اموال اور اولاد کی وہی قسم ہے جس سے قدرت ان لوگوں کی مزا کرتی ہے اور اس سے فرض بھی ہوتی ہے کہ اسی ناشکری اور کفر ان کی حالت میں بدلے سے ان کی جانی فرمودہ ہو کر نکل جائے، اس طور پر نکل جائے کہ پورے اور کھینچنے کا پیران کو موقع نہ ملے۔



قرآن کی حد تک قریشی رسولی معیشت کا یہ مزائی طالب ایسا نہیں ہے جسے پکارتے دے  
 بآسانی پہچان نہیں کئے، آخذینا کیا ایسی قومیں ہیں کہ زندگی کا ہر شعبہ خدا اور اس کے رسولوں کی تعلیم کی  
 بناوت مروت بناوت پر مبنی ہے، لیکن اس کے ساتھ مل کر برعادت ان کے سامنے ایسے دنوں  
 لا رہی ہو، جن میں دیکھا جا رہا ہو کہ کسی نے کسی غیر کا دروازہ ان پر کھولا گیا، اپنی ان ہی غیباؤں میں  
 وہ جس حد تک آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں، اسی حد تک ابواب کی سختی (ہر چیز کے دروازوں) کے  
 کھلنے کا سلسلہ بھی زور پاتا جاتا ہے، ایسوں کے متعلق ان لوگوں کی متعلق جہاں خدا اس  
 کے رسولوں کو مانتے ہیں، مذاہب و دیانات کے نظام کو انسانی و مانع کا خدا تراشیدہ اور خدا فیض  
 نظام نہیں سمجھتے، بلکہ نسل انسانی کے پینے اور رہنے کا قدرتی مادہ ہوتی و مقدران کے نزدیک منصب  
 ہے، ان کی خلق اس کے سوا دیکھا جاسکتی ہے جس کی اطلاع قرآن میں دی گئی ہے۔ ایسی بات میں کہ  
 سا کوئی دوسری بات بھی نہیں جاسکتی، اگر قرآن وہی بھجا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ قرآن کے  
 کسی ایسے مسئلہ کے سمجھنے میں کسی کو کیا دشواری پیش آسکتی ہے، البتہ اگر دشواری کچھ ہے تو ان کے  
 لئے ہے، یعنی سکینوں، عقل کے سکینوں کا جو قبضہ ایک طرف تو خدا کوئی ایسا ہے اس کے دلوں کو  
 بھی سلا ہے، لیکن مذہب کے باخبروں اور رسولوں کے دھنوں پر ابواب کی خلق کے فتح کا جو استقامتی مسئلہ  
 فروغ ہوا اور ان کی استیضہ (ری حالت) جب المست (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) سے بدل گئی تو اس انتظام کو  
 وہ انصاف اور اس منراکدہ باور کرنے لگے کہ یہ ان کے عمل کی جزا اور ان کے کہ توڑوں کا یہ مسئلہ ہے  
 اس قسم کے دماغوں کی ذہنی دستور کے سمجھنے سے کم از کم میں تو قضا کا مرحلوں، یہ ہو سکتا تھا کہ  
 ان باخبروں کے ساتھ رہی مذہب سے بناوت کا احاطہ کر دیتے، ایسے وہ مرتد ہیں، اور ان کے  
 اس اصول کو بھی تسلیم کر لیتے تو جو کچھ کہا جا رہا ہے، اگر اس وقت کچھ توخیر اس کی گہنا نشی بھی نہیں  
 تھقل اور عقائد کا فکروں جو وہ حالات میں ان کا مانع ہے میں اس کی تو جہ سے قضا کا جو جہوں  
 اور دین کے اس عجیب و غریب گرد سے اگر قطع نہ کر دیا جائے تو جہاں تک میں جانتا ہوں حاکمیت  
 میں لوگ بھی مان بھی ہے ہیں جو قرآن ان سے منرا تا چاہتا ہے یا مروت سے انہوں نے بھی مذہب  
 اور مذہبی زندگی کی واقفیت اور توجہ تیری کا اسی طرح انکار کر رہا ہے جیسے خود اس قسم کی منرا یافتہ  
 قومیں اس کی منکران اس اصول سے باخبر ہیں مگر کہنے کی ذہنیت ان کی ہے جو مذہب ہی سے  
 معروف ہو کہ زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور نامی فیض سے وہ مطمئن ہو چاہتے ہیں کہ انکی مذہب  
 سے باخبر، اقوام کا یہ حال قدرت کا انتظام اور قدرتی مذاہب ہی کی یہ ایک شکل ہے۔

بہر حال قوموں کی حد تک جیسا کہ میں نے عرض کیا کم از کم میرے نزدیک اس مسئلہ کی  
 دشواری نہیں ہے، البتہ افراد کا مسئلہ ذرا مشکل ہے، لیکن اس میں بھی دشواری جو کچھ ہے وہ رسولوں  
 کے اجتہاد سے ہے، رسولوں کو دیکھنے والے جو کچھ دیکھتے ہیں رسولوں سے دیکھتے ہیں  
 لیکن خود اپنے حالات و خیالات، اعمال و افعال کا برہنہ کہ رسولوں پر نہیں تو خدا اپنے آپ پر

پر شہدہ نہیں رہ سکتے، خدا کا یہی ہے اسی شہادت کی قانون کو قرآن نے ان احکام میں یہاں کیا ہے،  
 بل الا انسان علی فضاء بصیرۃ  
 و لو ان فی صفاذیرکا۔  
 (الانسان)  
 خدا کا ارادہ ہی کیوں نہ کرے۔

پس ان لوگوں کو جو رسولی چاہتے ہیں روزی پار ہے ہیں، دیکھنا چاہیے کہ خدا اور خدا کے مریضات کھاتے  
 ان کی زندگی کا کیا حلق ہے، اگر ایسا حال ہے کہ جس حد تک خدا سے خدا کی مریضات سے وہ کھاتے  
 ہیں، اسی حد تک معیشت کے اس رسولی پنا میں کٹ دگی پیدا ہوتی جاتی ہے، خدا اور سرکشی کے برعادت  
 میں ان کا قدم جتنا آگے کی طرف بڑھتا جاتا ہے، اسی حد تک گونا گونا گویا غیثیں بھی ان کے قدم  
 پر ملتی جاتی ہیں تو ایسی حالت میں لا ایسا ذائقہ انہیں یہ بھی نہیں کہ چاہیے کہ رسولی نعمت و معیشت  
 کو تو ان کے سر پر اس لئے نہیں گویا ہے تاکہ وہ اندھے ہو کر چلیں اور ماخضے ہی بنے ہوئے  
 وہ مر جائیں، اعمال اور اولاد کی کثرت نشانہ ہے اس بات کی کہ قدرت ان سے انتظام میں  
 پاتا ہے اور ایسا انتظام کہ کچھ کچھ کی ساری راہیں ان پر بند کر دی گئی ہیں خدا خود مستر بار  
 مسلم و موسیٰ ہونے کے کوئی سزا کے اس حال میں اگر گرفتار ہو گیا ہو تو چاہیے کہ تیرے قرآن

ولا تعجبک اموالہ و اولادہ  
 انما یروہا اللہ و الذین ینہم  
 بھانی و الدینا و ذوق نعمتہم  
 وہم کا فساد۔  
 اور نہ عزت میں ڈالیں جیسے سوال  
 اور اور اس کے سوا اور کوئی بات نہیں  
 ہے کہ انہیں پاتا ہے کہ مروتوں کے ان کو  
 ان ہی (اموال و اولاد سے) اور فساد

ہر کچھ ان کی جان اس حال میں ناظر ہے۔

کے درمیان مشغول ہے، اس قسم کا منظر ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں ایک فوجی دستہ  
 کا بل جتا ہو گیا خدا زبان کی تا واقفیت کی وجہ سے طوائف کی دوکان سے مشغول، اشاکریت ادا  
 کے بغیر کیا گیا، پھر میں نے گرفتار کر کے اس کی سزا توخیر کی کہ سر منرا کر گئے پھر سوار کر کے اسے  
 فوجیہ کر دیا جائے تو بھی کیا گیا، فوجیہ کے دیکے گئے پھر سوار اس کا بل کے چھے تائیاں بٹے بٹے  
 تھے، اسی شکل میں وہ فوجیہ سے باہر ہوا کہتے ہیں کہ جب کا بل اپنے وطن پہنچا، پوچھنے والوں نے  
 پوچھا، آقا! وہ ہندوستان رخصت ہو دی، پوچھ دی، جواب میں اس نے جبریات کہی اس سے حضرت  
 عثمانی قدس انہر مروتے قرآن کی مذکورہ بالا آیت کے سمجھانے میں ایک دفعہ خلاصہ حاصل کی تھی کا بل  
 نے جواب میں اپنے ارباب وطن کے سامنے، رپورٹ پیش کی

ہندوستان خوب ملک است، اطوار خوردن منقہ ست اور قرا مشہد  
 منقہ ست، سواری فرشتہ است و ذون ظفون منقہ ست ہندوستان  
 خوب ملک است

حضرت رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ خیر تو میں ہے قرآن و رسول کے ساتھ ساتھ عبادت کو بھی اس باطنی کاجی کی ذہنیت سے لے کر افرات و کرام کا ذریعہ یاد رکھنا تھا، اسی طرح بسلی مشیت کے دھوکا پائی گروہ بھی آج اپنی سزا کو جانا اور قدرت کے انتقام کو انجام سمجھ رہا ہے، یہی حقیقت کی پیش گاہ میں پہنچ کر اس پر واضح ہو گا کہ ان میں ایک چیز بھی منت نہ تھی، جیسے مقلد خود کو باطنی کی طرح اس نے منت سمجھ لیا تھا، ایسی سزا جو مسلسل دوسرے سزاؤں کی سزاؤں کو مستحق بناتی رہی جاتی ہو سزا کی عام فتور میں برترین سزا جو سکتی ہے اے اعدائے اللہ و المسلمین عطا۔

لیکن بسلی پرانے رزق پانے والوں کا حال اگر یہ نہیں ہے تو کا برس کہ وہ اب تک کی منت ہو گی یا اب تک کی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ رحمت بھی ہو گی، خصوصاً بسلی مشیت کی ذمہ داریوں کی تکمیل کی راہ میں اگر اس کی وجہ سے رفتار میں اور زیادہ تیزی پیدا ہوتی رہی جلتے، ترقی پزیر نشانی ہے اس بات کی کہ اس کی بسلی مشیت و امارت و ریاست و دولت سراسر رحمت ہے، وہی مال جس کی نشانی وہی حضرت یوسف، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام کی زندگیوں میں قرآنی حیدر نے کی ہے، وہی عمر میں کی حکومت و اخلاقی فرعونیت پیدا کرنے کی سیب بنتی رہی، اور آج تک اس کا یہی حال ہے، لیکن جب یوسف علیہ السلام کو اسی فرعون کی سزا میں پڑا تھا، اختیار چھینا گیا تو خدا کا یہ بندہ دینے والے کے قدموں پر سر جھکا کر رند کرنا ہے تو کرتا ہے،

سہ ماہ قتل و تفتی من الملک	برے ملک اچھے آپ نے کد رکھو
و حلفتی من یومئذ الاحادیث	ملک اور باقوں کو نیکیاں کھانا ہے
فاطر السموات والارض	پہنچنے کا سبب چھٹا، آپ ہی ہیں مالک
انت ولی فی ہلکنا والافرقہ	کے پیراگنے والے اور زمین کے آپ
توفی بصلواتہ و بعتی بالیہ	ہماری پشت پرانہ اور والی ہیں دنیا میں
جس دور آخرت میں ہیں، اطلبے گا دلنیلے	بجے مسلمان اور ڈر دیکھنے کا

اور یہی چیزیں آپ کو داؤد علیہ السلام کے تذکرہ میں فکر اچھے کی جن کا ایک خصلت میں مصروف ہو گیا ہے، بلکہ قرآن ہے کہ ذہنی و معنوی آدم کے لئے آخری شعور و محنت جانے کے لئے ابتدا ہی سے یہی قوت کا زور جب اس کی بنیادوں میں جو گیا اور اس کی وجہ سے بچوں کو بسلی مشیت گزارنے کا وہ قہر تاریک میں مسلسل تیار رہا، تو مرثیہ ابتدا ہی میں نہیں، بلکہ زمانے کے خلقت اور اوروں میں ایسی ہستیاں معرض شہد پر برابری رہیں، جس کی بسلی مشیت ان کے تیرت بنی رہی، اس کے لئے تاکہ اسلام کی حقیقت کو رانی کی ضرورت ہے، میرے لئے یہاں اس کی انشیل کا

لے مراد اسلام کی اس دعوت سے ہے جسے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے دنیا کو جگا آنے میں لگی

موقف نہیں، بلکہ قرآن کی سورہ کہت میں ذوالقرنین کے نام سے جس قبیلہ کا ذکر ہے، میرے نزدیک اس فقرہ کے متعلق یہ سوال کہ ذوالقرنین کوئی شخص کہاں تھے، کہاں تھے، کہاں تھے، ان کی ضرورتی اس کی تحقیق کے اگر سرچا جاتا تو سمجھا جاسکتا تھا کہ ایک ایسی کسبی جیسے زمین کے اتنے طول و عرض پر قدرت پرستی کی گویا مغرب انشس اور مطلع انشس تک وہ پہنچ گئی تھی، اور اتنی بولیاں بولنے والوں پر اس کی حکومت بخش گئی تھی، جس کی بولی کو ان کی زبان سے کوئی مناسبت نہ تھی، وہ لوہے کی بیشیں بنا بنا کر بجائے گارے کے رانگ کو بچھا کر ان ہی اینٹوں کو ان سے جوڑ کر دیوار بناتے تھے، جس کے یہی معنی ہونے کہ لیسے ایجادات و اختراعات پر بھی انہیں قدرت حاصل تھی جسے سائنس و کیمیا کے اس عہد میں جس حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاسکتا تھا، لیکن باوجود ان تمام باتوں کے بھی اس سائنس تک دیوار کی تعمیر سے جب وہ فارغ ہوئے تو بجائے کسی کبر و ناز، تجر و غرور کے جس میں عہد ان مانتوں میں لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں، اسی دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بندگی اور دینے والے کی خدائی کا احترام انہوں نے ان الفاظ میں کیا

هذه اسرحمة من ربی	اے میرے ملک کی مہربانی پر چرب
فاذا اجاء وعد ربی	آئے گا سترہاں میرے ملک کا
جعلہ دکان وکان وعدی	جہاں ہے گی، گئے گئے گئے اور ہے
مرابی حقا۔	وعد میرے ملک کا پتا۔

مالوں کو اسی کے مقابل اسی سورہ میں اس شخص کی دفاعی کیفیت سے ڈوبنا اور ان کے درمیان کھیتیاں وغیرہ کی تیس اور دریاں میں بہنے والی نہروں سے جن کی سیرابی ہوتی تھی وہی پھینا بخ میں داخل ہونے کے بعد بڑبڑاتا تھا تو یہ بڑبڑاتا تھا،

ما انکم ان تبید ہذا ۱۷ بدنا  
ہمیں نہیں خیال کرتا تھا ہے یہ بدی نہیں

بسلی مشیت اور اس کی مختلف شکلوں کو جیسے ان شکلوں کے خصوصیات و علامات سے پہچاننا جاسکتا ہے قدی مشیت میں بھی اسی قاعدے سے ہم کام لے سکتے ہیں، ایسی دوسروں کو غارہ ہو سکتا ہے، لیکن جن پر گذرتی ہے وہ چاہیں تو سمجھ سکتے ہیں کہ ان کی مشیت کا قدری پیمانہ خدا عزوجل دینے والے کے ساتھ کسی شوخی اور گستاخی کا نتیجہ تو نہیں ہے، وہی قرآن کی سورہ فرق میں اور سورہ کہت کے قدر یعنی باغ والوں کے باغ پر جو بنیابی آئی تھی اور ان کی بسلی مشیت نے پانچ قدری رنگ جو اختیار کر لیا تھا، یعنی قدی مشیت کی وہ حجابی شکل تھی، سورہ کہت میں بھی ہے کہ باغ کی بنیادی و بربادی کے بعد وہی گستاخ آئیر خود اپنے اندر یہ احساس رکھتا تھا اور اس کا کہہ ران ان الفاظ میں کرتا تھا، قرآن میں وہ منقول ہیں،

واضحہ بالفرح فاصبح یسکب کینہ  
اور اما ذکر کیا لی اس کے باغ کا کھلنا

حق ما اخلق فیہا وحقنا وحقہ  
عقلی وحقہ وحقنا وحقہ  
عقلی وحقہ وحقنا وحقہ  
عقلی وحقہ وحقنا وحقہ  
عقلی وحقہ وحقنا وحقہ  
عقلی وحقہ وحقنا وحقہ  
عقلی وحقہ وحقنا وحقہ  
عقلی وحقہ وحقنا وحقہ

اسی طرح سورہ فوری میں جن بارخ واول کا ذکر ہے، بارخ کی تباہی ان اس کے متعلق جانیوں میں جو گفتگو ہوتی اس کو فکری کرنے کے بعد خود ان ہی کی زبانوں سے قرآن نے اعلان جرم کے جوہرنا نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ

فما قبل منہم وحقنا وحقہ  
عقلی وحقہ وحقنا وحقہ  
عقلی وحقہ وحقنا وحقہ  
عقلی وحقہ وحقنا وحقہ  
عقلی وحقہ وحقنا وحقہ  
عقلی وحقہ وحقنا وحقہ  
عقلی وحقہ وحقنا وحقہ  
عقلی وحقہ وحقنا وحقہ

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن پر گزند کی ہے وہ قدری معیشت کی اس انتہائی اور متانی شکل کو خود پہچانی لیتے ہیں اور ہوتا ہے قدری معیشت کی اس شکل کا ٹھہر کچھ ایسے طریقے سے گرفت کے خور کا دبانا جتنا چھوٹے واول کے لئے مشکل نہیں ہوتا ہے، چھوٹی اسرائیل کے تین آدمیوں کا جو حقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھاری وطم کی جیسی کچھ مددوں کی کتابوں میں پایا جاتا ہے، اسی میں

لے یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس شخص کا جو حقہ قرآن میں اور بیان یہ گیا ہے، اس میں کوئی جزا ایسا نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ شرک کا ارتکاب اس عام معنی کے لحاظ سے کیا جاسے عموماً لوگ شرک سمجھتے ہیں یعنی خالق کے ساتھ کسی مخلوق کو اس نے اپنا عبود بنالیا خدا اور خدا کے ساتھ خدا کی کسی مخلوق کو بھی وہ پر بت شاہجہر سوال ہے کہ تو غلام اپنے مالک کے ساتھ میں کسی کو شرک نہ بناتا تھا اور خدا کے ساتھ وہ اپنے کس پریم کی طرف ابتداء کرنا تھا بات تو یہ ہے کہ شرک کون قراباں ہو گیا اور حقہ اس سے جسے عام حالات میں لوگ شرک سمجھتے ہیں محض ہے کہ اس مشرک میں وہ جتنا زہرا لیکن بارخ میں داخل ہونے کے بعد اس کا یہ دعویٰ کہ اب بارخ اور اس کی کشت بھی تباہ نہیں ہو سکتے، دراصل یہ ان اسباب اور یا جانی وکلفت کاری کے ان سامانوں کی طرف اشارہ تھا جن پر خدا کے مستقل استیلا بڑا بول وہ بول رہا تھا اور اس پر خدا وہ اپنی دوائی و فزائیگی و جنت و دہان کی اپنی کارکردگی کی مساجدوں کا تجربہ نہیں کرتا تھا جس کے دوسرے مستقل ہونے کے بعد خدا کے ساتھ بستی معیشت کے ان مظاہر کی فراہمی میں وہ خدا اپنے آپ کو بھی شرک کر رہا تھا اور اس کا بھی دعویٰ مشرک نہ دعویٰ تھا خود اس کو بھی اس کا احساس تھا، اسی مشرک نہ دعویٰ کے ہم میں وہ بڑا ایسا آدمی کی بستی معیشت سے بدلی گئی ہے۔ انہوں نے اگر وہ چھوٹے کے دئی ہوئے کباب و شرک کے اس خطرناک قرآنی جرم کی سلاخی بھی نہ دیا نہیں کرتے ۱۲

لیکن انہوں نے ایک مبرور اور ایک گناہگار کے امتیاز کا انوار بھی کیا گیا، اور عزت و افلاس کی جس قدری معیشت میں وہ گرفت رکھتے ان سے بھی نہایت حلا کی گئی اور جس قسم کا دل چاہتا تھا ہر ایک کو دیا گیا، بیان کی گئی ہے کہ ہر ان میں ہر ایک کے پاس اسی شکل میں جس شکل میں وہ پہلے تھے، فخر کا جس بنا کر خدا کا فرشتہ آیا، یعنی اندھے کے پاس اندھا، مبرور کے پاس مبرور، گنہگار کے پاس گنہگار بن کر فرستہ آیا اور ان میں ہر ایک سے اس نے دعویٰ کی انتہا کی، جن کے جواب میں دونوں نے (یعنی مبرور اور گنہگار نے) تو جواب میں وہی بات کہی جو عموماً گنہگار کے ذہن میں دلائل ایسے مواقع میں کہہ کر تپا ہے، یعنی دو لے کہا

والمعروف حکم شریعہ۔

کہاں سے (دون)

روایت میں ہے کہ تپا مانگنے والے نے مبرور سے کہا

کافی اعراض فک انہم فک  
ابرص یقین رک انہم فک  
فقیر اعراض فک انہم فک  
انہم فک انہم فک

اور یہی بات اس نے گنہگار کو بھی یاد دلائی، اس کے دونوں نے جواب میں کہا تھا

انما وشرقت ہذا النسا  
کا برا عی کا برا  
(یعنی بستی دولت ہے)

حدیث میں ہے کہ تپا فرشتے نے دونوں کو پرہیز دیا کہ

ان کنت کا ذہا فمیکر اللہ  
انی ما کنت۔

اور یہی مجھے کہا تھا کہ ایسے مواقع پر اگر ان دونوں کی بستی معیشت قدری معیشت سے بدلی گئی تو مکمل ہوئی دلیل ہوگی اس بات کی کہ اس کی قدری معیشت قدرت کے انتظام اور متانی شکل تھی۔ بلکہ یہ تو یہ ہے کہ معیشت کا بستی رنگ و ماحول میں کہ وہ خود کے لیے حارسے پیدا کر کے

انگلیوں کو غنیانی اور سرکشی پر آمادہ کرے تو یہ چنداں تعجب غیر نہیں ہے، قوت کا احساس اور اقتدار و اختیار کے دائرہ کی وسعت قدرت و اول میں فزح و استکبار کی کیفیت کو پیدا کرتی ہے، انہوں نے اگر اس کو دیکھا جائے تو حالات کے لحاظ سے یہ عہد نہیں ایسی قدرت کی پیمائش پر روزی پائے والوں کو بھی جب ان حالات میں بیٹھا پایا جائے تو یقیناً بغاوت کی کیفیت اس کی دلیل ہوگی کہ ایسوں کی قدری معیشت اسی قسم کی قدرتی نرسا جو نرسا و نرسا

وہی سبب کی مستحق بنائی جاتی ہے اور وہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا کا طالب تھا۔ جس کا پتہ چلے کہ قدری میشت کی یہ حالت بھی سزا کا ایک طالب ہے، اسی کو گوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کے دلی جس سے حق تعالیٰ نے خطاب فرمایا کہ اور زانی کا ترک کیا جائے گا اور حق تعالیٰ کی انہشت و کرم سے جو محروم رہیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح مسلم میں یہ حدیث مروی ہے کہ وہ حسب ذیل لوگ ہوں گے،

شیخ حسن بن علی وعلک کن اب  
وعاشی مستکبر۔  
ایک روزی دیکھتے وہ۔

مطلب حدیث کا وہی ہے کہ گناہیوں تو بھائی خود گناہ ہی ہے، لیکن ایسوں سے اسی گناہ کا صدور جس سے اس گناہ کی ترقی نہ ہو، ان کے گناہ کی شدت کو بہت زیادہ فرمادیتا ہے، اس وقت جب دوسروں سے بحث نہیں، بلکہ بتا رہے ہیں کہ میری ہی نہیں، بلکہ کسی کسی غریبی کی سزا کی برتری شکل ہوتی ہے اور یہی غریبی ہے جس کی طرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے عوامی مستکبر۔

کے امتداد میں اشارہ فرمایا ہے کہ جس کی قدری میشتان صلاحت سے وہاں جو ہے، عام صلاحت میں کچھ پانچ کچھ اور امتحان ہی کی ایک شکل اسی طریقہ سے ہے، ایسے عام صلاحت میں میشت کا بے رنگ بھی عموماً آتا اور امتحان ہی کا ایک قدرتی اسلوب ہے، اور قدری میشت کا ایک پاکیزہ ترین قدری رنگ وہ ہے جس سے ہر فرازی کا استحصال پروردگار کی قسمت میں نہیں چرتا اور جیسا کہ میں پہلے بھی کہ چکا ہوں کہ میشت کے اس قدری رنگ کو اختیار کرتے والے شخصت اخلاص و دودہ سے خود اختیار کرتے ہیں، اس لیے انبیاء و اہل بیت علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف

الفضل تفسیر ہے۔  
فخری میرے لئے ہونے فرمے۔  
کے جس فخر کو غضب کیا جاتا ہے، امتداد میں متبع کے سہارے ہیں، جس میں امتداد کے انساب کی صحت میں شک کیا جائے، لیکن میری تفسیر کے گرانے کی زندگی بلکہ پیغمبر کے بانیوں نے عموماً میشت کے جس قدری رنگ میں پیش کیا، اس سے حق تعالیٰ کی تائید ہوتی ہے، جو مذکور بالا فقرہ کا منہ ہے، بلکہ صحاح کی ایسی حدیثیں شریفہ  
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
عن علی بن ابی طالب  
ذبحا فقلت لا یارب وکن اشجع  
یوملا وجرع یوملا فذا جعیت  
فصیحت الیک و ذکرک و اذنا  
حمدک و شکرک۔  
(روایت از زنی و مرد ابن ماجہ و دیگرے)

وہی سبب کی مستحق بنائی جاتی ہے اور وہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا کا طالب تھا۔ جس کا پتہ چلے کہ قدری میشت کی یہ حالت بھی سزا کا ایک طالب ہے، اسی کو گوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کے دلی جس سے حق تعالیٰ نے خطاب فرمایا کہ اور زانی کا ترک کیا جائے گا اور حق تعالیٰ کی انہشت و کرم سے جو محروم رہیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح مسلم میں یہ حدیث مروی ہے کہ وہ حسب ذیل لوگ ہوں گے،

عن انس بن مالک بن انس علیہ  
وسلمہ قال اقصیٰ احب  
مکینا و اقصیٰ مکینا  
و احسن فی ذوقہ لکنا  
اشاءے مکینوں کے گروہ میں۔

ذممت اپنے لئے، بلکہ پہلے ہی کہیں ذکر کر چکا ہے کہ اپنے گروہ کے اوائل کے لئے بھی آپ بھی دعا فرماتے تھے۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
روزی مرت قوت (یعنی خدا کا جبروت)

اور قدری میشت کا وہ طالب ہے جس کی بدعت تک نہ ہر شخص کی فکر ہو سکتی ہے، اور اس کی کج قدریت کا اندازہ کرتا وہ آئینوں کا وہ گروہ کر سکتا ہے جس کے سنگ سینوں، سنگ نگاہوں میں انسانی زندگی کی وہ وسوسیں سما سکتی ہیں جن کے اندک کائنات کا موجودہ محسوس نظام اور جو کچھ اس میں ہے چند جزئوں سے زیادہ وقت نہیں رکھتا، ہائے اقرضی کی مشہور حدیث نبوی یعنی اللہ تعالیٰ نے پیغمبر سے فرمایا،

اغبط اولیاء علی بن ابی  
خنیف الخا ذ ذ و حذ ص  
الصلوۃ احسن عبادۃ  
سار بہ و اطاعہ فی المساء  
و صلات غامضۃ فی القلوس  
لا یشار الیہ بالاصابع  
و صلاۃ سرورۃ کھنقا  
فصیر علی ذلک۔

نہیں انسانی ہائیں، یعنی اس کی اس ضرورت کے مطابق ہے، اور اس پر جو کچھ ہے۔ اس کے بعد اللہ کے رسول پر کاش کرتے مائل کا پتہ بتاتے ہوئے بھی فرماتے۔

ابنونی فی ضعفاء کسر  
ذممتا کہ بے ضعیفوں کا گروہ  
یعنی غریبوں میں (امام ذہبی)

# اسلامی معاشیات

## کے قانونی ابواب

اس وقت تک آپ کے سامنے اسلام کے معاشی  
حقیقتات جو زیادہ تر قرآنی حیدر کی آیات ہی سے اخذ ہیں  
پہلی جلد تک شکل میں پیش ہوئے ہیں۔ اب ان ہی حقیقتات کو  
پیش نظر رکھتے ہوئے اسلام میں جو قوانین نافذ کئے ہیں  
فقہاء اسلام نے قرآن اور سنت کی روشنی میں جو چیزیں  
پیدا کی ہیں ان کی تفصیل اس حصہ میں آپ کو ملے گی۔

منظر احسن گیلانی

آکر میں اس خیف الماؤد کم ایرجہ ساضی (والے موصی کی طرف سے اپنی مبارک عینوں سے اٹھانے  
فرماتے ہوئے کہ ہے پھر وہ دیکھ دیکھ دنیا میں جیسا کہ پھر آہ

مجلت حینہ قلت برا کیدہ  
حق قرآنہ۔  
چونکہ اس نے کم ہی۔

قابل رشک زندگی کے اس بندہ سے یہ دینی قدم جھانکتے ہیں کہ آدم اور آدم کی  
اولاد کی حقیقت واضح ہو چکی ہو کہ

فلا ہش ریشہ آرد پیرش  
دیکھئے کہ کہہ سکتے ہیں اور اسی نے کہا بھی

مالی والدینا ما انا والدینا  
الا کراکب استغلی تحت  
شجرہ قاشعہ ح و ترکھا۔  
(الترکائی یا سر)

صدق مولانا العزیز  
اسی ظن ہو غفرہ علی المسوان  
اور پھر گری ہے زندگی کا گھر

—+—

الہامیہ انانی

الہامیہ انانی گیلانی غفرہ لہ ولین رتباہ  
گیوں جو ہر مولانا ہدایت کا خزانہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## اسلامی معاشیات

حصہ دوم

قانونی باب

مستحق کی مقررہ حدیث ہے کہ بندے قیامت کے دن اس وقت تک اپنی ٹانگوں پر کھڑے رہیں گے جب تک کہ چار باتوں کے جواب سے فارغ نہ ہوئیں، ان ہی چار گانہ سناؤ میں ایک بڑا اہم سوال بھی ہو گا۔

عن مالہ من این کتبہ آدمی سے پوچھا جائے گا کہ اپنے مال

وفیما نقضہ یعنی اس مال کو کون نکالے گا اس سے

حاصل کیا اور کون رہا ہر حصہ کا کیا۔

پھر چھپے تو معاشیات کے قانونی یا فقہی مسائل کا تعلق ان ہی دو باتوں سے ہے۔ دوسرے فنکاروں میں یہ خیال کیجئے کہ دولت کے دخل و خرچ کے تعلق اسلام نے مسلمانوں کو جو عملی ضابطہ دیا ہے، اب آپ کے سامنے اس کی تفصیل پیش ہوگی، دولت جابگیر کے چھپے قاضی افتاء کا ضعیف اور درست ہے، یہی اپنی سیاسی و معاشی کتاب کتاب الخراج جو خلیفہ ہارون الرشید کی فرمائش سے لکھی گئی ہے، اس میں بھی قاضی صاحب نے تہیہ کلام میں اسی حدیث کو اسلامی معاشیات کی بنیاد قرار دیا ہے۔

اس معاشی ضابطہ کے اساسی قوانین کو پیش نظر رکھ کر فقہ اسلام جیم بشر جیسے جرنیٹات کے تعلق و خرچہ و تجارتی کر دیکھے ہیں، ظاہر ہے کہ اس فقہی کتاب میں اس کا احاطہ ناممکن ہے

اسلامی معاشیات  
جیم میں کوشش کروں گا کہ ایک خاص ترقیب سے اس مسئلہ کے اہم مسائل کو اپنی اپنی جگہ پر درج کر دوں، یہ ممکن ہے کہ ماہرین جانے کے بعد آئندہ کام کرنے والے اس پر اضافہ کریں۔

## معاشیات کے دو اسکول

پہلا اسکول | واقعہ یہ ہے کہ مشاہیر اور تجربے کے سوا خود قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کے نامعلوم زمانے سے بنی آدم میں ایک طبقہ ان لوگوں کا پایا گیا ہے جو مالیات یا تحصیل دولت و صرف دولت دونوں کو ہر قسم کی اخلاقی و مذہبی پابندیوں سے آزاد دیکھتے پاتے ہیں، یہاں پہلے سے خواہ کسی ذریعہ سے ہو آڑا نا ہوا ہے خواہ خرچ کی جڑا رہی ہو۔

اس مسئلہ میں یہاں تک دیکھا گیا ہے اور اب بھی دیکھا جاتا ہے کہ جن کی زندگی بظاہر پرستی اور فخری ہوتی ہے، یعنی ناز و روزہ و درود و نفلت ایچ و قرانی ان تمام امور کے وہ پابند ہوتے ہیں، لیکن یہی لوگ جو اس قسم کی مذہبی پابندیوں کو اپنے لئے لازم سمجھتے ہیں، مالیات کے مسئلہ میں ہر قسم کی بے قیدوں کا دیدہ و دلبری سے ارتکاب کرتے ہیں، اس مکتب خیال یا اسکول کا تذکرہ قرآن نے حضرت ضعیف حیدر اسلام کی قوم کے ذکر میں کیا ہے، یعنی حضرت ضعیف نے جب ان پر معاشی قوانین کی پابندیوں کو مانگا تو ان کا چاٹا تو ان کو جواب دیا کہ

قلو یا ضعیف اهلونک انہوں نے کہا ضعیف ایک تہہ ریز

قامہ ک ای متحرک مایعہ ہم کرتی ہیں کہ جس میں دوں کو ہمارے

ایمان و نادرانی نفعی فی ہا و ہا باپ دادا پر جتنے انہیں ہم چلا رہے ہیں

ماشاء۔ (سورہ بقرہ ۱۹)

جو ہمارے ہیں اس میں وہ رکاوٹ پیدا کرتی ہیں

مرتب بھی نہیں بلکہ قوم ضعیف کے معاشی ماہرین نے ان کے طرز عمل پر انکار قیام کیا اور ان کی عقل و فہم جس کا ایک صحت سے تجربہ تھا اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان روغن خیالوں نے فرقے کی جڑیں کھا کر

انک لانت الطلیعہ الفوشین ہم بڑے ہمارے ہر کم باوقار و جبر

(سورہ بقرہ)

کے آدمی ہیں۔

پھر حال معاشیات کا یہ تو ایک آزاد مکتب خیال ہے تحصیل دولت کے ذرائع پر یہ ظاہر ان کے نزدیک کسی قسم کی قید مانڈ کر، سوچو جو جو عقل و ذاتی کے خلاف ہے بلکہ جس کو جس وقت جس ذریعہ سے بھی حصول دولت کا موقع ملے بدھن ہوگی کہ اس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے یا دہر رہتے ہوئے اپنی خواہش خواہ جس بات کی ہو آدمی پروری نہ کرے۔ قرآن نے جن الفاظ میں اس کے اس معاشی فکر کا ذکر کیا ہے، اس سے ظن یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مذہب جو عوام لوگوں کے خیال میں پر جاپاٹ یا مخلوط نہیں تھرتھرتا، معاشی کاروبار میں اس کی دخل اندازی ہو کر وہ تاپند

اسلامی معاشیات  
کرتے تھے۔ اسی نے انہوں نے کہا کہ قہساری نازیروں کیا اس سے بھی بدگفتی ہیں کہ ہم اپنے اصول  
کے متعلق جو چاہیں کریں۔

**دوسرا اکتب خیال** | اسی کے مقابل میں معاشیات ہی کا ایک دوسرا اسکول تھا ہے جو دوسرے پہلوؤں  
کی طرح انتہائی زندگی کے معاشی پہلو کو بھی چند خاص حدود میں رکت چاہتا ہے، یعنی وہی بات جو حدیث  
میں آئی کہ من اچین و کتبہ دینی ما انفقہ (کہاں سے کیا یا اور کس راہ میں خرچ کیا) دونوں پر  
گھرائی قائم کرتا چاہتا ہے، و تقریباً ہر زمانے میں اس فقہ کی بھی کسی نیویں رہی ہے۔ عملی طور پر خواہ اس  
اصول کے ماننے والوں کی تعداد کتنی ہی تھوڑی ہو لیکن فکری حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو اکثریت  
کم از کم زیادتی سے اس نگرانی کی پیروی حامی رہی ہے۔ اسی نے چوری، ڈاکہ، رشوت، خیانت، دھوکا  
وغیرہ ذرا بے کسب کو اچھی سوسائٹیوں میں پیشہ روی نظروں سے دیکھا گیا ہے، و غالباً اس بنا پر  
دنیا کی ہر قوم اور ہر ملک میں حد بندی قائم کرنے والے معاشی قوانین بنائے جاتے ہیں، اسلام کا حلق  
بھی ثانی الذکر حد سے ہے اور اس وقت میں انہیں پابندیوں کی عملی حیثیت سے تفصیل کرنا چاہتا ہوں  
جو ان دونوں امور یعنی من و دین اکتبہ یا دوسرے فقہوں میں کو حلال اور حرام فقہ یا فقہ یا خروج  
اسلام نے قائم کئے ہیں۔ دونوں سوالوں پر ایک مستقل عنوان کے نیچے بحث کی جائے گی۔

## دخل

دخل یعنی مالی ورودت کے کہنے اور اس سے استفادہ کے ذرائع ہر اسلام نے جو قیود قائم  
کئے ہیں اس کی تفصیل کے سمجھنے کے لئے چاہیے کہ آج کل کے دنیا کی چیزوں کی اس تقسیم کو سمجھ لیا جائے  
جو معاشی حیثیت سے اسلام میں اختیار کی گئی ہے۔

اسلام میں اشیاء و اقدار ہے کہ فقہ کی کتابوں میں اگرچہ مالی مسائل کو مختلف ابواب کے ذریعہ  
کی معاشی تقسیم میں منقسم کر کے بیان کیا گیا ہے، لیکن تمام ابواب کے مسائل کو پیش نظر رکھ کر  
مطلق طریقہ سے ہاں تو ہم ان کو یوں تقسیم کر سکتے ہیں، یعنی ان چیزوں کا جتنی آدمی کوئی مالک ہے  
پانہیں، اگر مالک نہیں ہے تو قبضہ کرنے کے بعد بھی آدمی ان کا مالک ہو سکتا ہے یا نہیں، اسی طرح جس  
چیزوں کا کوئی مالک ہے ان کی بھی دو صورتیں ہیں، مالک کی مرضی کے بغیر اسلام ان پر دو سروں کو  
قبضہ کرنے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں، اگر دیتا ہے تو اس کی کتنی صورتیں ہیں، اور نہیں دیتا ہے تو  
پھر ان چیزوں کے مالک ہونے کے قانونی ذرائع کیا ہیں اور اسلام ان قانونی پابندیوں کو ان چیزوں  
کے مالک ہونے کے لئے کیوں ضروری قرار دیتا ہے۔ چرکہ اس تمام مطلق شقوں کے نیچے کچھ نہ کچھ  
چیزیں داخل ہیں، اس لئے میں ہر ایک پر الگ الگ بحث کرتا ہوں۔

ایسی چیزیں جس کا اسلامی نقطہ نظر سے کوئی مالک نہیں ہے، ہمارے میں ہے۔

الاستیخاج بصرہ ۲۱ بصرہ مستند دربار کے بانی سے استفادہ کی

کالا انتفاع بالشمس والفرق  
واللھو اعم (کتاب الشرب ۱۲۵)  
ان سے استفادہ کا عام حق حاصل ہے)

جس سے معلوم ہوا کہ مستند یا وغیرہ اور ان کا پانی اور آفتاب و غیرہ اور ان کی روشنی اسی طرح  
ہو اور فضا کا کوئی مالک نہیں ہے۔ اسی طرح ہوا کے برعکس جل کے جانور یا سمند کے حیوانات و سب  
کوئی مالک نہیں ہے اور یہی حال جل، آہوا و غیرہ کے درختوں اور دیگر نباتات کا ہے کہ نہ ان کا کوئی  
مالک ہے اور نہ ان کے پھلوں کا بلکہ ہر شخص کے لئے وہ خرما، صبار اور چائے، قاضی ابوبوص  
حقن ب المزاج میں انہوں نے باہرام وغیرہ کے خورد و چغی درختوں اور شہد وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اذ اصحاب فی المضاشر  
والجبال علی الاشجار و فی  
الکھوف فلاحی فیہ و هو  
ہمزة المشا رکنون فی  
الجبال واللا و دبة۔

باقی ارضی یعنی زمین کی جی اسلام میں چند قسمیں ہیں، صاحب ذرائع نے ان اقسام کو اس طرح بیان کیا ہے۔

والارض من فی الاصل فوعان  
مملوكة والارض من مباحة  
غیر مملوكة والمملوكة فوعان  
عامرة وخراب والمباحة  
ایضا فوعان فوعان  
مرواق البلدان وحتبناہم  
وہرعی مروا شیعہ و فوعان  
لیس من مروا ففھا و هو  
المطعم بالموات۔

چراگاہ، اور دوسری وہ جس کا شہر تعلق مملکت آفریں خطہ سے نہ چراہی کا نام  
المرات ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمین کی بعض قسمیں غیر مملوک بھی ہوتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ جب ان پر کسی کا قبضہ  
ہو تو ان کے مملوک ہونے کے کیا سبب ہو سکتے ہیں، سوال اس کے بعد ہے کہ ان چیزوں کے تعلق  
کی شکل ہے عام طور سے ان چیزوں کے مالک ہونے کا طریقہ اسلام نے بھی وہی اختیار کیا ہے جو دنیا  
بائیں مروج ہے۔ البتہ ان میں مملوکات کی عملی اشرطہ و حکم سے مروی ہے۔



من سبق انی ما لم یسبق  
ایہ مسلمہ فمواضو بہ۔  
جس کو مسلمان کا پہلا قبضہ نہ ہو وہ

فقہارے اس حدیث کی بنا پر یہ قانون پر کیا، یہاں کہ یہ ہے۔  
وہ قبضہ کہ گویا اس کا نذرہ ہے۔

من سبقت یدل یدہ الیہ  
ملکہ۔  
یعنی پہلی دفعہ جس کا قبضہ اس پر ہوگا  
وہ اس کا ملک ہو جائے۔

مشق کے ہیں کہ

من احتطب احتطب لنفسہ  
فہو لہ ومن احتطب لغيرہ  
جس میں جو کڑی کاٹ لے اور  
فلا رکھ کر دوسرے کو لگا کر لے وہ اس کا  
فہو لہ۔

لیکن باوجود اس عام قانون کے چند چیزیں ایسی ہیں جن کو اسلام میں بعض خاص شرائط کے ساتھ  
اس قانون سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیزیں جن پر کسی کا قبضہ نہیں ہو سکتا اور  
ان کو انہی مخالفت میں نہیں لے سکتا مثلاً آبی بوجہ آب و دیگرہ ان کا تو قیام یہاں ہے کہ  
آبی ملک نہیں ہو سکتا، پانی میں ہے کہ

الاستغناء بالنفس والقصر  
والطهارة فلا يمنع من الاستغناء  
عنہ فی وجہ مشام۔  
تک بابت بابت ہوا سے غار و شام  
سے کوئی نہ کا نہیں ہو سکتا جس طرح پانی  
ان سے مستثانہ کر سکتا ہے۔

اسی بنا پر فقہاء کو یہ مسئلہ ہے کہ دو شرا مکان کی پہلی منزل کا کوئی اگر مالک ہو اور دوسری منزل کا کوئی اور  
پھر اوپر دوسری منزل اگر گری جائے تو اس فقہاء پر اس کو جس میں یہ اوپر والی منزل تھی اس کو کوئی بھی نہیں سکتا  
ایک ہام نے اس کی وجہ فقہاء میں یہ لکھی ہے کہ مکان کو چند حصوں میں تقسیم کر کے اس کو حاصل تیار  
حق متعلق بالہواء و لیسر الخ

مال الایمان (۲۰) بطور مروت (۱۰)  
یہ اور ہو سکتی ہے جس سے یہ ثابت ہے۔

اشتراکی سرمایہ  
یعنی عوامان چیزوں کے اور بھی چند امور ہیں جن پر خواہ کسی کا قبضہ ہی کیوں نہ ہو جائے  
پانی، آگ، گھاس  
لیکن عام مفاد کے لئے اسلام نے یہ قرار دیا ہے کہ انفرادی طور پر قانوناً تکلیف  
آگ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ انہیں عام ہیکل پر اپنی قرار دینا چاہئے اس مسئلہ میں مختلف جہات ہیں  
اگرچہ ہمیں یہ چیزوں کا ذکر کیا جائے ہے میں شہر حدیث ہے۔

انسان شہر صحراء فی طہارۃ  
والکلاء والنازل (اصحات)  
اٹھ (گھاس، اندر آگ، میں۔  
اس حدیث کی بنا پر پانی، گھاس، آگ میں اس میں عام ہیکل خریک بھی جاتی ہے۔

لیکن صرف ان ہی چیزوں میں ایک اشتراک کے قانون کو محدود سمجھنا صحیح نہیں ہے  
بلکہ اس میں اور بھی ایسی چیزیں ہیں جن کو انفرادی ملکیت قرار دینے کی  
صورت میں اندیشہ ہے کہ

ملک احد بالاحتیاج و ملک  
منعہ فضا علی الناس  
فان اخذ العوض عنہ  
اعلا کا فخر ج عن الموضع  
الذی وضعہ اللہ عن  
تقسیم ذوی الخواشع عن  
خیر کفۃ، (المغنی)  
اگر احاطہ بندی کے کوئی اس کا ملک  
ہو جائے گا تو لوگوں کو اس سے منع  
اور وہاں میں تنگی میں نہ ہو جائے گی  
اور اگر اس کا معاوضہ لے گا تو اسے  
گراں دے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ  
قانون نے جس فرض کے لئے اس پر کر  
جو مقام ملک تیار ہوا اس سے وہ چیز  
مٹ جائے گی یعنی عام حاجت مندوں

(ص ۱۵۰ ج ۲)

کی ضرورت کی کفایت و مشقت کے ہونے کی وجہ سے  
اس لئے علامہ ابن قدامہ نے اس مسئلہ میں چند چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔

المعادن الظاہی و الخفی  
یوصل ما فیہا من غیر مؤنۃ  
یتا بها انسان و حیوان  
کا طلع و الماء و الکبریت  
والغیر و الموصیاء و الخفت  
والکحل و ایثار و مصالح  
الطین و اشباہ ذلک۔  
ظاہری معادن ان کو کہتے ہیں جس میں  
بعض کی منت و مشقت کے معانی حاصل  
ہو سکتے ہوں گی اس پر آمد و رفت ہونا  
ہو، اور لوگ اس سے نفع اٹھاتے  
ہوں، مثلاً لک، گندہ، کھجور،  
سویا، زیت، اعلیٰ کا بیل، اسو، یا تو  
یا مٹی کانے کی جگہ ہو۔

علامہ لکھتے ہیں کہ اسلامی نقطہ نظر سے یہ چیزیں۔

لا تنال بالاحیاء ولا بجموں  
اقطاعا الاصل من اناس  
ولا احتیاجا لسا و سادون  
المسلمین لان فیہ ضرر  
بالمسلمین و تنبیہ علیہ  
بچے گا اور ان پر تنگی ہوگی۔

فقہارے اس قانون کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث سے مستنبط کیا ہے جو ابو داؤد  
ترمذی وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ابی بن مالک نامی صحابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان کی درخواست پر تائب (پس) کے ایک کھارے چکر کو بطور جاگیر کے حلفا فرمایا، لیکن منہ کے کھارے  
روانہ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا کہ منور نے خیال نہیں فرمایا کہ اس شخص کو جاگیر میں کیا چیز حلفا فرمائی گئی  
وہ تو ایک نہ ختم ہونے والا جاری چشمہ ہے، منور اگر مصلیٰ اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا تھا تو  
یعنی جب وہ ایسا چشمہ ہے تو پھر وہ جاگیر میں نہیں دیا جاسکتا، مصلیٰ اللہ علیہ وسلم نے غبار و غبروے کے دریا ہے  
کہ حکومت اس قسم کی چیزیں کسی کو جاگیر میں بھی دے جب بھی وہ کسی کی جاگیر نہیں بنے گی، اور وہ  
پھر مال میں پانچ یا نو انداز رہے گا۔

طواہر الامداد کے تباہ لے انہیں مصالح کی بنا پر لکھا ہے کہ

فیس الامداد ان النفع مالا  
غنی المسلمین عنه یعنی  
اذ احصانت اجرة او  
غیضت اوجس یشربونہ  
او مصلحة لا حل ببلد  
فیس الامداد ان یقطع  
ذکر لا حل  
(مناہہ ہاشمہ ۲۵۳ ص)

یہ چیزیں جاگیر میں دے دے۔  
اسی طرح آبادی کی چراگاہیں یا ارد گرد کی جھاڑیوں جن سے لوگ ایندھن کا کام لیتے ہیں یا آبادی کے کھڑے  
کی ایسی زمینیں جن پر کھیاں وغیرہ لگائے ہیں اور ان کا کوئی ملک نہ ہو تو فقارے لکھا ہے  
ماکان خاسر الجبل  
من مسرہ فقہا و محطبا  
لا حلھا او مریحی لحد  
لا یكون مورا تا حتی لا یبک  
الامداد اقطاعھا۔  
وامام (حکومت) کسی کو جاگیر میں یہ چیزیں دے سکتی ہے۔

زیریں نے اس دفعہ کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔

فناء العمام فینتفرون  
بہ لانفسہم تحت اجون  
ایہ لمرعی مورا شایع  
وطرح حصا مثل حد

فلم یکن انتفا عجب  
منقطعاً عنہ ظاہراً  
فلما یكون مورا تا۔  
(زمینی برہان ص ۲۵۳ ص)

اسلام نے جب ان چیزوں میں انفرادی ملک کو تاجز فیروا ہے تو یہاں ہرے کر فیروہ  
یا عام آب پاشی کے ذرائع جن میں بھی پبلک کی ملک خیال کیا جاتا ہے ان میں انفرادی ملک کو  
کس طرح تاجز قرار دیا جاسکتا ہے، اذ کی بڑی میں اس کی مراعت کر دی گئی ہے کہ جس طرح  
مندر ہر جہاں امور کو حکومت کسی کی انفرادی ملک نہیں قرار دے سکتی اسی طرح  
لا اقطاع کشارح الاموال  
وطرقاۃ المسلمین۔  
(ابن خلدون ص ۱۵۵ ص)

حکومت دے سکتی ہے اور آبادی کے باشندے ان پر قبضہ کر کے اپنی ملک بنائے ہیں، لکن یہاں ہرے کر فیروہ  
وکنذ الا بچورنا اجباء  
صا لعلق بہ حق العاصۃ  
کسانی فی المنص و الطریق۔  
(۲۵۳ ص)

خلاصہ یہ ہے کہ پانی، آگ، لکھڑی اور ایسے معادن جن کی بیوپار کے حاصل کرنے میں کسی  
محنت و مشقت اجد و جد اور مصارف کی ضرورت نہیں ہوتی اور عام لوگوں کی ضرورت کی چیزیں ان  
سے برآمد ہوتی ہوں آبادی کی چراگاہیں، جنگل جہاں کوئی مالک نہ ہو، آبادی کے اطراف  
کی وہ زمینیں جس میں آبادی کا اپنے زرعی کاروبار کے لئے ہوں مثلاً کھیاں وغیرہ لگائے ہوں یا شاخ  
عام (عام رائے) یا آب پاشی کے عام خزانے وغیرہ ایسی چیزیں حکومت کسی کو انفرادی طور پر ان ملک  
مالک بنا سکتی ہے اور نہ قبضہ کر کے خود کوئی ان کو اپنی انفرادی ملک بنا سکتا ہے، اگر کوئی قبضہ کرے گا  
تو قوتاً غلط ہوگا اور جیسے پبلک جائداد ہی سمجھی جائے گی، گو یا یوں سمجھنا ہے کہ اسلام میں امور  
کے متعلق اپنے نقطہ نظر اثر کی رکھنا ہے، اجمالی طور پر تو ان امور کا یہی حال ہے، لیکن فقہائے اہل کی  
مختلف قسموں پر غور کیا ہے اور بعض چیزوں کو اثر اک کے اس حکم سے مستثنیٰ بھی کیا ہے، مثلاً پانی کی  
انہوں نے پانچ چیزیں قرار دی ہیں اس حسبِ ما یلحق لکھتے ہیں

پانی کی مختلف قسمیں اور ان کے مختلف احکام

العیاء الاربعۃ الفواح الاول بان کی چار قسمیں ہیں: پہلا قسم پانی کی

السماء الذی یكون فی الزمانی  
والظن وقت وانشائی الذی  
یکون فی الآبار والحبس  
والعصور انشئت ماء الانهار  
والصغار ان تكون لا توافی  
والله اعلم الانهار العظام  
کبیرون سیحون ودجله  
والفرات

وہ ہے جو برتن اور قوت میں  
دوسری قسم وہ ہے جو کنوؤں اور کنوؤں  
اور چھل میں ہر قسم وہ ہے جو  
ان جوئے دریاؤں اور نہریں میں  
جس کا تعلق خاص خاص قوتوں سے  
ہر قسم وہ ہے جو بڑے بڑے  
جیسے جیون اور سیحون (جلد فرما  
دیجئے)

پانی کے اچھا قسم کے شلق بالافتق سب کا یہ مذہب ہے کہ جو پانی بڑے  
دریا کا پانی  
بڑے دریا مثلاً جیون و سیحون یا بندوستان میں گنگا جمن کرشنا گوداوری کا ہے  
ملک کے تمام باشندوں کا پانی ہے۔ ہر شخص کو اس سے خود پینے کا جانوروں کو پلانے کا درختوں  
باغوں کے پینے کا قانونی حق ہے۔ صاحب دانی لکھتے ہیں۔

الانهار السیحون  
وہی حیات وجملة الضرات  
ونحوها فلا ملک لاحد  
فیها ولا فی سقبة  
انهار ولا لاحد حق خاص  
فیها ولا فی اشرب بل  
هو حق عامة السلیب  
فلکل احد ان یشفع  
بہد الانهار بالشفعة  
وہ السلی۔

بڑے بڑے دریا مثلاً جیون اور جیون  
دجلہ قوت اور اسی قسم کے دریا ہیں  
کسی کی ذاتی ملک نہیں ہو سکتے ان کے  
پانی کا کوئی ذاتی مالک ہو سکتا ہے اور  
ان میں رقبہ زمین کو جس میں ان دریاؤں کا  
پانی بہتا ہے اور کسی خاص شخص کا  
کے ساتھ کوئی ذاتی حق متعلق ہو سکتا ہے  
نہ پانی کا ذاتی حق ان دریاؤں کے  
متعلق کسی خاص شخص کو حاصل ہو سکتا  
بلکہ عام مسلمانوں کا حق ہے اسی لئے  
ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ ان دریاؤں سے نوشہ نہ پیرے نہ کوئی شے نہ کھائے

بڑے دریاؤں  
سے نہریں کا کائنات  
ہر قسم کی زمین میں بلکہ ان دریاؤں سے ہر کاشت کار کو کوئی اپنی زمین میں کائے اور کسی دوسرے  
کی زمین اس کے اس فعل سے برباد نہ ہوتی ہر باشندہ گاں ملک کو اور کسی قسم کا نقصان  
نہ پہنچتا ہر قسم کو کوئی حق نہیں ہے کہ نہر کھودنے سے اس کو روکے حتیٰ کہ حکومت بھی نہیں کر سکتی۔  
ہر اشی میں ہے۔

لہذا ان یشق ایضا انہو  
ہی ہذا الانهار ولسی

اس کا بھی ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اپنی  
زمین تک ان دریاؤں سے نہر کاٹ کر لے

لا صام ولا لاحد منعه  
عنہ یضرب وجہا واحدا فیہ  
اس کو روکے ہر ایک اس نہر کی وجہ سے کسی کو ضرر نہ پہنچے۔  
ان دریاؤں کے پانی کی قوت سے جنگی وغیرہ  
چلا تا یا موت چسپس ان پر قائم کرتا  
ان یشق علیہ سرور الیہ  
وسانیہ (ہاں)

اور نام (حکومت) ہی کو اس کا حق  
ہے ان کسی اور کو کہ اس فعل سے  
اس کو روکے ہر ایک اس نہر کی وجہ سے کسی کو ضرر نہ پہنچے۔  
اسی طرح ہر باشندہ ملک کو اس کا بھی حق  
ہے کہ اس قسم کے دریاؤں اور نہریں پر۔  
کہ ان پر اپنی اور ہٹ موٹ وغیرہ  
قائم کرے۔

بہت حکومت اور بیک دونوں کو اس کا حق ہے کہ اس کے ان افعال سے خود نہر یا نہر یا کو کوئی نقصان  
نہ پہنچا اس کی نگرانی کریں۔ چنانچہ ہی میں ہے۔

کل واحد یسبیل من  
الانتفاع لا کن بشریة  
عدمد الضرر بالاشخاص  
کالا متفاع بطریق العامة  
وان اضرب بالضرر فلکل  
واحد من السلیب منعه

اگر ہر شخص کو حق گیری کا حق حاصل  
ہے ہر ایک اس کی نہر کی وجہ سے کسی کا  
کچھ نقصان نہ ہو تا وہی حکم کہ کسی  
ہر عام خرابی کا ہے۔ بلکہ اگر  
اس سے نہر کو نقصان پہنچتا ہو تو ہر ایک  
حق ہر اس فعل سے اس کو روک دے۔

دریاؤں کے سوا پانی کے اقسام  
کی زمین میں ہر نہر میں ہر ایک کو کوئی نہر کے تالاب اور کنوؤں کا پانی اس کے شلق حکم ہے کہ  
حق اشفعة ثابت  
یعنی خود پینے یا اپنے جانوروں کو پانی پلانے کا حق تو اب بھی عام بیک کو حاصل ہے۔ بہت بڑے ملک  
میں زمین سے اس پانی کو شلق ہے۔ اس لئے زمین کے مالکوں کی اجازت کے بغیر دوسروں کو اس پانی  
سے باغوں یا کھیتوں کے پینے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ہاں میں ہے۔

فان اسئل درجل ان یسقی  
بذلک ارضنا حیواھا کما فی اصل  
المنہوان یمنوعہ عنہ اضہیم  
اول لہ فیض۔ (ہاں میں)

اگر کوئی اپنی آباد کردہ زمین کو اس قسم  
کے پانی سے سیرنا چاہے تو نہروں کو  
حق ہے کہ اس کو روک دیں، خواہ  
نقصان ہو یا نہ ہو۔

یوں کنوؤں تالابوں کے  
کے فروخت کا حکم  
نہیں ہے فقہاء اس باب میں ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں۔  
انھوں نے اس حدیث میں اس لئے منع فرمایا ہے کہ کنوؤں  
کے سورت کے پانی کو کوئی فروخت کرے۔

اسکی ساقیات  
 علیہ السلام کا ترجمہ صاحب بدائع نے فضل مالک میں کنوول کا نام از ضرورت پانی کیا ہے پہل  
 اس حدیث کی وجہ سے چنے پانے سے تو کسی کو کوئی روک نہیں سکتا لیکن اگر شخص کو ایسی ہنروں یا کلاہوں  
 یا اولیوں سے آپاش کی عام اجازت دیدی جائے گی تو جیسا کہ صاحب بدائع کہتے ہیں  
 کل احد یبتدا در ایسہ  
 فیق منہ زرعہ و لا یجلاہ  
 فیصل حقہ اصلہ  
 کیت اور بارخ کو سیراب کہے گا  
 ہر ہنروں کا حق مارا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کے پانی میں اشتراکیت کا نظریہ صرف حق مشفقین نوشیدنی تک محدود ہے، پھر  
 خیر کرنے اس کی مختلف خشکوں کے احکام بھی نکلے ہیں۔ مثلاً اگر کنواں یا تالاب کا مالک پبلک کو اپنی زمین  
 سے آنے سے روکے اور کچھ کا قافو پانی پر تیار حق ہے لیکن میری ملک زمین کے احاطہ میں داخل  
 ہونے کی تو اجازت نہیں، تو ایسی صورت میں دیکھا جائے گا اگر نوشیدنی کی ضرورت پبلک کسی اور ذریعہ  
 سے پوری کر سکتی ہے تو جگہ سے کی حاجت نہیں، لیکن اگر ایسی صورت نہ ہو تو پھر کنوول کے مالک کو عبور  
 کی جائے گا کہ قافو لوگوں کو اپنے کنوول سے پانی پینے دے ورنہ کوئی نظم کرے کہ لوگوں کو نہ لگائی  
 قافو حق پہنچ جائے یعنی ان کے اور ان کے جائزوں تک پانی پہنچ جائے۔ اس حق پر اتنا زور دیا  
 گیا ہے کہ دونوں باتوں میں سے کسی پر راضی نہ ہو تو پبلک کو حق ہے کہ باضا بطریق ہر کراس سے  
 جنگ کریں اور اپنا حق حاصل کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسی قسم کی ایک صورت  
 پیش آئی تو آپ نے فرمایا۔

حلال وضعتم فہم اصلاح بدائع

پانی کی وہ قسم  
 جو ملک سکتی ہے  
 پانی میں انفرادی ملکیت پیدا ہوجاتی ہے صاحب بدائع کہتے کہ اب اس پانی کی ملکیت  
 ایسی ہوجاتی کہ

کما استولی علی المطلب  
 و لا یستیش ولا یصلد۔  
 تہیہ و تہیہ اس کی ملک جو جاتا ہے

کچھ چیزوں سے استثناء کا حق اگر پبلک کے ہر فرد کو حاصل ہے لیکن جب ان کی کسی کا قبضہ ہو گیا تو قبضہ  
 کرنے والے کی وہ ملک ہوجاتی ہے اسی طرح برتن اور ملک کا پانی بھی ملک ہوجاتا ہے  
 فیجوز بیعہ۔  
 اور ایسی صورت میں (ملک ہونے پر)

کے پانی کا فروخت کرنا بھی جائز ہے

اس قسم کے پانی کی بیع و فروخت کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ

السقاؤن بیعون المیاء  
 برتنوں میں جمی پانی کو فروخت کر لیا ہے

الھو شرافۃ فی الشرف وہ  
 جوت الصادق فی الامصار  
 فی صائر الامصار وہ غیر شکر  
 (بدائع)  
 اس لئے اس پانی کے متعلق حکم ہے کہ

فلم یحل لاحد ان یأخذ  
 منہ فیصل یصل غیرہ ذلک  
 ہائز ہر گاہ پانی کے مالک کی ممانعت کے  
 بغیر کوئی اس کو لے اور پئے۔

جہت ایسی صورت میں کہ پیاس سے کسی کی جان پر جانے اور دوسرے کے برتن میں ناک از ضرورت پانی ہو  
 تو خیر سلطانی کہ کچھ پانی زبردستی چھین کر لیا جاتا ہے۔

خبر ضرورت کی چیزوں  
 اور حکم کچھ پانی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ملک کے اندیشے کی  
 ہر اشتراکیت کا نقطہ نظر  
 صورت میں ناک از ضرورت چیز دوسرے سے آدمی زبردستی چھین کر  
 استعمال کر سکتا ہے خواہ کھانا ہو یا اسی قسم کی دوسری چیز ہر جہت سے  
 و لا یصلح احد صاحبہ المصلحة  
 یعنی ہر حکم مکمل کا بھی ہے ثبوت  
 (اس کا ثبوت ہے)

ملک کو پانی میں بھی  
 لوگوں کو شریک قرار دیا گیا ہے اس لئے فقہ اسلام نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بلا  
 ضرورت اگر کسی کی ملک یا برتن سے آدمی پانی پئے لے تو پوری کی شری مسزاقع یہ حکم اس پر نہ  
 لگایا جائے گا خواہ اس پانی کی قیمت اسی قدر کیوں نہ ہو جس کے برابر ہر گاہ کا باقی ہر جہت سے

لو سرقہ و اشترک فی موصوع  
 یعنی وجود کا وہو میاوی  
 انصا بانہ قطع مبدل  
 (کن بخر بحدہ ص ۳۸۹)  
 اگر کسی ایسے مقام میں جہاں پانی خاص  
 ہے میرا ہے اور کوئی دوسرا کے پانی  
 پئے تو میرا ہے اور نہ کاتبانہ کو غور ہے  
 کا جہت اسی خدایوں نہ جس پر ملک ہے

کیونکہ ہر حال ایک گونہ حرکت کا ہے اس میں پیدا ہو گیا ہے اور خبر سے اس قسم کی سزا میں مل جاتی ہیں۔  
 پھیلنے کا حکم  
 پانی ہی کے ذیل میں پھیلاؤں کا اس کے بھی پیدا ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ میں طرح  
 ہو سکے ہر فرد کو کوئی مالک نہیں ہے اور جو ان پر قبضہ کرے گا وہی مالک ہو جاتا ہے۔ جس طرح  
 کہ کسی تالاب یا بارخ یا ملکیت میں پر نہ سے چرتے چلتے ہیں یا رہتے ہیں کوئی ان کو فروخت نہیں کرنا  
 حتیٰ کہ ملکوت کو بھی اس کا اختیار نہیں ہے کہ اس قسم کی خشکی یا تری کے جائزوں کو کسی کی انفرادی  
 ملکیت قرار دے۔ حناہ خراج ہر جہت سے

(الاصلاح مالک ان یخص  
 امام حکومت کو اس کا سبب رکھنا چاہیے)

واحد اودون واحد بذالک  
حقن لوامر واحد ۱۲  
یاخذ شیشا صید البینہ  
من براوہی لا یملک السماو  
قبل الاخذ والا صلیا د۔  
(ماریس ۲۰۸ ص ۲)

کوس خاس شخص کو کہ اس کی خصوصیت  
کیست حکم کے ساتھ اگر کسی کو نام  
حکم کے کو خاس خاص شخص کو پڑے خوا  
خلی کا ہر یا دریا کا تیرے حکم دی گیا  
ہے وہ شکار پڑنے سے پہلے اس شخص کا  
ملک نہیں ہو سکتا۔

سوال ہوتا ہے کہ جب ہوا کے جانوروں کا حکم ہے تو پھیلیاں جن کی حیثیت پانی میں وہی  
ہے جو ان و خیزندوں کی ہوا میں ہے ان کو بھی کوئی تک سکتا ہے یا نہیں۔ قاضی ابو یوسف نے  
کتب الفرائع میں ایک خاص باب اس مسئلہ میں باندھا ہے۔ خود ان کا اور امام ابو حنیفہ و غیرہ کا خیال  
یہی ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ غیر ملوک فنی کی چیز ہے۔ بلکہ ممانعت کا  
سبب یہ بتایا گیا ہے کہ خریدار کے شوق و سحر کھا جائے گا اندیشہ ہے کہ پانی کے اندر کا حال اس کو  
کیا معلوم ہو سکتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فتویٰ قاضی صاحب نے نقل کیا ہے کہ  
لا یتباہیوا السمک فی السماء  
فانہ غرر  
پھل کو پانی کے اندر نہ پھانکے کہ اس  
میں دھوکہ ہے۔

اسی قسم کے الفاظ ابی مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہیں۔ لیکن اسی کے متبادر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ  
وہ سے اسی کتب الفرائع میں یہ بھی مروی ہے۔ اس نامی مقام میں جو میں واقع ہے۔

انہ وضع علی اجماع جوس  
اس جملۃ الافادہ سرحد  
وکتب لہم کتابا فی فقیہ  
ادھر۔  
کتب الفرائع ص ۱۰۵

مروئی نہیں کہ حکومت نے اس خزانہ آب کو چار ہزار درہم میں بندوبست کیا بلکہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے بھی  
اس کتاب میں یہ مروی ہے کہ عبد الحمید بن عبد الرحمن نے حجاز کے سورہ دار سے انھوں نے  
یشلہ عن جمع صید الاحیاء۔  
تیمم (آئینہ مستوفی) کے شکار کے متعلق  
دریافت کیا کہ ان کو فروخت کیا جائے۔

جواب میں عمر بن عبد العزیز نے فرمایا جیسا۔  
ان لا یاس بہ وسماء الطہس  
کتب الفرائع ص ۱۱۰

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی پھیلیوں کے متعلق باندھ دے کچھ اختلاف نہ ہوا آتا ہے خود قاضی ابو یوسف نے

کھسے کہ اگر کسی ایسے گھٹے میں پھیل چم غیر شکاری مریوں کے ہاتھ آجائے قاس کے پیچھے میں  
مروج نہیں بلکہ آگے بڑھ کر ان کے الفاظ یہ ہیں۔

وہ شلہ ۱۲ احکام یوحذ  
بغیر صید کشتل مسک فی  
الجب۔  
کتب الفرائع ص ۱۱۰

ان تمام اقوال کے دیکھنے سے فیصلہ کی صورت یہی معلوم ہوتی ہے کہ مسندوں و خیزندوں  
ذیوں و خیزوں کی پھیلیاں جو بند اور محدود پانی میں نہیں رہتی ہیں۔ ان کو نہ حکومت بیچ سکتی ہے اور  
نہ شکار کرنے سے پہلے کوئی اور بیچ سکتا ہے۔ بلکہ وہ عام پبلک کی چیز ہے۔ ملک کے ہر باشندے کو  
ان کے شکار اور ان سے استفادہ کا حق ہے۔ البتہ اگر محدود اور بند پانی شکار تالابوں و خیزوں میں  
ہوں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کے مطابق ان کے  
فروخت کرنے میں کوئی مروج نہیں۔ خصوصاً ایسی پھیلیاں جن میں اس زمانہ میں لوگ اپنے مخصوص تالابوں  
میں خرید کر پالتے ہیں یعنی ان کے بچے جن میں زیر دیکھتے ہیں خرید کر تالابوں میں چھوڑ دیتے ہیں پھر  
بند کر لے لے اور ملوک بنانے کے بعد ان کو تالابوں میں چھوڑا جاتا ہے بظاہر اس کے فروخت میں کوئی  
ممانعت نہیں، لیکن آبادیوں کے اطراف و جواب کے تالابوں یا چھڑوں میں جو حدیث خود زمانہ  
پھیلیاں پائی جاتی ہیں، اگر زمیندار اور جاگیردار ان کو گاؤں کے عام باشندوں کو شکار کرنے لینے  
کی بغیر کسی معاوضہ کے اجازت دے دیا کریں تو کم از کم حنفی مذہب کی رو سے اس میں حرام کا  
جو ساقی حق قائم کیا ہے اس سے محروم کرنے کے مجرم نہ ہوں گے۔

پھیلیوں کے سوا اور مری پھیلیوں کے ساتھ سمندر و دریا و ندی و خیزوں کی دوسری پیداواروں کا  
آئینی پیداواروں کا حکم بھی سوال اسلامی فقہ میں اٹھایا گیا ہے۔ چاہے امام ابو حنیفہ کا تو  
کھلا ہوا فیصلہ ہے کہ خواہ جس قسم کی چیز بھی ہو اس کی کتنی ہی قیمت ہو شکار غیر ہوا ہوتی ہو یا  
اس کے سوا کوئی اور چیز جس میں سب کا حکم وہی ہے جو پھیلیوں کا ہے۔ یعنی ملک کے عام باشندوں کا  
وہ شکار سب سے جس کا بھی پالہ ہے ان میں شامل سکتا ہے اور فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ حکومت ملک کو  
اس سے کوئی کم حاصل لینے کا حق نہیں ہے۔ قاضی ابو یوسف نے اس کا بھی کتاب الفرائع میں ایک  
مشکل باب باندھا ہے اور لکھا ہے کہ

قد کان ابو حنیفۃ یحیی ابی سیفی  
یقول ان یس فی شیش من ذلک  
شیش لا ینزلۃ المسک  
ان کی قیمت نہیں وصول کی جاسکتی، ہی سب کا حکم وہی ہے جو پھیلیوں کا ہے

لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فرمان کی بنا پر کاغذی اور پرستش سے خود یہ سنگ  
استیلا کر لیا ہے کہ دریا کی وہ چیزیں جو بلور زور یا خون جو کے استعمال ہوتی ہیں (مثلاً مسیٰ مرغانی جنوزیہ)  
اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ

فی ذلک خمس وادبعة حکومت میں پیداواروں سے خمس  
اخامہ لمن اخبر جہ (پانچواں حصہ) وصول کرے گا  
اور باقی چار خمس (بچے) اس خمس کے ہوں گے جس نے اسے نکالا۔

لیکن ان کے سوا اور نام چیزوں کے متعلق ان کا بھی وہی خیال ہے جو امام کاظم خود فرماتے ہیں۔  
اصافی غیر صافلا شیخی جو چیزیں بلور زور (جلد) اور خلیو  
فیہ۔ کے استعمال ہوتی ہیں ان کے سوا  
مسند کی اور چیزوں پر کچھ نہیں ہے۔

حضرت عمر کے میں فرمان سے انہوں نے ملہ اور عمر کو مستثنیٰ کیا ہے وہ ہے کہ پہلی میں امیر کو حضرت عمر  
نے بکرا مسند کے ملاقوں یا بکریں یا گوزن یا بکر یا سیاہیل نے بارگاہ و منافق میں، لکھ کر پچھا،  
ہنبرة وجدلا کا چیل پیشلہ جز (بچل جس سے جز نکلا ہے) ایک  
خفا و عسا فیھا۔ خمس کو لے ہے۔ وہ اس پچل اور  
جو کچھ اس کے اندر ہے ہاں ہر گاہ اس کے متعلق پوچھتے ہیں۔

جواب میں یہ فرمان لیا کہ  
فیما اخرجہ اللہ جل شانہ سند سے اشرقتی میں چیزوں کو بڑھ  
من الجس الخفس۔ کرتے ہیں، ان میں خمس (پانچواں حصہ)  
(کن ب الخراج) حکومت کا حق ہے۔

اس فرمان کے راوی ابن عباس ہیں، خود بھی فرماتے ہیں۔  
و ذلک سرائی۔ اور یہی بھی جاسے ہے۔

پھر حال یہ سارے باعث کو الاء و لکھ پانی کے تھے جس میں آنحضرت نے ملک کے عام  
باجوں کو فریک کر دیا ہے۔ گو شر با مسائل گویا سی اخراجی ملک کی تشکیل تھی۔  
ستال مصدقات پانی اور پانی کے خزانوں اور چشموں کے ذیل میں چونکہ بعض تہال تصادق کو  
کے احکام ختم و اسلام نے اسی ذیل میں شمار کیا ہے۔ حتیٰ کہ کاغذی اور پرستش سے تو  
کتاب الخراج میں صاف طور پر لکھ دیا ہے۔

لیس فی الفظ والخبیر جہاں تک میں با تہا ہوں ملک کے تین  
والنزیق الموصی ای صافی (نقل) اور قر (تارکول) مریانی میں  
لشیئ من ذلک عین فی الخراج کچھ نہیں ہے، ہر گز نہیں سے ان کا

شیخی تعدلہ کاہ فی بارض عشق کوئی چشما یا کچھ خزانہ ہے خفی نہیں  
(اور ان میں خروج (کن بخرنہ) میں) ہوں یا خارجی زمین میں۔

لیکن یہ ایک اجمالی مانی ہے، وہ جسے پانی کے سخت انعام کے سخت احکام تھے ان مصنفی چیزوں کا  
بھی یہی حال ہے۔ گنہ نش کی ہر گز خفی مسائل درج کئے جاتے ہیں، اس مسئلہ کا پہلے بھی کچھ ذکر آچکا  
ہے، لیکن اس وقت ہم اس کو شرح و تفسیر الخلی سے نقل کرتے ہیں۔ اس میں ہے۔

لا ملک المعادن الخلق ایچہ سادی جنیں معادن و ملک ہو  
صھا الملع و القمار و الکھل کہتے ہیں ملک اور قمار و کارکن  
والجس و الفظ بالاجیاء مولک، لفظ و ش کا تیل اور جز کے  
ولیس الامام قطعاً۔ ہر معادن کا کوئی خمس ذاتی نہیں  
(۱۵۵) ایک نہیں ہر معادن کا تیل اور کارباد

کر کے ان کو اپنی ملک بنا سکتے ہیں، حکومت کو حق ہے کہ اس خاص ملک یا دیگر ملک میں جو ملک  
یہ تو حق کی جہالت ہے۔ خود اس ملک کی گئی ہے کہ

المعادن الظاہرة و الخفی ایچہ سادی معادن کو کہتے  
یوصلی الی صافھا من غیر ہیں ان کی خصوصیت ہے کہ ان میں ملک  
موتہ یشا بہا انسان لڑکی محنت و مشقت کے رسائی ہوں  
و مستحقون بها کا ملع و ملکیت لوگوں کی اس پر اطمینان ہادی ہوں  
والغیر و الموصیاء و الفظ اور اس سے عام لوگ فیض اٹھاتے ہیں  
والکھل و ایما قوت و متعلق خفا لکھ گندھک بڑ (تارکول) مریانی  
الطین و اشباہ ذلک خفا و ش کا تیل اس میں قوت ملے گئے  
لا یمکن بالاجیاء و الخفی کی جگہ (لکھ) اور اسی قسم کی چیزیں  
لاحصل من انفس ولا آباد کر کے بھی کوئی ان کا ایک نہیں  
احتساباً و دون المسلمین ہر ملک ہاں نہ کسی کے لئے یہیں بائیں  
لا دن غیرہ منور المسلمین انہی دوست ہے کہ عام سادہ کو کہتے  
و قضیقا علیہم۔ استفادہ سے رکھا ہاں لکھ نہ سادہ

(المنفی ہر قدر اس) نص میں ہر ملک و زمین کا ملک ہے

ملک کا مسئلہ اگر قدر بالا جہاں سے جہاں مہر تیں ثابت ہوتی ہیں وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ  
ملک کی کوئی بھی ہیکل کا مشترک مراء ہے نہ وہ انفرادی ملکیت میں سکتی ہے اور نہ حکومت اس پر کوئی  
مصول حاکم کر سکتی ہے اور اس بنا پر بعض علماء نے ہندوستان میں کچھ دفعوں، عام خفی دیا  
کہ اسلامی حیثیت سے ملک سازی پر حصول ملک یا حکومت کو ملک بنانے سے لوگوں کو روکتا ہاں نہیں ہر

بھی سیاسی مصالح سے بحث نہیں لیکن علی کے متعلق یہ غور خیال آتا ہے کہ مسئلہ کہ ہمیشہ اس کے مفیدیت کے ساتھ چلے گیا ہے۔ پیش کرنا ان کی دیانت کا اقتضا ہونا چاہیے۔ ملک کی ایسی کالیں جن میں مندر بالا صفات پائی جاتی ہیں۔ یعنی (۱) لوگوں کی رسائی بلاخرہ ملک تک پہنچتی ہو (۲) عام لوگوں کی فہم اس کا تکملہ ہو جاتی ہو اور لوگ اس سے نفع اٹھا رہے ہوں۔ بلکہ ملک کی ایسی کالوں کے متعلق اسلامی نقطہ نظر دی ہے۔ لیکن اگر بجائے اس کے صورت حال یہ ہو کہ

محکمات لقریب المساحل	مندر کے من رے کوئی ایسی جگہ ہو
موضع اذا حصل فيه	مندر کو پانی اس میں آگے پہنچے
الماء صار ملحا	تو تکمیل نہ ہو

تو اس کے متعلق فقہ کا عام فتویٰ یہ ہے کہ ملک بالاحیاء والاموات۔ تو اس کا آدمی ملک ہو جاتا ہے، اعیان اقطاعیہ۔ (آبادی کے ذریعے سے بھی اور امام و حکومت) اس کو افراد کی جاگیر میں دے سکتی ہے۔

اس قسم کی زمینوں کی ایجاد یا زائد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ توحیثۃ لما یصلح لہ من حضر وریہ و تہذیب و دفع فناء الیہ نصب لما و الیہ ملکی بحال اس کو گئے ملک لانا تاکہ مندر کو پانی اس میں آکر گئے۔

ملک بنانے کے لئے مندر کی سامنے زمینوں کو بندوبست کرنے کا حکومت کو اختیار کیوں ہے اور ان میں انفرادی ملکیت کیوں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ

لا ینہ لا یضیق علی المسلمین	کہ مندر کے گرنے سے اس قسم کے
باجد اشد بل یجسد ث	کارہائے کفایت کرنے سے مسلمانوں میں
فقدہ بدعہ فہم یمنع	کوئی شے پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس زمین کا
منہ کفیضہ الموات	نفع آباد کرنے والے کے حصے سے ظاہر

(الفتاویٰ ص ۵۸۵)

ہوتا ہے۔ پس اس کو اس قسم سے نہیں روکا جائے گا۔

اور غالباً ہندوستان میں ملک سازی کا جو مسئلہ پیدا ہوا تھا وہ بھی صورت تھی۔ عام حدیثات کا حکم اور مرقہ ملک ہی نہیں بلکہ اس کے سوا بھی جس حدیثی امور کا ذکر کیا گیا ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے ان میں انفرادی ملکیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس حکم کو بھی ہر قسم کی کالوں کے لئے عام حکم نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ یہ حکم ان ہی حدیثی چیزوں تک محدود ہیں جو خود بخود پورا لگتی ہیں

بندوبست کی ضرورت ہے۔ نفع اٹھانے والوں اور زمین دہے معادن جن کو فقہی اصطلاح میں معادنی باطن کہتے ہیں اور جن کی تشریح شرع کی ہو چکی ہے۔

من لا یصلح لہ	یہ ان کا نہیں کہتے ہیں جن کی زمینوں کا
الا بالعمل والمؤنت	ملک رسائی نیز عمل اور مشقت و محنت

(اس ۵۸۵)

پھر اس کی تشریح ابن النظار میں کی گئی ہے۔

لم تکنی ظاہرۃً مضمنا	یعنی ابتداً اؤ قہاں طریقہ صحت کا ہونا
افسان و مظهر حاس	پھر کسی نے کھود کر اس کو شکلاں نمایاں کیہ

اس قسم کے معادن کی مثال میں سب ذیل چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

معادن الذہب والفضۃ	جیسا کہ سونے، چاندی، مس، قلعہ وغیرہ
والرصاص و المیسر	کی کال کا مال ہے۔

پھر مال ایسے معادن جن سے اقتدار غیر ملکی جو دہر اور مصارف کے نہیں ہو سکتا، خواہ وہ کسی قسم کے ہوں یا اگر بعض فقہاء میں بھی انفرادی ملک کے قابل نہیں ہیں، ان کا مذہب ہے کہ حکومت کی انفرادی ملکیت کے ساتھ ان کو بھی بندوبست نہیں کر سکتی۔ لیکن صاحب مفتی نے لکھا ہے کہ

والصمیم جو اس ذلک درست ہے کہ ان کا مال ہے۔

یعنی انفرادی ملکیت ہو سکتی ہے اور حکومت کو اس کا اختیار ہے کہ کسی واحد شخص کے ساتھ اس کو بندوبست کر دے۔ پھر ان کے ثروت میں ابو داؤد کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال میں
اقطع لیسوا لہ من حارث	حارث کو قبیلہ کے معادن کو ہست
معادن الغنبلہ جلیسہا	معاور میں ہوں یا بلذات میں ہوں
و غرسہا	جاگیر کے حفاظت لیا۔

اور اس سے ثابت ہوا کہ صرف جائیداد معادن ہی نہیں بلکہ یہاں معادن مطلقاً پارہ، پڑول، تارکول وغیرہ ایسے معادن جن کے کھودنے اور نکالنے میں مصارف اور محنت پڑتی ہوں انفرادی ملکیت میں سکتے ہیں اور حکومت ان کو بندوبست کر سکتی ہے۔ لیکن حکومت کو ان حدیثی پیداواروں پر کسی قسم کے حصول کا اندازہ نہ کرنا چاہیئے۔ یہاں نیز کسی ذریعہ کے ملک کے باشندے ان سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ اس سوال کا تفصیلی جواب تو آئندہ حکومت کی آمدنی کی ذیل میں دیا جائے گا لیکن اسلامی حدیث کی درست فکری کا سرسری اندازہ کرنے کے لئے غالباً اس مسئلہ کا ذکر یہاں نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اس میں پایا جاسکتا ہے، ابھی ہمارے فقہاء میں لکھتے ہیں۔





(۱) پہلی شکل قرعہ ہے کو کسی گاؤں یا آبادی کی کوئی چوگا اور جگہ جہاں گاؤں کا کوئی

میں باشندہ اس زمین کا مالک نہیں ہے بلکہ  
قد عرف انھا لحد فی الحد  
عقبتی صالحا۔

کی جو پس وہ اپنی لوگوں کی بہتے حال پر رہتی گی۔

گاؤں والوں کی اس زمین میں اجمالی ملکیت ہوگی اب دیکھا جائے گا کہ اس گاؤں کے باشندوں کی  
بیٹیوں وغیرہ کے لئے کوئی دوسری چوگا دیکھ کر انہیں دوسری چوگا دی جائے گی۔

فیس لحد ان یمنعوا انکلام  
والعمام ولا صحاب الموضع  
ان یزعموا ملک المروج  
وہیستقوا من تلک المیاء۔  
۲۰۰ چو پانی جو اس سے استفادہ کریں (خود نہیں ہاں حد تک کوئی)

انہا اگر شکل نہیں ہے بلکہ

لحدیک لاصل حد القریۃ  
الذین لحدھذا المروج  
وفی ملکھم موضع مسج  
وہرعی لدواجم وھو اشیم  
غیرھذا المروج۔  
اور اس کے ساتھ صورت حال یہ ہو کہ

مقی اذ نزلنا من فی سرائی  
تلک المروج والاحتطاب  
منھا اخر ذلک ہم ولوا شیم  
ودوا بجم۔  
خاصی اور پوسن کا یہی حالت میری قوتی ہے کہ

کان لحد ان یمنعوا من  
حد ایلاد ان یزعمی فیھا  
وہیستط منھا۔  
اس قسم کے گاؤں کے باشندوں کا اس  
حق ہے کہ حرم کا اپنی چوگا میں  
چرانے سے روکیں اور اس سے ان کی

کر کوئی اس کی چوگا میں سے کوئی نہ لے۔  
پھر مال حد پشے گا انکا اگر جب چاہے کہ خورک سرباہ قرار دیا ہے قرابہی صورت میں انفرادی ملکیت تو

اس پر غاری نہیں ہو سکتی لیکن انفرادی ہیں کہ حد بندی اس وقت ہو سکتی ہے جب دوسرے گاؤں والوں  
کی شرکت سے خود اس گاؤں والوں کا نقصان ہو جن کی طرف سے چوگا یا شوب ہے اور یہ حال قران  
چوگا ہوں کا ہے جن کی زمین کسی شخص کی واحد ملکیت میں نہیں ہے بلکہ یا قران کا کوئی مالک نہیں  
ہے یا سارے گاؤں کی وہ ملکیت مشترک ہے۔ لیکن اگر کسی شخص اور انفرادی ملکیت والی زمین میں انکا  
ہو تو یا دوسری زمین کے مالک چرانے کے انکا وہ کا وہ قانونا مالک نہیں ہے۔ چنانچہ میں ہے

احا انکلاء الذی ینبت  
فی ارضی ملکوتہ فہو بیاح  
غیر ملکوتہ۔  
انکا (دکھاس) جو کسی ملک کی زمین میں  
ہو اس سے استفادہ کا حق ہر شخص کو  
حاصل ہے (یعنی یہاں دبا نہ ہوا)

اس انکا کو کوئی مالک نہیں ہے۔  
اور اس کا بھی وہی حکم ہے چو پانی کا ہے کہ اگر اس انکا کے سوا لوگوں کو اپنے مویشیوں کے لئے  
یرائی نہ میرا سکتی چو تو چاہے کہ اس کو مجبور کر دیں کہ ان کے مویشیوں کو اپنی زمین میں  
آنے دے یا انکا میں کھڑا کر لوگوں کے حوالہ کرے اور دونوں شکلوں پر راضی نہ ہو تو یہ زور  
اپنے حق کو اس سے لوگ حاصل کریں۔

یہ حکم تو انکا کا اس وقت تک ہے جب تک زمین میں لگا ہوا ہے لیکن زمین سے الگ کر لینے کے  
بعد جو اس پر قبضہ کرے گا وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ شیک جو مال پانی کا شاکر برتن میں محفوظ کر لینے  
کے بعد انفرادی ملکیت اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میں ہے۔

اذ اقطعہ صاحب الارض  
واخرج فی ملکہ۔  
جب اس کا مالک انکا کو کٹا لے اور  
نکلے تو پھر اس کا وہ مالک ہو جاتا ہے

شعبہ ۱۰۱ (انکا زمین) کی قیود اتفاق ہے بلکہ جو بھی کاٹ کر اس پر قبضہ کرنے کا مالک ہو جائے گا۔ اور  
اب اس کو وہ اسی طرح بیچ سکتا ہے جیسے برتن اور شاک کے پانی کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔ فقہ کا حکم  
مطلق قرعہ ہے لیکن حنفی فقہاء نے بعد کو اس میں کچھ تغیر بھی لگایا ہے۔ یعنی دیکھنا چاہیے کہ انکا  
قدی طور پر پیدا ہوا ہے یا انکا زمین نے مصنوعی تدبیروں سے ان کا لگایا ہے دوسری صورت میں ان کا قبضہ کر کے

اذ استفاد قام علیہ ملکہ  
(دراخت)  
انکا اگر زمیندار صاحب الارض ہے اس  
انکا اگر سینچا ہے تو ایسی صورت میں

اس کی ملکیت قائم ہو جائے گی۔  
حدیث کے نام پر ہمارے کرتے ہوئے لکھا ہے کہ  
الصحیح جواب فاعل لوجیۃ لان  
الاصول فیہ صولا با حصة۔  
ظاہر روایت میں اس مسئلہ کا جو جواب  
دیا گیا ہے وہی درست ہے۔ کہ نہ کو  
اصل قرعہ ہے کہ انکا سے استفادہ کا حکم حق دیا گیا ہے۔

اس مسئلہ میں غبار ایک اور مسئلہ کا ذکر کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ عربی میں ایک لفظ ترمیم کا ہے جس کی جمع ترمیم ہے۔ یہ اردو کے ترمیم یا ترمیم کے معنی میں ہے۔ غالباً فارسی کا ترمیم ترمیم ہے۔ یہی کی کوئی صورت ہے لیکن ایک اور لفظ "تر" کا ہے جس کی جمع آجام ہے۔ علامہ مطرزی مغرب میں اس کی تفسیر کرتے ہیں الا جمعة والشيعة الملتفتين (مختلفے دو خنوں) کہتے ہیں۔ لیکن لغوی سنی چرچے پر غور کریں محاورہ میں اس کو استعمال کرتے ہیں اس کے متعلق کہتے ہیں۔

وقوله جميع المسلمين في الايمان  
يعيدون والبطيحة التي  
منبت القصب والبرسيم  
پھلوں کا آجام میں پینا۔ جو غبار  
لکھتے ہیں ترمیم سے شکرینہ وال نہیں ہرگز  
جزر سلیمان کے لکھنے کی جگہ ہے۔

یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ شکرینوں والی ریت کی صفوں کے گہرے حصوں میں برساتی پانی جو جمع ہوتا تھا اور اس کے ارد گرد یا خود اس میں زمین بن جاتا تھا اس کو آجام کہتے ہیں۔ چونکہ پانی ہی اس میں جمع ہوتا تھا اس لئے اس میں پھلیاں بھی پیدا ہوجاتی تھیں۔ علامہ یہ ہے کہ آجام دراصل آبی زمین کو کہتے ہیں۔ فقہ و لسانی کے سوال اٹھایا ہے کیا ان کا شمار بھی ترمیم اور پھلوں کے ذیل ہرگز اور لغوی کلیت اس کی درست ہو سکتی ہے یا نہیں۔ خاصی ایرو سمن نے کتاب الخراج میں اس کا کلمہ یہ لکھا ہے کہ اس زمین کو دیکھنا چاہیے جس میں آجر ہے اگر زمین کسی کی انفرادی کلیت میں نہیں ہے تو زمین (اجرا) ہی کیا تمام غیر ملوک زمینوں کا مکمل ہے کہ

فان لم يكن في ملك  
الاحد ملك فلا بأس  
ان يختلط منه جميع  
المتناس كالشمار في الجبال  
والسراج والادوية  
والشجر ما لم يفرسه  
المتناس ولا بأس بان  
ياصل من شمارها ويؤرد  
ما لم يفرسه ان ذلك في ملك  
انسان وكذا الملك الفصل  
يوجد في الجبال والغيان.  
(الخارج)

کلیت میں ہی پھاڑوں اور بلجوں میں جو شہد یا باج ہے وہ بھی مال ہے۔  
لیکن اگر زمین کسی کی ملوک ہے تو پھر آنکھوں کے سوا اس کی ادھیلا واروں میں تصرف کرنے کا حق مالک کی

مجانبت کے بغیر جائز ہوگا۔ خواہ زمین کے مالک نے اسے بویا ہو یا خود وہ۔ بات یہ ہے۔

ليس لاحد ان يختلط  
من باجمه سرجبل الا  
بإذنه لان المختلط  
والعقب معلوكات  
لصاحب الاجرة يثبتان  
على ملكه وان لم يوجد  
منه الا نبات اصلا.  
ایسا (نیت ان) جو کسی خاص شخص  
کی ملک میں ہو اس کے متعلق کسی کو حق  
حق نہیں ہے کہ مالک کی اجازت بغیر  
اس کی کڑی کاٹے۔ بلکہ کڑی کاٹنا  
کے متعلق یہ دونوں امر کے مالک کی  
ملک ہے وہ زمین سے پیدا ہوا ہوتا ہے  
مالک زمین کی ملک میں اگرچہ ان کے لکھنے  
میں مالک زمین نے کوئی کام نہ کیا ہو یعنی خود وہ زمین سے پیدا ہوا ہے

یہاں اس باب میں لکھ رہی ہے جو صاحب پاشے نے لکھا ہے کہ

الاصول ان يكون  
الملوك معلوك الا ان  
الا باجمه في بعض الاشياء  
ثبت على مخالفة الاصل  
بالشرع والشرع ورد  
في اشياء مخصوصه  
فيقتصر بها.  
اصل یہ ہے کہ ملوک چیز سے جو چیز پیدا  
ہوئی ان میں ملوک ہی ہوگی۔ لیکن اس  
اصل کے خلاف بعض چیزوں میں غریب  
آبادت کا قانون نافذ کیا ہے۔ یعنی  
استثناء کا حق پر شخص کو دیا جائے گا  
آبادت کا یہ قانون چند مخصوص چیزوں  
کے ساتھ محدود ہے۔ اس نے کم

ان ہی کا محدود ہے۔

تیسرے اشیا کی ملوکیت اب تیسرا جز ان کو روک دیا ہے۔ جسے حدیث میں عام بیگ کی مشرک  
آگ کے احکام قرار دیا گیا ہے۔ فقہانے اس کی بھی تفصیل کی ہے صاحب جنت لکھتے ہیں

المتناس اسم المجموع من  
داشتر بھرکت علوا۔  
آگ ایک تابناک روشن جگہ کا نام ہے  
جو پیدا ہونے والی شے ہو کر رہتی ہے۔

اور اس بنا پر فقہ کا یہ فتویٰ حق کیا ہے کہ

فليس لمن ادخلها ان يجمع  
غيره من الاصل لا بهالان  
النبي صلى الله عليه وسلم  
اثبت الشراكة فيها.  
پس جس نے آگ ملگائی وہ اس کو کسی  
حق نہیں ہے کہ وہ ورنہ کرتا ہے  
روکے اس نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
و سلم نے آگ میں شراکت ثابت کی ہے۔

اور اصطلاحی تا یہ کا ذکر قبل درشل کے کیا گیا ہے۔ درخت مقصد یہ ہے کہ حرارت پھر یا روشنی یا اسی  
قسم کا کوئی کام استفادہ کی ان تمام صورتوں کا حق ہر شخص کو ہے اور آگ یا میپ روشن کرنے والے کو

اس کا حق نہیں ہے کہ وہ امتداد کے اس حق پر کوئی عداوت لے۔ مگر اس کے بعد سوال اگلے سے نہیں بلکہ اس کو اپنی یا اس چیز سے ہے جس میں آگ پیدا کی جاتی ہے کہ کیا اس کا شمار بھی مشرک میں ہو جائے گا۔ صاحب دین لکھتے ہیں۔

فنا ما الجمر فليس به نار  
وهو مملوك لصاحبه  
فله حق المنع كسائر  
املاكه .

اگرچہ جزئیات کا دور طریقہ سلسلہ موجود ہے لیکن اس باب میں اسام کے جو بھی فقہاء لکھتے ہیں ایک متک ان کی بحث ختم ہو گئی۔ اب اس سلسلہ کی صرف ایک چیز باقی ہے یعنی شواہد عام۔

عام شواہد اور جن کی حیثیت اسلام ہی میں نہیں بلکہ تقریباً دنیا کے تمام قوانین اور دستورین و استوں کے احکام آبادی کے عام باشندوں کے مشرک عداوت کے اسلامی مقتضی نے بھی اس کی اس حیثیت کو باقی رکھا ہے۔ نیز اس احکامات کے فقہاء اتفاقاً مسئلہ کے

صاحبان من الشواہد  
والاقل قات وافر صاحب  
بین العصر ان فلیس لاجل  
احیاء .

یعنی کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ دوسرے افراد کی ملکیت کے حق پر قبضہ کر کے ان کو اپنی ملکیت بنائے مثلاً ان پر مکان بنائے یا اس قسم کا کوئی تعمیل تصرف کرے۔ مذکور بالا عبارت کے الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف مشرکوں اور کوجوں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اگر صاحب یعنی مشرکوں کے بیچ بیچ میں جو میدان مختلف ضرورتوں کے لئے مشا کیلئے کو دینے کے لئے یا اس زمانے میں جو بیرون میں بنا دی جاتی ہیں، بھی چلنے کے مشرک عداوت میں داخل ہو جاتی ہیں اور ان میں کسی شخص و عداوت کا انکار فقرات کا من نہیں ہے۔ اس کا فرض کی تفصیل کرتے ہوئے فقہاء نے اس کی بھی تصریح کر دی ہے کہ یہ حکم صرف ان ہی مشرکوں یا گیلوں یا سیدانوں تک محدود نہیں ہے جس پر تصرف کرنے سے عام حقوق کو تکلیف ہوتی ہو بلکہ تکلیف ہر زمانہ ہر زمین کا ہر وہ حق جو عام گزرگاہ کی حیثیت کسی آبادی میں اختیار کر چکی ہے سب کے لئے حکم عام ہے۔ ابن قدامہ کے الفاظ یہ ہیں۔

سواء كان داسعا او ضيقا  
وسواء حقيق على الناس  
اوله يعيق .

مسئلہ میں شاہلو جوں اور خیر کے ان مقامات میں عام باشندوں کے عداوت کو کسی حد تک اہمیت حاصل ہے۔

اس کا اعجاز اس سے ہو سکتا ہے کہ اس حکم کی توجہ کرتے ہوئے صاحب غنی لکھتے ہیں۔

لان ذلك مشرک فيه  
المسلمون و متعلق به مطلق  
فاشبهه مساجد حرم

عام راستوں کا مذکور بالا فقرہ میں فاشیہ مساجد حرم کے الفاظ قابل غور ہیں اس سے فقہ اسلام میں احترام ہے کہ خیر حق کا مسلمانوں نے کتنا احترام کیا ہے اور کتنی بات تو ہے کہ جب خود سرور کائنات علی شریعہ و حکم نے المصالح الاخریٰ میں اہل بیت یعنی راستوں سے ہن چیزوں کا پتہ چاہا ہر گاہ کہوں کے لئے یا حق تکلیف ہوں۔ اس فعل کو من الاہل بیت (یعنی اہل بیت) قرار دیا ہے۔ اور اس بار پر مشورہ دینے المصالح الاخریٰ (یا پیر کی اور صفائی شراعی) یہاں کا ایک بڑا حصہ ہے۔ میں دوسری چیزوں کی نظیر و شراعی کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکوں کی صفائی کو بھی داخل سمجھا جائے جب راستوں کی صفائی کے لئے گھبراہٹوں میں اپنی اہمیت سے وقفہ نے شواہد و طرق کو مسلمانوں کے حقوق کے اعتبار سے اگر اشیہ بالاساجد قرار دیا ہے تو میں یہ لفظ متعجب نہ ہوتا جاسکتا اور اس خیال کی بھی تفسیر ہوتی ہے کہ بدلیات اور بیرونی وغیرہ کے اصول و قوانین پر مذکور بنیاد کے متعلق ہیں۔ جنہو قوا یک ضعیف بات حق میں گنگوان ضعیف احکام کے متعلق ہیں یا عداوت مشرکوں اور آبادیوں کی عام گزرگاہوں و حمزہ کے متعلق ہیں کہ ان میں کسی قسم کی انفرادی ملکیت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ نہ خود ان کو اپنی ملک کوئی بنا سکتا ہے اور نہ حکومت ایسا کر سکتی ہے۔ البتہ اس قسم کی مشرکوں اور گزرگاہوں پر چڑھ کر عام طور سے جو لوگ خرید و فروخت کرتے ہیں وہ غنہ اپنے اس کے متعلق لکھا ہے۔

ان حصان جبالس یضیق حتی  
الصارۃ لحد یحیل لہ الجلووس  
فیه ولا یجوز الا صغر عتقۃ  
بموضع ولا غیرہ .

میں گزرگاہوں کی حد وہ ہے کہ راہ گروں کو کوئی تکلیف نہیں پیدا ہوتی قریبی صورت میں۔  
یعنی الامن تقاضا بالحدود  
فی الامن مع ذلک بالبیع  
میں گزرگاہوں کی حد وہ ہے کہ راہ گروں کو کوئی تکلیف نہیں پیدا ہوتی قریبی صورت میں۔

و خیر یہ کہ گاہ میں قوانین کا تعلق ٹھوس ثابت ہے اسلامی فقہاء نے ان کے متعلق چیزوں کی اپنی کتاب میں بحث کی ہے جہاں پابندی کے غرض کی صورت میں ان کو نہیں لایا جاتا مگر مریا کی جاسکتا ہے۔

وامشراہ علی وجہ لایضین  
 علی احد ولا یضو السارۃ  
 مغل نہ پیدا ہوتی ہو نہ کسی اور کو۔

اس قسم کا استدلال ترکوں سے شہر کے عام باشندے خود بھی کرتے ہیں اور حکومت کو بھی ایسی صورت میں (یعنی جس میں ترک کا مذہب نہ ہو) اختیار ہے کہ ترکوں کے سجدوں کے ماحول وغیرہ میں جسے راجح الساجد کہتے ہیں اس قسم کے کاروبار کے لئے بیگ دے سکتے ہیں۔

ابن قدامہ نے الطرق المراسعہ اور سہاب المساجد کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ الامام اقطاعھا لمس یجلس فیھا۔  
 امام حکومت میں مقامات کو بیٹھنے والوں کے لئے مخصوص کر سکتے ہیں۔

لیکن اس کے ساتھ اس کی بھی تفریق کر دی گئی ہے۔  
 ولا یجکھا المطلق بدن لکبائل  
 یكون الحق بالجلوس فیھا  
 من غیرہ۔  
 لیکن حکومت جس کے نام سے اس شخص کو جس کا ملک نہ ہو حکومت و عزل کا اختیار ہے جسے کاود زیادہ حد ہوگا۔

اس طرح اگر اس قسم کے مقامات پر حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی خرید و فروخت کئے بیٹھ جائے تو السابق الحق بہ مادام فیہ فانی ترک متاعہ فیہ لم یجین لتسیرہ من المثلہ لان بدن الاول علیہ بران فضل متاعہ حکان نظیرہ ان یفعل فیہ لان پیدا کا قتل شرالت۔  
 جس نے اس کے بڑھ کر اس پر نہیں لگا اور قوی اس کا خدا پر جب تک اس پر قابض رہے گا، اگر اس قسم کے مقامات پر پہنچے سادھ کو حیر کر دے جائے تو کسی دوسرے کو اس کا حق نہ ہوگا کہ اس کے سامنے کو اس جگہ پہنچے کہ کیا بھی پہنچے آئی کا اس پر قبضہ پائی ہے۔ اور اگر پہنچا تو اس سے ہٹا دیا جائے۔

پھر حال مشہور حدیث میں صلیح من جہن کی بنا پر ایسی صورت میں میں نے پہلے قبضہ کر لیا اس کو دے دی جائے گی۔ اس ضمن میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کے مقامات میں کوئی دوکان کے لئے کیا مکان یا چھوڑا وغیرہ بنا سکتا ہے؟  
 اس قدر کہتے ہیں کہ

لے نئی کے یہاں میں جو ہیں اپنے نذرانہ کو پہنچا دے گا وہی اس جگہ کا خدا ہوگا

لیس لہ انباء لادکۃ  
 ولا غیرھا لامنہ یضین  
 علی الناس ویعشر بہ  
 العاسر تو باللیل والنصرہ  
 باللیل والنہاس ویسقی  
 علی النور وافرہ یسما  
 ادعی ملکہ بہب ذلک  
 کسی کو ایسا مقامات میں کسی قسم کی تفریق حق نہیں ہے۔ حق اگرچہ تہذیب و ہجرت کے ساتھ کسی کو تفریق نہیں بنا سکتا کہ جس قسم کی چیزوں سے عام لوگ بھی مرید ہو جائیں گے اور اگرچہ وہ لوگوں کے لئے خورہ ہے کہ رات کے وقت سے شکر کھا لیں اور پسینہ کر لیں۔ اسی طرح فہرہ روزہ روز کا اس سے اڑا دیا ہے اور چوڑا ایسی چیزیں وہاں ہی ہوتی ہیں اسی لئے اس کا جس خورہ ہے کہ گنگہ میں کر اس کی حکیت کا دعویٰ کر چکے۔

لیکن اس کے ساتھ اس کی بھی اجازت دی گئی ہے کہ لہ ان یقل علی نفسہ  
 بما لا ضرر فیہ من  
 باریۃ و تاجرت و کسب  
 و نحوہ لان الحساجۃ  
 مثل عوا الیہ من غیر  
 مضرة فیہ۔  
 ان مقامات پر جو خرید و فروخت کئے جائیں کر اس کی اجازت ہے کہ اس کی اجازت ہے کہ اس کا جس خورہ ہے کہ گنگہ میں کر اس کی حکیت کا دعویٰ کر چکے۔

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جتنے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ ان کا زیادہ تر تعلق خوراک عام یا عام تر کا ہے وغیرہ سے ہے۔ لیکن خاص رشتے اور کوپے جنس عورت کسی خاص مکان یا چند مکان کے رہنے والے ہی اپنی آمد و رفت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ان کے احکام عام راستوں سے حکمت اور جنس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

ایسی غیر ملوک چیزیں جن میں قبضہ کے بعد بھی انفرادی حکیت پیدا نہیں ہوتی ان کی حکمت و تفصیل کو اس نظر پر غور کر کے اب اس غیر ملوک امور کے بھی کچھ احکام بتاتے ہیں جن میں قبضہ کے بعد انفرادی حکیت پیدا ہو جاتی ہے۔

غیر ملوک چیزوں کی اس کی قانونی میں مالک محدود کر کے ایسی غیر آباد زمین اور علاقے جن کا کوئی ملک نہ ہو خواہ کبھی آباد نہ ہوئی ہو یا آباد ہونے کے بعد اس طوع و رضا سے ہو کر ان کا کوئی مالک باقی نہ رہا ہو۔ ان کا اسلامی نام (صوات) یا مرد و غیرہ میں ہے۔ بیکہ میری خیال کیا جائے کہ اس قسم کی زمینوں کی مالک حکومت ہے اور اس لئے حکومت کی اجازت کے بغیر عام طور سے دنیا میں یہاں رستہ درویش ہے کہ حکومت یا بادشاہ وقت کی اجازت کے بغیر کسی زمین یا

پہاڑوں، جنگلات وغیرہ کوئی تقرب نہیں کر سکتا اور نہ کوئی ان کو اپنی ملک بنا سکتا ہے۔ لیکن اسلام کا نقطہ نظر اس باب میں بالکل مختلف ہے۔ وہ اس قسم کی تمام زمینوں کو بھی ملک کے عام باشندوں کا مشترک سرمایہ قرار دیتا ہے اور ہرگز ان چند سنگینی زمینوں اور ممالک کے جن کا ذکر گزشتہ فصل میں تفصیل ہو چکا ہے۔ رعیت کے ہر فرد کا قانونی حق ہے کہ ان کو بغیر کسی معاوضہ و راضی (اختیار) اور ان کے قبضہ کر کے اپنی ملک بنالے۔ اس باب میں مسلمانوں کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مشہور فرمان ایک ایسی ہی و غیرہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کے راوی تقریباً تمام محدثین ہیں، مثلاً امام ابوالکلام امام ترمذی و ابو داؤد وغیرہ سب کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان موجود ہے کہ

من احیا ارضا مواتی کس مردہ زمین کو آباد کرے  
فہی لہ۔ زمین اسی کی ہوگی۔

اسی بنا پر علامہ مقدسی نے متنی میں تمام ائمہ اسلام کا یہ اجتماع نقل کیا ہے کہ

علماء فقہاء الامم مطلقاً فہی و ممالک کا حاکم اس پر متفق ہے  
ان الموات ملک بالاحیاء۔ کو بیہ (آباد کر کے) کی وجہ سے وہ آباد

کرنے والے ملک کی ہو جاتی ہے۔

خواتین ارض موات ایسی زمین ہیں جو کسی کسی کی ملک نہ ہوئی ہوں اور اس کے آباد ہونے کی نوبت نہ آئی ہو جیسا کہ وہی کہتے ہیں ایسی زمین کہ

ما لم یوجہ علیہ ملک احد کس کی ملک اس میں قائم نہ ہوئی ہو  
ولم یوجہ فیہ اثر عارضی اس میں کسی آبادی کی علامت نہ پائی ہو  
فہی ملک بالاحیاء جو توہینت آباد کرنے کی وجہ سے  
تغیر خلافت بین القائلین اس ملک ہو جائے اس میں کسی کا ملک  
بالاحیاء نہیں ہو سکتا کہ ملک کا سبب کہہ سکیں

ایسی اراضی

ما یوجہ فیہ اثاثہ جس میں کسی قوم یا ملی ملک کی علامتیں  
ملک قنیمہ جیسا کہ صلی پائی جاتی ہوں، مثلاً قوم کے آباد  
کا ثمرہ اور وہ ممالک قوم خود کے ملک کا مال ہے جو ایسے  
شہر و محلات و ممالک مملکت ہوں تو آباد کر کے اس ملک  
بالاحیاء۔ میں آبادی ملک ہو جائے۔

چونکہ اس قسم کی زمین اسلامی عہد سے قبل ہی تھی لیکن نبی آدم کی ملک چیزوں میں جو ملک تھی اس نے سلبہ چرکتا تھا کہ دوسرے کی ملک چیز قبضہ کرنے یا اس کو ملک بنانے کا کسی دوسرے کو حق نہیں ہے۔ اس بننے کے ازالہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے فرما میں اس کی بھی مشترک فرمادی ہے کہ

عادی الامم من قبل اللہ و رسولہ عادی اراضی (یعنی تمام قبیلہ کے مکمل  
مشعور بعد لکھ۔ یا ان کے آباد کر کے چنے بغیر مملکت)

آنحضرت اس کے رسول کی ملک ہیں، چوں کہ بعد سے مسلمانوں نے یہی حکمت ہے۔

یعنی اس قسم کی زمین کو جب اس کے مالک چھوڑ کر لاپتہ ہو چکے ہوں اور اسلامی حکومت کے زیر نگرانی یا نہیں تو اب وہ اپنے پڑاٹے ملکوں کی ملک سے نکل کر آنحضرت رسول کی ملک میں داخل ہو گئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی طرف سے ہر ان کو عام مسلمانوں کے حوالہ فرمادیا۔ ایتھ ارض موات کی ایک قسم اور رہ جاتی ہے جو اسلامی عہد میں کسی خاص شخص کی ملکیت تھی لیکن ان کا ملک ان کو غیر آباد کر کے لاپتہ ہو گیا۔ ایسی زمینوں کے متعلق اگرچہ بعض ائمہ اسلام کی رائے مختلف ہے مگر امام ابو حنیفہ امام مالک و محمد و ان اراضی کے متعلق میں یہی فتویٰ ہے کہ

انھا ملک بالاحیاء و هو انھا ملک بالاحیاء و هو  
مذہب ابی حنیفہ و مالک ہیں ابی ابو حنیفہ اور امام مالک

(متفق)

بہر حال اس قسم کی تمام اراضی جن کا فقہ کی اصطلاح میں موات نام ہے۔ دراصل یہ ملک کبھی مملکت کی مشترک جائیداد ہے اور ملک کا ہر باشندہ اس کو اپنی انفرادی ملکیت بنا سکتا ہے جس کی اسلامی قانون کی رو سے دو صورتیں ہیں۔

اقتطاع یا جائیداد کا تقسم ایک کو اقتطاع کہتے ہیں، یعنی خود حکومت اس علاقہ کو کسی شخص کے ساتھ بندوبست کر دے اور امام کے حوالہ دینے پر جس کو پاس ہے جتنی زمین کا اقتطاع کر دے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایت ہے کہ ایک قاضی ہر یوم مرنے لگا ہاں فرما میں نقل کیا ہے کہ

اقتطع رسول اللہ صلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جال  
اللہ علیہ وسلم لیلال میں حادث مرنے کو دریا سے باڑی  
بن المہلکات السمرانی باغیر میں دیکھا تھا یہ اصطلاح تھی  
ما بین المہلکات و السمرانی ماحل سند سے کسی خاص ملک

کی روایتی ارض کی بندوبست میں یہ ہے اگر ملک ہو گا کہ سند میں ہوتے ہیں

جو عید ہے اپنی مشہور کتاب میں کہ جب ممالک اس قسم کے قطع (جائیداد) جو بارگاہ رسالت اور سرے خلافت سے مختلف لوگوں کو عطا ہوتے رہے ہیں، ذکر کیا ہے۔ میں نے خاص کر جال و سمرانی ملک جاگیر کا ذکر قصداً اس لئے کیا کہ معلوم ہو کہ جس سے لے لیا علاقہ میں حکومت اپنے حوالہ دینے کے لیے ہر ملک کرتی ہے۔ لیکن حکومت کے مرنے و اقتطاع سے اس علاقہ کا وہ شخص مالک نہیں ہو سکتا کہ جب ملک کو آباد کر کے اس پر قبضہ کر کے، علامہ مقدسی کہتے ہیں۔

فان اقتطاع الامم شیئ من ان موات زمین کو امام (حکومت)

العوامات لحد ینک ہذا لک  
لکن یہ صیرا حق یہ۔  
(معنی)  
کسی کی جاگیر میں دسے کو جس میں ہے  
بہتر میں کھانے پینے کی چیزیں  
دوسروں کے واسطے کا زیادہ حد ہے۔

اس میں دوسری باتوں نے دلیل بھی پیش کی کہ حقیق میں جو جاگیر ارضی مال کے نام رسول اکرم  
صلی اللہ علیہ وسلم نے اقلع کی تھی چونکہ ایجاد پر قادر نہ ہو سکے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے واپس لے لی۔  
ظاہر مقدس نکلتے ہیں۔

فولکلہ لحد ینک ہذا لک  
تو حضرت عمرؓ کو اس کی واپسی جائز نہ ہو سکتی تھی۔

اسلامی جاگیروں کا مطلب یہاں جاگیر کا یہ مطلب نہیں ہے جیسا کہ ہندوستان میں سمجھا جاتا ہے  
کہ وہ بلا خرانہ کر دی جاتی ہے بلکہ عوام کی اراضی کے حفاظت کے بعد اس پر عشر یا خرانہ بھی لگایا  
جاسکتا ہے اور اس معاملہ میں مختلف زمینوں کا حکم مختلف ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے  
خرانہ کے باب میں صرف امام (بادشاہ وقت) کو اتنا اختیار دیا گیا ہے کہ ملک و رعایا کے  
مصلح کی بنا پر ضرورت پر فوجی ادا دیا جائے اور اسے حاصل کی جائے گی یا نہ کرنا قبول کوئی اور طاقت نہ  
قویہ کا قاضی ابو یوسف نے لکھا ہے۔

یقول الامام قتادہ فی المصالح  
فی فقہ بعض خراج اس میں  
صاحب الارض فیہ یوزلہ  
یہ کہ امام اس میں مصلحت دیکھ کر زمین کا  
خراج جاگیردار کو عطا کر دیا جائے تو تمام  
ایسا کر سکتا ہے اور جاگیردار کو بھی اجازت  
ہے کہ وہ اس میں سے کوئی حصہ لے۔

لیکن امام کے سوا حکومت کے کسی عہدے دار کو خراج اس کا درجہ کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو خرانہ کی صفائی  
بلکہ تحفیص تک کا اختیار نہیں ہے۔

بہر حال یہ ایک ذیلی بات تھی۔ جاگیرداروں کے متعلق بعض غلط فہمیوں کا انزال مقصود خداوند  
اس کے قضی صاف تو بہت سے ہیں جن کے ذکر کا یہاں موقع نہیں۔ اصل بات یہ کہی جا رہی تھی کہ  
ارضی عوام میں انفرادی ملکیت ایک تو اس ایجاد (بادشاہ کے) سے حاصل ہوتی ہے جو اقلع  
کے ذریعہ سے کسی کو ملی ہو اور عام طور سے غیر آباد زمینوں کے بندہ بست کرنے کا دنیا میں ہی طریقہ  
موجود ہے۔ اگرچہ مختلف حکومتوں کا طریق عمل بندہ بست کے فرقہ اور نتائج میں مختلف ہے۔ لیکن  
ارضی عوام کے مالک ہونے کا دوسرا طریقہ جو اسلام میں ہے دوسری حکومتوں کی رعایا کے  
لئے شایہ وہ عجیب ہو۔

ملک کی غیر آباد زمینوں کے مالک ہونے کا دوسرا طریقہ یہاں مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کے عہد میں باقران یعنی

من اجداد ارضی عوامت فیہ  
کہ وہ جو جاتی ہے۔  
سات اراضی کو جو آباد کر کے گامی

کی بنا پر فقہ راست کی اکثریت کا یہ فتویٰ ہے کہ اسلامی حکومت کی رعایا کے ہر فرد کو اس کا حق  
موصول ہے کہ غیر آباد زمینوں اور عاقول (ارضی عوام) سے جتنا حصہ بغیر کسی معاوضہ اور لاشی  
کے چاہے۔ ایجاد کے اسے اپنی ملک اور جاگیر بنائے۔ صرف امام ابو حنیفہ اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ  
حکومت سے بھی اجازت ایجاد کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔ لیکن امام فقہار اسلام حکومت کی  
اجازت کو غیر ضروری سمجھتے ہیں حتیٰ کہ امام صاحب کے شاگرد رشید قاضی ابو یوسف نے ان سے  
اختلاف کرتے ہوئے مذکورہ بالا فتویٰ و فتویٰ کی بنا پر لکھا ہے۔

ان اذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
علیہ وسلم جائز ان فیہ  
قول قتادہ فی المصالح  
قائم قیامت تک اذہ ہے۔

یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تھی (وہ آباد کرنے والے کی ملک ہے) موجود ہے تو اس  
میں اب کسی دوسرے شخص سے پرچنے اور اجازت حاصل کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ البتہ حکومت کو  
صرف اس کی نگرانی کرنی چاہیے کہ اس سے متاد عام کو کوئی ضرر نہ پہنچتا۔ قاضی ابو یوسف نے  
لکھا ہے کہ اس حدیث کی بعض معانی میں ایسے تصرف خالصہ حق کے انعکاس سے اسی ضرر کی  
طرح اشارہ کیا گیا ہے جس کا مطلب اللہ کے نزدیک ہے کہ کسی غیر آباد زمین میں (یعنی عوام) میں  
اگر کوئی درخت نصب کرے جس سے دوسرے کو نقصان پہنچے تو پھر اس حکم کا حق اس کو نہ دیا جائے گا۔  
عام فقہار اسلام سے امام صاحب کے اس اختلاف کے متعلق قاضی ابو یوسف سے پوچھا  
گیا تھا کہ اس حدیث کا تفسیر و تفسیر کے ہوتے ہوئے حکومت کی اجازت کی قیام امام صاحب نے قبول  
نہ تھا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کافی نہیں ہے۔ اگرچہ اس کا جواب امام صاحب کی  
طرف سے نقل کیا جائے کہ آخر بیت المال کے متعلق بھی تو عام قانونی ہے کہ  
عوامیت مسائل المسلمین  
یعنی اس کے ملک سلطان ہیں۔

للاصاغر فقہ مصنفہ  
و تفسیرہ۔ (مفتی)  
امام کو بیت المال کے رقوم کے عطا  
کا نہیں تو قریب کا حق ہے۔

اسی طرح زمین کے متعلق بھی امام کو حکم و قریب میں بھی دخل دینا چاہیے۔ و نہ رعایا میں بھی کلش  
کی توہین کے بعد جس کے کا خلوص نہ ہو گا۔ لیکن لوگوں نے امام صاحب کی اس قویہ کہ تسلیم نہیں  
کیا ہے۔ پوچھا گیا ہے کہ کیا جو اس کے ہر فرد سے پرچہ کرنے کے لئے بھی حکومت کی اجازت دیکھا ہے  
آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اراضی عوام کو تمام مسلمانوں کے لئے بجا قرار دیا اور  
سند سے دی کہ جو اس کو آباد کرے گا اسی کی وہ زمین ہر جائے گی۔ اس کے بعد حکومت سے



اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہی کہا جاتی رہتی ہے۔

بہر حال یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حیات کی امانی کو اجاگر کر کے ضروری سے اپنی ملوکہ جاگیر بنانے کا اختیار صرف مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ اسلامی حکومت کی رعایا کے ہر فرد کو ہے مسلم یا غیر مسلم اور یہ امر صرف قیاسی طور پر نہیں ہے بلکہ قرآن کی آیات میں پیش قدمی کی تصریح کر دی جاتی ہے، مثلاً کہتے ہیں۔

لا تفرق بین المسلم  
والذی فی الاصلاء و بینه  
قال ابو حنیفہ۔

مگر یہ ہے کہ میرا دل اصرار پر کہتا ہے، جزیرہ ہر باخجل کا خطہ جگمگاتا ہے، ملک کا ہر شہر جیتی جیتی ہے  
ہمارے عوام اور ان میں سے آباد کے ان کو اپنی ملوکہ جاگیر محنت بنا سکتا ہے۔

کاشی اور یوسف کے الفاظ ہیں  
کل ما عالج فی بھمة او  
من بحر او من برید او  
لا یكون فیہ ملک لاشیاء  
فاستخرجہ من کل و حرم فھولہ  
بقرۃ الموات۔

خاک و درخت ہر چیز میں عورتا بڑی بڑی زمین باہر کل آتی ہیں مگر ان کے آباد کرنے میں کسی کا  
خود نہ ہو تو ان کا حکم بھی حق ارض الموات ہے۔

میں اس جزیرہ کا آباد کرنے والا تو نہ ملک ہو جائے گا۔ یہاں بھی مجھے یہاں چاہیے کہ آباد  
یا آباد کرنے کا نکتہ جو اس مسئلہ میں برابر استعمال نہیں ہوا ہے اس کا کیا مطلب ہے، محض کہیں کرنا یا بدھ لگانا  
نہیں مقصد نہیں ہے بلکہ جیسے کہ علامہ مقدسی نے لکھا ہے۔

احیاء کل واحدۃ من  
ذکک تنبہا لا انتقام الذی  
اسرہل یتبہ۔

یعنی آبادی صرف زراعت یا باغبانی پر منحصر نہیں ہے۔ مکان بنانا یا دروازہ (موشی) رکھنے کی جگہ یا  
کڑی دھڑکی جیسی چیزوں کو رکھنے کی جگہ بنانا سب ایسا ہی داخل ہے۔ علامہ مقدسی نے ہلور مثال کے  
چند چیزوں کا ذکر کیا ہے مثلاً کہ بھانے کے لئے ہم بیکہ نقش کرتے ہیں،

فاما اللہ و فیما ینبغی  
حیطانا مسا جہرت  
بہ العادۃ و تنقیہا

لا خالاکون سکنی الا  
بذلک و اما المظہرۃ  
فانما و اما بھانہ  
جہرت بہ عادیۃ مثلھا  
لینس من شریھا التقیف  
لا ان العادیۃ ذکک من  
غیر تنقیف سواء اورد  
خطیرۃ المواتی و التثب  
جہت نہیں پاتے خواہ موشی کے لئے امان بنایا جائے یا کلائی کا گورام بنایا جائے۔

الغرض آباد کرنے کی جو غرض ہے اس کا سامان مہیا کرنا بھی اس کی بجا ہے، مثلاً کہتے ہیں تو اس کا جوت  
میرا ہی کا انتقام کرنا بھی اس کی بجا ہے، مقدسی لکھتے ہیں کہ زراعت کی ایجاد کی صورت ہے۔

ان یسوق ایضا ماء  
من نھرا و یثروا و کان  
مسا لا یسکن نرعا  
لکثرة اھلھا سا کاض  
الھبنا فیما ینتھج اھلھا  
و یتنقیھا حتی یسلم  
للزراع و ان کان فیھا  
واستجارا اکارض الشری  
فیما ینتھج اھلھا سا  
و یسزل عن و قھا اللق  
تشیع الزراع۔

اور ان پرلوں کو گورام کو رکھ کر مکمل دیا جائے۔ یہی سبکتی ہیں نکاد شہید ہوتی ہیں۔  
بہر حال ہر چیز پر ہر ضرورت کی ایجاد خود اس ضرورت کے حسب حال ہوتی ہے اور جیسے کہ علامہ مقدسی نے  
لکھا ہے کہ اس باب میں اجتہاد زیادہ صرف عام اور رواج کا ہے۔ آباد کرنے کا مطلق جس کا گورام یا  
کہا جاتا ہے وہی اس کی ایجاد ہے۔

رعایا کی اسلام  
میں قوت  
اس کے بعد خواہ اقلیتی (حکومت کی بندوبست کی ہوئی) جاگیر ہو یا خود کسی  
میں قوت  
سے ارض عوامت پر قبضہ کے ایجاد کر لیا جویا آباد کرنے والے کی ضرورت ملک  
میں جاتی ہے۔ اقلیتی جاگیروں کا حکم ایجاد کے بعد جو چاہتا ہے قاضی اور محنت لگتے ہیں،

میں دراصل ملک کی کلائی جو اس کی  
جہت آبادی کی ہو، مگر مگر مگر  
قابل بیزار اس کے نہیں ہو سکتا، یہی صورت  
تکبر کا عامل، ان ایجاد کا مطلب ہے کہ  
جس قسم کی دریا مگر کا حاد بننے کا فرق  
اس ملک میں جاری ہو، یہی جہت پانے کی  
ضرورت اس کی ایجاد میں نہیں ہے مگر کہ  
عام طریقہ یہ ہے کہ ان امانوں کے لئے  
جہت نہیں پاتے خواہ موشی کے لئے امان بنایا جائے یا کلائی کا گورام بنایا جائے۔

فلا یصل لمن یمانی من  
 بعد محمد من الخلفاء ان  
 یورد ذلک ولا یخرجہ من  
 ید من ہونی یدک وارتا  
 او مشرقاً - (دس ۲۴)

ہر کو جو لشکر چوں امان کے لئے جائز  
 نہ ہو گا کہ کسی امام کی حاکم چوٹی جائز  
 اس شخص سے تا پس میں جس کے قبضہ میں  
 وہ جاگیر خزانہ بدو وراثت کے چہا خیر ویک  
 کھڑے سے اس تک پہنچی پر۔

جس سے معلوم ہوا کہ جس نے آباد کی ہو خرد اس کے یا اس آباد کرنے والے سے کسی کو وراثت ملی چر آباد  
 کرنے والے سے کسی نے خریدی ہو کسی سے بھی حکومت اس کی ہو ملک زمین چہیں نہیں سکتی انہوں نے  
 اس کی تصرف کر دی ہے کہ

فما صلحنا خذل الاولاد من  
 ید واحد ارضاً و قطعاً  
 آخر فضل اہتر لہ الخاضع  
 خصیب واحد او عطی  
 آخر (کتب الزمان ۱۲)

اور حکومت کے وفادار و مورث و اولاد  
 نہ تھیں اور خزانہ و ملک و ملک و ملک  
 ایک شخص کے قبضہ سے نکل کر دوسرے کو  
 جائز دیتے ہیں تو اس کی صورت  
 وہی ہے جو خاصب اور عینہ کی بیعت و عہد

دوسری جگہ مزید صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اما من اخذ من واحد  
 اقطاع آخر فضل اہتر لہ  
 مال غصبہ من واحد  
 و اعطی واحد (دس ۱۳)

اور وہ جو ایک شخص سے جائز چھین کر  
 کی جائز دی جائے تو اس کی حشر  
 اس مال کے ہے جو ایک شخص سے چھین کر  
 دوسرے کو دے۔

اسی طرح ماضی صراحت کر رہا ہے کہ جس نے اپنی ملک و جائز چھین لی ہے اس کے متعلق بھی کہتے ہیں  
 و لیس للامام ما لا یخرج  
 شیئاً من ید واحد (دس ۱۴)

امام حکومت کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ  
 کسی کے قبضہ اور ملک سے زمین کو چھین لے۔

اسی دفعہ کی تیسرے اور چارم میں دوسری جگہوں پر فرماتے ہیں۔

فلا یصل الا ما مل ولا یصلہ  
 ان یقطع من الما من  
 حتی مسلمہ ولا ما مل  
 ولا یخرج من بعد ان  
 ذلک شیعاً

امام حکومت کے لئے جائز نہیں ہے  
 اور نہ قاتل اس کے لئے اس کی جائز  
 ہے کسی ملک یا جس سے اس کی حکومت  
 مسلمہ یا کہ اس کے ملک کو اس سے قطع کرے  
 خود کرتا ہو اس کے قبضہ سے کسی کو قطع کرے

دوامی بندوبست | نیز و حکم حکومت کی مسلم خیر مسلم ہر قوم کی رہایا کے لئے عام ہے گو راہن نشینوں کی

حلیت بندوبست و امام کی چربائی ہے اور جائز و اگر کو اختیار ہے کہ خواہ وہ خرد اس کو آباد کرے یا کسی  
 اور ذریعہ سے آباد کرے اسے قاضی صاحب کہتے ہیں۔

فمن احیا کما و حی کذا ملک  
 فنی لہ و نیز من عھا و نیز لہا  
 و یو ا جہا سیکری سھا الا انھا  
 و یجرھا بما فیہ مصلحتھا۔

جس نے اس زمین کو آباد کیا ہو وہ  
 اس حال میں ہو تو اس زمین کا ملک  
 اس کا آباد کرنے والا ہو گا اسے حق ہے  
 کہ اس میں خرد کا حق کرے یا کسی سے  
 کاشت کر اسے یا کسی کو کرا پر دے۔

(دس ۱۴)

اسے اس کا بھی حق ہے کہ اپنی زمین میں ہر کھوے اور اس کا بھی کو جس قسم کی عمارت  
 اور آبادی جس میں مصلحت ہو اپنی زمین میں قائم کرے۔

اجتہاد اس پر حکومت کی جو دائرہ داری حاکم کی گئی ہو صرف اس کا ادارہ اس کے ذمہ واجب ہے۔

فان کانت فی اسرض الفرض  
 ادری عنھا العشر وان کانت  
 فی اسرض الخراج ادری عنھا

اگاس کی یہ زمین عشر کی زمین ہو  
 تو اس سے عشر ادا کرے گا۔ اور اگر  
 خراج کی زمین ہو تو اس سے خراج  
 ادا کرے گا۔

الخمس اربع۔

خیر کا مطلب اور حکم | عشر و خراج کی عدم ادائیگی کی صورت میں حکومت اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے  
 اس کی تفصیل من سب موقع پر آئے گی ہے یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کسی غیر آباد زمین کے حدود  
 میں صرف پھر نصب کرے یا کاشتوں وغیرہ سے گھر کر اس کو اپنی ملک کو خرد دینا صحیح نہیں ہے،  
 فقہاء میں اس عمل کا نام تجزیہ ہے جو کہ یہ زمین کا جائز نہیں ہے۔ اس لئے حکایت قویہ از بزرگی ابیستہ  
 بر نسبت دوسروں کے اس کے حق کو گورہ ترنگہ ہوگی۔ مگر وہ بھی ایک خاص مدت تک جس کی تفصیل فقہ کی  
 کتابوں میں موجود ہے۔ مگر جب باقاریات سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام نے اپنی حکومت کی رہایا  
 کی معاشی سہولتوں کے لئے ذرائع پیدا کر دیئے ہیں۔ آج جبکہ دنیا میں کوئی ایک ایک زمین پر ہی بلا سکتا  
 مفت قبضہ نہیں کر سکتا اس سے اس وقت کا اندازہ لگایا جائے اور اس لئے میں نے اس سلسلہ میں  
 تفصیلی تفصیل سے کام لیا کیونکہ اسلامی حکومت کا نظام جب سے ناپید ہو گیا ہے۔ لوگوں و واقعات کو  
 بھول گئے ہیں ورنہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اسلامی حکومت کا نظام جب سے ناپید ہو گیا ہے۔ لوگوں و واقعات کو  
 معاشی سہولتیں آباد کاروں کو حاصل تھیں۔

ہر حال یہ احکام تو غیر ملوک اور سے متعلق تھے۔ اب سبک ان چیزوں پر کر لیا چاہیے کہ کسی کی  
 ملک میں داخل ہیں۔ میں نے کہا تھا کہ اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ مالک کی مرضی کے بغیر ان پر قبضہ کرنے  
 کی اسلام اجازت دیتا ہے یا نہیں۔ چہر ایسی ملک پر قبضہ کرنا جس کی مرضی کے بغیر ہی قبضہ کر کے ان کو  
 اپنا ملک بنایا جا سکتا ہے اس کی بھی اسلام میں دو شکلیں ہیں۔

مالک کی مرضی کے بغیر کسی چیز کا قبضہ کرنا (۱) اسلامی حکومت کی رعایا کا مال ہر قوم ملک کی مرضی کے بغیر مروت و دھرموں میں ملوث رہنے کے لئے کی اجازت ہے ایک کی قطعی تفسیر تفسیر ہے۔

**نقطہ کا مطلب** یعنی گرا پڑا ہوا مال اگر کسی کامل جائے سے توجہ سے صورتوں میں یہ جائز ہے کہ آدمی ہر قبضہ کرے اور وہ اس کا مطالبہ کرے تو معاوضہ ادا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ اس باب کا تعلق بلا شیات سے نہیں ہے کہ یہ آمدنی کی نہایت نادر شکل ہے۔ اس لئے اس کے تشبیہات کی یہاں ضرورت نہیں۔

**قانون شفعہ** دوسری شکل شفعہ کی ہے یعنی مال کا حرکت یا پڑوس کی وجہ سے اسلام نے ملک کے باشندے کے یہ قانون حق دیا ہے کہ آدمی دوسرے کی خریدی ہوئی چیز کو زبردستی دام ادا کر کے اپنی ملک بنائے۔ ظالمی مسلمان یا زمین میں دو آدمی یعنی زید و عمر خرید چکے ہیں۔ اگر عمر کے حصہ کو خالد خریدے تو زید کا قانونی حق یہ کہ جس دہم میں خالد نے اس کے خریدنے کا حصہ کو خرید لیا ہے ادا کر کے خالد کو ہٹا دے اور زید کو حصہ کا قانون اس جبری خریداری کو نافذ کرانے کا، معلوم نہیں اس باب میں دنیا کے لاد قوانین کا کیا حال ہے لیکن اس قانون کی وجہ سے اسلامی حکومت کی رعایا کو دکانوں، دکانیوں یا غرض کے متعلق کوئی آسائیاں ہم پہنچتی ہیں اور ان کی سکتی ہیں۔ اس کا اندازہ تیرے سے ہو سکتا ہے۔ خصوصاً حق ذہب میں اس قانون کی ہر گز حرکت سے آگے بڑھا کر موافق (شفق) استاذ ذیچ (پیشانی) دفعہ کی حرکت اور جوار (پڑوس) کی حرکت تک وسیع کر دیا گیا ہے۔ فقہ کا یہ ایک طویل باب ہے۔ میرے لئے اس سلسلہ میں مختصراً بیان ہی کافی ہو سکتا ہے۔

**غیر اسلامی حکومتوں کی رعایا کے ساتھ مسلمانوں کے معاشرتی تعلقات** دنیا غیر اسلامی حکومتوں کے باشندوں کے ملکات پر انکوں کی رضا مندی کے بغیر قبضہ کر کے مسلمان حق کے قانونی ملک بن گئے

ہیں، اس طرح غیر اسلامی حکومتوں کے باشندوں کے بھی اس حق کو اسلام نے قانونی حق قرار دیا ہے یعنی اسلامی حکومت کے باشندوں کے اموال پر انہیں باوجود اللہ اگر ان کا قبضہ چاہے تو مالک کی رضا مندی کے بغیر وہ بھی ان کے ملک ہو جاتے ہیں۔ دراصل اس دفعہ کا تعلق قانونی جنگ سے ہے اسی سلسلہ میں غنیمت، فتنہ، تسلط فتنی وغیرہ کی آمدنیاں ہیں۔ علاوہ ان کے علاوہ قناعت وغیرہ کے جو اسلامی فوجوں کو حکومت سے ملتے تھے۔ چونکہ لڑنے والے ہر سیاسی کو غنیمت سے بھی حصہ ملتا تھا۔ اس لئے مسلمانوں میں آمدنی پیدا کرنے کا یہی ایک بڑا آسان اور حقیقی ذریعہ تھا اور ان کی معاشرتی فراخیاں یوں پورے قانونی کافی اثر مرتب ہوتا تھا۔ چونکہ اس آمدنی کا تعلق معمولی کاروبار سے نہیں ہے بلکہ اس کی اکثر شکلوں کا

ملک الیہ باوجود کا حکم ہے اپنے فتنہ و فتنہ میں لگا ہے تاکہ معلوم ہو کہ مسلمانوں پر ایک وہ وقت بھی گذرا ہے جب غیر اسلامی قروم کے متعلق اپنے اوپر ناقابل برداشت غم کرتے تھے۔ چنانچہ مسلمان نے منہ دلا اور جس کا سہارا لیا اگر اٹھا اسے دیکھنا پڑا اور کیسا دیکھتا ہے

اسلامی مساجد اس نے اس باب کی بھی تفصیل کی یہاں حاجت نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ قومی قانون کی بنا پر کہ خیریت میں چونکہ یہ مل کر دیا گیا ہے کہ اسلامی حکومت کی رعایا کا مال غیر اسلامی حکومتوں کے باشندوں کے لئے ہمارا اور ہمارا نہیں ہے۔ یعنی قبضہ کرنے کے بعد ان کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے اور ان سے اگر کوئی مسلمان اس مال کو خریدے تو قانونی ملک سے مال کا خریدنا چاہیے۔ اسی لئے اس کا پسند جائز ہو گا۔

**غنیمت و فتنہ کی وجہ** ہر جس طرح مسلمانوں کا مال غیر اسلامی حکومتوں کے باشندوں کی ملک میں غنیمت و فتنہ سے داخل ہو جاتا ہے۔ اس طرح اسلامی حکومتوں کے باشندوں کے لئے

غیر اسلامی حکومتوں کے باشندوں کا بھی مال ہمارا و ہمارا نہیں ہے یعنی قبضہ کے بعد مسلمان اس کے قانونی ملک بن جاتے ہیں، غنیمت (یعنی غیر اسلامی حکومت کے لوگوں سے جو مال بزدور حاصل کیا جائے) اور فتنی (جو مال غیر اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندوں کا بغیر کسی جنگ و جدال کے مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے) ان دونوں قسم کے اموال کے قانونی مالک مسلمان اسی بنا پر ہو جاتے ہیں کہ ان لوگوں کے اموال کو اسلام نے مسلمانوں کے لئے ہمارا اور ہمارا قرار دیا ہے۔

**غیر اسلامی ممالک میں** اسی مسئلہ کی بنیاد پر ایک اور معاشرتی سوال پیدا ہو گیا۔ یعنی غیر اسلامی حکومت سود، قمار وغیرہ کا حکم کے کسی غیر مسلم باشندے کا لہجہ کسی ایسے ذریعہ سے جو اسلامی قانون کی

رو سے لینا دین کا قانونی اور خرمی ذریعہ نہیں ہے۔ مثلاً رواداروں یا قاریاں ازین میں کسی اور غیر شرعی ذریعہ سے کسی مسلمان کے قبضہ میں آجائے تو کیا قانونی مسلمان اس کا مالک ہو سکتا ہے یا نہیں۔

چونکہ یہ ایک جائز اور ہمارا مال ہے قبضہ ہے اور ہمارا و ہمارا مال کے ملک ہونے کے لئے صرف قبضہ کافی ہے، مثلاً جنگ کے کسی پرندے کا شکار کر کے قبضہ کر لینا اس پرندے کے مالک ہونے کے لئے کافی ہے۔ اسی لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ اس قسم کا سودی مسلمان قانونی طور پر مالک ہو جاتا ہے اور یہی ان کا منہور تھا۔ مگر ہے جس کی وجہ سے حق قبضہ کی عام کتابوں میں

الاسما بر اہلین المسلمین والاسلم الحرامی (غیر مسلمی حکومت کا مال) اور اسلم (مسلم حکومت کا مال) میں ہر دوسری نہیں ہے۔

کا ذکر کیا جاتا ہے۔ گویا یہ بین الاقوامی قانون کا ایک دفعہ ہے۔ حوام چونکہ اس کے اصل منتظر و منت نہیں ہیں اس لئے ان کو حیرت ہوتی ہے کہ تو یہاں تو سود (جس اسلام میں حرام ہے) تو ہر گز ہر شخص سے لینا دین ہونا چاہیے۔ حربی یعنی غیر اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ اس کے جائز ہونے کے کیا ہیں؟ مگر یہ بات ہے کہ حربی کے ساتھ معاشرہ جو اس کا معاملہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہمارا مال کو قبضہ کر کے اسے اپنی ملک بنانا ہے۔ اس قانون سے پہلے ایک اور قانون کا ذکر کیا جوں میں

معاذ اللہ کیا جاتا ہے کہ



لا تظلموه ولا تظلموا۔  
 دلم کسی پر ظلم کرنا نہ کرو اور کسی کے ساتھ ظلم نہ کرو۔  
 کے وہ غیر متعلق ہیں نہ کہ یہ ہم اس وقت میں ہیں اور اصول اور اس کے ساتھ رہیں گے یا نہیں اس کا کوئی  
 مسابقت کی توجہ وارتقا میں اس وقت کا عدل کو برے خیال میں بہت زیادہ دخل ہے۔

اکل یا باطل کا مطلب یہی بات یعنی باہم ایک دوسرے کا مال یا باطل نہ کیا جائے پہلے اس کے  
 منہم کو سمجھنا چاہئے مثال سے اس کو بول دہی نہیں کیا جاسکتا ہے مثلاً ایک شخص آپ کا کوئی  
 کام کرے یا آپ کو اپنی کوئی چیز دے کر یا اپنی چیز سے آپ کو فتنے اشلے کا موقع دے کر اگر آپ  
 سے آپ کا مال لینے سے تو یہاں پر آپ پر اپنا ایک حق قائم کرنے کے بعد اس کے معاوضہ میں  
 آپ کا مال لے رہا ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں کوئی حق قائم کئے بغیر اگر آپ کا مال لینا چاہتا ہے  
 تو یہی اکل یا باطل ہے یعنی بغیر کسی حق کے آپ کا مال لے رہا ہے۔ تو ان کا مطلب ہوا۔ اب ظاہر  
 ہے کہ دنیا میں کاروبار کی ساری سرگرمیاں اس پر مبنی ہیں کہ ہر شخص ایک دوسرے کی ضرورت کو پوری  
 کر رہا ہے۔ اگر اسی شکل کو ایک طرف کر دیا جائے یعنی دینے والوں کو لینے والوں سے کچھ نہ ملے تو  
 زراعت چل سکتی ہے نہ تجارت نہ صنعت۔ جب معاوضہ ان کے بغیر ہو گیا تو زندگی کی ضرورت یا  
 ملے نہیں گی تو پھر خواہ مخواہ معاوضہ کے متناکرانے کی فکر میں کوئی کیوں شغول ہوگا نتیجہ یہ ہوگا کہ  
 باشندگی کی تمام چیزوں کا ایک بلاحتہ دنیا میں آکر اپنی قسمت حاصل کئے بغیر قریب دھن ہوتا پہچان جائے گا  
 یزادی کے دل و دماغ اور عقل و جہت سے ملک کو اپنے ماضی ارتقا میں جو مدد ملی سکتی تھی اس سے وہ

محروم ہو جائے گا  
 اگر کسی کے متعلق یہی وہ خیال ہے کہ اگر دنیا کے کمزورتوں میں اگر وہی اور سائلوں کو صرف  
 اسلام کا نقطہ نظر اس میں نہیں کوئی فرق قرار دیا جاتا تھا۔ بلکہ بعض عقول شک و ہندوستان میں غلبت و  
 احترام کی آخری پٹری پر پوری لوگ فی بعض تھے اور اب تک ہیں جن کا کدرا بکشت اور دانی پٹن پر ہے۔  
 سمجھا جاتا ہے کہ یہ بڑی نیک اور بڑی بات ہے۔ لیکن ماضی نقطہ نظر سے یہ کتنا بڑا خسارہ ہے۔ اس کا  
 کوئی افغان کو شک ہے۔ اسلام نے صرف یہی نہیں کہ کھاتے چیزوں کے لئے سوال کو مجرم قرار دیا ہے  
 یہ سارے آئینہ میں شہر علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

من سأل الناس عن ظهر غلبہ  
 غنی خانہ ایسے کثرت میں جہر جہر  
 من سأل الناس عن ظهر غلبہ  
 من سأل الناس عن ظهر غلبہ  
 من سأل الناس عن ظهر غلبہ  
 من سأل الناس عن ظهر غلبہ

یعنی باوجود غنا و مستحکمیت کے جو بیکار تھے۔ جہنم کے انگاروں کو اکٹھا کر دے ان خستہ ہیں  
 ملازم نہیں ہے کہ کافی دولت و ثروت رکھتا ہو بلکہ اسی درجہ میں ہے کہ وہ چھوٹے دریاقت یکہ  
 یا س رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غنی غنی کا بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔  
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں جو کہ ارشاد فرمایا وہ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کے لئے

انما یصلہ ان عند لعلہ  
 ما یصلہ بعد وہا یصلہ  
 شام کی غذا مہیا ہو سکتی ہے۔

خواہ وہ کسی شکل میں مہیا ہو سکتی ہو مثلاً جو یا جواری یا جڑہ کی روٹی ہی کیوں نہ ہو، پھر سالانہ وصول  
 خزانہ رکھنے والے کے لئے بھی اسلام نے سوال کو قطعاً حرام کر دیا ہے۔ اور اگر کسی کے پاس مالی سرمایہ نہ ہو  
 لیکن با اعتبار اول کامریہ اور اسی قوت رکھتا ہو کہ اگر کما کر اس کے متعلق بھی ارشاد ہے۔

لا تقبل الصدقة فتنی  
 ولا الذی عروہ سوی۔  
 صدقہ مال نہیں ہے مہربان نہ لے لے  
 نہ مہربان نہ لے لے لے۔  
 لاحق فیہا الغنی ولا العوی  
 صدقہ میں حق نہ کسی حق کا ہے اور نہ  
 مکتسب۔  
 اس میں (صدقہ میں) خستہ ہے۔

پھر حال پر چند مخصوص صورتوں کے جن کی فقہاء نے تصریح کر دی ہے۔ ملک کے ہر باشندے پر جس میں  
 کسی قسم کی بھی مالی یا بدنی صلاحیت ہو جو دنیا اسلام سے سوالی کو حرام کر دیا ہے اور اس سے بھی غرض  
 ہے کہ اس قسم کی تمام قریب ملک کے ماضی ارتقا میں اپنی اپنی وسعت کی حد تک ہمتہ بنائیں اس زمانہ  
 میں مسلمانوں کو کون کہہ سکتا ہے۔

تندرست و توانا آدمی کو ان کو شاید معلوم نہیں کہ اسلام میں لینے والوں پر جو نیک حرام نہیں  
 بیکار دنیا بھی ناجائز ہے۔ بلکہ فقہاء کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ مذکورہ بالا صفات  
 یعنی کمزور مالی یا بدنی صلاحیت رکھنے والوں کو بیکار دینا بھی ناجائز ہے۔ علامہ ابی نعیم حنفی نے آتشیدہ  
 دان کا تئیں مذکورہ بالا صورتوں کے متعلق لکھا ہے،

ان السائل والمطلعی  
 انشأنا۔  
 بیکار مانگنے والے اور بیکار دینے والے  
 دونوں مجرم ہیں۔

سائل اور گوارہ کے مجرم ہونے کی وجہ تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن دینے والوں کو مجرم کیوں قرار دیا جاتا  
 ہے اس کی وجہ انہوں نے لکھی ہے،

فلکونہ معینا حتی الحواجر  
 اگرچہ بعض علماء کو اس سے اختلاف ہے۔ مولانا اور شاہ صاحب شیرازی نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ  
 لو علمنا مطلقاً ان السائل  
 اگر دینے والا جانتا ہو کہ سوال کیا گیا  
 لا یغنیہ کسب فلا انشأ  
 اس کو اپنا پیڑ بنانے کا قریب دینے  
 علیہ ولو علمنا نہ یغنیہ  
 دینے کو کچھ نہ ہوگا۔ اور اگر جانتا ہو کہ



بکہ اگر ایسی چیزوں کے لینے والے جب اس سے قطعاً ہی نہیں اطمینان کے ساتھ ان کا مال ان چیزوں کے معاوضہ میں بیایا کہ وہ باہر مل ہی لیا گیا اس ذیل میں فقہاء اسلام نے بعض چیزوں کی تجارت خصوصاً قرار دی ہے۔ تاہم انہوں نے کوشش کی ہے کہ ہر وہ چیز جس میں قطعاً کاپی ہو کسی راہ سے پیدا ہو سکتا ہے۔ ان کے اعتقاد کی بھی راہ نکالی جائے مثلاً (مردوں) حرام ہے لیکن باوجود اس کے مردہ جانوروں کی کھال دیاخت کے بعد بلکہ ان کی ہڈیاں، اونی انگڑا، سینک، ہشون وغیرہ کی تجارت جائز ہے۔ مثلاً صرہ ہے کہ جمادات و نباتات و جمادات بلکہ ہر وہ چیز جس میں اعتقاد کی کوئی صورت مل سکتی ہو فقہاء نے کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کی معاشی سہولتوں کے لئے ان کی تجارت کی اجازت دی جائے اور یہی وجہ ہے کہ بجز چند چیزوں کے جن کی حرمت قطعی ہے یا جو نہیں الین ہیں یا مراعات رسولی و شرعیہ علیہ وسلم نے اس کی منع کی ممانعت قرار دی ہے۔ عموماً عام چیزوں کی خرید و فروخت جائز ہے اور تقریباً تجارت بین دین کے دو تمام طریقے جو دنیا میں مروج ہیں اگر اسل باہر مل اور لایق کمون و لایق کمون کی زد میں نہ آتے ہوں اسلام نے ان کی اجازت دے رکھی ہے۔ مثلاً نقد دے کر ضرورت کی چیزیں خریدی، چیز دے کر چیز لے لیا یا دام بعد کو دینا جسے نقد (ادھار) کہتے ہیں۔ یا دام پہلے دینا اور چیز بعد کو لینا جسے قسط کہتے ہیں (بعض خاص ضرورتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے کسی زکمی پر ظلم ہو جاتا تھا) مسلم کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے۔ فقہاء اسلام نے اصولی کو پیش نظر رکھ کر ہر شکل کے احکام اپنی کن ہوں میں درج کئے ہیں پھر اس نے تاک خرید و فروخت کرنے والوں کو سہجہ و اخذ کرنے کا، دیکھنے والے کا موقع ملے یا حجب و نقص کی وجہ سے واپسی کا اسکاں پیدا ہوا تجارت میں تجارت کا قانون بھی رکھا گیا ہے۔ الغرض ممکن سے ممکن آسانیاں جو ہو سکتی ہیں سب فراہم کر دی گئی ہیں اور شکر ان میں،

اصل ۱: الله اے بیسح۔

تجارت کو خدائے جل فرمایا ہے۔

کے ذریعے سے گریڈ نکھڑا بلا صورتوں کی ملت کا اعلان کیا گیا ہے۔ گدیہ میں بین دین کی ایک خاص شکل میں کام لیا یا سود ہے، اور آج تک دینکے ٹپے ٹپے معاشی اس کے متعلق جواں ہیں۔ اس کے جو از و حدود جواز کی بحث تقریباً آٹھ سو کے نامعلوم زمانے سے چھڑی ہوئی ہے، اسلام نے فیصلہ کیا کہ اس کو قطعی طور پر حرام کر دیا جائے۔ انسانی زندگی کے معاشی پہلو کو اسلام میں کوئی اہمیت حاصل ہے اس کا اعانہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ اسلام میں یوں تو اخلاق اجتماعی یا طبی یا کسی اور نقطہ نظر سے جرائم کی ایک

سلسلہ اب اس کی کہ حق امتیاز میں نام بھی نہ دیتے ہائیں اور جزیہ بھی دیتی دیتے ہو تو ان کی مدد ملے اور حلال عمل میں ہو جیج اکلانی یا کھانی کہتے ہیں۔ مثلاً اگر آٹا نہ نصرت ہے کہ انہوں نے، مسلم بھول ہوئے سے اناریک کے وقت بے شمار جگہوں کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ کچھ چیزیں ہیں اس میں کو آٹا نہ فرمایا گیا ہے ۱۱  
 ۱۲ فیضیاتی اختیار و عہدہ کی گزیرا کہ جو انہیں دلوں کو کچھ پختہ خاص ضرورت کے ساتھ اس کا اختیار ہے کہ مسئلہ کریں یا نہ کریں ۱۲

تفصیل فہرست پائی جاتی ہے۔ لیکن زندگی کے معاشی پہلو کی اہمیت ہی کا نتیجہ ہے کہ صرف ایک اسلامی معاشی جرم ہے قرآنی نے یہاں کسی ایک سزا کے چار چار سزائوں کی دھکیلا دی ہیں، یعنی سود و خور و سلب و ہبہ و خور و کھل میں کھڑا ہو گا۔ اس کی دولت کا حصہ جو سود کے ذریعہ سے حاصل ہوگا حق اور بر پاو کر دیا جائے گا۔ وہ پھر جہنم میں رہے گا۔ اور آخر میں یہ کہ سود خور کو کھم دیا گیا کہ یا وہ اس معاشی جرم سے باز آئے ورنہ اللہ اور اس کے رسول کو اعلیٰ جنگ دیدے۔ یہ بات کہ اسلام نے تجارت کے اس طریقہ کو کیوں جرم قرار دیا ہے۔ اس کی توجہ آسان نہیں ہے بلکہ کچھ بات یہی ہے کہ اگر سود کی خواہشیں اتنی واضح اور جلی جوتیں تو قرآنی میں غالباً اس کا ذکر بھی نہ ہوتا یا جوتا تو جیسے اور جوام مثلاً چوری، ڈاکہ، فریب، اجوٹ وغیرہ کا ذکر ہے اس کا بھی اسی نوعیت سے تذکرہ کیا جاتا لیکن اتنی اہمیت جواس کو دی گئی ہے اس کی بھی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حرام کیا بلکہ انسانوں کے خاص حصول کی بھی رسائی اس کے دور رس نازک خطرناک نتائج سے ہو سکتی۔ ہزار ہا ہزار سال سے عقلی معاشیات دہلے سود کے فائدہ و افراد پر بحث کر رہے ہیں لیکن آج تک کسی عقلی فیصلہ پر نہیں پہنچے ہیں۔ اسی نے ضرورت تھی کہ اس مسئلہ میں انسانی کو عقل سے بھی کسی پلا تزداد رہے اس کے متعلق آخری فیصلہ واضح عقلوں میں بنا دیا جاتا اور یہی قرآنی نے کیا۔

حرمیت سود کی وجہ ۱: تاہم اگر اکل باہر مل اور لایق کمون و لایق کمون قرآنی کے ہی دونوں معاشی بنیادوں کو کم سامنے رکھیں تو شاید کچھ اس سلسلہ کے خطرناک پہلوؤں تک ایک حد تک پہنچ سکتے ہیں مثال سے اس کو یوں واضح کیا جاسکتا ہے کہ دنیا کے سارے کاروبار بین دین میں معاشرہ کے فریقین میں ہر ایک وہ سرے کے لئے کچھ نہ کچھ قربانی کرتا ہے مثلاً تاجر کپڑے دیتا ہے۔ خریدار روپیہ ادا کرتا ہے کہ ایک شخصوں میں مثلاً موٹر کے مالک کو اگر کوئی کاروبار دینا ہے تو جس وقت تک کرایہ دار اس کی موٹر کا استعمال کرتا رہتا ہے۔ موٹر کے تمام کرایہ ٹرے اپنے صفات کارکردگی کو بتدریج کھوٹے رہتے ہیں یا سال بھر کے بعد مکان کو جب کرایہ دار واپس کرتا ہے تو قحط ہرے کہ مکان اور اس کے تمام عناصر و اجزاء اپنی باس حیثیت پر مبنی نہیں رہتے جو کرایہ دینے کے وقت ان کی تھی۔ الغرض کرایہ کی شکلوں میں بھی اگر یہ اصل چیز یعنی موٹر مکان وغیرہ مالک کو واپس چرجاتی ہے۔ لیکن صفات کی قربانی ان میں بھی ضرور چرجاتی ہے۔

۱: زراعت کا مطالعہ جنس نے سائنس اور کیمیا کی معنات کی روشنی میں نہیں کیا ہے۔ ان کو زمین کے متعلق بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر کوئی کھیتی کرنے کے لئے گزیر کسی کی زمین لے اور چند سال اس میں کاشت کرنے کے بعد اسے واپس کر دے تو جس سال میں اس نے زمین لی تھی اسی حال میں واپس کر دے، مثلاً کیر و قحط سے حیل کا نتیجہ ہے۔ جانتے والے جانتے ہیں کہ ایک دفعہ جس زمین سے پیداوار حاصل کی جاتی ہے تو اس کے بہت سے کیمیا بنیاد پر مشائے ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے سائنسنگ کاشت کاری میں ہر سال کھاد وغیرہ کا دینا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے مالی کسی اس داز سے ناواقف نہ ہونے کی وجہ سے (بہرہ جو خور و خور)



اس کے متعلق متبادل میں جس نے بھائی کوئی کے آپ سے دو چار روپے قرض لئے اور دس سال بعد واپس کئے  
 لئے کے لئے وقت آپ اپنے روپوں کو اسی طرح طوک بھا کر گیس کے جس طرح آج سے دس سال پہلے دئے  
 گئے تھے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس عرصہ میں روپے کے صفات پر کبھی اور ضرورتی طاری ہو گئی اور اس کی وجہ  
 نہیں کی جا، خصوصیت ہے کہ ہر روپے دوسرے روپے کی کامل طور سے قائم مقامی کرتا ہے جس کے معنی یہی  
 ہوتے کہ قرض دینے والے کی طرف سے اصل مال کی قربانی جوتی ہے اور مال کے صفات کی اب اگر  
 دس سال الگ جگہ جو روپے آپ کا قرض کے پاس رہا اس کے معاوضہ میں آپ ہر چہ اس کا کلیہ اگر وصول  
 کریں گئے تو وصول بھی ہے کہ آپ کی طرف سے کیا قربانی ہوئی نہ روپے کے ذات کی نہ صفات کی نہ  
 ہے کہ قرض قرض دینے والے کو یہ پیشینہ کسی قربانی کے بالکل محفوظ ہوتا ہے۔ بنیاد پر دئے والے کے کہ  
 اگر اس لئے کسی ضرورت سے قرض لیا اور اس میں خرچ کر دیا تو وہ روپے اور اس کا سود یا کرایہ اس طور  
 سے رہا۔ اسے کہ اس لئے اس روپے سے کچھ آمدنی نہیں پیدا کی۔ اور اگر تجارت وغیرہ کے لئے یہ قرض  
 تجارت کی نئی کامیابی پر حال میں ضروری نہیں بلکہ قرض دینے والے کا وہ بھی اپنی ذات و صفات  
 کے ساتھ محفوظ اور اس کی دی دلی آمدنی نہیں۔ ایسا شخص جو اپنے کاروبار میں کسی نفع اٹھاتا ہو اور کسی  
 نقصان کی اس شخص کا متبادل کر سکتا ہے جس پر نقصان کے تمام دروازے بند ہیں اور صرف نفع اور کسی  
 نفع و اضافہ کا متبادل (دو گئے ہوئے) کے حساب سے منافع کے دروازے میں پر کھلے ہوئے ہیں، کیا دونوں  
 برابر ہو سکتے ہیں؟ جو کسی بیار نہیں ہوتا اس کی صحت کا متبادل کیسے کر سکتا ہے جو کسی اچھا اور کسی  
 بیار ہوتا ہے۔ پس چند قول میں تو شاید نہیں لیکن اگر کسی ملک یا قوم میں ذرا زیادہ مدت تک اس قسم  
 کی یک طرفہ گردش دولت کی جب بھی ہوئی ہے تو دیکھا جاتا ہے کہ ملک کا ایک قلیل گروہ یعنی ایسے

(مترجم)

آگے بیاں ہے اور جو وہ دیکھ کر ملک کوئی کا متبادل نہیں کر سکتے ضرورتی کی بات ہے ہمارا چند و تن ایک ٹیڈیو سپا  
 کہتا ہے۔ اور وہی ہی صحت کا ایک صاحب نے اس کو مشکل کر دیا ہے اس کی بات میں نہیں کے کھانڈ کے حقیق  
 سے جو باب کھانڈ ہے، وہ نہ سنے کے قابل ہے اس میں گھٹے ہیں کہ کاروباری زمین میں پائے جاتے ہیں جو زمین کے  
 کسی خاص حصہ میں خاص کاروبار میں اپنی خیم خاص طور سے قائم کافی مقدار میں کھتے سب میں پائے جاتے ہیں  
 وہاں پیداوار خوب بڑھ کر سے جوتی اور وہ زمین زرخیز کہلاتی ہے، مگر ہاں ان میں سے چند پارے سے تمام کھار خاں  
 ہوں قیاسی زمین کو بڑھ گئے ہیں، آگے ہی میں ہے کہ دوسری تمام ایسی چیزوں کی طرح زمین میں بھی قدرتی کھار خاں  
 کم و بیش محدود ہوتا ہے۔ ابتدا میں یہ کھار خاص مقدار میں ہوتے ہیں اور گوئی کی کسی قدرتی طور پر بخوبی چوری  
 جوتی جاتی ہے لیکن جب کاشت جوئے لگے تو وہ بار بار کم ہوتے جاتے ہیں، چنانچہ ایک ایک زمین میں سموری فصل پر  
 تقریباً بیس ہزار تا تیرہویں سال میں خرچ ہوتی ہے۔ اور یہ ایک کھار کا تھرو جو حساب ایک ایک کے لئے لیا جاتا  
 ہے، اس پر اب دوسرے کھاروں کو قیاس کر لیتے ہیں کہ اس بات میں ہے یعنی زیادہ مقدار میں یہ کھار پر دول اور انداز کا  
 خرچ کر سکتا رہتا ہے حتیٰ ہی مقدار میں نہیں کے انداز کی کسی جوتی جاتی ہے۔ (ہمارا چند و تن)

لوگ جن کی آمدنی معاوضہ سے زیادہ رہی ہو اور ان کے پاس قدر حاجت سے نیک کر میں انداز بھی ہوتا  
 ہو، جو حتمی ہر ملک و قوم میں ضرور سے جوتے ہیں۔ جب یہ اپنے روپے کو سود کی راہ پر ڈال دیتے ہیں تو  
 ان کے یہ روپے ملک کے اکثر افراد کے گھروں میں بچھ بچھ کر آہستہ آہستہ ان کی دولت کو کھینچ کھینچ کر  
 قرض دینے والوں کی جیبوں میں پیپنا دیتے ہیں اور صدی ڈیڑھ صدی کے بعد یہ تمام تھوڑا سا ہے  
 کہ قوم کے اکثر افراد پر قرض معاشی لاغری میں مبتلا ہیں اور معاوضہ سے چند گھروں یا شخصوں کے  
 پاس دولت کا دارم پیدا ہو گیا ہے۔ ہر بات اسی حد پر آکر رک نہیں جاتی۔ ان دولت مندوں کے  
 پاس اگر دولت اور سرمایہ کی قوت جوتی ہے تو ملک کی اکثریت اپنے پاس جہانی قوت رکھتی ہے تنگ  
 آگیاں سود خندوں کی مالی قوت پر جہانی قوت کا وحشیانہ حملہ ہوتا ہے۔ ہر جس کے بندہ ہوتا ہے  
 جو کچھ ہوتا ہے سلفیتیں تباہ ہو جاتی ہیں، اس زمانہ خوار ہو جاتا ہے۔ غریبوں کے غضبناک  
 بیڑوں کی طرح دو تھندوں کو چیر سٹا دیتے ہیں۔ تاریخ ان کا کچھ کو آج روپ میں ڈھیرا ہے یا  
 ڈھیرائے والی ہے اور یہ سب کس چیز کا نتیجہ ہے یہی کہ معاشی کاروبار میں اکل بالباطل (یعنی بیزار  
 کچھ دئے ہوئے دوسرے کے مال سے اشتغال) اور لا تعلیقوں و لا تعلیقوں کے قتل و تلک  
 پابندی سے ہے احتیاتی برائی گئی۔ حاکم اب قیم اعلام الحوقین میں فرماتے ہیں،

فیروز المال علی المحتاج  
 من خیر نفع بمحصل له  
 ویزید من خیر نفع  
 بمحصل منه لا خیر فیما کل  
 مال اخیہ بالباطل۔  
 (ص ۷۰۰)  
 من ۵ (مترجم) یہ مالی بارزادی کے  
 ساتھ بڑھتا ہے اور اس حد پر ہوتا  
 ہے کہ خود اس مال کا نفع سے نہیں  
 اور (قرض دینے والے) سود خوار کے  
 مال میں اضافہ اس طور ہوتا ہے کہ  
 اس سے اس کے جہانی (مترجم) کو

کچھ نفع نہیں پہنچا بھی وہ ہے کہ اس میں نفع اپنے جہانی کا مال بجز کسی وجہ کے  
 بالباطل خرید کھاتا ہے۔

آخر سود خوار کو جب اس کا روپہ اپنے تمام ذاتی و صفاتی کمالات کے ساتھ بھجوا دیا جاتا ہے  
 تو بجز کسی قربانی کے وہ غریب فرخندہ ہوں سے سود کا دیر کس بنیاد پر لے رہا ہے۔ ہمارے لہجے  
 کیا نیک دیتے ہیں۔ اس لئے کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے، جس ملک میں اس قسم کے قین دین  
 کی جب کسی قانونی اجازت دی جائے گی اور اس کے دائرے میں وسعت پیدا ہوگی تو آمدنی کے  
 پس انداز کرنے والوں کا قلیل گروہ اگر اپنے آپ کو با اپنے خاندان کو مالی فائدہ پہنچا دے لیکن دبی  
 ملک کے اکثر افراد کو خیر و معاشی ضرر پہنچا رہا ہے۔ اس قسم کے کاروبار ان ہی مالک میں فروغ پا سکتے  
 ہیں جن کے ہاشد سے اپنے آپ کو صرف اپنے لئے یا اپنے خاندان ہی کے لئے کہتے ہیں اور اپنے  
 ملک یا شہر یا گاؤں کے دوسرے افراد سے انہیں کچھ بحث نہ ہو، آخر یہ سارا روپہ جہانی کی پس انداز

اس میں سادہ دلی کے گھر پہنچا ہے وہ حرمنا اسی ملک، اسی شہر اسی گاؤں اسی  
 خانہ از ضرورت رقم نے شکل سودا کی کہ پہنچا ہے وہ حرمنا اسی ملک، اسی شہر اسی گاؤں اسی  
 خانہ کے باشندوں کی بیویوں سے تو وصول ہوتی ہے جن میں وہ رہتے تھے ہیں۔ جرت ہے کہ یورپ  
 آج قریب اعداد (نیش نیلی) کے دھوسے کا اپنے آپ کو ماری دنیا میں علم بردار کہتے ہیں اس سے  
 مراد یہ نہیں کیا ہے کہ چند سا پوکا روں اور پیشہ ورسود خاندان ہی کو اس کا روبرو کی اجازت دے لی  
 ہے بلکہ بیگ سسٹم کو ماری کر کے اس نے موقع فراہم کر دیا ہے اس بات کا کہ جن میں انڈا کرتے  
 والوں کو سود خوار کی کی فرست نہ تھی۔ وہ بھی اب بآسانی سود خواروں کی پیشی میں شریک ہو کر ملک کی  
 اکثریت کا معاشی خون چوسنے میں مشغول ہیں اور اس نے مغربی سود خواروں نے اپنے رد عمل کو دنیا پر  
 بہت جلد ظاہر کیا۔ یہ ایک کیفیت سے اچھا ہوا، کچھ بھانکے سے تیز نگار کا ابر کر آجا تا مریض کو بچانے  
 کے لئے زیادہ عیندہ ہے۔ آج یورپ اکثر کی جیواؤں بلکہ شیشاؤں کے پیڑوں سے جنوب پر رہا ہے۔  
 سودی کاروبار کو اختیار کر کے اس نے قدرت کو جنگ کا اعلان دیا۔ جیلجی قبول کیا گیا اسی سود کے بل بوتے پر  
 وہ جنگ لڑی جا رہی ہے جس کی نگرانی دنیا کی آنکھوں نے پہلے دیکھی تھی اور کوئی کہہ سکتا ہے کہ آئندہ دیکھے گی۔  
 مایوس کیا گیا ہے کہ سود پر بآسانی حکومتوں کو روپے قرض اگر نہ ملتا تو روپے کو دہا کو روپے کی رقم وجود  
 جنگوں میں جو صرف ہوتا ہے۔ اتنی رقم کی فراہمی کا فضا امکان نہ تھا۔ گویا آج سودی اعلان جنگ اور اس  
 ہونک جنگ کا ذریعہ ہوا ہے جس کی نگرانی انسانیت کی تاریخ میں منظور ہے اور پھر اسی جنگ کے ذخیرے  
 انسانوں کی کئی چوٹی آمدنی وصول ہیں جن کو کہہ فضا کی ہواؤں میں اور کچھ جہاں تار پڑا ہوا اور فضا جانے  
 کیا گیا ہیں کہ سمندر کے پانیوں میں غرق و فرود ہو چکر برباد ہو رہی ہے آئندہ زندگی میں تو جبکہ چوہ  
 وہ تو اسی وقت دیکھا جائے گا۔ لیکن شہر کے جن ڈاکٹروں و کیولوں تاجروں اور ہر پیشہ ور سے سود خوری  
 کی انجمن (بنک) میں شرکت کی تھی۔ میدان جنگ بلکہ اپنے اپنے عمل سواؤں اور کو شیوں میں، جنگوں میں  
 برستی ہوئی آگ اور دھنچے جوئے، انگاروں پر لوٹ رہے ہیں نہ گھر کے اندر ہیں نہ اور نہ گھر کے باہر  
 جائے پناہ۔ خدا سے جنگ کرنے کے بعد لوگ پناہ کہاں ڈھونڈ رہے ہیں، سود خوار کو جس جن فضا کی  
 کی قرآن نے وحی دی تھی، جن کی آنکھیں ہیں وہ دیکھیں اور جن کے کان ہیں وہ سنیں اور جن کے دل  
 ہیں وہ سمجھیں، ان کو کہا گیا تھا کہ زور سرون پر ظلم کرو اور نہ اپنے اوپر ظلم کرو۔ لیکن انھوں نے غور نہیں  
 بھی ظلم کیا اور اپنے اوپر بھی ظلم کیا وہاں خلافت ختم ہو گئی کا فرما ختم ہو گیا۔

اور یہ تو ہر ایک عام صورت تھی جس کے خطرناک نتائج پر اسلام سے پہلے بھی مختلف مذاہب  
 یہ نتیجہ کی گئی تھی، بلکہ بعض عقلی معانیوں نے بھی اس معاملہ کی شدت سے مخالفت کی تھی لیکن اسلام  
 صرف ہوا کی مروجہ شکل ہی کو اکبر الگ بنا کر اور بدترین جرائم میں شریک نہیں کیا بلکہ ہر کوئی شخص کسی کو  
 دس روپے دے کر کہہ دیں کہ یہاں سود خاندان میں ہیں روپے لے اور بچائے اس کے کہ اس کو  
 سودی قرض کا سود قرار دیا جائے کہ کہ میں نے اس دس روپے سے تمہارے دس روپے خریدے  
 ہیں یا کسی تاجر نے دس روپے کے پلوے ایک ماہ کے لئے کسی کے ہاتھ اس خرچے سے ادھار لیے کر ایک

ماہ کے بعد ادا کرے گا تو تاجر اس سے بول کہ میں ایک ماہ کی مہلت اس خرچے سے دیتا ہوں کہ تم  
 مجھے دس کے بارہ ادا کرنا۔ ظاہر ہے کہ ان تمام فنکوں میں صرف فنکوں کا ہی پیر ہے۔ ورنہ حاصل وہی  
 ہے جو سودی قرض کا حاصل ہے۔ اس لئے اسلام نے قرض کے سودی کاروبار کے ساتھ بیچ اور خرید و  
 فروخت کی ان فنکوں کو بھی سود اور رواج قرار دیا۔ نیز جو حالت روپے کی ہے بجز یہ کیفیت اور بھی چند  
 چیزوں میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً اگر ایک میں گہوں قرض دے کہ دو مہینہ بعد کوئی شخص بچائے ایک میں  
 کے خرید ایک میں گہوں کا اضافہ کر کے دو میں بیٹا ہے تو اس میں اور اس شخص میں جس نے دس روپے  
 دے کر دو مہینے بعد میں روپے کی قرض ہے ۹ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عین معاشی نگاہ اس  
 دقیق نگاہ تک پہنچی اور اسی بنا پر آپ نے اعلان فرمایا کہ سود یا روپہ صرف روپے کے لین دین ہی تک  
 محدود نہیں ہے بلکہ ہوا کے ذیل میں اور بھی چند چیزیں شریک ہیں اور شریک بیچا کہ میں نے قرض میں عرض  
 کیا تھا کہ میں جن معاملات میں مشغول ہوں بھی قاری رنگ پا جا تا تھا، اسلام نے قاری کی جڑ کاٹنے کے  
 لئے ان کی بھی مخالفت کر دی، اسی طرح روپہ کی سندھ بالا فنکوں کے سوا جن میں دینے کے کچھ دلی بہت  
 بطور کہ ایک کے زیادتی وصول کی جاتی ہے، جیسے اصطلاحاً ربا اللہ (ادھار کے ساتھ سود) کہتے ہیں  
 اسلام نے ان صورتوں کو بھی جن میں ادھار نہیں بلکہ نقد مثلاً ایک قول چاندی سے کوئی دو قول چاندی  
 یا نقد ایک میں گہوں دے کر اس کے معاوضہ میں دو میں گہوں دے اس کو بھی ناجائز سمجھا دیا اور  
 مشہور صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا کی ان تمام چوٹی بڑی واضح چیزوں کو  
 کی مخالفت فرمادی یعنی

الذہب بالذہب والفضة بالفضة  
 بالفضة والبور بالبور والشعير  
 بالشعير والتمر بالتمر والعلف  
 بالعلف مثلاً بمثل مثلاً بمثل  
 فليس مثل دو استقرا و فخذ  
 ادري الاخذ والاعطى فيه  
 سوا (صحاح ستہ)

اور دینے والا دونوں اس میں برابر ہیں۔

حدیث میں تو صرف یہاں پر ہی ایسے اموال قرار دیئے گئے ہیں جن کا باہمی تبادلہ زیادتی کے  
 ساتھ زاد و بار جائز ہے نہ نقد خواہ تبادلہ قرض کے الفاظ سے ہو یا غلط کے نقد کے ساتھ ہو بظاہر ہر دو  
 کے تحت ہیں ان فنکوں کو اسلام نے غائب پہلی دھندہ داخل کیا ہے ورنہ اس سے پہلے عورت سود اور ہر دو  
 روپہ اور اشرفی یعنی سنگ کے سودی کاروبار ہی تک شامہ محدود تھا، پھر بعد کفر فتنہ اسلام نے اس حدیث پر  
 خود کی قریب خصوصیات ان چھ چیزوں کی عین اور دوسری چیزوں میں بھی ان میں سے کسی کو بھی مسمیٰ نہیں کیا

انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان کو ایک توفیقی بیان قرار دیتے ہوئے ان چیزوں کو  
 بھی اس میں شامل کر دیا جس میں ان کی سمجھ میں نہ تھی۔ یہی خصوصیتیں پائی جاتی ہیں تمام شافعی  
 اور قریب قریب تمام مالک نے سونا اور چاندی کو دیکھ کر خیال کیا کہ مراد اس سے ہر وہ چیز ہے جو زمین  
 میں قیمت کا کام دیتی ہے۔ اب خواہ وہ سونا چاندی ہو یا اس کے سوا کوئی اور چیز جو اسی طرح گھریلو  
 اور تجارتی کمپوز کو دیکھ کر ان بزرگوں نے خیال فرمایا کہ مراد ہر وہ چیز ہے جو کھانے پینے میں کام آتی  
 ہو یا جس سے خود نوش کی چیزوں کی اصلاح کی جاتی ہو جیسے نمک۔ لیکن ربانی اموال کی خصوصیت  
 کہ اس کا ہر فرد دوسرے فرد کا قائم مقام ہوتا ہے اور ان کی بھی خصوصیت ان نتائج کی ذمہ دار  
 ہے جو سودی کاروبار میں پیش آتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر امام ابو حنیفہ کے پیروں نے خیال کیا کہ  
 یہ خصوصیت کن کن چیزوں میں پائی جاسکتی ہے اور جو ہر وہ چیز جس کی خرید و فروخت کیلئے (پیارے)  
 یا دوزن (قول) کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ ان میں یہ خصوصیت پائی جاتی تھی اس لئے امام نے سبائے  
 ان خاص چیزوں کے لئے جس چیز کو جو کیلئے (پیارے) یا دوزن (قول) کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ اموال ربوی قرار دیا  
 اور ان کے باہمی تبادلہ میں رجحان فرمائی کہ انہوں نے تاثر فرمایا ان اجتہادی و فقہی سنجیدگی کا نتیجہ  
 ہے اور اگر دہریہ اور جابجہ دنیا میں مرنے والے کے فرض کے کاروبار کی ایک شکل تھی اب مسند ابن  
 یونس نے مکمل کیا۔ خصوصاً فقہی مذہب جو اسلام کے تشریحی کتاب خیال میں سب سے زیادہ محتاط  
 اسکول ہے اس میں قسود کی اتنی گونا گوں شکلیں پیدا ہو گئیں کہ اب ان کا سمجھنا دشوار ہو گیا ہے  
 فقہاء نے تشکیلات میں دفتر کے دفتر قرار دئے ہیں لیکن اصلی بحث کا خلاصہ مرنے والے کے فرض  
 کیا گیا۔ خصوصاً فقہ کی کتابوں میں سود کے مباحث کو دیکھ کر لوگوں کو تعجب ہوتا ہے کہ حرام ہے  
 سود کہتے ہیں اس کا تو اس میں گویا ذکر ہی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اسی بناء پر عوام کی کوئی شک بعض اچھے  
 اچھے بڑے لکھنوں تک کو پچھلے دنوں یہ معاملہ ہو گیا کہ اسلام نے جس سود کو حرام کیا ہے وہ فرضی  
 موجودہ سود نہیں ہے بلکہ بیع اور خرید و فروخت کی چند نادر شکلیں جو ایام جاہلیت میں مروج  
 تھیں اور ان ہی کا ذکر فقہ کی کتابوں میں کیا گیا۔ مگر نہ ہرے کہ اسلام نے اس سود کو مباح نہیں کیا تو پھر  
 اس نے نہ کسی چیز کو کہ اس نے غائبیت میں، حیثیت تھی کہ ہندو مت تک میں جس سود کو حرام  
 یا گنہ گمانہ کے برابر قرار دیا گیا ہے یا اس لئے جس سود کے متعلق یہ رائے تھی کہ گناہ ہے اس لئے  
 جتنے نہیں دیتے یہ فرض والا سود نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ جس تعاضی سلطان  
 کی شکلیں اس سود تک کی منت لے کر ان ہی اس کے متعلق کہا جائے کہ اسلام کی نگاہ معاشیات کے اس  
 زیر پرے گناہ پر نہ پڑی اور نہ ہی کسی چیز پر جس کا تباب دینا میں مباح ہے اور نہ کسی کو ان کا تخریب ہے نیز تو  
 ایک منہ بات حق جہاں ایسے لوگوں سے کوئی بحث کر سکتا ہے جو شریعت کے مغز کو عرب کا  
 کوئی ہے یا اور قرآن کے عرب کے کسی درخت کا خاص رس قرار دے کہ واقعی جو غنہ و غفر  
 ہے اس کی حلت کا فتویٰ دیدیں۔

بہر حال فقہائے اسلام کی ان حقیقتوں کو نشانہ بنوں کی وجہ سے ایک وقت اور یہ پیدا  
 ہوئی کہ ہر ایک کے بعض مسائل جن کا ذکر وہ اپنی کتابوں میں کرتے ہیں، بظاہر عجیب معلوم ہوتے ہیں  
 مثلاً اس مسئلہ کی بناء پر کہ سونے کا سونے سے چاندی کا چاندی سے تبادلاً کسی شکل میں جو چیز  
 یا ردی و زہرہ کی شکل میں ہو یا سنگ کی، بہر حال جب ان کا تبادلہ جائے تو دونوں کو وہ بابر  
 ہوتا چاہئے۔ سوال ہوتا ہے کہ چاندی کے کسی زہر یا برتن کو کوئی ایک ہی قول چاندی کے معاوضہ  
 کیوں دیتے لگا گیا یا زہرہ کی کاری گری اور برتن بنانے کی محنت کی اسلام میں کوئی قیمت نہیں  
 اس طرح سوال ہوتا ہے کہ سونے چاندی کے تبادلہ میں یہ قید لگادی گئی ہے کہ لینے اور دینے والے  
 کے ہاتھ میں دو دنوں پر ایک وقت آئیں ورنہ خیالی ہاتھ والے کے ہاتھ میں بھرے ہاتھ والا گویا  
 ایک جسم کی زیادتی یا زیادہ کا مستحق ہو رہا ہے خواہ یہ زیادتی غیر محسوس اور غیر مادی ہی کیوں نہ ہو  
 اس قسم کی بعض اور حیرت انگیز صورتیں بھی فقہ میں پیدا ہو گئی ہیں۔ پہلے مسئلہ کے متعلق تو حنفی فقہاء  
 یہاں سے یہ کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ واقعہ قہر ہے کہ ایک قول چاندی کا زہرہ ایک ہی قول چاندی  
 کے معاوضہ میں کوئی زد دے گا لیکن ہم کیا کریں مذہب کا حکم ہے اس حکم کی تعمیل کرنے والے کو  
 چاہئے کہ ایسی صورتوں میں چاندی کے زہرہ کو سونے کے سکول سے اور سونے کے زہرہ رات کو  
 چاندی کے سکول سے خریدے۔ لیکن حنفی فقہاء نے ایک صورت پر نکال کر زہرہ لینے والے سے  
 خریدار کو ایک کہہ کر تھمارے زہرہ کی چاندی جو ایک قول ہے اس کے معاوضہ میں تو میں یہ ایک قول کا  
 نگرہ دیتا ہوں باقی زہرہ کی گھڑائی کی اجرت مثلاً ایک روپیہ یا الگ دیتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ اگر معاملہ ایسا  
 کیا جائے تو درست ہو جائے گا۔  
 مقدمہ لکھتے ہیں۔

ان قال الصانع صغ لی  
 خاتما و شانه و سرح  
 و اعطیک مثل و شانه و  
 اجر تک دسرها فلیس هذا  
 بیع و سرح و سرح و سرح  
 قال اوصاف الصانع اخذ  
 الد و حوت احدھا فمقابلۃ  
 الخاتم و الشانی اجر تک  
 (۱۳۱۔ المغنی ۴)

اگر تھمارے زہرہ کا زہرہ ہوں کہہ کر  
 میرے لئے ایک انگوٹ بنادو اور شانی  
 ایک درہم کے مساوی ہو اور میں تیرے  
 اس چاندی کے معاوضہ میں دس روپے  
 چاندی دیتا ہوں (یعنی ایک درہم دیتا  
 چوں اور تھارے زہرہ کی مزدوری ایک دام  
 ایک ہونے پر ایک درہم کو دو درہم سے  
 دینا قرار پائے گا۔ یہاں سے بزرگوں  
 (فقہاء و ائمہ) نے انہیں کھنڈ کر کے لے  
 اور دو درہم کا لینا بنا زہرہ گا۔ جس میں ایک درہم تو انگوٹ کی مقدار میں ہو گا  
 اور دو درہم شمار کی مزدوری ہو گی۔

آئندہ نکلایا گیا ہے کہ تقریباً ۴۰ روپے فی کس اس وقت ہندوستان

جس ملک میں فی کس زمین پچیس ہجری آمدنی کا دوسرا شکل سے ہے اس ملک پر اس سماجی خرابی کا کیا سخت اور شدید ترین علاج ہے کہ فی کس ۸۴ روپے زرمبادلہ ۲۲ برتنوں یا دفتروں کی فصلیں اس طرح قید ہوں کہ اس طرف تماشائیں لب نشین نہ آجائیں

ساکھیاں پیش کر رہے ہیں وہی بیماریاں معاشی نکتہ ہے۔

ہمارے ملک والوں کو ایسی معلوم ہی نہیں ہوا کہ دولت کا صحیح معرفت اسے کاروبار میں لگانا ہے۔ انہیں خبر ہی نہیں کہ دوسرے ملک جم سے کس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کیونکہ وہ اپنا ایک پیسہ تک بیکار رکھنا سمجھتے ہیں، ان کے پاس جو رقم بھی ضروریات پوری ہونے کے بعد بچتی ہے اسے سرمایہ کی صورت میں اپنے کاروبار میں لگا دیتے ہیں اس کے برعکس ہمارے بھائیوں کے پاس جب کبھی ایک آدھ پیسہ بچ جائے تو اس کا زبرد جا کر اپنی عورتوں اور بچوں کو اس میں بکڑ دیتے ہیں۔

گو یا سونے چاندی کو زیورات یا برتنوں وغیرہ کی شکل میں منہ کرنا ملک کی دولت کو بیکار کرنا ہے اور معاشی مذہب میں ایک پیرنگ کو بیکار رکھنا گناہ ہے۔ جس کے مستحق ہی ہونے کو سونے چاندی کی ایک رتی کا بھی زہر یا خورد و خیرک کی شکل میں رکھنا معاشی نقطہ نظر سے ملک اور قوم کا جرم ہے۔ لیکن دنیا کے معاشیوں کو تو بتا دے اس کا علم اب ہوا ہے۔ مگر دینی معاشیات کے پیرزاد علم علی و صدیق علیہ وسلم آج سے بااثر سے تیرہ صدی پہلے یہ اعلان فرما چکے تھے۔

لا تفسدوا في أمانة الذم  
والفضيلة ولا تاكلوا في صافها  
(مساجد)

عروق ممانعت ہیں پر کفایت نہیں فرمائی گئی کہ ملک کے اس معاشی مجرم کے شعلوں میں کیا روش و چراغ  
الذی یا کلا ویشرب فی غشیہ  
والغشۃ انہ یحس حیرۃ فی غشیہ  
نارسا جھنم۔ (نیکواری)

اور اس لئے بلا اتفاق تمام فقہاء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ موصوفہ چاندنی گجر برقعہ کا استعمال ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے حرام ہے اور جو حکم ظروف کا ہے مردوں کی حد تک قریب قریب بھی حکم زیورات کا بھی ہے۔ یعنی بجز خاتم (انگوٹھی) کے کہ اس کے متعلق فقہاء کا کچھ اختلاف ہے۔ ہر قسم کے زیور سونے کے بدل یا چاندی کے مردوں پر حرام ہیں اور گودھرو قوں کے خاص جذبات کے

لیکن یہی بات ہے کہ ربوہ کے باب میں اس قسم کے بعض مسائل کا جو ذکر کر دیا جاتا ہے  
 میں میں بظاہر علی دشواریاں نظر آتی ہیں الٰہی کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ اسلام جو نیکو فطری طور پر ربوہ کی  
 بنیاد رسانی مسائلات سے اکھاڑ کر نکال دینا چاہتا ہے اس لئے جہاں کہیں اس کی باریک نگاہ  
 اور ریختہ نکرتے ہیں انہیں جی فوراً نوک کھینک دیتا ہے اور ایک ایسے خطرناک مہلک معاشی  
 جو فرار کے نکلنے کے لئے مسلمانوں کو اگر کچھ علی دشواریاں پیش آجاتی ہیں تو چاہئے کہ اپنے فطری  
 نکتہ کے استحکام کے لئے اسے جو غریبی برداشت کر لیا جائے۔ کچھ مذہب ہیں کہ ماہ میں نہیں بلکہ ہفت روزہ  
 کے دو سو سو پہلوؤں میں جی اپنے آئیڈیل کی حفاظت کے لئے لوگ اس سے جی زیادہ دشواریاں  
 خندہ و جینے کے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔

اسو اس کے ایک قصہ اور بھی ہے کہ اس قسم کے مسائل کا تعلق اگر ایک طرف ہو اسے  
 ہے تو اسی کے ساتھ اسلام کے بعض دوسرے اصول بھی الٹی پراخ انداز چلنے میں اور کو ایسے مسائل کا  
 عمومہ ماذکور ہو اسی کے باب میں کیا جاتا ہے۔ اس نئے نوگ طرف اسی نقطہ نظر سے ان کو دیکھتے ہیں  
 لیکن اگر ان کے سامنے ان مؤثرات کو بھی واضح کر دیا جائے تو شاید دشواری ہی جتنی محسوس کی  
 جاتی ہے وہ باقی نہ رہے۔

مشابہی سونے چاندی کے خردق اور زہرات و خرو کے خرید و فروخت کا مسئلہ ہے جس میں کوئی شر نہیں کہ مساوات اور تقابض یعنی دست بردستی لینے کی دونوں قیدوں نے ان کی خرید و فروخت میں ضرور دخاوی پیدا کر دی ہے۔ لیکن یہ دخاوی اس میں یکوں پر دیا کی گئی کیا مرقع رہا اسے بچے کیلئے؟ بظاہر یہی خیال کیا جاتا ہے لیکن کاش اسی کے ساتھ لوگوں کو اسلام کے اس منہ نظر کا بھی علم ہوتا جو سونے چاندی کے خردق اور زہرات کے متعلق وہ رکھتا ہے دینے پہلے بھی ہونا نہ سمجھا ہو۔ لیکن اب تو یہ مسئلہ فکر تبادہ امت کے درجہ کو پہنچا ہوا ہے کہ سونا اور چاندی جو جینی آدم کا ایک جینا یا خوراک چارہ قیمت ہے ان کو مالی مبادات کا واسطہ بنانے کی جگہ مقصود و اہانت بنا کر زہروں اور برحقوں کی شکل میں مستہ کردہ دنیا ملک کی معاشی ارتقا میں بدترین سنگ راہ کو حاصل کرنا ہے۔ ایک ہندوستانی معاشی اپنے خلس ملک کا نوحہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

ہندوستان کی قدرت پسندی اور جہالت بھی اس ملک کی غربت کی بہت کافی حد تک ذمہ دار ہے۔ ہندوستان میں جس قدر بھی دولت موجود ہے اس ملک کے باشندے اس کا صحیح استعمال نہیں جانتے ان کی دولت یا تو بزدلانہ کی شکل میں ان کی محورتوں کے گلے کا ہار بن گئی ہے یا دھینوں کی صورت میں زمین کے نیچے بڑی ہوئی ہے۔“

پھر اس غریب ملک میں تزیور اور ظروف نے معاشی آب حیات کے اس بحریہ عالم کو جس مقدار میں بخیر کر کے بیکار کر دیا ہے اس کی رپورٹ دیتے ہیں۔

اس میں سناٹا  
لما سے ان کی ایک گونا جازت دی گئی ہے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس باب میں جو ارشاد  
ہیں اور مختلف اوقات میں آپ نے عورتوں کے زیور کے متعلق جو طرز عمل اختیار کیا ہے اس سے  
خفاہ مبارک بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں بھی ملک کے اس سرمایہ کو اپنے لئے کالوق ہاتھوں کی  
پٹریاں نہ بنائیں تو بہتر تھا۔

پالیت اہلی لم یحل لہن حب  
کاش میری ہمت ہی مرد ہو یا عورت  
(مسند احمد)  
سوئے کا زیور نہ پہنتی۔

ہر آپ کی مشہور حدیث ہے جس میں مردوں ہی کے متعلق نہیں بلکہ ہمتی جس میں عورتیں بھی داخل ہیں۔  
تت کی گئی ہے کہ سوئے کا زیور استعمال نہ کریں تو اچھا تھا۔ قطع نظر اس روایت کے جس میں ایک صحابی  
ام علیہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کے لئے سوئے کے زیور کی اجازت  
چاہی گئی تو

خانی علیہ السلام  
مصلیٰ فرید سلم نے اس سے انکار کیا۔

ایک اور عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوئے کے مختلف زیوروں کا نام لے لے کر پوچھا شروع  
کیا کر کیا اس کی اجازت ہو سکتی ہے؟ لیکن ہر ایک کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیار  
(انگل کا زیور) ہے فرماتے رہے، عورت پھر بھی عورت تھیں فطری جذبہ پر اہلی سمیت چٹ پٹا  
نہ پھسکی اور یوں لیں،

ان المراءۃ اذا لم تقرب  
عورت جب اپنے شہر کے شہنشاہ کا  
نزدجھا صلفت عندہ  
نہیں کرتی تو اس کی نگاہوں سے اتنا ہی  
لیکن اس پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے من بروی صاحب کو جواب دیا تھا وہ یہ تھا۔  
ما یمنع احدکم ان یضع  
تم عورتوں کو کس چیز نے اس سے  
قرطین من فضة مثہ  
روکا ہے کہ چاندی کی دو بائیاں پہنے  
تضعف بزخرفہ ان او  
کان میں ڈالیں موراں کو زخرفہ یا  
بعید ہیں۔  
زردی کی جھلک پیدا ہو جائے۔

اور یہ حال تو سوئے کے زیورات کا ہے چاندی کے زیوروں پر اگرچہ عام عورتوں کے متعلق زیادہ  
سخنی نہیں منسرد مائی گئی۔ لیکن آپ کے خفاہ مبارک کا اظہار اس مشہور واقعہ سے ہو سکتا ہے  
کہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا جیسی جنتی پیش کے گھر میں بھی آپ نے چاندی کے زیوروں کا ذکر  
جی پسند نہ فرمایا اور حضرت ثویبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ

یا ثویبان اشترکھا طہ قلاۃ من  
عصیب و سواہ من حاج  
قرآن افانہ کے لقمہ پھیل کر ایک بار بار  
فی ذلک کے مدد گئی فریاد کر لے آؤ۔

اس میں سناٹا  
بہر حال اگرچہ خفاہ اسلام نے قانونی طور پر ظلال و نقوی زیورات کی حرمت کو صرف  
مردوں تک محدود رکھا ہے۔ لیکن بھائے قانون کے اگر مسلمان اپنے سینے کے خشا اور زردی پر زور  
کرنے پر آمادہ ہو جائے تو عورتوں سے بھی زیور کا قطع تمام ہو جاتا مگر انھوں نے ایسا نہیں ہوا۔ تاہم  
اسلام نے فراخ عورتوں کے لئے اگر سوئے چاندی کے زیور کو ممنوع نہیں کیا ہے۔ لیکن سوئے  
چاندی سے مکہ کے سوا جو چیزیں بھی بنائی جاتی ہیں خواہ وہ زیور ہوں یا برتن ہوں یا کچھ اور چل  
ان کے خرید و فروخت کی مشکلوں میں ایسی دشواریاں پیدا کر دی ہیں کہ اسلامی نظام معیشت رکھنے  
والی قوم میں انسانی کے ساتھ ان کا ہٹن نہیں ہو سکتا۔ مندرجہ بالا چند فقہی صورتیں جن میں فقہی سے  
فقہی زیور کی ناکر ترین محسن کاریاں بالکل بے قیمت ہو جاتی ہیں جس کا حاصل بالآخر یہی ہو سکتا ہے  
کہ اس قسم کی چیزوں کا بہت ہی ترک جائے گا اور یہی اسلام کا مقصد ہے۔ پس اصل یہ ہے کہ یہ دھوپا  
جو بظاہر حرمت (یعنی سوئے چاندی کے ہتھوڑوں) میں نظر آتی ہیں وہ پیدا ہوئی نہیں ہیں بلکہ میرے خیال  
میں قصداً پیدا کی گئی ہیں۔ جس کی بنا پر اسے زیادہ معاشی رنگوں کے اس خوب حیات کے انجام پر  
ہے اور گونا گونا نظر میں دشواریاں ہیں۔ لیکن خور کیا جائے تو ان ہی دشواریوں میں دروس علم و فہم  
معاشی آسانیاں پوشیدہ ہیں۔ اسی طرح ربو کی بعض دوسری شکلوں میں بھی جو کچھ عید کی محسوس  
ہوتی ہے اس کا نقل بھی ربو اسے زیادہ اسلامی تعلقات کے (دوسرے ابواب) ہے اگر ان مسائل پر  
خود کرتے ہوئے ان ابواب کو بھی پیش نظر رکھ لیا جائے تو پھر کوئی عیدگی باقی نہیں رہتی مثلاً اسی  
سلسلہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس باریک چاول ایک من ہیں، وہ سوئے چاولوں کے  
دو من سے اسے بدن پہا جاتا ہے لیکن وہی برابر جتنا چاہیے کہ حکم کے تحت وہ جیو رہے کہ ایک من  
باریک چاول کے محض میں ایک من ہی من سوئے چاول لے۔ اغانہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کو ہی شخص  
ہو گا جو اپنا ایک من باریک چاول دے کر خواہ مخواہ کسی سے سوئے چاول ایک من لے گا اسی حکم ایک  
صورت مجھ کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب پیش آئی تو آپ نے حکم دیا کہ  
بھائے بدلتے کے پرکھتا چاہیے کہ ادنیٰ قسم کے مجبور پر دینے ہائیں ان پھر اس کے پیسے سے عید کا مجبور  
خرید لیا جائے۔ بظاہر اس میں بھی ایک اصول عمل نظر آتا ہے۔ لیکن اگر ایک ہی جنس کی دو درجہ کی چیزیں  
یا ہی تیار نہ زیادتی کی اجازت دے دی جاتی تو پھر دو چاندیوں تک میں آدمی فرق یا سانی نکال  
سکتا ہے کہ میری چاندی چھ نکاحی درجہ کی تھی اس لئے ایک تول سے دو تول لینے میں کیا حرج ہے بلکہ  
خدا بدوہوں میں بھی جلد جریاں گئے تو اسی قسم کی نیر اندازی کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے اسی لئے ایک جنس کی دو چیزوں میں نیز کے فرق کو سود کے معاملہ میں ناقابل لحاظ قرار دیا اور  
ساق فطرتوں میں اعلان کر دیا کہ

جعیل ہا و س دیا سوا  
(بخاری)  
ایک کی عمدہ اور دوسری قسمیں دونوں  
برابر ہیں۔

جس سے غرض نہیں ہے کہ واقع میں ان چیزوں کے اقسام میں فروں کا تفاوت نہیں ہوتا بلکہ  
متعدد ہے کہ اگر اس فرق کی بنا پر زیادتی کی اجازت دیدی جائے گی تو لوگوں کے لئے سود خوار کی  
باہر کھل جائے گی اور اسلام اس کے چھوٹے سے چھوٹے سود خوار کو سخت ترین دلوں سے بند کرنا  
چاہتا ہے۔ ربہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شورہ

بیع المتسرع بھا آخر مشہور  
مکمل و اعلیٰ قسم کا ہے اسے ایک دفعہ  
اس کا لغت سے اچھے کجور فرید۔

اس میں اگرچہ ہر ایک گورڈ و خوار میں فرو ہے۔ لیکن جہاں تک میرا ذوق خیال ہے اس میں فرو صاف  
کے ایک خاص پہلو کی طرف بھی لوگوں کی توجہ دلائی جا رہی ہے جو اسے کہہ سکتا ہے کہ جو ایسے مالک جن کا  
قہر و حسرت سے زیادہ شوق نہیں ہوتا ان میں چیزوں کی بجائے سکوں سے خریدنے کے چیزیں  
سے چیز کے لین دین کا دستور عموماً جاری رہتا ہے۔ ابن قیم کا خیال ہے۔

لا یمسا اصل العود الا لعودی  
خانیات قلوب الطعما بالطعام  
خود شایع نہیں رہنے والے اور  
حور کے باشندے وہ لوگ فکر  
عموماً غلوں سے بھرتے ہیں۔  
(اسلام صفحہ ۲۰۵ جلد ۱)

اسلام سے پہلے عربوں میں بھی عام طور پر چیزیں سے چیز خریدنے یعنی بہ طریقہ BARTER یا فاقی اصطلاح  
میں متبادل کا دستور تھا اسلام ان ذرائع سے تبرک اس رواج کو بھی گھٹانا چاہتا تھا۔ علماء و صافیا  
جانتے ہیں کہ معاشی اور تجارتی تبادلہ EXCHANGE کے اس طریقہ کے بدل دینے میں کتنا دخل ہے۔  
چاندی کا تبادلہ چاندی سے اور سونے کا تبادلہ سونے سے برابر برابر۔ اس معاشی نظریہ  
جہاں استدوار اور دولت کے انجماد سے قلع ہے میرا یہ خیال ہے کہ اس کے ایک اور بات بھی  
مقصود تھی جس کی طرف انھوں نے نہ دیکھا اب تک تو یہ نہیں کی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ حکومتوں کے ممکن سکوں میں عدم مساوات کی وجہ سے بناوٹی کا جو دستور  
پایا جاتا ہے اشتقاقی حکومت افسر کے سکے سے اگر کوئی اگر بڑی سک کو خریدنا چاہے تو سو روپے اگر بڑی  
کے معاوضہ میں سو روپے فریہ علاوہ سو روپے کے دینے پڑتے ہیں اور بناوٹی کا یہ جھانڈا لے کر  
بھی باقی نہیں رہتا کسی بھی بجائے سو روپے کے سترہ سترہ اشارہ اشارہ روپے تک زیادہ  
دینے پڑتے ہیں۔ کسی گھٹ کر بناوٹی کا یہ قصہ پندرہ اور چھ روپے تک آتا ہے جس سے یہ ثابت  
ہوتا ہے کہ بناوٹی کی زیادتی اور کمی کا دارم صرف اس چاندی یا سونے کی کمی اور زیادتی پر مبنی نہیں  
ہے جو وہ ممکن حکومتوں کے دو مختلف سکوں میں پائے جاتے ہیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے  
دو حکومتوں کے ایسے دو سکے جن کی چاندی اور جن کا سونا برابر ہوتا ہے، ممکن اسباب کے زیر اثر  
ان میں بھی کمی (تبادلہ) کے وقت مساوات بناوٹی اور اگر ناپڑتا ہے۔ ایک حکومت کے قریب  
دوسری حکومت کے قریب میں آمد و رفت رکھنے والوں کو بھی اور تجارتی کاروبار کرنے والوں کو بھی بناوٹی

ان جگہوں کی وجہ سے ضرورتاً نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں بلکہ ایک ہی حکومت کے ایسے دو علاقے جہاں  
دو مختلف قسم کے رقعے ہیں وہاں بھی بناوٹی اور کمی کی وجہ سے خسار یا پائی جاتی ہیں۔ مدت ہوئی  
یعنی ۱۹۲۵ء میں مصر کے مشہور صلی علیہ اہلال (عربی) نے فروری کی اشاعت میں ایک مضمون شائع کیا  
تھا مضمون نگار نے جو کچھ ایک آئین (انجمن اقوام) کے اعلانات کو پیش نظر رکھ کر یہ تجویز  
پیش کی تھی کہ

یکون ایجاد اتفاق توحید  
الانفقد الا ساس عند  
الامام  
یعنی (انجمن اقوام) کی وجہ سے اس کے  
پیدا ہو گیا ہے کہ کوئی ایسا ساس ہو  
بنیادی سک پیدا کیا جائے جس پر دنیا

کی قوموں کا اتفاق ہو جائے اور سارے جہاں کے باشندے اس پر متفق ہو جائیں۔  
اگے چل کر اس کا مشورہ دیتے ہوئے کہ مریک کے ڈالر کو ساسی مگر تائی لیا جائے اسی نے لکھا تھا کہ  
لکھی بینک انتلا حب من حيث  
العیاسر بحیب اویسیک اللہ  
مسکة واحدة فی مصنع  
واحد حق بیقی عیاسر  
واحد عند الامام  
سکوں کے معیاری اختلافات کی وجہ  
سے جو مکمل کیلئے جا رہے ہیں اس کے  
استدوار کی بھی شکل ہے کہ ڈالر کو ایک ہی  
سک جو ایک ہی سال میں ڈھلا جائے  
بنادیا جائے تاکہ دنیا کی ساری قوموں  
میں ایک ہی معیار کے سک کا پلن ہو جائے۔

اسی مضمون میں یہ بھی ہے کہ آج ممکن ملک اور حکومتوں کے ممکن معیار والے سکوں کی وجہ سے  
حالیہ ہے کہ

لا یدرسای ما یاقی الغند  
یعنی بازار میں کسی ملک کے سک کا جواز کی باقی رہے گا اس کا بابت بہت دشوار ہے۔  
مثال کے یوں سمجھا جائے کہ

قد یشترى ایوم واحد مسلح  
فریسا و بحیب حال الغند  
والد ولاسر فیحد انه قدیم  
لانه لیشتر حاص  
امریکا مثلاً غلامیکادیم حنی  
علی تانج شلٹہ اسبوح حنی  
بحسب حسابہ ثانیاً و عیدانہ  
خطا و کل الخطا و لا اعتادہ  
یعنی ایک شخص کوئی مال فریض میں ل  
یتا ہے اور فریک (سک فریض) وغیرہ  
اسکا امریکہ دونوں کا حساب کر کے  
خیال کرتا ہے کہ وہ فتح میں ہے کہ  
کہ ٹکڑاں اس سے امریکہ میں نہیں بنایا  
ہے، لیکن ایک ہفتہ بھی اس مال کی  
خریداری پر گزرتے نہیں پاتا کہ ایو  
دوسری دفعہ حساب کرتا ہے تو پتا ہے

علی السوق الفنیہ ہلا  
من الامریکہ  
ہم نے سخت غفلت کی کہ یہاں سے امریکی بازار  
کے فرنیچر بازار پر اس نے اتحاد کیا۔

پھر محل سکون کے اس اختتام کی وجہ سے دنیا میں مصائب کو سبک تو رہی ہے اس کا علاج یہاں سے  
شکار کے لئے لکھا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تمام سکون کا وزنی و معیار سب ایک کر دیا جائے  
اپنی اس تجویز کا نام اس نے ٹکڑے توجید نقد ساسی رکھا ہے، آخر میں غفلت کو ختم کرتے ہوئے لکھتا  
ہے کہ نقد ساسی کی توجید کے نظر پر اگر اقوام عالم کا اتفاق ہو جائے تو،

وحدت فی العالم علی یقینہ	دنیا میں یقین دیکھو اور دنیا کا طریقہ کار
التعامل و تسہلت بذلک	عالم میں ایک چہ جائے گا اور اس کی وجہ
التجاسرۃ و تر و ال صغیر	سے تجارت میں بڑی آسانی یا پیدا
من الملتاثرات فی تعاملھا	پیدا کی اور بہت سے مسائل سے نکال
التجاسر و سائر الناس فی	جو چاہے اسے قبول کرے اور ان کے دلائل
غش و السماسو فی تحویل	کا وجہ سے برداشت کرنے پڑے ہیں
النفوذ و شل شھا و بیعھا	بین سکون کے اول بدل میں ایک کچھ

میں جو غریب پال اور دھک دینے ہیں اس سے دنیا محفوظ ہو جائے گی۔

کیا یہ سارا مشورہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک الذہب بالذہب والفضۃ بالفضۃ  
سواء بسواء مثلاً بمثل کا ترجمہ نہیں ہے تفصیل کے لئے دیکھئے پہلا سفر فروری ۱۹۲۵ء

اس کے سوا بھی سکون کے پیچھے سے فائدہ اٹھا کر موجود زمانے میں حاکم اقوام نے محکوم  
قروں کے ساتھ جو مظالم جنگ عظیم کے بعد کافی مافات کے لئے توڑے تھے ہندوستان کے سپاہیوں  
اور سپاہیوں سے در دے اس افشار کی داستان سننی چاہئے تاکہ دو لاکھ نہیں مرنے آج بھی کے مقابلہ  
لے کر ڈولوں بلکہ مبالغہ نہ ہوگا اربوں کا دارا بنایا گیا ہے، جن کی تفصیلات شاید علماء مسابحات  
بتا سکتے ہیں۔

حالانکہ بنی آدم کے تمام افراد ایک ہی آفتاب ایک ہی ہوا ایک ہی پانی ایک ہی مٹی سے  
خلق مشافہ ہیں مگر کسی کی اس طرح بڑی سونے سے استفادہ کے حق کو بھی اگر مانگ کر دیا جائے تو  
اس میں دنیا کا کیا گڑھا ہے۔ حکومتوں کا اپنے اپنے سکون پر مخصوص علامات کی فائز کے جذبہ کی  
اگر تمکین بھی مقصود ہو حالانکہ بجز ایک وجہ جو سنا کی کے شاید چنداں مادی فتنے اس کا کیا ہے  
لیکن یہی تو ہر حکومت اپنے امتیازی نشان کو سکون میں قائم رکھتے ہوئے ان کے اوزان  
اور جو کوٹ جایا ہے اس کو سادگی کے کسی زمینوں پر بغیر اگر کچھ ناقابل عمل نظر آتی ہو تو شاید اس کے کچھ  
اسباب بھی تھے۔ لیکن اب جبکہ زمین کی طباقوں کو قدرتی قوانین کے چند نئے انگشتانے نے کھینچ کر  
اس طرح ملا دیا ہے کہ اب ایک ملک ہی نہیں بلکہ کوہ زمین کے تمام ممالک تقریباً ایک ہی پانی یا پودے سے نیا

ایک بڑے شہر کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ رات کو جو واقعہ انگلش میں پیش آتا ہے صبح ہر غنیمت  
جدد آباد میں اس کی خبر گھر گھر پہنچ جاتی ہے۔ اواب قوبات اس سے بھی کہیں آگے بڑھ گئی ہے  
جو چھ مہینے میں جو راستہ آج سے سو سال پہلے لے ہوتا تھا کل چند گھنٹوں کا فاصلہ بن کر رہ گیا ہے  
گویا ایسی صورت میں سکون کے ہم وزن جوئے پر اگر حکومتیں بین الاقوامی سادہ کے طور پر رشتہ  
کر لیں تو گویا اس کے ہر مٹی ہوئے کو کسی شہر کے چند مہر مٹوں یا شہر کے محلے کے چند مہر دے لے  
کس مسئلہ پر اتفاق کر لیا ہے۔ عوامیت کے موجودہ ذرائع سے جب دنیا محدود مٹی پر غیر منصفانہ  
طریقے جب اس وقت پر تجویز دنیا میں پیش فرمائی تو اس وقت تو اس تجویز کو کلی باس میں  
پہلے کی نسبت سے آسانی بلکہ آسانی تر ہو چکا ہے۔ لیکن یہی غفلت (عام انسانیت کی خدمت کو کسی کا  
مستحب برفرض ہے) اسی قسم کے بلند بانگ دعووں کے بلند کرنے والوں کی زبانوں پر جو کچھ ہے  
کاش وہ دلوں میں بھی ہوتا جو اپنے کو سب کے لئے کہتے ہیں، لیکن سب کو جو اپنے لئے کہتے ہیں  
ان کے فاسد اغراض کیسے پورے ہو سکتے ہیں۔ جب آپس کے مقابلہ دینے کی یہ چال ان کے ہاتھوں  
سے چھن جائے گی۔ ان کا فائدہ تو اسی میں ہے اسی راہ سے تو ان بڑی پھیلوں کو چھوٹی پھیلوں  
کے نیچے کا موقع مل رہا ہے اور ان بڑے درختوں کو چھوٹے پودوں کے جہانے کی آسانیاں  
فرہم ہو رہی ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دوسروں کے بھی اسی طرح پیغمبر ہیں جیسے ہمارے  
لئے ہیں، انہوں نے انسانیت کی عام فلاح و بہبود کی ایک تجویز پیش کر دی ہے۔ آدم کے بچوں  
میں ہمت ہو تو وہ اس تجویز کو مان کر آپس کے گرداب سے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھ ساتھ  
نسل انسانی کو نجات دلا سکتے ہیں، وَلَقَدْ عَلَّمْنَا الْبَشَرَةَ مَعْلَمَاتٍ ذَلِكُمْ ذَمَرْنَا۔

**شغل اصل** | اب اس مسئلہ میں ایک آخری بات یہ رہ جاتی ہے کہ اسلام نے سودی کاروبار کو  
جب اپنے معاشیاتی نظام سے قطعاً خارج کر دیا ہے تو سوال جو ہے کہ ملک کے جن افراد کے  
مصارف سے آمدنی کی جو رقم پس انداز ہو جاتی ہے۔ آخر وہ اس کا کچھ استعمال کیا پیدا کریں یا سوا  
اس کے یہ بھی مسلم ہے کہ جس طرح موجودہ زمانہ کی قارونی مصارف والی کیمانی اور سائنسی باتوں کی  
ذمہ داری اگر ان سہولتوں پر عائد ہوتی ہے جو سود کی وجہ سے فراہمی میرا یہ ہیں پیدا ہو گئی ہیں تو اسی  
کے ساتھ اس کا بھی اٹھا کر نہیں کیا جاسکتا کہ آج دنیا کی ساری صنعتی ترقیاں جو کچھ پیسہ مانے کی  
پیداواروں پر مبنی ہیں، بہت کچھ ان ہی آمدنیوں کی زمین منت ہیں جو سود کی بدولت آج دنیا کو  
حاصل ہیں۔ سودی کاروبار کو یک فلم بند کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ساری یکسانی اور صنعتی چیل پیل کا  
بازار یکساں کر دیا جائے اور دنیا بھر اس جدت تاریک کی طرف واپس چڑھ جائے جس میں بہائے  
بھلی کے غفلتوں کے مٹی کا ریا اور بھائے قیادوں اور سببوں کے ویل کی گاڑیوں پر آدمی  
راستہ لے کر تھا۔

بلاشبہ یہ دونوں سوالات قابل غور ہیں، اگر اسلام کا معاشی نظام راہباز نظام ہوتا تو



اسلامی معاشیات  
بکائی کہ دیا جاسکتا تھا کہ ہمسایہ بھانے کی ضرورت ہی کیسے ہوگی کہ کھانے کی فکر کرنا پڑے۔ عیسائی مصارف کے ہیں، اخذ کر کے اسکا اصول ہی غلط ہے۔ یا دنیا کو ریل و سولہ برق و گیس ہی کی ایک ماحولیت اور بعض جو گناہ ظنوں کو یہ کہتے ہوئے پایا بھی گیا ہے۔

گرمیوں میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اور آئندہ دخل کے صرف یا خرچ کا باب جب آئے گا اس میں بھی بتایا جائے گا کہ یہ اسلامی نقطہ نظر سے اخراجات جو مکار حقوق و مطالبات کے ادا کرنے کے بعد اسلام مال کے جمع کرنے یا رقم کے پس انداز کرنے کا محتلف نہیں ہے۔ بلکہ آئندہ معلوم ہو گا کہ ایک حد تک اس کا ایک معاشی منہج ہے۔ اسی طرح اسلام کی غلط تر جانی ہوگی۔ اگر کائناتی اشیاء اور قدرت کے منتہی قوانین سے استفادہ کے متعلق یہ ثابت کیا جائے کہ اسلام اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا جس دین کے پیغمبر نے جہودوں کی ایک مائیس کو مبینی جنگی ضرورت کے لئے دھنکھنے کی اپنی اور اپنے اصحاب کی سنت قرار دی ہے، جس نے تینوں اور دنیاویوں کے استعمال کو حرب میں منع کیا ہے، بجا بے بے بلی مکی (انارک) کے ایران کے مرادوں (پانچواں) کو پسند کیا ہے اور جس نے کھن اور قریب میں جس کار کی تعلیم دی ہے اس کو جدید صنعتی ترقیوں کا محتلف آنکس بنا کر قرار دیا جاسکتا ہے واقعہ یہ ہے کہ ربو کے حرام کہنے والے اسلام کے پیش نظر دو فہم مسالوات تھے اور

جہاں تک میں خیال کرتا ہوں ان دونوں کا جواب اسلامی معاشیات میں موجود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے مصارف سے بچے جوئے یا بھانے ہوئے سرمایہ کو جو فوٹ سود پر بنانے میں عموماً وہ بھی فوٹے ہیں کہ اپنا سرمایہ کسی دوسرے کے حوالہ کر دیتے ہیں اور اس خود پر حوالہ کرتے ہیں کہ اس سرمایہ کے منافع میں قودہ اپنے کو خریدا رکھتے ہیں، لیکن نقصان کے تمام پہلوؤں سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے ہیں بلکہ جیسا کہ بیان کر چکا ہوں کہ ان کا سرمایہ بھی ہول کا توں اپنی تمام ذاتی و معاشی خصوصیات کے ساتھ محفوظ رہتا ہے اور جنہیں یہ سرمایہ حوالہ کیا جاتا ہے ان کو فتح چرنا نقصان اس سے بالکل بے تعلق ہو کر اپنے مشروط منافع کو بھی قانون کے زور سے اپنے استوار اور مضبوط طریقے سے اس طرح پر بکڑے رہتے ہیں کہ ان کے فتح کا ایک پیسہ بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا بلکہ سود و سود کی فیکٹوں میں تو صرف اصل سرمایہ کے منافع ہی نہیں بلکہ اس کے فتح کا بھی ہر دینہ پیسہ اور ہر پیسہ روپیہ روپیہ افزایاں مسلسل نیز کسی انتفاع کے بنتا چلا جاتا ہے، جس کے عیرت اخیر برائیاں فی تہیک پر دینا نے اکثر سردہا ہے۔ سو سو روپے کے معاوضہ میں ہزار روپے سود و سود بعض اوقات لاکھ لاکھ روپے تک لوگوں نے وصول کئے ہیں۔ حقیقی رچ و رٹوں میں اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ ایک ہی ملک ایک ہی قوم بلکہ ایک ہی قوم بلکہ بسا اوقات ایک ہی محلہ اور ایک ہی گھرانے کے چند افراد کے مصارف سے بھی ہونے والی رعایت کا قودہ اتنا زبردست کام کرتا ہے کہ صرف اصل رقم ہی نہیں بلکہ اس رقم کے منافع اور منافع کے منافع تک پر

اسلامی معاشیات  
خرپ و تنگ کے جو دوسرا پختی گزری گزائی رکھی جانتے، لیکن اسی ملک اسی قوم اسی شہر اسی محلہ میں اسی گھرانے کے جس آدمی نے اس رقم کو ضرورت میں لگا یا شب و روز کی سلسلے محنتوں سے اس کے ذریعہ سے کچھ فتح حاصل کرنا چاہتا ہے، اس خرپ کو بھی قانونی اتنا لاوارث اور بے کسی کے محال میں چھوڑ دیتا ہے کہ خواہ اس پر آسمان ٹوٹے و پھاڑ کرے، کچھ بھی گزر جائے، لیکن اصل رقم کے ایک ایک پیسہ اور اس کے منافع و درمنافع و درمنافع کے ایک ایک پیسہ کا اسے ذمہ دار نہیں پایا جاتا ہے کہ جہاں سے جو جس طرح سے چاہے مصارف سے جن لوگوں نے یہ زائد رقم پس انداز کی تھی ان تک دام و دام پہنچاتا چلا جائے۔

دینا کے قانون نے اگر اس کا لانا بے جا طرہ ذاری کو جائز رکھا ہے تو قیام کو اس دنیا میں ہر نظم کے اختیار رکھنے کا اقتدار حاصل ہے۔ لیکن اسلام سے اس یک طرفہ یک جہی، جہوداری کی توقع فضول ہے۔ اس نے اس لئے اس راہ کو ترسود کر دیا، لیکن اسی کے ساتھ اپنے مصارف سے ملک کے جو باشندے کچھ سرمایہ پس انداز کر سکتے ہیں، ان کے لئے اگر محض اس راہ سے اپنے سرمایہ سے استفادہ کے طریقہ کو اس نے قانوناً جرم اور ظلم قرار دیا ہے تو کوئی کہتا ہے کہ ہر اس سرمایہ کے استعمال اور اس استعمال سے استفادہ کی کوئی دوسری صورت بھی باقی نہیں رہا اسلامی معاشیات کے نظام نامہ کو پڑھیے اور دیکھیے، اس نے ایک نہیں بلکہ بیسوں ماویں اور محمول دی ہیں جن کے ذریعہ سے اس پس انداز سرمایہ کو آمدنی کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔ حرکت ہی کے ایک باب کو فقہ میں اٹھا کر دیکھیے تو ایک نہیں، متعدد شکلیں مختلف حالات کے لحاظ سے فقہاء نے بنی ہیں کہ ایک یا ایک سے زائد آدمیوں کے ساتھ خریدا ہو کر اس سرمایہ کو مختلف کاروباروں میں لگایا جاسکتا ہے۔ شرکت حنائی، شرکت منادہ، شرکت دجہ، شرکت نقل، ان کے سبھی اور شکلیں ہیں جن میں اپنی اپنی سہولتوں کا اندازہ کیے کے آدمی اس پس انداز سرمایہ کو لگا سکتا ہے، شرکت ہی کی ایک شکل مضاربت یا قراض ہے، یعنی ملک کے بے سرمایہ افراد کو سرمایہ دار لوگ سرمایہ دے کر کاروبار کریں اور باہم منافع کو تقسیم کر لیا کریں، سرمایہ دار کو سرمایہ کا اور بے سرمایہ والے خریدا کو محنت کا فتح ملے گا، چھ گنہ فہ کے مطلوب ابواب ہیں، اس نے تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے، لیکن قدر مشترک ان تمام مسالعات میں وہی بات ہے کہ جب سرمایہ لگائے والے منافع میں خریدا میں تو نقصان میں بھی ان کو خریدا رہنا پڑے گا، اور چونکہ شرکت کا معاملہ بھی ایک سے زیادہ آدمی کر سکتے ہیں، اسی طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی بے سرمایہ آدمی ایک سے زائد سرمایہ داروں سے سرمایہ لے کر کاروبار کر سکتا ہے، جس کے قیود و شروط فتح کی کتابوں میں تفصیل موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہر پانچ گیارہ پیداداروں کی بھی کافی گنجائش مل آتی ہے، اس ذریعہ سے بڑے بڑے سرمایہ جمع کیا جاسکتا ہے اور بڑے سے بڑے کاروبار کا اسی ہے اور مسالعات میں پیشہ سے بڑی و بھری تہارتوں اور صنعتوں میں یہ مسالعات کر دیا کر دے روپے کے سرمایہ سے جاری تھے جن کے متعلق

اسلامی معاشیات  
تاریخی سے بڑا سرمایہ فراہم کیا جاسکتا ہے۔ یہاں یہ کہنا کہ سود کے روک دینے سے ملک کے پس انداز سرمایہ سے استفادہ کی کوئی دوسری صورت باقی نہیں رہتی یا پیدا شدہ سرمایہ کی روک تھام کے امکانات کا دروازہ مسدود ہو جاتا ہے، قطعاً غلط ہے۔

اسو اس کے ملک کی ایسی ضرورتیں جن کی تکمیل پیداوار پر یا دیگر ذریعہ سے ہو سکتی ہے، اس کے متعلق اسلام نے خود حکومت کو بھی مشورہ کیا ہے کہ رعایا کی سہولت کے لئے اس قسم کے کاموں کو خود حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے اور بیت المال کی مدد خرچ و عشر و خیر سے ان کی پابجائی کی جائے، مثلاً دریاؤں سے نہروں کا نکالنا، شہروں کا بنانا، پل بائنا وغیرہ جس کا ذکر حکومت کی آمدنی کے مسئلے میں آئے گا،

پھر حال پر انداز سرمایہ سے جو مادی فلاح چاہتا ہے اس کے لئے تو اسلام میں کوئی بلا صورتیں رکھی گئی ہیں، لیکن ایسے لوگ جن کے نزدیک فلاح صرف وہی نہیں ہے جو مادی فلاح میں اسی زندگی میں آدمی کو مل جائے۔ بلکہ ان کی نگاہیں بلند ہیں اور اس زندگی کے سماں زندگی کے دوسرے اطوار اور دوا میں جو فلاح آدمی کو پہنچ سکتا ہے، اسے بھی وہ فلاح ہی سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت کی دوسری رعایا سے نہیں تو مسلمانوں کے ہر فرد سے قرضیتا اسی کی توقع کرنی چاہیے ایسے لوگوں کے لئے پس انداز سرمایہ کے استعمال کی اسلام نے ایک اور صورت بھی نکالی ہے۔

یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اپنے اس سرمایہ کو خیرات کر دیں اور لوگوں میں اس میں انداز سرمایہ کو بانٹ دیں، یہ تو خیر ایک عام فلاح ہے اور اس کے لئے کسی خاص مشورے کی کیا حاجت ہو بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اقوال جو کسی بھی آپ سے ارشاد ہوئے ہیں کہ  
یا نبی! احسن کلمۃ یمسح علیہا ملک  
فیقول: ھذا صدقۃ شہد  
یفعل: یمسکف الناس۔  
اور لوگوں کے سامنے یہ بات چلیا ہے۔

اس میں تو مصارف سے بچے ہوئے کل سرمایہ کے خیرات کو لینے کی غرض فرمائی گئی ہے، اس بنا پر مسلم نے خیرات کو لینے کے سوا ایک اور صورت ایسی نکالی ہے کہ مصارف سے بچا ہوا سرمایہ لوگوں کا مصروف بھی رہ جائے اور چاہیں تو باوجود اس کے اس سے زندگی کے دوسرے مقامات و حالات میں فلاح بھی اشاعت کیے ہیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ لوگوں کا عام خیال یہی ہے کہ جس طرح غریب و محتاج کو ایہ اجارہ و خیرہ سارے کاروبار دنیاوی معاملات ہیں اور ان کا شمار خیرات و صدقات کے ذیل میں نہیں کیا جاتا، اسی طرح سمجھا جاتا ہے کہ قرض کا لین دین بھی ایک خالص دنیاوی کاروبار ہے اس لئے قرض دینے والے کو جب کہا جاسکے کہ تم اس پر سود نہ لو تو وہ بھرا ہوا پوتہ ہے کہ اگر اس روپے پر مجھے فلاح ملے گا، جیسا کہ میں قرضہ عرض کر آیا ہوں کہ قرض کے کاروبار میں

اسلامی معاشیات  
دینے والے کی طرف سے کسی قسم کی کوئی قربانی نہیں ہوتی، اتنا ہی جیسا کہ ایک جگہ (اکثر) پکارتے والے کی طرف سے گرایہ پر چڑھنے والوں کی راہ میں ہوتی ہے کہ جتنی دے سکی اس کا اگر چاہے اس عرصہ میں اس کے پیسے بیکار ہو جائیں تو اس کے صفات کی وہ حالت قطعاً باقی نہیں رہتی جو پینے سے پیشتر تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر دنیا میں کسی کوئی اگر نہ پانا ہوتا اور نہ خراب چھوٹا، یقیناً مسلسل ان ہی غریبوں کا چند سال کے بعد آخر میں یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اتنے کی طرف سے قرضہ دینا ہے۔

مگر قرض کا روپہ اگر دس سال بعد بھی واپس ہو تو اسی حال میں واپس چرتا ہے جس حال میں دیا گیا تھا اور روپہ کی اس خصوصیت کو وہ لوگ بھی سمجھتے ہیں جو کسی نہ کسی طرح جواز سود کے لئے اور اس کو ظلم کے دائرہ سے نکالنے کے لئے کوشاں ہیں۔ دماخوں پر بہت زیادہ زور دینے کے بعد ان لوگوں نے ایک مفہوم پیدا کیا ہے جس کی تعبیر "انتظار کشی" کے لفظ سے کرتے ہیں، یعنی بغیر موجودہ خواہشوں کے قرضے، زمانہ آئندہ کے لئے کوئی ایسا آدمی ہے جس انداز میں کر سکتا ہے۔ اب اگر آئندہ زمانے میں بھی اس غریب کو کچھ فلاح ملے پس انداز دانی رقم سے نہ ملے تو اتنے دن تک جو اپنی خواہش کے سینہ پر اس نے پتھر رکھا اور انتظار کیا کہ اس کا اصل اس کو کیا ملے گا یا اتنا اسے خواہش اور آئندہ کے قرضات کے انتظار کی جو رحمت اس کو ہوئی ایسی سود کی قیمت ہے، مادی منافع کی فوہ میں عربیہ سر کرنے والوں کی طرف سے سود کی ہر سرغیرائی اور بھلائی بہت کم، بھولنا قیمت پیش کرنی خود ان کے دعویٰ کی انتہائی کمزوری کی دلیل ہے لیکن اگر وہ قرض انتظار کشی کوئی چیز ہے اور اس کی قیمت قرض دینے والا سود کی شکل میں چاہتا ہے تو اسلام نے اس قیمت کی پابجائی کا حکم کیا ہے کہ قرض جو اب تک ایک خالص دنیوی اور مادی کاروبار سمجھا جاتا تھا، دنیوی معاملات سے اس کو نکال کر قرآن نے نیکی اور خیر، خیر و خیرات کی طویل فہرست کی کوئی معمولی چیز نہیں، بلکہ اہم ترین جزو کی حیثیت سے شریک کر دیا۔ شاید آسانی کے لئے اس میں مشرک آن ہی ایک ایسی دینی کتاب ہے جو

من ذالذی یقرض فی حق فلیسنا  
کی آواز سے گونج رہی ہے، مصارف سے رقم بچانے والوں کے سامنے قرض خواہوں کو چار فلاح ملتی ہیں جو بڑے اپنے کو لاکھ کر دیا اور احاطہ عام کر دیا گیا کہ انتظار کشی کی اجرت طلب کرنے والوں کو اجرت دینے کے لئے خود ان کا ملک  
فیضنا عنہ وامننا فاکشیرا  
اور قتالی (اس انتظار کشی کا بھی)۔  
دو دنیاوی منافع اسے حاصل ہونے لگے گا۔

کے وفادار کے ساتھ موجود ہے، مگر ان نے خیرات کی یہ ایک نئی قسم نکالی کہ خیرات میں دی جانے والی رقم یا کچھ مختص ہے جو بچے ہوئے بھی اس پر خیرات کے منافع کی توقع کی جا سکتی ہے اور توقع کیا جب قرضہ ان کی طرف سے دیا تو ان کی طرف سے خود بخود اگر دے تو اب اس سے زیادہ دینی

اسلامی مساجد  
نیک اور نیک کی ضمانت اور کیا دی جاسکتی ہے۔ اسلام کی ایک عجیب صلاحیت دینی ہے کہ قرض کو  
اس نے صرف خیرات اور نیک کی مدد میں شامل نہیں کیا ہے بلکہ قرآن کی مذکورہ بالا آیت جس کا ذکر  
اس کتاب میں ایک سے زیادہ جگہ میں کیا گیا ہے۔ اس کے سوا حدیثوں میں اس کی تشریح بھی آتی  
ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

سَلِّتْ لِقَلْبِ اسْرِي بِيْ عَمَلِيْ بِلَا  
الْمَنَّةِ الْكُتْرَا بِالْصَّلَاةِ بَعَثْ  
اَعْمَالُهَا الْفَرَقِ ثَمَانِيَةَ عَشْرًا  
(ابن ماجہ)

اسی بنا پر بعض مساجد فرمایا کرتے

لَا اَدْرُقُ دِيْنًا سِوَةَ شَرِ  
مَدْرَدِيْنًا شَرِيْفًا قَرِيْبًا احِبْ  
اَلِيَّ مَدْرَدِيْنًا قَرِيْبًا  
(منہج)

صرف یہی نہیں کہ حد تک قرض سے افضل قرار دیا گیا ہے، بلکہ اس سے بھی عجیب ذریعہ ہے کہ خیرات میں  
بھائی ایک پہلو اس کا تھا جس کا سوال کی بکلی نہیں تھی کہ رکھا ہے یعنی خیرات لینے اور عینک پر زندگی گزارنے  
کی اسلام نے خدمت کی ہے۔ لیکن قرض کو باوجود خیرات کی مدد میں شمار کرنے کے خیرات کے اس کردہ  
پہلو سے اس کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے اور اس کو مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ صرف زبان سے نہیں بلکہ کائنات  
کی افضل ترین نعمت جس نے خدا اپنے لئے اور دنیا مت تک آئے والی اپنی مثل کے لئے مدد کو حرام  
فرمادیا ہے، اسی ذات مبارک نے خود عمل کر کے اس میں بے حرقی یا کراہت کا جواز دینا تھا اس کو  
مشاورہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے،

لَيْسَ الْقَرْضُ مَسْئَلَةً وَذَلِكَ لِأَنَّهُ  
وَالْفَقْرُ عَلَى اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ  
يَسْتَقْرِضُ وَلَمْ يَكُنْ مَكْرُوْهًُا كَانَتْ  
أَجَلًا لِّلنَّاسِ مِنْهُ  
(منہج ص ۲۵۲)

تھام رہا ہے کہ مصارف سے بھرا کر لگ میں جن لوگوں کے پاس ہیں اخذ مراد ہے۔ اگر وہ اس سے  
مادی فتنہ اٹھاتا ہے تو فتنہ کے ساتھ نقصان میں بھی اپنے کو شریک کر کے وہ ایسا کہتے ہیں  
اور اسلام میں اس کی مستند راہیں کھلی ہوئی ہیں اور اگر نقصان میں شریک ہونے سے ڈرتے ہیں تو  
ان کے سرانے کو معذرت کر کے انتہا رکشی کے مسلم میں اسلام نے بھائے مادی فتنہ کی خیراتی منافع کے

اسلامی مساجد

۲۸۱

کے لئے کا وسیع میدان فراہم کر دیا ہے۔ قومیت اور وطنیت کے نشانی سرشاری کا اعادہ کرتے ہوئے جو یہ  
کہتے ہیں کہ اپنی انتہا رکشی کا مدد غیر مادی منافع کی صورت میں لینے پر کہتے آوی تیار ہو سکتے ہیں باطلی  
عجیب ہے، آخر جو رقم ضروریات سے نکالنی ہے، ظاہر ہے کہ خود دیں ہے کہ تباہی ضرورت سے  
زیادہ سختی اور سختی کیسے۔ اپنی خواہشوں کو تنہی کے پس انداز کرنا اولاً ہیئت ضروری نہیں۔ دنیا میں  
ایسے دو قسموں کی کمی نہیں ہے جن کے پاس ہر قسم کی خواہشوں کی تکمیل کے بعد بھی شکوک اور ڈرونا  
کی رقم آمدنی سے پس انداز ہر مادی ہے، ماسوا اس کے اگر خواہشوں کو ملوئی کر کے جو پس انداز کرتے ہیں  
قرعہ گاہ (mosa gah) ضروری خواہش قضا نہیں ہو تیں۔ بلکہ (دقیقت) کی خواہشوں تک یہ التزام  
محدود ہو سکتا ہے اور یہ کوئی بڑا کام نہیں ہے، بہر حال کسی وجہ سے بھی چاہا اگر کسی کے پاس ضرورت  
سے زیادہ رقم چاہی ہو تو اس میں اس کا کیا بگاڑ ہے کہ اپنے ملک اور اپنی قوم کے ضرورت مندوں کو دیگر  
پانچے کاروں کو کاروبار میں لگا کر اپنی رقم بول کی قوں واپس بھی لے لے اور اس میں سلوک کا  
خدا کے یہاں سے صلہ کی امید اس دنیا میں یا آئندہ زندگی میں کرے، آخر سوال جتنا ہے کہ قرض  
نہیں بلکہ مطلق خیرات اور چیرٹی میں جو لوگ آج بھی اور ہر زمانہ ہر ملک میں لاکھوں کروڑوں کی رقم  
دے ڈالتے ہیں ان کا تو سرمایہ اور سرمایہ کے منافع ہمیشہ کے لئے ان کے ہاتھ سے جاتے  
رہتے ہیں، آخر وہ کس بات کی توقع پر دیا کرتے ہیں، لیکن جب ان ہی لوگوں کو بھائے خیرات کے  
سود و سود پر خبر سودی فتنہ عرض دینے کے لئے کہا جاتا ہے تو بچتے ہیں کہ میرا کیا فتنہ ہو گا۔  
خیرات میں فتنہ ہی نہیں اصل سرمایہ ہی ہوتا ہے۔ اس میں تو سوال فتنہ کا نہیں پیدا ہوتا لیکن ضروری  
قرض میں اس سوال کو اٹھاتا اس فتنہ خیرات کا آخر کیا جواب ہو سکتا ہے۔ میرا فتنہ یہ ہے کہ  
یہ محض ایک روایتی بات ہے۔ خیرات میں روپے کے بچے دینے کا ہرگز رواج ہے اس لئے لاکھوں اور  
کروڑوں کے دینے سے بھی لوگ دریغ نہیں کرتے۔ لیکن ضروری قرض کے میں دین کا خیرات  
بھلا کر جو حکم عام طور سے رواج نہیں ہے، اس لئے دس میں ہر بھی لوگ مادی فتنہ کا شکار کرنے  
گتے ہیں، خصوصاً جس ملک میں (یعنی منہج) اور قومیت و وطنیت کا تصور ہو سکا جاتا ہے ان کے  
منہج قریب سوال کسی طرح نہیں چلتا۔

الحاصل اسلامی مساجد سے سودی کاروبار کو رواج کر دینے کے بعد ملک کے میں اندر  
سرمایہ کے استعمال اور دینی دینی منافع کے حاصل کرنے کی راہیں بے روک ٹوک کھلی ہوئی ہیں  
اور میں طرح میں دین کے مسئلہ سود اور سود کی مختلف چھوٹی بڑی شکلوں کو روک کر اسلام نے  
ملک کی اکثریت کو سرمایہ داروں کے حکم سے نہات عطا کی ہے۔

اسی طرح میں دین کے دوسرے ابواب میں بھی جہاں مادی منافع کا مقصد آئے  
ان کے سبب اب کی بھی اس لئے کوشش کی ہے۔ نظم و ضبط، ادھوکر، جھگڑے، رگڑے کا امتداد  
اس نے صرف کلی قوانین ہی کے ذریعہ سے نہیں کیا ہے بلکہ بعض اہم چھوٹی شکلوں کو بھی قانون کی

۱۰۱ اس کی سبقت  
بندگی میں لوگوں کی بڑکاو دی ہے میرا معقول اقبال میں چوتا جا رہا ہے کہ اب سب کا نفسی ذکر  
تا مکن ہے اس لئے مختصر اشارے کرتا جاؤ اس مسئلہ کو ختم کرتا ہوں۔

حکومت اور قیامت  
ماہی منہ سبزل پر مبنی ہے۔ طلب اور رسد میں ایک نسبت تو وہ پیدا ہوتی ہے جس میں بجائے قدرتی  
ذرائع کے بعض لوگوں کے اختیار کو دخل ہو تا ہے، مثلاً حکومتیں درآمد اور برآمد پر ڈیوٹی لگا کر قیمت  
کے مہیا کر گشتائی اور بڑھاتی رہتی ہیں، اور دوسری صورت وہ ہوتی ہے جس میں قدرتی حوالہ  
زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں، جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور عمل سے معلوم ہوتا  
ہے۔ آپ اس کو تاپسند کرتے تھے کہ قیمت کے مسئلہ کو اختیاری تعریفات سے متاثر کیا جائے۔ آپ  
ایک دفعہ درخواست کی گئی کہ چروں کا مہاؤ حکومت کی ہانہ سے مقرر فرما دیا جائے۔ لیکن  
جواب میں ارشاد ہوا

ان الله هو المسعر والناضج  
الباسط المزاق اني لا ارجو ان  
التي لا تلتقي وليس احد  
يطالبني بخلقة في صر ولا مصل  
(ترمذی)

جس سے معلوم ہوا کہ قیمت کے مسئلہ میں حکومت کی وراثت انہوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم قرار دیا۔  
خواہ یہ ظلم پہلے ہو یا تاجروں پر یا اور حکومتوں کا پھر تو آپ ہی پتہ چوتا ہے، اس لئے ان کی زبردستیوں  
کے نتائج کو بہت سنگین ہوتے ہیں۔ لیکن ملک کے حام باشندوں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی  
اجازت نہیں دی ہے کہ بازار کے مسئلہ کو اور قیمت کے مہیا کر اپنے ہاتھ میں لیں۔ عرب میں دستور  
تھا کہ مال کے کہ جفا فداؤں کو کسی بازار کی طرف آنا تو چند لوگ جو پہلے سے اس کی نوہ میں ہوتے  
غیر ملے ہی سود و سود پر آگے نکل کر مال پر قبضہ کر لیتے تھے اور باقی کے لئے کہہ دیتے تھے یا جسے  
اس نہانے میں کسی بازار کی معلوم ایک ہی کوئی لے لیتا ہے پر شکل اختیار کرتے، آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لا تلتوا نوكيان حلا بيسج  
حاضی یاد۔  
تاجوے بازار کوئی آدمی کا حال نہ کرے  
ہر اس فرمان کی طرف سے جان کر رہی گئی  
و طوائف من بوشاق الله  
بعضہ بعض۔

۱۰۱ اس کی سبقت  
غشائے سب کو ان تمام ہدایتوں سے بھی متاثر ہو رہی کاروبار میں لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے اور اس  
میں دخل اندازی کر کے خواہ مخواہ قیمتوں کے مسئلہ کو قبل از وقت ہاتھ میں نہ لیا جائے یہاں تک کہ اور  
متاثر ہو جیسا کہ چنانچہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے  
نہیں اس مسئلہ کی اصلاح حتیٰ  
یہ پہلے ہا اہل سودی۔  
کرتے سے حضور نے منع فرمایا کہ  
مال سندھ میں گر نہ جائے۔

کہاں یہ حکم کو سن رہی ہیں کہ اپنے کوئی تجارتی مال کے متعلق کسی قسم کی کارروائی نہ کرے کہ  
بازار میں گرے کہ بعد میں طلب اور رسد کا قدرتی تناسب واضح ہو سکتا ہے نہ کہ یہ حال ہے کہ جو  
زمانے کی حکومتیں درآمد و برآمد دونوں پر من مانے طور پر جس قسم کے تعریفات پہنچاتی ہیں کرتی  
ہیں اور غریب پہلے کہ نہیں بولی سکتی، اسی کا نتیجہ ہے کہ جو چیزیں بیرون قود کے بعض تجارتی  
اصول پر جس قیمت پر بیکیں، اس سے سو گن قیمت لوگوں کو ادا کرنی پڑتی ہے۔ اور میرے خیال و  
غضب کے ساتھ لوگ ادا کرتے ہیں۔

اسی مسئلہ میں آشکارا مسئلہ بھی ہے یعنی خود و خیر کو اس لئے رک لینا تاکہ جب اکثر  
تاجروں کا مال ختم ہو جائے گا اور صرف میرے پاس یا چند دھند آدمیوں کے پاس رہ جائے گا  
میں مانگے داموں پہنچیں گے۔

آشکارا کے متعلق متعدد حدیثیں پائی جاتی ہیں جن میں اس کی عافیت کی گئی ہے مثلاً  
نہیں رسول الله صلی اللہ علیہ  
وسلمہ ان یحکروا الطعنة (صحیح)  
کہ خدا کا کوئی آشکارا کرے۔

فتیائے اسلام نے عموماً اس حکم کو صرف غذائی مواد تک محدود رکھا ہے اگرچہ بعضوں نے ضروریوں کو  
سب اس میں شامل کیا ہے نیز مختلف دوسرے قرائن اور روایات سے ہر حال میں اس فعل کو ممنوع  
نہیں قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ فرو مشتبہ کا کسی چیز پر اس طرح قبضہ کر لینا  
کہ لوگوں کو متبادل کی وجہ سے جو فائدہ پہنچ سکتا تھا نہ پہنچے۔ اسلام اس کو کبھی اچھی نگاہ سے  
نہیں دیکھتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے بدعت لوگوں کے متعلق ایسی پیش گوئیاں فرمائی  
ہیں کہ شاید دنیا میں بھی ان کو اس عمل کی پاداش بھگتنی پڑے گی، لہذا جس حضرت حضرت نے ایک شخص کو  
آشکارا سے منع کیا، لیکن وہ نہ مانا، اور حضرت حضرت نے کہہ دیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے آدمی  
کے متعلق ہڈام ادا فاس کا خطرہ ظاہر فرمایا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ اس آشکارا کرنے والے کو  
مرا ینا صحت و ما۔ (بخاری)  
جہاں اس مسئلہ کی ان بیانات کے نقل کرتے ہیں میری فرض ہے کہ تجارت کے متعلق اسلام کا

نقل و حرکت کے لیے اور اس کا اذکار صرف  
وہو الناس من ذی اللہ بعظم

وہی کہ جو روئے کو مشرق و مغرب میں  
سے جس کو روئے پہنچاتا ہے۔

سے ہر ملک ہے کہ اسلام آزاد تجارت کا حامی ہے، جس کا چاہے وہ ایک ملک سے دوسرے ملک  
میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں، دیہات سے شہروں میں، شہروں سے دیہاتوں میں، مال گئے  
پھاڑے، نہ باشندوں کو اس میں غل ادا کرے کہ تباہی کے طبعی حقد کو پست و بلند کرنا چاہئے اور  
نہ حکومت کو اس باب میں خواہ مخواہ دخل دے کر رعایا پر زندگی تنگ کر لی جائے۔

باقی در آمد پر جو کہ زرگری (پگلی) لی جاتی ہے اگر ہر اس نالے میں اس کو ملک  
کے شہر میں ملات کے قرائن کا جو ذریعہ بنایا گیا ہے اور اس ذریعہ سے قومی ملک ضیعت مالک پر  
نظم کر رہے ہیں اسلام کو اس سے کوئی شق نہیں۔ اب نہ کہ زرگری کا حصول اصول تجارت میں  
اسلام میں بھی پیدا جاتا ہے لیکن وہ حکومت کا ایک ٹیکس ہے یعنی مسلمانوں سے تو زکوٰۃ لی جاتی ہے  
اور اسی معرفت میں عرف ہوتی ہے جس معرفت کے لئے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے۔ یوں ہی اسلامی  
حکومت کی دوسری رعایا بھی اس کو بطور حصول ہی ادا کرتی ہے اور اس لئے ادا کرتی ہے تاکہ  
جان و مال کی حفاظت کے مصارف کی پابجائی ہو ان تمام مسائل کی تفصیل حکومت کی آمدنی  
کے باب میں آئے گی۔ اب نہ خبر مالک کے تاجروں سے جو کہ زرگری لی جاتی ہے اس کی بنیاد بھی  
دوسری ہے۔ اسلام کا حکم ہے کہ جس ملک کے لوگ اسلامی حکومت کی رعایا کے اموال تجارت پر  
کوئی حصول نہ ہیں گے ان سے اسلامی حکومت بھی کچھ نہ لے گی۔ پھر یہ ہے

ان کا لانا یا خن وک  
اصلاً لا ناخذ۔  
تو ہم بھی ان سے کچھ نہ لیں گے۔

لیکن اگر وہ ہمارے یہاں کے لوگوں کے مال پر حصول لیتے ہیں تو اس وقت ہم بھی ان سے سی قدر  
میں گے جتنا ہمارے یہاں کے لوگوں سے وہ لیتے ہیں۔ پھر کوئی ظالم حکومت اگر مسلمانوں کا سب  
مال لے کر تھی ہے تو جس حکم دیا گیا ہے

ان کا قرا یا خن وک  
لا ناخذ الا کل  
کا سب مال نہ لیں گے۔

صاحب ہمارے اس کی وجہ لکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

میں حق بکار و اخلاق  
اعلیٰ اخلاق اور کی پابندی کے  
پر زیادہ مستحق ہیں۔

اس تفصیل سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ زرگری کی حالت اسلام میں صحافت سے نہیں لگایا جاتا  
سے ہے جس کی دنیا کی حکومتیں اگر اسلامی حکومتوں کی رعایا سے کوئی زرگری کے لئے کا سبب نہ کریں تو سب سے  
چھوٹا قومی تجارت کو آزاد قرار دینے پر جو دستاویز ہیں گے وہ مسلمان ہوں گے۔ خشک جو مال طامی  
میں ہوا کہ دنیا کی قومی مسلمانوں کو غلام بنائی نہیں تو ہم بھی بناتے تھے۔ پھر انہوں نے لی کہ رعایا کی  
کو آکر اس سے مسلمانوں کو غلام بنایا جائے گا۔ غلبہ وقت نے شیخ الاسلام کے مشورے سے وہی بھی حق  
چکا۔ مگر اخلاق کے لئے جو اس مقدس معاملہ سے پر دستاویز کر دیئے۔ اور آج بھی عام تجارت کو  
آزاد کرانے پر اگر غیر مسلم حکومتیں رضامندی ظاہر کریں تو ان کا لانا یا خن وک  
لا ناخذ پر عمل کرنے کے لئے ہمارے پاس بڑا دستور موجود ہے۔

زرگری کے مسئلہ ذکر یہاں تو ضمنی طور پر آ گیا، تجارتی کاروبار کے متعلق ہیں  
چند تفصیل احکام کا تذکرہ اس لئے کیا تاکہ تجارت کی آزادی و عدم آزادی کے متعلق اسلام کا  
نقل و حرکت کے لئے آجائے۔

لہذا اب اس بحث کو میں اسی پر ختم کرتا ہوں۔ یوں تجارت کے متعلق اور بھی چند  
قوانین ہیں جن پر بحث کی جا چکی تھی، لیکن بقول طوالت ان کو ترک کرتا ہوں، بہر حال سب میں  
وہی قرآنی حکم لا تظلمون ولا تظلمون کی روح کارفرما ہے جب کوئی تفصیل کن بہ صافیت پر  
لکھی جائے گی تو اس سے فیض اٹھایا جاسکتا ہے، اب نہ مصارف سے کچھ جوئے سرمایہ کے متعلق  
ایک پہلو کا ذکر باقی رہ گیا ہے۔

سرمایہ کا استعمال و حفاظت | مقصد یہ ہے کہ اس سرمایہ سے استفادہ کی جود و شکیں اسلام نے  
بتائی ہیں، یعنی اگر اس سے کوئی شخص فیض اٹھاتا چاہتا ہے تو خسارہ اور خطرے کی ذمہ داریوں کو  
بھی قبول کر کے ایسا کر سکتا ہے اور اس کی بہت سی صورتیں ممکن ہیں، اور اگر خطرے کی ذمہ داریوں کو  
قبول نہیں کر سکتا تو ضمنی فیض سے دست بردار ہو کر ملک کے ضروریات مندرجہ بالا سرمایہ لوگوں کو  
فرض دے کر قومی فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اگرچہ اس قومی فیض کے ساتھ باطن اس زندگی یا دوسری  
زندگی میں شخص منافع سے بھی محروم نہ رہے گا، بلکہ خیرات و صدقات سے زیادہ فرض و فیض  
شخصی فیض کی توقع کی جاسکتی ہے جس کی تفصیل گذر چکی اور صرف یہی نہیں بلکہ اس فرض اور دین  
کی ادائیگی کی ضمانت کے لئے اسلام نے جو ممکن صورتیں اس دنیا میں جو سکتی ہیں ان میں بھی اختیار  
کیا ہے یعنی رہن اور رجسٹری جس کے ذریعہ سے چاہیے تو اپنے حق کو آپ محفوظ کر سکتے ہیں یا  
ایک شخص باب فقہ میں موجود ہے اور رجسٹری کے اصولی قوانین مع قانونی شہادت و عقد  
قرآنی میں موجود ہیں، وہی بات کہ اسلام نے زندگی کے صحافتی تعلقات کو کھنی اہمیت دی ہے  
اس کا ایک ثبوت یہی ہو سکتا ہے کہ خط و دستور قانون رجسٹری کے لئے قرآنی ہیں ایک پوری  
دکھ سورہ بقرہ کے آخر میں عکس کر دی گئی ہے تاکہ کسی کا دین منافع ہونے کے لئے نہ ہو

مختصہ ہر چاہئے اور آخر میں تو

ما تہدوا ما فی ہککم اور اپنے ہی کی جو بات ظاہر کر دے یا  
تختہ ہر چاہے کہ اللہ۔ جسے چاہو گے، اللہ تعالیٰ اس کا  
حساب بند کرے گا۔

کے ذریعہ سے اس پر بھی تہیہ کر دی گئی ہے کہ معاشیات ذمہ داروں کی رتی رتی کا حساب ایک دن  
پہر کر رہے گا، اور جس نے جس کسی کو جو کچھ دیا ہے وہ قضا خالی نہیں چھوڑ سکتا، بلکہ اگر ہے گا، مگر  
یہ سب سامان تو نہیں ماندہ سرمایہ کے استعمال و خالصت کا اس وقت تک کے لئے جب تک کہ وہی  
زخمہ ہے، لیکن اگر کوئی اپنے بعد بھی کچھ پس انداز چھوڑ کر مرنے والا ہے تو اس سرمایہ کے متعلق  
جس تقریباً اسلام نے دوسری صورتیں مقرر کی ہیں، یعنی اگر اپنے جائیداد میں اس کی صلاحیت نہیں  
یا ایک شخص کو اپنی موت سے کچھ حصوں میں تقسیم نہیں کر سکتے یا کم از کم اس کو محفوظ نہیں رکھ سکتے تو  
وقت مخصوصاً وقت عقی الا ولادہ کا عجیب و غریب قانون نافذ کر کے اسلام نے اس کی  
حفاظت کی ایک حکم اور استوار صورت پیدا کر دی ہے گویا جیسے قرض میں اصل سرمایہ کو محفوظ کر کے  
دوسروں کو بیع پینا یا جا سکتا ہے۔ یہی حال وقت کے اس قانون کا ہے کہ کچھ سرمایہ ماندہ ہو جائے  
چوں کہ قرض محفوظ نہیں ہو جاتا ہے اور یہی ممکن کہ قرض بیع پینا یا جا سکتا ہے ان کو بیع پینا رہتا ہے  
وقت عقی الا ولادہ کے متعلق لوگوں کو عجیب و غریب معاملہ ہو گا کہ وہ خیرات کی ایک قسم قرار دے کر تحریر میں  
اور بٹے بٹے قانونوں نے انہیں قریب کیا کہ اولاد پر وقت کے کیا مسئلہ یا قطع نظر اس کے کہ  
اسلام کا عام قانون صدقہ کے باب میں

واید عین قولی املک و املک  
احکام احکام اذناک فادناک

پھر رشتہ میں جزیادہ قریب ہوتا ہے۔

کا ہے اور خود صدقہ کے مفہوم کو تو اس نے امت عام کیا ہے کہ جو کسی کے ساتھ ہم بستری کو بھی مخصوص  
صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ قرار دیا۔ اسو اس کے وقت میں خیرات کے مفہوم سے زیادہ  
پس ماندہ جائیداد کی حفاظت بھی مد نظر ہے۔ ابتدائے اسلام میں عموماً صحابہ نے بکثرت اپنی اولاد کے  
تام اوقات کئے۔ علامہ مقدسی لکھتے ہیں۔

لے دام شغریٰ من باب الام میں دعویٰ کیا ہے کہ وقت کی جو فصل اسلام میں پائی جاتی ہے، اس کی تکرار اسلام ہے  
نہیں ہوتی، لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ کھن سے کہ عرب میں دولت نہ ہو، لیکن یہاں میں اوقات بکثرت تھے، ان کے  
کروں پر مری کی زمینیں وقت نہیں، لیکن میرے نزدیک امام شافعی کا مطلب صحت وقت سے نہیں ہے، بلکہ وقت کے  
مستفاد کر اپنے اقربا و اعزہ کے ساتھ تقسیم کرنا، اسلامی وقت کی خصوصیت ہے ۱۲

قال جابر بن عبد اللہ عن اصحاب

النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
ذو مقدرة الا وقت۔

قال الحسین بن علی بن ابی بکر

بنی الا علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

عنہم السلام علی بن ابی بکر

انھیں صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ  
کوئی مقدور اول میں ایسا نہ تھا  
جس نے وقت نہ کیا۔

حیدر آباد میں اس کے حضرت ابو بکر بنی

اولاد اپنے گھر کو وقت کیا، بیرون ہی گھر

ماتہ بھی مردہ کے پاس جو گھر تھا اس کو

اپنی اولاد پر وقت کیا حضرت عثمان بن

لے حضرت عثمان بن عفان کے وقت کی

کیا جا سکتا ہے کہ وہ بچے کے حساب سے اس کی

۱۵ اوقات کے سلسلہ میں ایک دلچسپ تاریخی

تفسیراً رسول جوامع میں ایک سیدنا حضرت

کے نام سے کتاب لکھی ہے، اردو عربی میں اس کا ترجمہ

میں آئینہ ایک جگہ لکھ ہے کہ نبیوں، مجددین،

ہر دور یا نوروں کے لئے مسلمان وقت کرتے تھے۔

اور بیکار ہو جاتے تھے۔ ان کے لئے ہر روز وقت

میں ایک وقت کا صرف وقت یا حکم کی کاروبار

تاکہ انک اس کاروبار سے بیٹے نہیں، تاکہ ایک

میں رہتے رہا جائے۔ تاکہ میں ایک وقت کا صرف

فروش و فروش و لاشی و غیرہ کا نظم اس کی

دولتدار اس کے بعد اس کا استعمال یا جائے

اس نے کیا کیا تاکہ تمام کی خیرات جو اس شخص

نکلت، بعض اوقات اس نے تھے کہ راہ گروں کو

بچوں کی خدمت کے مصارف اس سے ادا ہوں۔ تو

اس لئے تھے کہ رمضان میں عشا کی روزہ

پتہ چلے کہ خاص قسم کی پہلی قسم پر دہان

ہائے بعض اوقات کا صرف وقت یا حکم کی کاروبار

وقت کی آمدنی سے نیا کراؤ نہیں سکتا ہے۔

بیض و نضد فی الزیور بدو  
بہکۃ و داء بصر و اموالہ  
بالمدینۃ و نضد فی  
صحید بدو اربہ بالمدینۃ  
وداء بصر و علی ولدہ و  
عمر بن العاص بن بدو اربہ  
بالوحد و داء بصر  
علی ولدہ و حکیم بن حذافہ  
بدو اربہ بکۃ و المدینۃ  
علی ولدہ کلاہ الی الیوم  
(والنہی)

چھ ایک، حضرت علیؑ نے اپنی اس زوجہ کو  
جنہد میں غی وقت کیا، حضرت زینبؑ  
اپنے اس گھر کو جو کہ میں تھا اور جو گھر  
میرے تھا اور مدینہ میں ان کے جو مال  
اور عقل باغ حضرت تھا، اسے اپنی  
اور جو وقت کیا، حضرت سہیلہؑ میں  
میں ان کا جو گھر تھا اور جو میرے تھا  
اپنی اولاد پر وقت کیا، عمر بن حذافہ  
وہ ایک گھر اور جو کہ میں کا گھر تھا  
اولاد پر وقت کیا، جو علی حکیم بن حذافہ  
کہہ رہے تھے کہ گھر کو اپنی اولاد پر وقت

کیا اور سارے اوقات اس وقت تک موجود ہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وقت دراصل اس زمانے میں اپنی پرمانہ جائیداد کی حفاظت کا ایک محفوظ طریقہ تھا اور اس قانون کی اصلی روح یہی تھی، اگرچہ اس قانون میں تفرع اور نیکی کا مفہوم بھی شریک تھا لیکن اسی معنی میں جس معنی میں خدا اپنے آپ کو اپنی پوری کوکھا نا کہہ تا بھی اسلام میں صدقہ ہے، ہر فرد سے صحابی کا اس پر عمل کرنا جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے اس سے قوت بھی ثابت ہوتا ہے کہ کوئی اتفاقی بات نہ تھی بلکہ پس اندہ رہنے والی جائیداد کے مشق اسلام نے پہلے وقت علیؑ اولاد اور بعد کو وراثت کا قانون پیش کیا ہے۔ یعنی اگر جائیدادوں سے جائیداد کے برپا رہنے کا خطرہ ہے تو اس کو وقت کے لئے محفوظ کر دینا چاہیے اور اگر ان میں اس کی صلاحیت نظر آتی ہے کہ ان میں ہر ایک کو کچھ سہاویہ اگر دے دیا جائے گا تو اس کے الٹ پیر اور اس کو اصل پرنگ اپنی معاشی ترقیوں میں مدد حاصل کر سکتے ہیں تو ایسی صورت میں وراثت کے قانون سے نفع اٹھایا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے ورثہ جو اپنی زندگی کی مدت ختم کہہ کے موت کے انتظار میں ہیں مثلاً ماں باپ وغیرہ

(بہر صورت)

موت میں بوقت تھے۔ مراکش کے ایک اسلامی وقت کا ذکر اس نے کیا ہے کہ ایک فرانسیسی بیوی نے ان سے روایت کیا تو وہ قیامت ہے میں میں چہ ہزار اذہ سے پیش رہتے ہیں۔ ان کے کھانے پینے کے کاموں کا یہ نظم ہے اور عظیم میں ان کی رہائی ہے۔ ایک دلچسپ وقت ہے جس کا جو شہر میں ہے ان کی جہاں تھا جہاں تو عقل کے دنوں میں اس وقت کی آمدنی سے مستعد کر سکتی ہیں جب تک یہاں پر یہی مسائل نہ ہو جائے وقت کی طرف سے جو ان کے مسائل کی پیمائی کی جائے۔ ان نئے مسائل کے علاوہ عظیم وغیرہ کے لئے تو مسائل کے ہر گز اوقات کے ہیں، لیکن انہوں نے کہ

خیر اللہ حکومت کا انتظام نہیں کرتی۔ دلی مزہ اسلامی ص ۱۶۲ ج ۱

ان کو قیامت کے دن سے بھر گزراوقات دلا یا جاتا ہے لیکن جن کے سہنے زندگی کے اُنٹھل مریاں پیش آنے والے ہیں، مثلاً والدہ تو ان میں جس کو دوسرے سے بھی کہہ دینا کتنی ہے، اپنی دیکھو جو فخر کی قوت بھی رکھتی ہیں، ان کو زندگی کے حساب سے نفع دلا یا جاتا ہے اور ان کو جو عورت کو کسی دوسرے سے امداد کی توقع نہیں ہوتی بلکہ مزید پوری کا بار اس پر پڑتا ہے اس لئے اس کو بھلے نفع کے پورا دلا یا گیا اور تو اس وقت ہے کہ آدمی اپنی تمام اولاد کو ایک سال میں چھوڑ کر مر جائے لیکن اگر بھلے اس کے بچے دیکھتا ہو کہ اس کا کوئی بیٹا یا بیٹی ایسے مستور اور چار یا کسی ایسی حالت میں ہیں کہ اگر ان کو صرف قانونی حصے کا تو کفایت نہ کرے گا، ایسی صورت میں اسلام کا زور دیتا ہے کہ اپنی کسی خاص اولاد کو میراثی حصے سے زیادہ اپنی زندگی میں یہ حصہ کر دے، امام احمد بن حنبل کا فتویٰ ہے کہ

لا باس اذا کان لمحاجة  
واکرمہ اذ ہما علی  
سبیل الاخرۃ۔  
اپنی اولاد میں کسی کو زیادہ حصہ دے  
کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں اگر اس  
کی فرودت ہو، مگر میراثی حصے کی بات

بچے تپنا دوسرے نزدیک کر دے، یعنی وہ ایک کدو سرے پر ترنگہ ڈوبی پائے۔  
مقدس نے ان ماجات کی کہ تفصیل بھی کی ہے۔

مثل اختصاصہ لمحاجة او  
ممانۃ او حلی او حکمرۃ  
عائلۃ او اختنا لہ بالعلم  
او نحوہ من الفضائل۔  
مثلاً کسی بچہ کو اس کی کسی فرودت کی  
وجہ سے ترجیح دی جائے یا وہ کسی  
میں مرض میں بیمار چاہا یا نصاب، یا  
اس کی اولاد زیادہ ہو یا علم کے ساتھ

مشغول ہو، یا اس قسم کی کوئی قیمت حاصل کر رہا ہو۔

اور اس سے ایک عام سوال کا جواب بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وقت وہ ہر فرد کے ذریعہ سے جب کوئی اپنی جائیداد کا نظم کے بغیر میراث کا قانون اسی قسم کی جائیدادوں کی تقسیم کے لئے بنایا ہے اور قانون کا ہر حصہ کے لئے خصوصیات کو پیش نظر رکھ کر نہیں بنایا جیسا کہ قانون اصول واضح قانون کے سامنے ہوتے ہیں۔ میراثی قانون کی بنیاد یہ رکھی گئی ہے کہ بڑا وراثت فریب ترین رشتہ داروں کو ترجیح دی جائے گی اور اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر عمل کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے اور وراثت کے لئے صرف رشتہ داری کا کافی ہو تو خاندان ایک ایک صورت کے سینکڑوں وارث بلکہ غلام سارے بنی آدم وراثت ہو جائیں گی کیونکہ بالواسطہ رشتہ دار تو تقریباً ہر آدمی کا دو مراد آدمی ہے۔ کم از کم آدم میں تو سب بھی جا کر شریک ہو جاتے ہیں، مگر اسی اصول پر کسی بڑا وراثت فریب ترین رشتہ داروں کے ساتھ مورث کا کوئی بالواسطہ رشتہ دار ایسا نہیں پایا جاتا ہے جو وراثت کے اعتبار سے بڑا وراثت رشتہ داروں سے زیادہ قابلِ رحم اور محتاج امداد ہوتا ہے، مثلاً فرض کیجئے کہ



کبھی بڑوں کے ساتھ کوئی حیم پر تاسی کا رہ جاتا ہے، میراثی قانون کے ذکورہ بالا نقطہ نظر کی وجہ سے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں پوتا محروم ہو جاتا ہے، کیونکہ بچے اپنے دادا کا براہ راست نہیں بلکہ اپنے باپ کے واسطے سے رشتہ دار ہے۔ حالانکہ کبھی کبھی پوتا جو بیٹیم اور کسی بچے کے املاک کا زیادہ مستحق ہوتا ہے، ایسے مواقع پر کبھی کبھی پیش آجاتے ہیں، ان کی وجہ سے لوگوں کو میراث کے قانون میں کچھ نقص نظر آتا ہے۔ حالانکہ یہ قانون کا نقص نہیں بلکہ قانون کے استعمال کرنے والے کا عقلی نقص ہے، یہ تو دادا کا فرض ہے کہ جب وہ اپنے بچے کو اس حال میں پاتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ براہ راست رشتہ دار نہ ہونے کی وجہ سے وہ میراثی قانون کے تحت میں نہ آئے گا تو اس کو کس نے منع کیا ہے کہ قانون چتر اور حقیقت سے اس قابلِ رحم ہونے کو نسخ نہ پہنچائے، خصوصاً جب خاص حالات میں ایک وارث کو دوسرے وارث پر چتر اور حقیقت میں ترجیح دی جاسکتی ہے اور مرنے کے بعد کسی وارث کو حق نہیں ہے کہ اس حیلہ کو اس سے واپس لے لے، مقدمہ کی جگہ پر اس کی

اذا خاضل بیان ولد، فی  
الاعطایا و خمس بعضہم  
بطلیۃ شہادات قبیلہ  
یسترد لا ثبت ذلک لہو حیو  
لہ و لزمہ و لیس لہ حقیقۃ  
الورثۃ الرجوع۔  
اور اس کا حق واجب ہو جائے گا۔ باقی وارثوں کو اس کا حق نہیں ہے کہ اس حیلہ کے متعلق اس پر دعویٰ کریں۔

اس مسئلہ کو تفصیل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ  
بہ قال مالک و اشافعی و  
اصحاب الرافضی و اکثر اہل  
المسلمہ۔  
امام مالک امام شافعی اور اصحاب  
رافضیہ و غیرہ اور اکثر اہل علم  
کلیہ رائے ہے۔

اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آیت قرآن  
فی أموالہم حق للساکن  
والطہورہ۔  
میں کے مال میں مانگتے ہیں جو ان پر ہونے والی  
حق ہے مومن ہیں ان کا حق ہے۔

میں محروم کے تحت اس قسم کے محروموں کا حق قرآن نے سراپہ دعووں کے اموال میں اگر نہیں قائم کیا ہے تو چہرے اور کن کے حقوق ہیں۔ مگر یہ ہے کہ اسلام نے اگرچہ اپنے یا اپنے بھائی یا بھائی اپنی آئندہ منوں کی رزاقیت کے سرشت کو تو اپنے ہاتھ میں لیے کا حکم نہیں دیا ہے اور اللہ عز و جل ذوالفقار السعین ہیں کہ اس کا شغل قبول دیا ہے، اسی بنا پر مرنے والی لوگوں کو نہیں جو

مالک و غیرہ دوسریوں کی طرح منہل منہائی اور زمین کی غذائی پیداواروں میں عدم توازن کا خدو محسوس کر کے خود بھی ڈرے اور دوسروں کو ڈراتے رہتے ہیں بلکہ ایسے لوگوں کو بھی اس نے ڈانٹ ہے جنہیں اولاد کی کثرت میں ماضی سنگ حالی کا خدو محسوس ہو سکتی کہ ان میں بعضوں نے قرآنی سنگ دلی اختیار کی کہ پیدا کرتے کے بعد اپنے ہاتھوں اپنی اولاد کی گردن تک مروٹنے پر آمادہ ہو گئے اور ایسا فعل جو سوچا بھی نہیں جاسکتا، ضرورت ہوئی کہ اس کے متعلق قرآن میں  
ولا تفکروا اولادکم خشیۃ  
اور تفسیر کو دہائی اولاد کو سنگ  
ماضی کے خوف ہے۔  
املاق۔

کا حکم دیا جائے اور تو کہا جاتا ہے کہ ایام جاہلیت کی فسادت تھی، لیکن آج بھینس ان ہی سنگ خشکات کے ہوت کو سامنے کھڑا کر کے منہل انسانی کے ہمدردوں کا ایک گروہ (برہتہ کٹر دل) (جنٹل) کے ذریعہ سے پیدا ہونے سے پیشتر انسانی نسل کو تباہ کر دیے کا جو وعدہ سن رہا ہے گیا جاہلیت کی اس سنگینی سے عالمیت کی برہم دلی کچھ کم ہے، وہی برہتہ کٹر دل کا وعدہ کہنے والا اگر کھٹا خراستہ برہتہ کٹر دل کی پیٹ میں آجائے تو آج ایسیوں پر چک چک کر یہ بایں کیا کر سکتا تھا؟ ہم حال اسلام نے رزاقیت کی فکر میں خیر کے قانیوں کو چھٹنے سے قویٰ بنا کر دیا ہے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی بعض ماضیوں نے انسانی (صحت کا ایسا طریقہ جس سے محل قرار پائے) کی ماہ سے جب برہتہ کٹر دل کے متعلق غشائے مبارک در یافت کیا تو ارشاد ہوا کہ (خادخی) ہے، یعنی اولاد کو زندہ مار ڈالنے کی ایک عقلی تدبیر ہے، اور اس کی واقعیت میں کوئی جبر کر سکتا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی زہونما چاہئے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ابتداء بھی نہیں دی ہے کہ خواہ مخواہ اپنی آمدنی کو کوئی اس بے تربیتی سے اڑائے یا خرچ کرے کہ نتیجہ اس کی اولاد دوسروں کے سامنے ہاتھ پیچھے رہے، یہی وہی شہر واقعہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حدیث میں آئی ہے کہ اپنی ایک سخت بیماری میں ان کو زندگی سے جب مالہ سچا چھٹی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات کے لئے تشریف لائے تو مسئلہ تھا کہ میری وارث صرف میری ایک لڑکی ہے کیا اس سب زہر کا گریہ نہ مال کا دوتا ہائی سعد خیرات کردوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں سعدؓ نے کہا تو آدھا چہر جواب دہ نہیں سعدؓ نے کہا تو ایک تہائی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تہائی بہت ہے۔ اس کے بعد آپ کے اصحاب نے

امام ابن منذر و وسامک  
اغنیاء خیر من ان مالک  
حالة یکنفوا الناس۔  
(صحاح)  
تم اپنے وارثوں کو خفی چھڑ کر جاؤ  
اس سے پہلے کہ ان میں سے  
کی حالت میں چھڑ کر لوگوں کے  
سامنے ہاتھ پیچھے نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معرفت اپنی ذات ہی کے لئے نہیں بلکہ اپنی اور دے کے لئے ہی اگر کسی کو پس یا نافرمانی کے ساتھ ہو تو اسلام اس موقع سے نفع اٹھانے کا حکم دیتا ہے پھر پس ماندوں کی حالت اگر وضعت کی مستحق ہو تو منافعت کو مان تک پہنچا کر اصل کو سمجھ کر دیا جائے یا اولاد میں سے کوئی لڑکا یا لڑکی زیادہ ضرورت مند ہو یا کوئی رشتہ دار کا بیواہ یا ادھوئے کے باوجود ویرانی حصہ سے محروم ہوتا ہو یا نظر آ رہا ہو یا کوئی کچھ کے ذریعہ سے کچھ دیا جاسکتا ہے اور یا کسی کو ارٹھی کا نون کو تقسیم کرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے تاکہ ہر ایک کے پاس کچھ نہ کچھ مرایہ پہنچ جائے جس کے ذریعہ سے اگر کافی چودہ زندگی گذاریں، ناکافی چودہ تو اس کو اصل بنا کر آمدنی پیدا کریں۔

مصدقہ کی گریبانہ کی سے شروع ہو کر ایک حد تک موت اور موت کے بعد تک پہنچ چکا ہے۔ اختصار کی کوشش کے باوجود بات پچھلتی جا رہی ہے اور ابھی چند نام ناقلا اور مصارف و خرچہ کا مستقل باب باقی ہے۔

## محنت و مزدوری

یاد رہی میں دین کے سلسلہ کی ایک بڑی اہم چیز اجارہ ہے اور میں قیابارہ شہید اور شہید کے معاملہ کو کہتے ہیں، لیکن فقہاء کی اصطلاح میں نوکری، مزدوری، کاریگری، کرایہ داری مکان کی یا یا زمین کی، سب اجارہ کا معاملہ ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ خود چیز دے کر معاوضہ لینا نہیں جیسا کہ کھاد میں چھوڑتا ہے، بلکہ چیز سے استفادہ کا حق دے کر اس کے معاوضہ میں کچھ لینا بھی اجارہ کا معاملہ ہے۔ پھر اگر مکان، کاریگری، گھوڑا وغیرہ کے متعلق یہ معاملہ کیا جائے تو کرایہ کا معاملہ ہے اور اگر جیسے اپنی کسی چیز کے خود آدمی اپنی خدمت اور محنت کا معاوضہ حاصل کرے تو اس کی بھی دو صورت ہے۔ مستاجر کی یا متاعی ہیں اگر کام نہ کرے بلکہ اپنے گھر میں مشغول کام کرتا ہو قرعہ کاریگری ہے۔ اور اگر مستاجر کی یا متاعی ہیں کرتا ہے تو اس کی بعض شکوک کو نوکری یا معنوں کو مزدوری کہتے ہیں فقہاء اسلام نے ہر ایک کے متعلق اپنی کن بول میں مفصل قوانین بنا دیے ہیں اس زمانے میں روبرو اسوہ کی وجہ سے مراد کے لئے ہیں جو آسانیاں چلیں تو عموماً کاریگریوں کو نوکریوں سے نوکراور مزدور کو کرایہ کی اجتماعی محنت سے نفع حاصل کرنا شروع کیا۔ اس طریقہ سے پیداوار تو اجتماعی شکل میں چوتھے لگی زمین ایک ایک کارخانہ میں دس دس ہزار مزدور کام کرنے لگے اور سرمایہ چونکہ ایک ہی یا چند محدود اشخاص کا ہوتا ہے اس لئے آدمی شخص یا چند محدود اشخاص کو ملتی رہی۔ مزدوروں اور سرمایہ داروں کا سوال اسی شکل میں پیدا کر دیا۔ سرمایہ داروں کو ظاہر ہے جو ہر محدود افراد جو ہر کے لاکھوں اور کروڑوں کی شکل میں نفع ملتا رہا، اور مزدور دین کی اجتماعی محنت کا یہ قرعہ ہے ان کو معرفت مزدوری ملتی رہی۔ لیکن چونکہ انفرادی طور پر کام کرنے سے اتنا نفع نہیں ملتا تھا اس لئے قدرتنا کارخانوں میں کام کرنے کو انہوں نے اپنے لئے زیادہ منطقت بخش پایا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انفرادی طور پر

مزدور زمانہ مشینوں کو طرہ سے ہیں محدود ختم مواد کا اتنا ذخیرہ فراہم کر سکتے ہیں جو سرمایہ دار خود یا اپنی ساکڑ برکنوں سے سودی قرضے کو رہتا کر سکتے ہیں۔ کارخانہ داروں نے چھ کو اس کا اندازہ کر لیا کہ انفرادی مزدوری سے زیادہ اگر مزدوروں کو کارخانہ میں مزدوری دے دی جائے گی تو سود کے حساب سے نقصان کیا نفع اور کافی نفع ہے۔ خلاصہ یہ کہ موجودہ شکل میں بھی اگر خود کیا جائے تو مشکلات کی بڑی وجہ یہی سودی اور بینک کا کاروبار ہے۔

اسلام نے اس کا کیا حل پیش کیا ہے، ایک مستقل مسئلہ ہے۔ پوری تفصیل کی یہاں گہنا نش نہیں ہے ہم چند کلیات اجارہ کے متعلق ذیل میں لکھ چکے ہیں اور علانیہ مسابحات قیابارہ کے لئے ہیں کہ سرمایہ و محنت کی جو کوئی کسی چیز سے آج تک سمجھتی نظر نہیں آ رہی ہے انسانی زندگی کے پہلوؤں کے پیچھے حکم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں ان کو پیچیدگیوں کا کوئی حل کیا گیا ہے یا کم از کم ان کو اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ آج جہاں میں نئی خیال کی جاتی ہیں۔ واقع میں وہ کسی قدرانی ہیں، پھر حال بخاری شریف کی ایک حدیث ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انھو انکھ خولکھ جیل اللہ	خولکھ زمین تھارے ہاتھ کے شے کام
تحت اید یکمہ ضی صحت	کہنے والے اتھارے بھائی پر امن
بھوہ تحت یلہ فلیطہ	خانی نے ان کو تھارے ہاتھ کے شے
مسا باکل ولیلہ عی طیس	ٹال دیا ہے، پھر جس کا بھائی کسی کے
ولا تکلفو عہد عی طیس	ہاتھ کے شے پڑ جائے تو ہلے کر کچھ
فان کلفو عہد عی طیس	خود کیا ہوا ہے کھائے اور جو خود
پہتا ہوا ہے پہتے اور ان پر اتنا کام نہ لادو جو ان کو مستحب کر دے اور گھر	ان پر ہلکا اور تو ان کی دردناک نہ کرو۔

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) مزدور اور جو مزدوری پر لوگوں سے کام لیتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ہے کہ ان کو وہ اپنا بھائی خیال کرے یہ محدود فوٹ میں تعلقات کی فرحیت ایسی ہو جیسے بھائی بھائی میں ہوتی ہے۔

(۲) کم از کم کھائے پیتے، رہتے ہے کہ حد تک دونوں کی معاشرتی سطح برابر ہو۔ جو خود کھائے وہ مزدور کو کھائے اور جو خود پیتے وہ مزدور کو پیتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اجرت کے معاملہ میں اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے۔ یعنی کم از کم اتنی اجرت تو ہر حال ہر مزدور کو کرنی چاہئے کہ کھائے اور پیتے کی حد تک وہ اپنے مالک کے برابر ہو جائے۔ مزدوری کی شرح اگر کچھ اتنی بھی بلند کر دی جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ خورش کی کمی کی بہت مشکل قیابارہ کا جاسکتی ہے۔

(۳) وقت اور کام دونوں کے حساب سے مزدوروں پر اتنا جو چھڑ لاد دیا جائے جو ان کو



احکام پر عمل کرنے کے لئے عام ہیں جو کسی کی مانتی ہیں کام کرتا ہے۔

ابو سہیل ہری صحابی کا مشہور واقعہ ہے کہ وہ کڑے سے اپنے غلام کو مار رہے تھے، ایک سے ایک آواز

اعلمہ ابامسعود۔ خبردار ابو مسعود۔

کی آئی۔ ابو سہیل کہنے میں خستہ ہو گئے کہ پتہ نہ چلا کہ کون ہے کہتے ہیں دیکھتا ہوں کہ حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور فرما رہے ہیں،  
اعلمہ ابامسعود ان اللہ  
اقتدر علیک علی حد الغلظہ  
خبردار ابو مسعود حق تعالیٰ تم پر  
تہا ہے غلام سے زیادہ قادر  
رکتے ہیں۔

اور خانبایہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ غلاموں اور لونڈیوں کو جلدی (میرا غلام) اچھی (میری لونڈی) کہتا اور ان لوگوں کا اپنے آقاؤں کو ربی (میرا رب) اور مالک (میرا مالک) کہتے ہیں اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بطور عبادت فرمادے گی اور حکم سے حکم کرے گا اور آقا کو بھائے رب کے ساتھ کالہ میرے سردار کہا کریں۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں فرجوں کے اس جذبہ کا کتنا خیال تھا۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ آخری آواز دنیا کے کانوں نے نہ سنے کہ آخری پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان مبارک سے جو کتنی وہ

الصلوة وصالحات  
ایمان تکمیل  
سب سے زیادہ نماز رکعتا

کی تھی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی الایمان و صلاحتہما

اسی طرح قرآن کی شہادت آیت

ان ذکرکما عند اللہ

افتتاح۔

پر پیر کا رہا۔

میں پیشہ وارانہ جنابت کی جہنم درجہ بندیوں کو توڑ پھوڑ کر رکھا گیا ہے اور بیکارے پیشوں اور نسلوں کے فتویٰ کو میسر فضیلت قرار دیا گیا ہے اس سے مزدوری کے کسی پیشہ کو فضیلت اور کسی کو کمتر قرار دینے کی بنیاد ہی منکسر ہو گئی۔ اسلام اور اسلام پر مبنی مسلمانوں میں پلنے والوں نے اس سلسلہ میں جو عملی نظام پیش کئے ہیں تاریخ کے اوراق اس سے سمجھ رہے ہیں۔ جتنی کہ اس دنیا پر چند مستانی تمدن کے نشتر کا ایک ستارا اب انفسل قرینہ کہا کرتا تھا کہ فلاں نسلوانی اور فلاں کشش دوزخ کی باتوں کا کیا اعتبار

یعنی اسلام میں ہونا چاہئے بڑے بڑے علماء و فقہاء جو گذشتہ ہیں ان میں زیادہ تر لوگوں کا تعلق مزدوری کے حصول پر مشمول ہے تھا۔ انہوں نے جو چیز اسلام میں باعث فساد قرار دی تھی، اس ہندی تہذیب کے سہولت پرستی کی بنا پر باعث سنگ قرار پائی۔ مگر بعد از انشاؤں دنیا فہم کے جس غلط فہم پر اپنی ہے وہ فیصلہ کر سکتی ہے کہ آج جس چیز کے ماننے کے لئے عالم مضطرب ہے اسلام صدیوں پہلے اس نظریہ کو پیش کر چکا ہے اور عمل کر کے دکھا چکا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مشیروں کو بھی اسلام نے جب سخت و تاج مالک بنا تو مضاربین کے لقب کو انہوں نے بطور فقر کے استعمال کیا، اور غلاموں کی جود و عزت اسلام میں ہمہ کی دنیا کی تاریخ اپنے پاس اس کی فکر نہ اس سے پہلے رکھتی ہے اور نہ بعد تقریباً ائمہ حدیث و فقہ کی جہاں موالی ہی کے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ مرن دین ہی میں نہیں، مختلف مقامات میں دنیا کے حساب سے بھی دنیاوی ارتقا کے آخری نقطہ سلطنت و بادشاہت تک غلاموں کو عرصہ پانے ہوتے تھے مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں۔

لیکن باوجود اس کے ذلت کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض پیشوں کا ہرگز گندی اور بناست سے تعلق ہے اس لئے چند خاص پیشوں کے تعلق میں نے اسلام میں کچھ اشتباہ پیدا جاتا ہے جن میں ایک تو سنگی لگانے اور اجاستہ کا پیشہ ہے۔ چونکہ سنگی لگانے والے خون کو چھستے ہیں اور خون نجس چیز ہے۔ اس لئے بعض مدبروں میں آیا ہے۔

کسب النجاسہ و خبیث۔ سنگی لگانے والے کی کھال لڑی ہے۔

لیکن باوجود اس کے بھی کثیرا لہ اسلام نے اس کی اجرت اور مزدوری کو حلال ہی قرار دیا ہے۔ علامہ شری نے اجروہ جباح یعنی سنگی لگانے کی مزدوری حلال ہے۔ لکھنے بیدار قائم فرماتے ہیں۔

هذا قول ابن عباس قال  
انا اكله و به قال حکومة  
و القسمة با وجعہ محمد بن  
علی بن الحسین و یحیی و مالک  
و شافعی و اصحاب اخرائے  
ابو جاس کا قول ہے۔ انہوں نے  
فرمایا کہ میں اس کو کھاتا ہوں اور یہی حکم  
کوہ قاسم ابو جعفر محمد بن علی بن حسین  
اور ابو امام مالک، امام شافعی اور  
اصحاب رائے (ابو حنفہ) کا ہے۔

اگرچہ بعضوں کو اس سے اختلاف بھی ہے۔ تاہم یہ اشتباہ عجم کے مرن سنگی لگانے کے کام کی سنگی صمد ہے یا قیامت عجم جو دوسرے کام کرتے ہیں ان کے جائز نہیں کو کام ہی نہیں ہے ہندی کی زبان پر

استیجالہ النجاسہ و خبیثہ النجاسہ  
صالح و حلق و خمر و  
تقصیر و الخشای و قطع پیش  
بچت لگانے کو چھوڑ کر جاسوں کے  
کام میں ضد کام بہال مرنے کا کام  
یا لگانے کا یا شکر کے کا جسم کے

لہذا سے دین میں مشیروں کو کتنی ہی ممانعت ضرورت حکومت مہدی کے مخالفین میں مشہور مرنے کا بھی ہے۔

قوس کی مزوری یا نر ہے۔  
 اس مسئلہ کی ایک اور چیز کا تذکرہ بھی فقہائے اسلام نے کیا ہے، یعنی خاک و بوس اور بیٹی کا کام ظاہر ہے کہ اگر یہ بھی ایک قسم کی مزوری ہے۔ لیکن بیٹیوں کو جو کہ نجاست سے کام لیتا ہے اس لئے ہمارے لئے اس پیشہ کو اچھا نہیں خیال کیا ہے۔ اس میں کلاہیک اور بھی اس باب میں نقل کیا ہوا ہے کہ کنگ سے خارج ہو کر ایک آدمی اسی کے پاس آیا اور بولا کہ  
 انگشتن تھا قری فی مکوسی۔  
 میرے ہاتھ کی کنگ کا کام کرتا ہوں، میرے پیشہ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔

اب یہ جاس نے پوچھا  
 اسی شیئ نکلتن (کس چیز کو صاف کرتے ہیں) براہ العذرہ (یعنی خلعت کو صاف کرتا ہوں اور آگے اس پر اس نے اضافہ بھی کیا،  
 ومنہ خجیت ومنہ قزو جیت  
 کیا اور شادی کی لگا۔  
 یہ سہی کہ جاس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سنت کرامت پیدا ہوئی خفصہ میں رہے۔

انت خجیت و حجک خجیت و  
 خجیت کی وہ بھی گندی۔  
 لیکن باوجود اس جاس کے اس سخت فتویٰ کے علماء نے اس خجیت کا مطلب مذہبی خجیت نہیں لیا بلکہ طبی خجیت اور کرامت مراد ہے، اسی لئے عام خیال یہی ہے کہ

الاجارة فجأة لان الحاجة  
 داعية اليها الا عند طبع الا  
 بليلة الاجارة فوجبت باحتيا  
 كالجماعة (المنی ص ۱۲۰)  
 خجیت صاف کرنے کی مزوری یا نر ہے  
 کیونکہ مزور کا کھانا ہے کہ جب تک  
 اس کی مزوری حال نہ ہو کہ مزور  
 پھر کا نہیں ہو سکتی اس لئے اس کا حال  
 ہو، مزوری ہو ایسے نکلے کہ مزوری حال ہے۔

اس صنف پر ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔  
 مکتوب میں ہر طرح کی بھڑبھڑی شریک ہوتی ہیں گویا خلعت وغیرہ۔ لیکن مشہور صحابی  
 یعنی خاتج ابراہیم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشفق کن بول میں یہ نقل کرتے ہیں کہ  
 کان سعد بن ابی وقاص  
 سمنی اللہ تعالیٰ عنہ یحمل  
 حرقة اتی ارض له وکان یحلی  
 حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
 کا دھواں خاں کہ اپنے نیک میں ڈالتے  
 تھے جو ان کی حکیت میں شامل فرماتے کہ

حرقة کی شرح اسی کے حوالے سے پہلی نے نقل کیا ہے کہ حرقة اس کو کہتے ہیں، یعنی خلعت !  
 مکتل بر کے معنی خلعت تودہ نہ لیا گئے بلکہ خلعت چیزوں کو خاکر کھا دینا کہتے تھے، حرکاری کی کھانکا  
 کر این سسیدیں بکر اللہ ابو العلیہ یہ ہے کہ الحرز و البول دانی نقل میں ہے۔ یعنی برکروں کی  
 بیت و شباب اور عیض کے تھے۔ اس لئے بعض صاحب کما وڈا لے گویا پسند کرتے تھے۔ ہر حال میں  
 عورتوں کی بات ترکاری اس لئے کم کرتے، ابتر حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہر وہید و جواہر تھا  
 اس سے غصہ جب ترکاری آتی تو شوق سے کھاتے شاید بغیر کھاد کے آگئی جاتی ہوگی حضرت انس  
 کے اس باغ میں، لکھا ہے کہ ایک چوٹی تھا جس سے مشک کی بو آتی تھی (ابن سعد ص ۱۰۱)۔

اسی قسم کی ایک گندہ اجرت جس کا بابت میں خاتج ابی رواح تھا اور اسے اصطلاحاً  
 عصب الخمل کہتے تھے۔ یعنی اونٹ، بکری، گھوڑے وغیرہ کا جس کے پاس نر یا فود ہوتا، وہ  
 بچہ کشی کے لئے اس نر کو گرایہ پر چلاتا تھا۔ فقہائے اس مادی کو کر وہ لکھا ہے اگرچہ مزور  
 کی وجہ سے بعضوں نے اجازت بھی دی ہے۔ بہر حال اگر معاہدہ کے طور پر نہیں بلکہ بطور ہدیہ  
 کے نر کے مالک کو کچھ دیا جائے اس میں حرج نہیں ہے لکھا ہے۔

ان اطراق انسانی فحشہ  
 لہ حدیۃ اور اکور یکورامۃ  
 لہ انک فلا یا ص بدہ۔ (ص ۱۲۱)  
 اچھے نر کوئی اگرچہ کسی اجارہ  
 خراکے چوڑے اور اس کے بعد  
 کوئی عذوب یا بدے یا کوئی فحشہ

گھلا دیتے ہیں کہ بجز ایسی چیزوں کے جس سے استفادہ ہی کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ مثلاً زنا،  
 کھانا بچانا، فودہ گری، تصور رکشی وغیرہ۔ چونکہ یہ سارے کام بھی اسلامی نقطہ نظر سے برے ہیں،  
 اس لئے ان کو بھی حرام و مباح کا ذکر نہیں ہوتا یا نر نہیں ہے۔ یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اگرچہ  
 اس باب میں جو کچھ کہا ہے نفوس اور اسلامی مستندات کی بنیاد ہی پر کہا ہے ورنہ جہاں میں عقل  
 ہی بھی گنہگار نہیں ہو سکتی ہے جس سے نفوس قریضہ اٹھنے سے مباح کی اس راہ کو بھی کھولنے کی کوشش  
 کی ہے۔ فقہائے اسلام نے اس باب میں کس حد تک وسعت فکر سے کام لیا ہے اس کا اندازہ اس  
 ایک مثال سے ہو سکتا ہے کہ شراب جیسی حرام چیز کے مشفق اوروں کا تو نہیں، لیکن اسلام میں نہ  
 یہ نفوس کن بول میں نقل کیا جاتا ہے۔

من حمل لذی عنہ فانیطیب  
 لہ الاہر حنن ابی حنیفہ۔  
 اگر کسی عورت کو فانیطیب  
 تو طیب کے لئے اس کو نہ دے  
 وہاں ہر چیز کے نزدیک پاک ہے۔

امام صاحب کے خیال کی توجہ کرتے ہوئے صاحب چاہے لکھا ہے کہ خراب کا پنا  
حکم ہے اور پہلے کی نیت سے اس کا ذکر نہیں ہوا ہے۔ لیکن اس مسلمان پیمار سے کی غرض تو فرار  
سے خواہ پانی چھو یا خراب۔ پھر اس کی مزدوری کو کس پنا پر تاپا کر قرار دیا جائے۔ لیکن اور تو اور  
امام صاحب کے دونوں شاگرد ابو یوسف و محمد بن حسن کا فتویٰ اس کے خلاف ہے کیونکہ حدیث  
میں چونکہ خراب کے سلسلہ میں جن جن لوگوں پر نیت کی گئی ہے ان میں شامل اس کے دھوئے  
وانے کا نیت بھی ہے۔ امام صاحب کہتے ہیں کہ جو خود پینے کے لئے شراب دھوئے اس کے ساتھ  
ہے حکم مخصوص ہے۔ پھر حال مجھے اس مثال سے فقہاء کی معاشی و صنعت نگری کا ثبوت پیش کرنا  
تھا اور یہ اس کی بہت اچھی مثال ہے۔ گریبا و جردان و ستوں اور اجازتوں کے دو چیزیں فقہاء  
کی کتابوں میں عجیب پائی جاتی ہیں یعنی ایک تو یہ کہ مسلمان کسی کافر کی ملازمت نہ کرے کہ کتنا ہے؟  
۱۔ سوال اٹھایا گیا تھا اور دقت مسلمانوں کے متعلق کیا معلوم تھا کہ کسی ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ  
جواب تو جواب سوالی بھی دماغوں سے نکل جائے گا۔ حتیٰ کہ بالآخر ان کی ساری قومی اور ملی  
کوششوں کا آخری مورچہ ہی مسلمانوں کے لئے لگ جائے گا کہ غیر اسلامی حکومتوں میں ملازمت کے حقوق کی  
کتنی مقدار ان کو حاصل ہونی چاہئے۔ یعنی کتنی کا مسئلہ ہے۔

لا تقبضوا اباؤا المسلم  
لذی یلحد منہ لیس علیہ  
احمد۔  
۱۔ امام صاحب نے اس کی تفریح کی ہے۔

دلیل یہ بیان کی ہے کہ

حبس المسلم عند الکافر  
و اذلالہ لہ۔  
۲۔ مسلمانوں کا کفر کے پاس قید ہونا بھی  
ہے اور کفر کو ذلیل کرنا بھی ہے۔

مجھے مسئلہ کے ذکر سے اس وقت جواز و حکم جواز کی تحقیق مقصود نہیں ہے۔ آخر اسے اگر جائز قرار دیا  
جائے گا تو مسلمانوں کے چپے کی شکل ہی کیا رہے گی، بلکہ دنیا کی کسی قوم کے تاریخی و مذہبی کتاب کا ہے۔

واذا اذلہ اللہ بقدرہ  
فلا مرد لہ و مالہ من  
دونہ من ذوال۔  
۳۔ اور اللہ تعالیٰ کا  
امداد فرمائے۔ تو پھر اسے کوئی  
پیش نہیں آئے گا اور اس کا کوئی  
دال و مددگار نہ رہے۔

اسی سلسلے کے ایک مسئلہ کا ذکر آخر میں اس لئے کر دیا جاتا ہے کہ فقہائے امت کی بندہ نگری کا  
وگوں کو کچھ احساس ہو اور معلوم ہو کہ اسلامی معاشیات کی تدوین میں ان بزرگوں نے کتنی  
بے لوثی سے کام کیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ان بزرگوں کا کام ہی قرآن و حدیث کی تفسیر و  
تعلیم یا ساجد کی امامت و خطابت وغیرہ تھا۔ اور اب بھی پیمار سے مولویوں کا یہی کام ہے کہ ان کے

اس کے حیرت ہوتی ہے کہ چند لوگوں نے نہیں بلکہ اکثر ائمہ اسلام کا فتویٰ ان تمام امور کے متعلق  
ہے کہ ان خدمات کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔ مقدس لکھتے ہیں کہ جن کاموں پر معاوضہ  
لینا درست نہیں ہے ان میں آلا صاف و الا ذان و الدال و علیہما اللہ ان ہی بھی ہے  
اور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

نفس علیہ احمد و بہ قاتل  
عطاء و الفضاک بن قیس  
۱۔ امام صاحب نے اس کی تفریح کی ہے  
اور یہی فتویٰ مناک بن قیس سے ہے  
۲۔ ابو حنیفہ و ابو زہری۔  
۳۔ اور زہری کا ہے۔

فذلک کتابوں میں اس پر بحث کی گئی ہے اور بالآخر زمانے کے حالات کا اندازہ کر کے جواز کا  
فتویٰ اس بنا پر دے دیا گیا کہ چند ائمہ مثلاً شافعی، مالک، جواز کے قائل تھے۔ آخر اگر اس کا  
فتویٰ رد کیا جائے تو مفت حسبہ اللہ ان خدمات کو انجام دینے کے لئے کون آمادہ  
ہو سکتا ہے۔ تو کچھ گذشتہ بزرگوں ہی کی ہمت تھی کہ معاش کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ  
اختیار کر کے دین کی ان خدمات کو مفت انجام دیتے تھے لیکن ع  
زمانہ دیگر گواہین نہاد

مزار رحمت و مساقات | چاہئے قریب تھا کہ ان دونوں معاملات کا ذکر بھی اجاڑ ہی کے ذیل  
میں کر دیا جاتا۔ کیونکہ اس کا متعلق بھی محنت و مزدوری سے ہے۔ لیکن کچھ قراں نے کوٹھڑا  
فتہ و اسلام ان دونوں کو الگ الگ کر کے لکھے ہیں۔ اس لئے میں بھی ان کا حصہ ذکر کرتا ہوں اور  
سب سے بڑی بات یہ ہے کہ محنت و سرمایہ میں جو جھگڑا اس وقت دنیا میں جاری ہے اس سلسلہ  
میں جس طرح متنی مزدوروں اور سرمایہ داروں کے اختلاف کے حل کی ایک شکل اسلام نے پیش کی  
ہے جیسا کہ گذشتہ جگہ پر مذکور سرمایہ دار کی معاشی زندگی کم از کم نئے چپے کی حد تک ایک ہو یا یوں  
لکھئے کہ مزدوری مزدور دلا کو اتنی ملنی چاہئے جس کے ذریعہ سے ان کی خوراک اور ان کا لباس  
سرمایہ دار کی خوراک اور لباس کے برابر ہو جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مزدور کو مناسب سے بھی کچھ حصہ مل چاہئے۔ تیسری بات یہ ہے کہ  
مزدوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ یعنی سرمایہ دار کے لئے بے جائز نہ ہو گا  
کہ محض مصارف کے ذریعہ سے زیادہ محنت کے کام کو چند ہی مزدوروں سے لے بلکہ ان کی تعداد  
لے قوت کا اضافہ کرے۔ تیسرا یہ ہے کہ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کام کا وقت اسی قدر  
کر رہا جائے جتنا کہ وہ آسانی سے کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ صحاح کی نگاروں میں سے، جنہوں نے کئی بڑے کام چوتے ہیں  
رب قریب کچھ اسی قسم کا مسئلہ زمین کے سرمایہ داروں اور مزدوروں کا بھی معلوم ہوتا ہے۔ فقہ  
ہے کہ قبل اسلام عرب خصوصاً مدینہ و اطراف مدینہ میں زمینداروں اور کاشتہ کنندوں کے درمیان

(۱) زمین میں کچھ بھی پیدا ہو کر زمیندار کو ہر حال میں میں فی بیگ شلا کاشت کا اور ادا کرے گا  
اسی کو مزارعت کہتے ہیں جو مملوہ ہے کہتے ہیں۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں اسی کھیت سے ظن کی اس  
مقدار کو ادا کرے گا یا خود مگر سے دے گا۔

(۲) زمین کے اچھے قطعات کی پیداوار زمیندار کو ملے گی اور معمولی خراب پیداوار  
قطر کا ستن کا کاشت کا ہو گا۔

(۳) جو کچھ پیدا ہوا اس کا نصف یا ثلث جو بھی ملے چھ جائے کاشت کار کو ملے گا۔ گویا  
یہ ساری انھیں بٹائی کی عرب میں مروجہ تھیں۔ لیکن نقدی بندوبست یعنی فی بیگ کاشت کار سلاز  
شلا کو روپے، پار روپے الغرض جو ملے چھ جائے ادا کرے گا اور کل پیداوار کا مالک ہو گا۔

نقدی کی یہ شکل بھی عرب میں مروجہ تھی یا نہیں اس کا اب تک صاف صاف پتہ نہ چلا  
رہا ابن خلدون جن کا گزرا دینے کے سب سے بڑے کاشت کاروں میں تھا، ان کے ایک بیان  
سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم دینے کے لوگ اس سے واقف نہ تھے۔ بہر حال انھیں سنی و شیعہ  
و سلم نے بٹائی کے نمبر (۱) اور نمبر (۲) دونوں طریقوں کو اختیار فرما دیا۔ کیونکہ اس اوقات  
ان میں سے بے شمار کاشت کار کے بٹے کچھ نہیں پڑتے۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ مگر سے تاوان  
ادا کرنا چاہے۔ تمام فقہاء اسلام بلا استثناء بٹائی کی یہ دونوں شکلوں کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں۔

بہرہ گیری شکل اس کے شیعہ متفقہ پایا جاتا ہے یہ ظاہر بات ہے کہ جو کچھ میں دو میں دس  
میں کھیت میں پیدا ہوا اس کا ثلث یا نصف یا تہا جائے اس میں کاشت کار کے نقصان کی شکل نظر  
نہیں پاتی۔ اس لئے کہ اس کو مگر سے کچھ دینا نہیں پڑتا۔ بہرہ اگر کچھ پیدا ہو تو تخم اور محنت دونوں  
اس کی مناسبت ہو سکتی ہیں۔ مگر زمیندار کی زمین میں بھی کھیت کی کاشت کی وجہ سے بے کاری ہوئی اس  
گوذ مصالح جا رہا ہر سا ہر جاتا ہے ہر بھی انہی اسام میں اکثروں کا کسی وجہ سے یہ خیال ہے کہ ایسی  
صورت میں تخم بھی زمیندار ہی کو دینا چاہیے۔ سنی میں اس سے

ان المذبحۃ اذ اقامتھ اذا  
کا ان المذبحۃ من سرب الارض  
والفصل من الفاصل ضر علیہ  
احمد فی سوادینہ جماعۃ  
واختارہ عامۃ الاصحاب  
و هو منی حسب ابن سیرین  
والشافعی والاصحاب  
شافعی والاصحاب کا مذہب ہے۔  
کھیت کا معاملہ اسی وقت  
ہو سکتا ہے جب تخم مالک زمین زمیندار  
ہو اور محنت کاشت کار کی۔ امام  
اچھے اس کی تفریق فرمائی ہے  
جیسا کہ جامعہ کے حق سے روایت  
ہے اور امام احمد نے اس کو  
استحباب کیا، اچھے اور سیرین اور امام

ان یکنوی سلی من المصالح کلہ  
یعنی عند احد ہوا۔  
مالک مسراہ ازین و تخم دونوں  
میں ایک ہی کا ہو۔

اگر کچھ لوگ بھی جائز قرار دیتے ہیں کہ تخم بھی کاشت کار کا ہو تو کچھ حرج نہیں۔

نقدی طریقہ یہ ظاہر صورت پر دو فرق کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔ مگر عملی تجربہ بتا ہے کہ  
تبادلہ مفید ہے۔ عموماً بٹائی کی اس شکل میں کاشت کار بھی لگا کر زمین میں محنت نہیں کرتا وہ پیداوار  
یہ خیال کرتا ہے کہ جو سٹے اہل پانی دینے لگا اس کا لہنے، کاٹنے، واز لگانے وغیرہ کا سارا  
کام تو میں کروں گا یا کوئی جتنی خدا اس میں لگاؤں گا تو اس کا بھی کیا حاصل، اس لئے کہ میری  
محنت کا ایک بڑا حصہ زمیندار محض اس لئے ملے جائے گا کہ اس کی زمین ہے۔ اولاً میں ہی یہ حصہ جو  
اس کا کیا ہوا ہے، دیتے ہوئے جبر گزار ہوتا ہے۔ ثانیاً وہ جانتا ہے کہ میری زیادہ محنت یا زیادہ  
جتنی پیداوار سے کیا فائدہ کہ اس محنت کا بڑا حصہ تو دوسرے کے گھر پہنچے گا۔ تجربہ بتا ہے کہ بٹائی  
کی زمینوں پر ایسی ہی وجہ سے کبھی کاشت کار بڑی تن دہی سے محنت نہیں کرتے۔ بلکہ ایک اور  
طریقہ یہ اختیار کرتے ہیں کہ بہت سی زمین محنت زمینداروں سے ملے کہ کاشت کر لیتے ہیں۔ پھر وہی  
تو یہ کسی پر نہیں کرتے، سمجھتے ہیں کہ ہوا تو خیر بھی کچھ تولی ہی جائے گا۔ اور نہ ہوا تو ہمارا کینا  
ہے۔ خصوصاً صاحب ان فقہاء کی رائے اختیار کیا جائے جو تخم بھی زمیندار کے سر ڈالتے ہیں  
کاشت کاری کا یہ بڑا اہم راز ہے جو براہ راست اس کا تجربہ نہیں کرتے وہ اس کو شاید سمجھ ہی نہیں  
سکتے۔ البتہ کاشت کاروں کے لئے بہترین ایسا ہی شکل نقدی بندوبست کی ہے۔ یعنی فی بیگ کر  
میں رقم ملے کہ ان کو زمین دہی جائے۔ ایسے کھیتوں پر کاشت کار پر رازور لگا دیتا ہے کیونکہ  
رقم تو اس کو ہر حال دینا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جتنا زیادہ سے زیادہ تخم زمین سے اٹھا سکتے  
ہوں اس میں کمی نہ کریں۔ پہلے ایک فصل کے دو دو تین تین فصل تک ایک ایک کھیت سے اٹھا لے  
کی کوشش کرتا ہے اور یہ مشاہدہ ہے کہ جس کھیت سے بٹائی کی صورت میں کاشت کار تین چار  
میں خدیں سلا ز پیدا نہیں کرتا تھا نقدی کی صورت میں اسی کھیت سے دو دو سو تین تین سو پچھ  
پیدا کر لیتا ہے۔ اچھی سے اچھی قیمت کی چیزوں کی کاشت کرتا ہے۔

بہر حال یہ تو کاشت کار اس کی بندوبست کے مختلف طریقے ہیں اور جب کہ میں نے عرض  
کیا ہے تو بٹائی کی مذکورہ بالا شکل عام علماء اسلام کے نزدیک جائز ہے۔ مگر محدثوں کے دیکھنے  
سے ایک اور بات معلوم ہوتی ہے۔

میرا مقصد ہے کہ جب عموماً صاحب جہ میں بٹائی کا طریقہ مروج تھا اور قبول ملام تہجدی،  
مالک المذبحۃ اہل بیت الاول  
نیز عموماً اہل اہل بیت الاول  
تہا انہی میں سے کبھی نہ ہوتی ہو۔





مستحق رہیں گے۔ اس نے کہہ سکتا ہے، بارخ میں اس قدر جیل آئے۔ ہر بھاری بارخ چنے والے کو اپنی منت کا کیا بدلہ ملے گا۔ وہ سال بھر اس میں پانی دے گا، درختوں کو چلنے لگا، حفاظت کرے گا اور بالکل بارخ میں نابالغ شرط کی بنا پر ہر آدمی اس کی لے لے گا۔

لیکن یا وجہ اس عمومی جواز کے خصوصیت کے ساتھ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ شہد  
اماموں میں ایک ایسے امام گذر سکے ہیں جو کاخت ہو یا باخ یعنی زراعت ہو یا مسافت  
دونوں صورتوں میں پٹائی کے طریقہ کو ناجائز قرار دینے پر مصر ہیں، ان کا مذہب اس باب میں  
نہایت عجیب سے یہ نقل کیا جاتا ہے:

ان لا یجوز فی المساقاة  
ولا الفیء و غرة الا  
بالدراهم و الدنانیر  
و ما اشبهها -  
(محمودی)

بخانی کا مساجد کا شے کری کا  
مساجد پر و صورت کے جواز کی شکل  
اس کے ساتھ نہیں ہے کہ وہ کہہ  
وینا و غیرہ (محمودی) کی شکل میں  
نقد و بست کی جائے۔

اب تک خود نیلے امام کے اس خیال پر حیرت کا اظہار کیا ہے حتیٰ کہ ان کے دو فاضل مشہور شاگرد محمد بن حسن و قاضی ابو برہم غک کے متعلق ملاوی کو لکھنا پڑا کہ

و اما ابو یوسف و محمد بن  
الحسن رحمہما اللہ قد ذہبا  
انی جوازہما جمیعاً۔

کافی ہیں۔ یعنی بٹائی پر سچی ماسٹر ہو سکتا ہے۔  
مگر اب شاید دنیا کی آنکھیں کھل رہی ہیں۔ بٹائی سسٹم نے کتنی زمینوں کی زرخیزیوں کو روک رکھا ہے۔ اس مافیضے سے جو کچھ بڑیا جائے گا اس کے ایک بڑے حصے کا مالک زمیندار ہو جاتا ہے جو لوگ زمینداری اور کاشت کاری کے معاملات سے کچھ بھی نگاؤ رکھتے ہیں، جانتے ہیں اگر کسٹوں کی اہتوں کو اس چیز نے کتنا پست کر رکھا ہے کہ مذکور بالا خوف سے زمین کھیتوں پر پوری محنت کرتے ہیں نہ قیمتی پیداواروں کے لگانے کی ان میں جرأت ہوتی ہے۔

اے موجود زمانے میں اس صورت حال کو دیکھ کر زمیندار جب چاہتا خاکسائی کو بے دخل بھی کر سکتا تھا اور اس پر لگان بھی ٹھکانا تھا۔ ایک تو یہ سوچ ہی گئی اور کچھ دن سے ہندوستانی کے مختلف حصوں میں احمد علی جوہر جی کا نام کم از کم کسانوں کو بے دخل کرنے کا اختیار زمین دار کو نہیں ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اب کسان مجبور کرتے تھے ہیں کہ خود جرتے ہیں اور کچھ دوسروں کو نفع کی حرکت کی طرف راہ بندوبست کر دیتے ہیں یا بعض تو راجدراکشت کار ہونے کے بعد زمین دوسرے کس فلاح سے آباد (باقی برسر آئند)

# حکومت کی آمدنی

## اصول اس کے مصارف و اغراض

حکومت کی آمدنی پر بحث کرنے سے پہلے دراصل خور کرنے کی بات ہے کہ حکومت کے زور سے سیکاری خزانوں میں جو دیر جمع کیا جاتا ہے اس کے اغراض کیا ہیں یا کیا ہونا چاہئیں۔ جہاں تک تاریخ اور مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے کبھی تو یہ آمدنی محض اس لئے جمع کی جاتی ہے کہ زمین لوگوں نے زمین کے کسی حصہ پر کسی ذریعہ سے اپنا ایسا اقتدار قائم کر لیا کہ عام باشندوں سے ان کے مطالبوں کا انکار یا ان کے مال کے لئے خطرہ بن جاتا ہے۔ اب اس کا نام خواہ کچھ رکھ لیا جائے تاہر یا بادشاہ یا گنگ یا کچھ اور۔ بہر حال محض ان کے اور ان کے اغراض و احوالی و مالی کے پیش و آرام کا مہیا کرنا ہی ان کی حکومت کی آمدنی کی غرض ہوتی ہے۔ حکومت کی آمدنی کے متعلق تنگ ترین نقطہ نظر جو ہو سکتا ہے وہ یہی ہے لیکن کیا کیا جائے کہ دنیائے اس کا تدارک دیکھا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر جو نصب العین اس آمدنی کا ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس آمدنی کو دشمنوں کے خطرات سے محفوظ رکھنے اور آمدنی پیدا کرنے والوں کو ان کی حفاظت کے ساتھ دولت کی پیدائش میں مشغول رکھنے کے لئے جس ساز و سامان کی ضرورت ہے وہ بھی اس آمدنی سے پوری کی جائے۔ مختصر فقہوں میں یوں کہئے کہ شاہی مصارف کے سوا کشوری (مستقلہ دولت پر مبنی) اور فریبی ذات پر خزانہ کا روپ صرف کیا جائے۔ پہلی غرض سے ظاہر ہے کہ یہ دوسری غرض اپنے اندر ذرائع زیادہ وسعت رکھتی ہے۔ اگرچہ اس وسعت کی بھی آخری غرض وہی ہوتی ہے کہ راجہ یا بادشاہ اور ان کے خاندان کے افراد کے پیش و آرام میں غفلت واقع نہ ہو۔

اس سے بھی چند قدم آگے بڑھ کر قیصر نصب العین یہ ہے کہ علاوہ مذکورہ بالا اغراض کے عام باشندوں کی مشترک ضروریات مثلاً صحت و تعلیم طریقہ مواصلات (ٹرکس، ریلوے، پوسٹ، ٹیلی گرام) وغیرہ اغراض پر بھی حکومت کی قوت سے جمع کردہ رقم صرف کیا جائے۔ غالباً اس کی

مہذب ترین حکومتوں کی آمدنی کا یہ بلند ترین نصب العین ہے جو قائم کیا جا سکتا ہے یا جیسا کہ کہا جاتا ہے بعض حکومتیں مثلاً جیسا کہ مذکورہ اغراض کی تکمیل کے لئے نہیں بلکہ محض محکموں کی رفقاہیت اور خیر اندیشی کے لئے اپنی آمدنی کا ایک بڑا مصرف اسی کو خیال کرتی ہیں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں عام طور پر حکومتوں کی آمدنیوں کے اغراض اس زمانہ تک عموماً مذکورہ بالا نصب العینوں سے آگے نہیں بڑھے ہیں۔ خواہ حکومت قوی ہو یعنی اپنی قوم پر ہر پاسی دوسری قوی پر۔

کیا حکومت کی آمدنی کے اغراض اس سے آگے بھی کسی وسعت فکری کو مستحق ہیں۔ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ مندرجہ بالا اغراض کے سوا جب یہ واقعہ ہے کہ حکومت اپنے محدود مقبوضہ علاقہ میں انہوں کی ایک بڑی آبادی کو بسائے رکھتی ہے۔ اور ان ہی آباد کاروں کی محنت و جانفشانی کی بدولت ایک ایک پیسہ دو دو پیسے اکٹھا کر کے کہوڑوں پر خزانہ جمع کر لیا جاتا ہے اور جب اس زمانے میں کم از کم یہ مان لیا گیا ہے کہ اقتداری قوت خواہ شخصی یا خاندانی رنگ میں چو یا کسی جسے اور فنی کی شکل میں ہوں ان کے پیش و آرام کے دیکھنے کے سوا حکومت کی آمدنی کا مصرف رعایا کی سہولتوں کا بھی اہم پہنا جاتا ہے۔ اسی لئے تعلیم و صحت وغیرہ کو بھی اب حکومتوں نے اپنے موازنوں کا جز بنا لیا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ سرکاری خزانے جن غریبوں کی پیشانیوں کے پیچھے کے قطرے قطرے سے سمندر بنتے ہیں کیا ان کی ضرورتیں ان ہی عام پہلے ضرورتوں تک محدود ہیں جن سے محکموں کے ساتھ ساتھ محکموں کو بھی ملنے پہنچنے کے سڑکوں پر اگر غریبوں کے جھکے اور پٹریاں چلتی ہیں تو اقتداری قوتوں کی سہولتیں بھی چھٹی ہیں تو انہوں ہی سے گزرتی ہیں۔ جن پہنائوں سے غریبوں کو دوا میں کمی ہے ان ہی کے مرضوں اور تائب مر جوں سے مالک مذکورہ کو کسی توڑ میل ایڈ وقت پر میرا سٹا ہے اور جن کالجوں اور محکموں میں ملک کے عام رعایا کے بچے خواہ کسی قیمت پر بھی جو علم حاصل کرتے ہیں۔ ان ہی سے حکومت کو اپنی مختلف مشنری کے لئے ہرزے بھی ملتا چلتے ہیں۔ پیشانہ ملک کے آباد کاروں کی ضرورتیں ان ہی مشترک اور عام ضرورتوں تک محدود نہیں ہیں۔

آئران ہی میں آئے دن کتنے کچھ قتم چلتے ہیں۔ کتنے جہاں ہڑے ہو کر بیکار ہوتے رہتے ہیں۔ کتنی عورتیں بزدل ہوتی ہیں۔ کتنے تاجر نقصان اور خساروں میں مبتلا ہو کر دیوار بنے رہتے ہیں اور سب سے آخر میں یہ کہ کتنے کاشتکار غریب کاشتکار رفاقت ارضی و مساوی میں شکار ہو کر قرض دوام کے بوجھ کے پیچھے دب دب کر رہتے رہتے ہیں۔ کتنے جہاں باوجود تلاش و تلاش کے ہر ذرا گہرے پھرتے ہیں۔

کیا ان غریبوں کی غرضیں غریب نہیں ہیں یا ان کا حال قابلِ رحم نہیں ہے۔ وہی اپنی کمائی سے حکومت کے مالی خزانوں کو مہر کر رہے ہیں۔ لیکن جب یہ دیکھا جائے کہ ان کی غرضیں ہرگز نہیں کھائی جاتی۔

اسلامی مساجد  
 واقعہ یہ ہے کہ ملک کو ایسی ناگزیر ضرورتیں ہیں جو درحکوم و حاکم کی (۱) مشترکہ ضرورتوں سے ہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں جن کا نام آج رعایات عامہ و خیرہ ہے۔

نیکی عجیب بات ہے کہ جسے بڑے بڑے خاندان و حدود والی حکومتوں نے بھی کھل کر اس سوال کی طرف توجہ نہیں کی اور واقعہ یہی یہی ہے کہ حکومتوں کی موجودہ آمدنیاں اتنی کافی بھی نہیں ہوتیں جو حاکم و قزاقوں کے گلوں اور جنگوں کی تکلیف کے بعد اتنا بچا سکتی ہوں جس سے مشترک ضرورتوں کے سوا ملک کی اہم شدید ضرورتوں پر بھی باعنا بظلمت فکل میں کچھ خرچہ کر سکتی ہوں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ کبھی کبھی انجمن ہائے امداد باہمی کی تجویزیں سوچی جاتی ہیں تاکہ ملک کے متروکوں کا کچھ بوجھ ہلکا ہو۔ کبھی سرکاری سرپرستی میں برصغیر کی بہت اڑائی کی جاتی ہے اور پھر کے ایکٹ شہر بہ شہر گاؤں گاؤں میں پھر پھر کر سے چوڑے پائروں کی لاکھوں کے سامنے چیتوں اور چوڑوں کی تصویریں پھینکا پھینکا کر ہر شخص کو چول دیں میں مبتلا کرتے پھرتے ہیں، کبھی مسئلہ پروگرامی پر میدانوں میں یا پہاڑوں پر گیشیوں پر گیشیاں منسلک ہوتی رہتی ہیں۔ سوچا جا رہا ہے کہ آخر اس کا حل کیا ہے۔ کبھی سرکاری ملازمتوں کی تلاش دی گئی ہے دفاتر قائم کیے حکومت کے مصارف میں ایک اور جدید مصروف کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

سروست مجھے اس سے بحث نہیں کہ یہ ترمیمیں واقعی مفید ہیں یا بے حاصل اور زمین کی بعض شکلوں مثلاً جبریا انجمن ہائے امداد باہمی میں جو سودی کاروبار ہیں وہی جاری ہے اس کے متعلق اسلامی نقطہ نظر سے بحث کرتا چاہتا ہوں بلکہ دکھانا صرف اس قدر ہے کہ ان ساری خوشگلیاں سے اتنا بھر مال ثابت جو تاجہ ملک کی ضرورتوں کا انحصار صرف ان ہی مشترک ضرورتوں میں نہیں ہے جس سے تاجہ تیل و گیس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سدر و گریسا نہ جاتا تو انجمن ہائے امداد باہمی کا بادل چیر اور انٹرنیشنل والوں کی فوج خانچوں ماتم مراٹیوں و بے روزگاری اور دی کے ٹوٹنے و روئے کی آخر تو چھپ گیا ہو گی۔

الحمد للہ کہ اسلام نے جس وقت حکومت اور حکومت کے خزانے کی بنیاد ڈالی۔ بنیاد ہی کے وقت ملک کی ضرورتوں کا یہ سب سے آخری سوال اس کے سامنے پہلے آیا اور اس سوال کا حل بھی اس نے سب سے پہلے نکال دیا۔

مطلب یہ ہے کہ دین مژدہ میں جب اسلامی دعوت نے مذہبی دعوت کے ساتھ ساتھ ایک سماجی تنظیم کی شکل بھی اختیار کی تو ظاہر ہے کہ نہ اس وقت ملک تھا نہ خزانہ صرف چند لشکر کے بندے تھے جو اپنے ذاتی مصارف پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدان جنگ میں اٹتے (۳۳) سپاہیوں کو جو پہلی فتح بدر میں ہوئی اور خواہ جنگ کی تاریخ میں کتنی ہی چھوٹی جنگ کیوں نہ ہو لیکن حاکم کی تاریخ کے جتنے انقلابی فیصلے سر کے ہیں ان میں یقیناً سب سے بڑا انقلابی سرکہ یہی تھا اس جنگ نے وہ فیصلہ کیا جو آج تک ایک اہم فیصلہ بن گیا اور اب تک بنا ہوا ہے۔

اسلامی مساجد  
 اس جنگ میں سب سے پہلے ایک نیا سرمایہ اور وہ بھی غریب عرب کے ہمارے ہمارے مسلمانوں کو کچھ سامان امداد کیا اور بھی اسلامی حکومت کی پہلی آمدنی تھی۔ حکومت کی آمدنی کے متعلق مسلمانوں کا نقطہ نظر آئندہ کیا جوتا چاہیے کیا اقتدار حاصل کرنے والوں کے حش و آدم کا وہ ذریعہ ہے یا اور کچھ ہے حالانکہ ابھی حاصل ہی کیا چاہتا لیکن اگر براہِ دوا دل یا پھر کشت و حشر آنے لگاں چکر اعلان کیا

میشلو تک عی الا فستال  
 قل الا فضل الله والى رسولی۔  
 لوگ انفال (جنگ کے حاصل شدہ مال) کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ پانچواں اور رسول کا ہے۔

کس کا کچھ نہیں ہے مرنے والا ہے اور اللہ کی مرضی کی ناکندگی چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے اس نے رسول کا ہے اب ملک جو دنیا کا نقطہ نظر اوائل متروک حصہ یا حکومت کی آمدنی کے متعلق تھا، اپنا رنگ بدل گیا جب وہ بدل چکا تب اس اجمال کی تفصیل کی گئی،  
 واعلموا انما غنم من شیئ  
 فان لله خمسہ والى رسولی  
 ولذی القبطی والیتامی  
 والمسلکین وابن السبیل۔  
 اس کو ہائی لو کہ تم نے جو کچھ غنیمت میں حاصل کیا تو اللہ اور رسول اور فریادوں خیریتوں مسکین مسافروں کے لئے اس میں پانچواں حصہ ہے۔

یعنی جنوں نے لڑائی میں کام کیا ہے ان کو بھی ان کا خدایا حصہ دے گا لیکن آئندہ سے قانون بن گیا کہ اس راہ سے جو آمدنی ہوگی اس میں سے پانچواں حصہ حکومت کے لئے ہوگا یا تو سپاہیوں پر تقسیم کر دی جائے گی۔

حکومت کے خزانے میں جو یہ پانچواں حصہ جمع ہوگا اس کا مصرف کیا ہوگا۔ حالانکہ شدید ضرورت میں تھیں۔ تنہا اسلام شعی بھر دگادگوں کے ساتھ دشمنوں کے زخموں گھرا ہوا تھا سارا عرب مشرکین یہود نصاریٰ حتیٰ کہ رومی اور ایرانی حکومتیں جو کہ زمین کے اقتدار اعلیٰ کی حیثیت اس وقت رکھتی تھیں سب کی نگاہیں مدینہ کی اس دعوت و تنظیم پر لگی ہوئی تھیں۔ مگر دین کی حکومتیں جس مسئلہ کو اب تک سوچ ہی نہیں تھی اس پر اس وقت بھی عمل نہیں کر سکتی ہیں۔

تمام خلافت کے بے پرواہ ہو کر اسلامی خزانہ کی اس پہلی آمدنی کو پھر پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ پانچوں میں صرف ایک حصہ اس قوت کے ذاتی مصارف کے لئے مختص کیا گیا جس کے ذریعہ سے یہ اقتدار حاصل ہوا تھا۔ یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور ایک حصہ آپ کے جاں نثار رشتہ داروں کے لئے جنوں نے گھر سے دین تک آپ کا ہر مال میں ساتھ دیا تھا باقی تین حصوں کو بھائے کشوری و فوجی مصارف کے ملک کے امین علی و المساکین و السبیل (مسافروں) کے لئے چھوڑ دیا گیا اور یہ تو شروع میں ہوا پھر جب کل پندرہ بیس سال کے قبل عرب میں

اسی میں سوچو کہ آدمیوں والی جنگ کے فتح کا دائرہ امتداد وسیع ہو گیا کہ اس میں ساری دنیا کی حکومت ہمارے  
حکومت کا اکثر حصہ سما گیا تو غریبوں کے لئے والی زمین کے حاصل اور کھاد کو کچھ کر دینے والی دولت مدینہ  
والی حکومت کے خزانے میں سمٹ کر آئے گی تو کیا اس وقت بھی اصول فراموش کر دیا گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاسی اقتدار عرب میں بڑھنے لگا  
اور عرب کے قبائل مختلف طریقوں سے آپ کے زیر اثر آ گئے۔ دینے کے اطراف کے یہود اور غریبوں کے  
یہود کی زمینوں پر قبضہ کر لیا اور وہاں مختلف ذرائع سے آمدنی کا امکان پیدا ہوا  
تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حیدر پارک ہی میں ایسی صورتیں اختیار کیں جن کے ذریعہ  
سے اسلامی خزانہ میں دو قسم کی آمدنیں آئے لگیں۔

(۱) ایک آمدنی تو وہ ہوتی جس کا نام خراج رکھا جاسکتا تھا اور یہی بعد کو اس کا نام ہوا  
اور ایک آمدنی کی مدد سے حتیٰ جس کا نام الصدقات تھا۔

خیر مسلم اقوام کی زمینوں (یعنی کیتوں اور باغوں) سے جو آمدنی آتی تھی یا بجز کے نام سے  
جو محصول ان سے وصول ہوتا تھا اس کا شمار تو خراج میں تھا۔ اس کے سوا مسلمانوں کی زمینوں کی  
کی شہادت مسلمانوں کے کوٹیشی (جو بطور کاروبار کے پائے جاتے تھے اور اکثر زمانہ ان کا جنگوں میں  
گزر جاتا تھا) مسلمانوں کی اندوختہ دولت پر شکل سونا چاندی ان پادریاں سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کا  
نام الصدقات تھا۔ پھر اس میں غنیمت کے غنم (یا بچھریں) جس سے تین حصہ بھی جو ایت ملی والسا کیں  
وہیں البقیل کے لئے مخصوص تھا۔ یہی الصدقات میں شریک کر دیا جاتا تھا۔

خراج کی آمدنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں تو تھوڑی تھی لیکن حضرت علیؓ کے  
زمانے میں خراجی آمدنوں کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے۔ حالانکہ گذشتہ حکومتوں کے تمام حالات کا مطالعہ  
مذکورہ کر دیا گیا تھا۔ اسلامی قانون ہے کہ کسی زمین پر زیادہ سے زیادہ خراج نصف پیداوار سے  
زیادہ نہ لگایا جائے نیز

۱) عتق علی اس میں الخراج	۲) اگر خراجی زمین کو پانی سے نقصان
۳) عتق اور قطع الماء او	پھینکے یا آب پاشی کے ذرائع منقطع
۴) اصطلاح الزرع مع فلاخ الخراج	ہو جائے یا زمین برباد ہو جائے تو
علیہ (حد ۲۰)	وہی زمینوں سے خراج وصول نہ ہوگا۔

نیز اسی طرح جزیہ سے ظاہر ہے کہ صورت یہی ہمارے مذکورہ جزیہ کی جگہ (مثلاً ہادی جہاں)  
خاتم وغیرہ مستثنیٰ تھے مگر کاروباری آدمیوں پر لگایا جاتا تھا۔ وہ بھی اگر مسلم جزیہ ہے تو اس کی  
کوئی مقدار مقرر نہیں کی گئی اور ان سے تقریباً ایک روپیہ یا دو روپیہ سالانہ متوسل  
طبقہ والوں سے آٹھ انہا روپیہ چار روپے سالانہ اور انی طبقہ سے مہارہا روپے سالانہ اور  
درمیانی سال میں اگر کوئی مر جاتا تو اس سے جزیہ ساقط ہو جاتا۔ پھر جزیہ کے صلے میں خیر مسلم لیا گیا کہ

فری خدمت سے سنا کر دیا جاتا تھا امام ہیں۔

لا فہ وجب نصرة الفقہا ثلثہ

تاکر جنگ کرتے والوں کی باشندوں کی دولت آباد ہو۔

اسی وہام اس کی خراج میں لگتے ہیں،

ای خلیفا عن نصرة مقاتلہ

اصل اولاد من حرمین

احمل دار الاسلام علیہ

نصر مقدر وقت خاتمت۔

مصلحتیں ہر ملک کی گئی کہ جو بھی اسلامی قہر کا باشندہ ہے اس پر واجب تھا کہ جنگ

کرتے والوں کی آباد کرے اور یہ بات جو کہ زمینوں کے حق میں ہوتی تھی اس لئے

اس سے بچا ہے جنگی امداد کے جزیہ یا جاتا ہے۔

مثلاً صریح ہے کہ الخراج (یعنی جزیہ اور خیر مسلم رعایا کی زمین کی آمدنی خواہ اس زمین کو مسلمان ہی ہے  
کیوں خرید لیا گیا ہو) حکومت کی آمدنی کی ایک علیحدہ مستقل مدنی اور اس کے مالک نہ خلیفہ اور نہ سلاطین  
زمینوں کا کوئی خاص ہفتہ بلکہ جیسا کہ قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں

الخراج فی الجہج المسلمین۔

خراج تمام مسلمانوں کی مشترک

کتاب الخراج ۱۰۱

یاد رکھنا چاہیے کہ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف کی کوئی ذاتی کتاب نہیں ہے بلکہ خلیفہ ہارون الرشید  
نے جو دستور حکومت اپنے لئے بنایا تھا وہی کتاب ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اس کتاب  
میں جو کچھ لکھا گیا ہے کم از کم خلیفہ بنی عباس تک وہ مسلم تھا اور حکومت میں اس کی بیش قیمت تھوڑی لگائی  
پھر مال خراج سارے مسلمانوں کا مال تھا اور خلیفہ اس کی آمدنی کے نگران تھے۔

اور اپنے حوالہ پر ہر جس کے وہ خدا کے پاس ذمہ دار تھے خراج کرنے کا اقتدار رکھتے تھے اسول  
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جیسا کہ پہلے چکا چوں خراجی آمدنی تھوڑی تھی اس لئے حضور  
انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو ہر سال اس خراج کے تقسیم ہونے کی قربت ذاتی تھی بلکہ

ملہ فتح کے بعد جس ملک کی خیر مسلم رعایا کا قبضہ ان کی زمینوں پر بحال رکھا گیا ہو، خواہ قرانی سے ملکہ فتح  
ہو یا صلح و عاشق سے اس ملک کے لوگوں نے مسلمانوں کی حکومت تسلیم کر لی ہو، ان زمینوں کے مالک وہی  
خیر مسلم لوگ رہتے ہیں حکومت کو صرف خراج لینے کا حق ہے۔ اور اگر مسلمانوں میں کوئی ایسا مذہب خبیثہ کا قریب  
وہاں کا مالک ہو سکتا ہے جس میں کوئی دینی خراج اور آپس سے کا حضرت حسنؓ و حسینؓ و محمدؐ و اہل بیتؑ  
نے خراج نہیں دیا تھا۔ لیکن اس کو بھی خراج دینا اور اگر پڑا ۱۱



سائنات میں جو مسادات کے حامی ہیں شائد ای کو خبر نہیں ہے کہ اسی جہات میں جہاں ہے کچھ لوگ اسے کہتے ہیں لیکن جہاد صدیقی کے بعد جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے انھوں نے مسادات کے اصول کو بدل دیا اور فرمایا کہ

لا ارجل من قاتل رسول الله  
صلی الله علیہ وسلم  
کمن قاتل محمدا  
وہے کہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر جنگ کی۔

پھر انھوں نے خدات و حقوق وغیرہ کے لحاظ سے ایک فہم رتبہ کی جو مہجور ہے۔ بدینہ جوشکی تھے اُن کا سالانہ وظیفہ پانچ پانچ ہزار درہم یا ایک ہزار ڈھائی سو روپے سالانہ جو ہری تھے ان کو چار چار ہزار درہم سالانہ اور اسی طریقہ سے مختلف جہات اور حیثیتوں سے انھوں نے بعضوں کا زیادہ اور بعضوں کا کم وظیفہ مقرر کیا۔ سب سے بڑا حصہ امہات المؤمنین کا تھا یعنی بارہ بارہ ہزار درہم سالانہ۔ اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کا علیہ اسامہ ابن زیدؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹا ذکرہ غلام تھے) سے کم مقرر کیا حضرت عبداللہ نے باپ سے شکایت بھی کی اور باپ میں حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

ای ما اسلمہ کاوی حب  
انی رسول الله صلی الله علیہ وسلم  
من دینک وکان اسلمہ  
احب الی رسول الله صلی الله علیہ وسلم  
منک۔

انھوں نے حضرت کی ذات مبارک کو مرکز قرار دے کر چاہا ہے جس جس حیثیت سے زیادہ قریب تھا اسی قدر آپ نے اس کو ترجیح دی ہر شہروں میں مدینہ منورہ سے زیادہ قریب تھا کہ وہی مدینہ (شہر) تھا۔ اس لئے اس کو سب پر مقدم کیا گیا مدینہ کے بعد مکہ کی باری آئی۔ آٹھ آٹھ سو درہم سالانہ ان کے باشندوں کے نام بھی جاری ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ آمدنی جیسے جیسے بڑھتی جائے گی حکام کے دائرے کو وسیع سے وسیع کر دیا جائے گا۔

خداوند اور میں مدینہ کے مرقع باغ مرقعوں اور حوروں کے نام و کائنات مقرر ہوئے مگر جب وسعت پیدا ہوئی تو

للتنفوس اذ لم یحیئہ امۃ مائۃ  
درہم واذ انزل علی عاصم بن  
جابرؓ اور جب جہاں چھوٹا دیکھو دوسروں کو دیا جاتا تھا۔

اور یہ طرز عمل تو خراج کی سائنس میں اختیار کیا گیا تھا جو روپے کی شکل میں ہوتی تھی لیکن بعض حلقوں سے غلط فہمیاں پھیل گئیں کہ مدینہ والوں کے نام سالانہ خراج کا مقدار بھی مقرر کر دی گئی یعنی فی کس سات ہزار دو سو گز مرقع زمین کی پیدوار (گیہوں) دی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقطہ نظر کا اندازہ اس مشہور واقعہ سے جو مکہ ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ ایک دفعہ خراج لائے حضرت عمرؓ نے پوچھا کتنی رقم ہے۔ ہوئے اُن اُن اُن حد کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حیرت ہوئی اور فرمایا

هل تدلری صا تقول۔  
نم بھی روپے ہر ایک کم روپے ہر۔

ابو موسیٰ نے کہا

فقد من مائۃ امان  
ومائۃ امان حقى عبد  
عشر امان۔

حضرت عمرؓ نے اس کو رشاد فرمایا

ان کنت صا قاصوین  
الراسی ضیہ من حد لال  
وہو بالیون ودمہ فی وجہ  
پھر بے یکر ہو۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ وہ چار شہروں یعنی مدینہ یا مکہ یا فہم یا حنین کو نو سو روپے و دیگر ایک اس تقسیم کو محدود نہیں رکھنا چاہتے تھے بلکہ ہر سال ایک ایک روپے سنائی گئی تھی آپ کا خیال تھا کہ اسے پینا یا پانچ کر کے اس کی شکل سے خراج کی ساری آمدنی مسلمانوں کا مشترکہ سرمایہ تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نقطہ نظر کا غلط فہمیاں پھیل رہے تھے انھوں نے یاس انا ذافرنا ہے

والله الذي لا اله الا هو  
ما احسن الا وله فی حد لال  
حق (الخروج والی مدینہ)

یعنی یہ تو میری ہے لیکن جس خاص خصوصیات کی بنا پر پہلے اُن لوگوں تک پہنچا یا جا رہا ہے جس کے زیادہ مستحق ہیں یا تو شخصی خصوصیات کا یا تو انھیں آپ نے یاس انا ذافرنا فرمایا ہے۔

والکنا ناسر لنام کتاب جہ  
عن رسول الله صلی الله علیہ وسلم  
صلی الله علیہ وسلم قال  
تلاذ فی الاسلام واولی  
یعنی قرآن نے جہاد کے طریقے ہیں  
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات  
مبارک سے قریب و بیکے حبیب سے  
پھر اللہ لوگوں کی پہنچ سکتا ہوا اس لئے



قد مہ فی الاسلام والرجل  
غناہ فی الاسلام والرجل  
حاجتہ فی الاسلام  
اسلام میں اس کی مالی ضرورت کا حال کیا ہے۔

مطلب وہی شکر قرآن مجید نے خود فریضہ کر دیا ہے کہ  
لا یتقوا منکم من الفسق  
من قبلی الفسق وقائی اولئک  
اعلمہ۔ صریحاً من الذین  
انفقوا من بعد وقتنا  
وکلا ویعد اللہ المحسنی۔  
جنوں سے بد کو خرچ کیا اور دے۔ یا تو ہر ایک سے خزانے اچھی باتوں کا  
دورہ فرمایا ہے۔

یہ فرق مراتب تو ان لوگوں میں تھا جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد اسلام کی وہ میں جوانی  
والی قربانیاں پیش کیں۔ پھر جن لوگوں نے یہ قربانیاں ان کی ستیوں اور جنوں نے نہیں کی ستیوں  
ان میں بھی فرقان سے مدارج قائم کر دیئے تھے عیناً،

لا یتقوا منکم من الفسق  
والعوم من غیر اولی الفسق  
والجہاد علی الدین فی سبیل اللہ  
بما وہا المسلمون انفسہم فضل  
الجہاد علی الدین بما وہا المسلمون  
انفسہم علی الدین علی الدین  
وس جہادہ وکلا ویعد اللہ  
المحسنی۔ وفضل اللہ الجہاد  
علی الدین الجہاد علی الدین  
سب سے پہلے ہے اور جہاد کرنے والوں کو دینے والوں پر خزانے بڑے  
اجر کے ساتھ فضیلت عطا کی ہے۔

پھر اس کے ساتھ معذور علی اللہ علیہ وسلم کے شوق کی بنا پر بھی قرآن ہی میں،  
یا مناء اللہ لیس لیس کا حد  
من انفساء۔  
اسے بھی کہہ سکتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حوریں جیسی نہیں ہے۔

و فرمایا کہ اس کی جانب اشارہ تھا اور اس کا حق خدا ہی پر تھا۔ اگر حضرت  
ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے میں خفا کیے تو ان کو ان خودی قرار دے کر معافی مانگا ہے کہ  
مساوی کر دیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے معافی کی استحقاق میں بھی اس کا خیال کیا پھر حال دونوں کے  
اجتہاد کی کج بنیاد اسلام میں موجود تھی۔ مگر یہ روایت اگر صحیح ہے کہ انہوں نے حضرت  
لے اس میں سال و سال کثرت  
زادہ ہو گئی ہے۔

قرآن کریم کا ہر ایک

لشی حشمت من ہذا  
من قابل لا یحق اخیری اس  
با و الحمد حتی یکر فی غلظہ  
سوام و لکی قری سرحمہ اللہ  
قبل ذلک۔  
اگر آئندہ سال اسی رات گھبراؤ  
رہا تو کچھ لوگوں کو پہلے لوگوں کے  
ساتھ ملا دوں گا۔ تاکہ وہ فیض میں رہیں  
ہر ایک کو جانیں (روایت کیا جاتا ہے کہ)  
لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کج  
اس سے پہلے ہو گئی۔

(الترغیب والترہیب ص ۱۰۰)

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کثرت آمدنی کی شکل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مساوات  
ہم کے قائل تھے یعنی اگر آمدنی اتنی ہو کہ سب پر تقسیم کرنے کی سورت میں ناکافی ہو۔ اس وقت تو  
فریضہ و تقسیم پر عمل کرنا چاہیے لیکن اگر سب کو کافی ہو سکتی ہو تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
بھی مساوات ہی کے قائل تھے۔ گویا ان کا خیال تھا کہ اگر کسی کا یہ مال ہر شخص تک پہنچا دیا  
جائے۔ انہوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ اس مال کو وہ پہنچانا چاہتے تھے تو اس کا مطلب اور کیا ہو سکتا ہے  
کہ ہر مسلمان کو خزانہ کی آمدنی کا وہ حصہ دینا چاہتے تھے نیز اگر وہ دوسرے سال تک زندہ رہتے تو سب کو  
ہر حصہ دیتے لیکن انفس کو ایسا نہ چاہا۔

سنہین پہنچی اور دوسری کتبوں میں حضرت عمرؓ کی ایک اور تقریر کا بھی ذکر ہے، لکھا ہے کہ حضرت  
عمرؓ نے صحابہ کو جمع ہونے کا اس لئے حکم دیا کہ ہجرت اللہ سال فانظرہ اللہ توفیقہ (اس  
مال یعنی بیت المال میں جو آمدنی جمع ہوئی ہے) اس کے متعلق یہ کہیں کہ انہوں نے اس کے مالک کو بلایا  
ہو۔ لوگ جب جمع ہوئے تو کھڑے ہو کر آپؐ کے تقریر فرمائی۔۔۔

ای تقریر کہ ای تمہو لعلہ  
تتظروا لمن ترونہ وانی قد  
قلات آیات من کتاب اللہ  
یقول مساواتہم اللہ  
علی مولہ الخ  
میں نے آپؐ کو اس لئے بلایا  
ہے تاکہ تم کہیں کہ مال کس کا ہے تو مجھے  
قرآن کی ان آیتوں کو جو پڑھ چکے ہیں  
اللہ نے جس بستیوں والوں کو اپنے  
پروردگار کے طرف سے ہے الخ

اس کے بعد حضرت خزائنوں کو نکالتے جاتے اور فرماتے کہ صرف ان ہی لوگوں کا نہیں ہے۔ آخر میں فرمایا واللہ ینبغی ان یجوزوا من بعدہم (اور جو لوگ آئے عہد جاریہ کے بعد اس کے بعد آپ نے فرمایا واللہ ینبغی ان یجوزوا من بعدہم (اور جو لوگ آئے عہد جاریہ کے بعد اس کے بعد) اور صحت حق سنی بعدت (مگر ان کا قسم کوئی ایسا مسلمان نہیں ہے جس کا حق اس مال میں نہ ہو) خواہ اسے دیا جائے یا نہ دیا جائے۔ حتیٰ کہ حد میں جو یہ دیا ہے اس کا بھی لایہجس (صحیح) خراج کے دوسرے مصارف | خراج کی آمد کے متعلق جو تفصیل اور پیش کی گئی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس آمد کی کارمن بھی ایک صرف متاکر مال جمع کیا جائے۔ اور یہ قصہ صدیقی (یعنی مسافرا) یا بر قاضہ فاروقی (یعنی تفصیل و ترجمہ) مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائے بلکہ اس آمد کی کا پہلا مقصد ہے کہ مسلمانوں کے عام شہر کی و فوجی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔ بالاتفاق تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ

ما جبہ الامام من الخراج	امام حکومت کو جو آمدنی خراج سے ہو
ومن اصول جنی قلب و صا	اور جنی قلب کے مال سے جو ملے اور
احد الامام حل الحرب الی	ایک حرب سے جو کچھ بلوچیدہ و غنم کے
الامام و بالجزية يعرف	اسی حکومت کو دی اور جز کے ذریعہ
فی مصالح المسلمين كالشور	سے جو آمدنی ہو، بیماری آمدنیوں
ویناء القنابل والجسور	مسلمانوں کی عام ضرورتوں پر خرچ
و یعطى قضاة المسلمين	کی جائیں، مشاعر و سون کی حفاظت
وعلماء و علماء و صوفیہ	دریافتوں پر بھی دیا جائے اور مسلمانوں
ما یکفہم منہ و یدفع منہ	کے قاضیوں کو ان کے حال اور حکام
اورشاق القضاة و غیر ذلک	و علماء کو دیا جائے جو ان کے لئے
اچار	کافی ہو اور فوجیوں کے مال پہلے

کی تحریروں پر آمدنی صرف کی جائے۔

جس سے معلوم ہوا کہ حالت و فروع پہلے در کس (مواصلات مثل بی شرک و غیرہ) تمام مصارف، خراج اور متعلقات خراج کی آمدنی سے پورے کئے جائیں گے صرف یہی نہیں بلکہ شہادت کے صلہ میں کیا جائیگا۔ اسی آمدنی سے ہونی چاہئے، ایہی ہام کہتے ہیں، و یعطى ایضا للعلماء و المتعلمین نیز سے پڑھانے والوں کو بھی اس آمدنی سے دیا جائے۔

پیر شہ اسامی حکومتوں نے عہد خلافت راشدہ سے آغاز تا زیک صحت عامہ کے لئے دواخانے اور شفاخانے بھی جاری رکھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر بھی اس روئے کو خرچ ہوتا چاہئے

ان شرک ضرورتوں کے بعد جو روئے نکال جائے وہ مسلمانوں میں خواہ صدیقی خواہ فاروقی رسول سے بانٹ دیا جائے۔ ممکن ہے کہ اس زمانے میں لوگوں کو اس پر حیرت ہو لیکن جب مسلمانوں کا امیر اپنے کو صاف انا فیہ الا کا حد کہہ دیتا ہے تو اس میں نہیں لیکن تم ہی میں کسی ایک کے جیسا (حضرت عمر) (الترجہ)

قراردیت ہوا اور اپنے بیٹے کو مسلمانوں کے آزاد شدہ غلاموں کے خاندان والوں سے کم حصہ دینے کی اپنے اندر قوت اور ہمت رکھتے ہو تو جو کچھ کر کے دکھایا جا چکا تھا صرف وہی نہیں بلکہ جس کا آئندہ خستہ ملوہ بھی ہو کر رہتا لیکن حکمان امور اللہ۔ سر احمد دوسٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنم نے غنم کے طریقوں سے آنے والے مادوں کی طرف اشارہ فرمادیا تھا کہ انکے مستحقون بعدی آخر۔ تم لوگ میرے بعد ہر چیز میں سون کا مشاہدہ کر کے۔ (جہاد)

بھاری بھی کی لیکن رعایوں میں اقرضہ شدید کا کے الفاظ بھی آئے ہیں سو دیکھا گیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی تعمیل فرماتے ہوئے کہ

فاصلہ و حق تعلق و حق (الموصوف) ہر جہر کرنا حق کو عرض پر چھوے آ کر لیا جاؤ۔

جو کچھ ہوتا رہا دیکھتے رہے اور میں سے اسی حال میں عرض پڑے گا وہ کیا تھا اس سے اسی حال میں عرض پڑے گا۔ غلہ ۲۱ لقی الاحبہ محمد ا و حزبہ کچھ چائے لی گئے فاتا اللہ و اللہ راجعون۔

بہر حال خراج و متعلقات خراج کے نام سے جو مراد اسامی حکومت کے خزانے میں جمع ہوتا تھا جسے اس کے متعلق کچھ پوچھتے تو اس بات کہنی بھی نہ تھی۔ تقریباً اس کے اخراجات وہی تھے جو عام طور پر مذہب حکومتوں کے خراج کی غرض ہوتی ہے۔ البتہ اس آمدنی کا ایک بڑا حصہ ملوہ و رفاہیات عامہ کے ہوا قناری حاکم زقروق کے رنگارنگیوں لطیف پر خرچ کیا جاتا ہے اسلام نے نبیائے اس کے اس کا صرف خود مسلمانوں کو قرار دیا تھا کیونکہ وہ ان ہی کا مال ہے۔ حتیٰ کہ کشوری و فوجی ملازمین کو جو تنخواہیں ملتی تھیں بے جھجک اس کی توجہ ہمارے فقہاء بھی کرتے تھے شفا دہا میں ہے کہ یہ خرچ اس لئے ہے کہ

حولاء علمائہ و شفقۃ اللہ علیہ (یعنی رسول اور شری) (غلاموں کے

لے لے کر انہ دونوں سے کوئی گدہ نہ ہو۔ اور ان کی حاجت سے۔ صابرا تم کو اس سے پہلے شرک بنایا تھا نہ تم سے

علی الا بناء فتولم یطوعا  
کفایت عمل لا احتاجوا فی  
الا کتساب فلا یتفرعون  
للقفال۔

تو اس کی وجہ سے کہ ولاد کے مصارف باپ پر حائل ہوتے ہیں۔ مگر ان کی اولاد  
استاد دیا جائے جو ان کے لئے کافی ہو سکے تو پھر ان کو خرچہ کرنے کی ضرورت ہوتی  
ہو جائے گی، پھر ملک کے لئے فارغ التحصیل ہو کر اپنے آپ کو پیشہ تیار نہیں کر سکتے۔  
جب "اف" کا دور نہیں آیا تھا اس وقت حکومت کے اہل ملازمین کو کیا حالت تھی۔ قاضی امیر یوسف  
راوی کہیں کہ کوثر

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ  
عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قتالی حنیف  
عمار بن یاسر کو بھیجا کہ نماز اور جنگ  
کی نگرانی اس کے پاس رہے اور عبداللہ  
بن مسعود کو قضا (عدالت) اور رسول اللہ  
(فرمان) پر مقرر کر کے بھیجا۔ حنیف بن  
حنیف کو زنجیر کی پکڑائش کے لئے مقرر  
کر کے روانہ کیا۔ اسی سب کے لئے  
مونا زید ایک بکری (کھانے کے لئے مقرر  
ہوئی) عمار بن یاسر کو اور چوتھا  
اس کا جہد مشر بن مسعود کے لئے نہ کرنا  
چوتھا قتالی حنیف بن حنیف کے لئے تیر  
کہا کریں، آپ کو اور تم کو اس مال کے  
حساب سے دیکھ خیال کرتا ہوں کہ  
شریم کے مال کا مال اس کے دلی کے  
ساتھ ہے کیونکہ مشر حنیف نے فرمایا  
ہے کہ جو میری دھرتی کے مال سے اس

کہے اور جو خیر یا بد اور ستر کے مطابق کہائے۔  
 ہر ہے کہ یہ حلال و حلال (بیت المال) کے سوا ان بزرگوں کا یہ میر (راشع) تھا۔ لیکن جو خیر و خیر  
 منہ و ہند و بہت تینوں حکموں کے اعلیٰ ترین افراد کے راشع میں بھی کل ایک بکری روزانہ  
 پر بھی حضرت عمر کا یہ فرمانا،

ماہر ہی اس مضمون کو ختم کیا  
شاید فی کل یہ مراد لا مستخرج  
خروجاً۔  
جلد کیوں نہ آئے۔

بلکہ اس سے حضرت عمرؓ کے طریقہ  
 صحابہ عمرؓ میں رشتہ حاصل  
 بحسب حاجت و ملوکہ -  
 (الاسلام والحدیث النورین ص ۱۳۱)  
 ویا کرتے تھے۔

کی شریعت ہو سکتی ہے۔  
اور کچھ تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے جب اپنے فیضانِ اعلیٰ تک کے غم و غم کو دیرِ ستار  
بیتِ عالی میں ان کا حق بھی،

قوتہ وقوت عیالہ لادکس  
 ولا شطاد کسوتہم وکسوتہ  
 عیالہ اللشام والصفیہ و  
 دابتانی الی جلداء وحوشیہ  
 وصلاح وحمیہ وعلیہ  
 السلام والحمد للہ العزیز

مرن این کی خدا کی اور این کے بال  
 بچوں کی خدا کی زیادہ دیکھنے کا  
 لباس چاٹے اور گرمی کے لئے اور  
 سواری کے جانور چار اور عام ہونکر  
 ہنس زوں اور بچہ و عمرہ کے لئے  
 (میں کرتا ہے)

میں سے بیعت المال کی فیاض کا پتہ چلتا ہے۔ جس نے ایسی بیت المال سے فائدہ نہیں اٹھایا ہے  
رہنمائی اور بھی آنکھ کو دیا۔ سید فرماتے ہیں کہ چندوں کے پیشہ عمل کی زکوٰۃ نے کریم حضرت عمرؓ کے پاس  
حاضر ہوا آپ نے فرمایا کہ ہمارے خزانے سے تم نے کچھ یا بھی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے نہیں بھی تو  
مجھے کچھ نہیں ملا ہے، تیرا آپ نے فرمایا کہ

فانرجع بک صحتی فاصبر متا  
شیئا متواضعا بعدا۔  
(ابن سعد ۱/۱۵۱)

فرمایا واپس لے جاؤ اپنی زکوٰۃ کی  
رہنمائی، پھر جب ہمارے خزانے سے تمہیں  
کچھ نہ ملے گا تو اسے نہ کرنا۔

اس سے بیت المال کی فیاض کا پتہ چلتا ہے۔ جس نے ایسی بیت المال سے فائدہ نہیں اٹھایا ہے  
رہنمائی اور بھی آنکھ کو دیا۔ سید فرماتے ہیں کہ چندوں کے پیشہ عمل کی زکوٰۃ نے کریم حضرت عمرؓ کے پاس  
حاضر ہوا آپ نے فرمایا کہ ہمارے خزانے سے تم نے کچھ یا بھی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے نہیں بھی تو  
مجھے کچھ نہیں ملا ہے، تیرا آپ نے فرمایا کہ

ما یكون بحق لکرمی النصار  
والمشورک واجرة الحارص  
للصلة والخلقة فیصیر  
الیدیش وفلا الالاساری۔  
مملکت کی حاجت کرتے ہیں اور وہ حصول جو خرچ کی تیاری کے لئے حاکم کیا جائے  
باقیروں کا ضرر وادار کرنے کے لئے حکومت کو ضرورت ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اگر واقعی اور کج ضرورت پڑ جائے تو اس وقت حکومت باشندوں پر جبر نہیں خوات  
ایک دفعہ وصول کیا جائے یا قسطنطنیہ پر تقسیم کر دیا جائے جائے اور عام پبلک پلاس قسم کے  
موصول کا وادارنا واجب ہے جس کی وجہ ابھی ہمارے لئے لکھی ہے کہ

لانہا واجبة علی کل مسلم  
موسر یا حبیب طاعة اولی  
الامر فیما یقہ مصلحة المسلمین  
(اس ۳۲۲)

خلافتی زمین پر چاہے۔ حکومت کے ہر مظاہر کی اور ایلی کو خیر واجب نہیں کہنے بلکہ یہ وجہ ہائی  
مظاہرین تک محدود ہے جن کا قسطنطنیہ مسلمانوں کی عام واقعی ضرورتوں اور ملک کے ضروری مصالح سے ہوں  
در نہ ہدایہ اور اس کی شرح میں اس کے بعد تشریح کر دی گئی ہے کہ حکومت کے ایسے مطالبات جو

ایسی مسابحات  
نہیں بحق کا لجا بیات فی فضائنا  
بیلاد و فارسی علی الخیاط و الصباغ  
وغیرہ صمد للسلطان فی  
کل یوم راو الشہر او ثلاثہ  
اشہر فاغنا ظلمہ۔  
اور اگر نام ضروری نہیں ہے، کرے ظلم ہے۔

شخص الازد سے ابھی ہمارے لئے لکھی کیا ہے کہ یہ مطالبات کا ز اور اگر ناقابل ہے اس کے متنازع ہیں،  
امام فی سنا مانتا اکثر الخواص  
قوغذ ظلمہ و من تک من فح  
الظلمہ من نفسه فهو خیر لہ۔  
(بخاری ۱/۱۵۱)

یہ قوی ایک ضمنی بات انہی میں یہ کہ رہا تھا کہ خراج اور خراج کے معارف بجز اس نقطہ لکھ کے کہ حکومت  
کی نہیں بلکہ عام مسلمانوں کی ملکیت ہے اور اس لئے مسلمانوں کی عام ضرورتوں سے جب تک مانے تو  
خود تہنیتی ہوتی رہے کہ ان ہی میں باغ دی جائے اس کے سوا اور کوئی اہم خصوصیت حکومت کی اس  
آدم کی نہیں ہے یا یہی چاہے تو پیدا اور کے نصرت سے خراج کا استناد نہ ہو تا وصول کرنے میں جی ہوس  
نہی اختیار کرنا سیلاب یا خشکی یا کسی دوسری وجہ سے اگر فصل خراب ہو جائے تو خراج کا کم کر دینا  
یا معاف کر دینا ان باتوں کا بھی اسلامی خراج کے خصوصیات میں کوئی پہلو ہے قواضافہ کر سکتا ہے  
مگر مشکل تو یہ ہے کہ زبان سے تو آج تقریباً دنیا کی اکثر حکومتیں اس کی بلکہ اس سے بھی زیادہ مراعات  
کی دہی ہیں۔ پھر ایسی باتوں کے ذکر میں وقت کیوں ضائع کیا جائے یا ان معاملات میں دنیا  
اگر اسلامی اصوات کی منت کشی سے انکار کرنا چاہتی ہے تو اب ان سے خواہ مخواہ ٹپٹے کی کیا  
حاجت ہے۔ دوم اور اب ان کی حکومتوں کا کسائوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا اور اسلام نے اس  
میں کیا ترمیم کی ایک غریب مقالہ کا مضمون ہے اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جبر یا زید ان جیسی  
حق پر حق جیسی جیسے اسلام کی ہر نئی بات کو چھوٹی ثابت کرنے میں مسلمانانہ کمال حاصل ہے  
اس کا حکم بھی زمین کے خراج کے متعلق نہیں بلکہ اسلامی خراج کے مشہور بنام دوسرے جزی میں  
تجزیہ تک کے متعلق اضطرازا اس اعتراض پر مجبور ہوا۔

والجنین یتہ النقی صفا  
یکفون د فہما فی السلیوں  
اقول کنیر عن مجموع النورث  
النقی کا فزیو و غانی الارورہ  
مسلمانوں کو جزی کے نام سے جو راجع  
(دوسری دایرہ افق) کا وادار کیا گیا  
حق۔ ان مسلمانوں کی مجموعی مقدار  
سے وہ بہت ہی کم خراج ہی ہوگا

اور انھیں ریاضہ و غیرہ امور میں مشغول رکھ کر ان کو سکھایا کرتے تھے۔  
 ہر حال حکومت خزانے میں درپردہ چھپا ہوا ہے موجودہ زمانے تک اس کے اخراجات اس سے زیادہ نہیں ہوئے ہیں کہ ملک کے باشندوں کی مشترکہ اور عام ضرورتوں یا مصالح کے لئے اس آمدنی کے ایک حصہ کو مخصوص کرنا چاہیے۔ میں بتا چکا ہوں کہ خزانہ آمدنی کا ایک بڑا مصرف اسلام نے بھی ہی مقرر کیا ہے۔ پہلے ہی اس کے متعلق ہمارے ایک عبارت پیش کی جا چکی ہے۔ ابھی ہم لکھتے ہیں کہ جو مصارف خزانے کے ہیں اسی طرح،

کذا الجزیه فی عمارۃ القتال  
 والفسوخ وسد الثغور و  
 کوری الاغصان والعمارة الخ  
 لا ملک لاحد فیما یکبھون  
 والافراد ووجہہ والی اور  
 الفقراء والمحبوبین والمطلوبین  
 والاطفال وحقن الدماء الخ  
 من المصروف (باب الفروع ص ۱۵۰)

اسی طرح جنہ کی آمدنی ہوں اور  
 گزرگاہوں کی تعمیر اور حدود  
 کے استحکام بڑی بڑی نہریں جو  
 کسی کی ملک میں ہیں مثلاً چرواہوں  
 وقت و بدل سے نہروں کو نکالنا قنبیل  
 کی مشیروں و محسوس و غریبوں کی تحریک  
 دینے کی حالت چرواہوں سے وغیرہ  
 مصارف ہیں آمدنی خرچہ ہوں۔

مگر یہاں اس بات (پہلے) پر غور کیا جائے کہ کیا اس حالت پر ایسے تقیعات و غزوات اور فوجی مشیروں پر ان کو خرچہ ہونا چاہئے اور عام طور پر دنیا کی مہذب حکومتیں یہی کرتی ہیں البتہ جو رقم اس کے خرچے میں نکال جائے اس کو پھر اس کے حقیقی مالک کو یعنی عام مسلمانوں میں امام اپنے حوالہ دیتے ہیں کہ اس سے ایک بات اسلام میں نہیں ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا ملک کی ایک اور بڑی ضرورت ہے جس سے کسی حال میں بھی قطع نظر نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی معذوروں بچے و بزرگواروں یتیموں اور یتیم خانوں کا مسئلہ جس کے حل کے لئے آج دنیا مختلف تنظیمیں برسر افتخار منش انجمنیں ہائے اعتماد بھی وغیرہ کی صورت میں اختیار کر رہی ہے اور حکومتیں بھی کہ ان کے ساتھ یتیم دہسٹریں لے رہی ہیں لیکن اس میں بے شک کو کسی حکومت نے براہ راست وراثت میں لینے کی جرات نہیں کی ہے ان کو اندیشہ ہے کہ اگر اس مسئلہ کو چھوڑ دیا تو حکومت کی موجودہ آمدنی اس کے لئے کافی نہیں ہو سکتی اور محسولات سے بڑھانے میں ملک کی عام تاریخی کا خلا ہے لیکن اسلام نے شیک اسی وقت جس وقت پہلی آمدنی نزد حکومت اس کے خزانہ میں آئی اسی مسئلہ کو سب سے پہلے اس نے اپنے سامنے رکھ لیا اور جیسا کہ میں کہ چکا ہوں بدلتی فتح سے غنیمت کے خمس (پانچویں حصہ) کی صورت میں جو پہلی آمدنی ہوتی ہے اس پہلی آمدنی کے تیس حصوں کو ملک کے اسی طبقہ کے لئے مخصوص کر دیا گیا جن کے مسئلہ کو باوجود شدید احساس کے اس وقت تک حکومت نے اپنے ہاتھوں میں ہی رکھ لیا تھا یہی غنیمت قرآن میں اس وقت جو آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی وہ جمل علی یعنی ایسا ہی دینا والے تھے وہیں اسمیل حضرت یونس کے

لوگوں کا نام تھا لیکن جوں ہی اسلام کا قدم آگے بڑھنے لگا اور حکومتی اقتدار میں دینی دولت اضافہ شروع ہوا تو قرآن مجید میں حکومت کے ذریعہ سے اس ماحصل شدہ اقتدار و قوت کے استعمال کا مسئلہ ان کو ایک ایسے طریقہ سے روشناس کیا گیا جس سے خاندان مسلمانوں کی نیا کی حکومتیں ناواقف تھیں اور اب تک ان میں سے کسی کو حکومت کی قوت کو اس راہ میں استعمال کرنے کی ہمت نہیں چڑی تھیں اس اجمال کی یہ ہے کہ گو ملک کے خزانہ و غزوات معذوروں کا مسئلہ اسلامی حکومت کی نگاہ میں شروع سے تھا لیکن ابتدا میں انھیں خمس غنیمت یعنی غنیمت کے پانچویں حصہ سے جو حق ان لوگوں کے لئے غنیمت کا تھا اس وقت اجمالاً محض اس گروہ کے تین ہی طبقہ کی بات سمجھ لی لیکن اب قرآن میں باضابطہ ملک کے ان معاشی حاجت مندوں کی ایک تفصیلی فہرست نازل ہو گئی جس کا دائرہ علاوہ ان تین جماعتوں کے چند ایسے طبقات کو محیط تھا جن کی طرف شائد حاجت مندوں کے نقطہ سے بھی لوگوں کا اثر ذہن منتقل نہیں ہوتا یہ مطلب ہے کہ ایسے لوگ جن میں معاشی جدوجہد کی قوت بھی ہو یا سکھ جاد بھی ہوئی ہو مثلاً جو یتیموں کا حال ہے کہ معاش حاصل کرنے کے لئے جہاں جہاں اور عقلی قوتوں کی ضرورت ہے ابھی ان کا نشانہ بھی ان میں لگا کر دیا ہے جہاں جہاں اور جس طاقت کے وہ زریعہ و روش تھے اس سے بھی وہ محروم رہ جاتے ہیں اسی طرح ایسے لوگ جن میں یہ قوتیں جاری ہوں لیکن بوجہ عجز یا کسی اور وجہ سے جدوجہد کی صلاحیت ساکن ہو گئی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ حصول معاش کی قوتیں جن کی مشترکہ ضرورت ہے۔ اب خواہ یہ سکون اس لئے ہو کہ ابھی ان کی حرکت کا وقت نہیں آیا یا مشترکہ ہو کہ ساکن ہو گئی ہوں۔ بہر حال ان سب پر اسمکین کا نفع ہر حال ہے جو سکون سے اخذ ہے اور جائیداد کا مسئلہ ہے یعنی انتہائی سکون کی حالت میں جس کی معاشی قوتیں ہوں اسمکین کے ذیل میں قاضی جیسا دئی لکھتے ہیں،

من اسمکین سکون کلہم  
 اسمکین کا نفع اسمکین سے اخذ ہے  
 مگر یا ان میں جہاں چاہئے کہ تیرہ سو چوبیس

نے اس کو خذ اور غیر مشترک ساکن بنا دیا۔  
 یا حصول معاش کی قوتیں اور ذرائع یا کل ساکن یا مستقر و قوت چوں۔ لیکن کچھ حالات اتفاقی کے نفاذ کے

لئے آگے جو کہ بیان کیا جائے گا دراصل وہ قرآن کی مشہور آیت حدیث کی تفسیر ہوگی۔ یعنی انما الصدقات للفقراء والمساکین والاعمالین علیہا واظہر لفظ کلوم و فی الرقاب والفقراء وہی سبیل اللہ و جن سبیل اللہ نہیں ہے اس کے معنی صدقات کا صرف وہ غزوات و مساکین کو دیا جائے اور ان لوگوں کو جو تحصیل صدقات میں کام نہیں لے سکتے تو ان کی تالیف مشہور ہے انھیں (غلو کے آنا کہنے میں) اور غنائین (کا دانا نہ) لوگوں پر ہوا شکر کا حق اور مسافر ہونے کا کافراں اسلامی نام صدقہ و صدقات ہے آگے اگر ہم اسی آیت کی تفصیل کی گئی ہے لیکن یہاں میں قریشیہ یہ نہیں ہے مگر قرآن میں یہاں ہے ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰



اسی سانچے کے قتل کرنے سے ان کو غلام بنایا نہایت نسبتاً آسان خیال کیا تھا۔ البتہ کہ غلام پہلے دشمن قوموں کے افراد ہوتے تھے جن کے ساتھ اچھا برتاؤ لینا نہ کیا جاتا تھا جس کی داستان دروستہ تاریخ برہنہ ہے۔ اس جنگی صورت کی بنا پر اسلام نے بھی دیکھا کہ جب دنیا کی ساری قومیں مسلمانوں کو غلام بناتی ہیں تو اس نے بھی دشمن کے جنگی قیدیوں کو غلام بنا کر قرار دیتے ہوئے اشیائے قیمتی کو دیکھ کر جب تک ان کو غلام بنا کر رکھا جائے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے حتیٰ کہ کھانے پینے کی حد تک برابر رکھا جائے اور جب اس کا زمانہ آجائے تو اسلام میں صرف دنیا کی نہیں کہیں دینی قانونی اور مذہبی۔ مثلاً کفار و دغیرہ کے ذرائع سے غلام آنا نہ دیکھا جائے بلکہ قرآن نے جنگی ایک بڑی اہم و فکرتہ (غلام کا آزاد کرنا) بھی قرار دیا۔ پھر معاوضے کے بھی غلاموں کے آزاد کرنے کی ایک صورت جو عرب میں جاری تھی یعنی کنبت اس کی بھی اسلام نے بہت اہمیت افزائی کی اور عام مسلمانوں کو ان مکاتب غلاموں کی امداد پر ابھارا۔ غیر یہ سب تو غلامی کی راہ میں اسلام کی غیر متین کوششیں ہیں لیکن آخر میں تو وہ یہ بھی کر گذر کر جس فہرست میں اس نے "العقار و المساکین" کو رکھا تھا یا ضابطہ اسی فہرست میں فنی ارقاب کا بھی اضافہ کر دیا۔ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ ارقاب کے نیچے ایسے غلام داخل ہیں جن کے آقاؤں نے معاوضہ کے کران کے آزاد کرنے کا معاہدہ کیا ہو۔ اور جس وقت قرآن میں یہ فہرست نازل ہوئی اس وقت زعفر عرب بلکہ دنیا کے ہر حصہ میں آباد کاروں کے ساتھ انسانوں کا یہ گروہ بہ تعداد کثیر پایا جاتا تھا جس کے مالکوں نے کہہ رکھا تھا کہ اتنی رقم اگر تم دو تو تمہاری گلو غلامی چھو جائے گی لیکن ایک سو کے مددگار بہت کم تھے تا آنکہ اسلامی حکومت نے ان کے مسئلہ کو بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر حال ارقاب کا لفظ اگرچہ ہر قسم کے غلاموں کے لئے عام ہے۔ لیکن جو غلام فقیر و مست تھے مکاتب دینی قسم ہی قرار لے کر عام مالک کا خیال ہے کہ

انہما سرا قارب یتامون  
من الزکوۃ فیعتقون۔  
اس کے بعد آزاد کئے جاتے ہیں۔

گو یا غیر مکاتب نظام بھی اس کے نیچے داخل ہیں جس کے معنی یہ چھوٹے کہ صرف مکاتب غلاموں کے مسئلہ کو نہیں بلکہ اس جہد کے اس پورے طبقہ کو جو غلام طبقہ خیال کیا جاتا تھا قرآن نے اپنی اس کوشش میں داخل کر دیا ہے اور اس وقت داخل کیا جب یہ اہم لیکن جیسوں کے باب واداعیوں کو دیکھنا سے پہلے واکارہ ان کی جڑوں کو کاٹنا کہ تڑپتی ہولناخوں سے اپنی وجوہات کی روشنی بڑھاتے تھے (تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ اخلاق ص ۱۰۳ پ ۱۰۳ تا ۱۰۴)

جنہوں نے وقت نہ سہی بدیہی کسی ترکوں کے دیا کی وجہ سے یا دینی انسانی ہمدردی کے شہت غلاموں کی طرف حکومتوں کی توجہ منور نہ تھی لیکن ہر ملک و ہر آبادی میں غلامی سے بھی

بہت مسائل میں ایک اور طبقہ رہتا ہے یہ اس لئے زیادہ قابلِ رحم ہے کہ اوروں کے ساتھ حکومت یہی عوام انفرادی طور پر جس سلوک کو چھوڑ کر دے رہے ہیں۔ لیکن اب انسانیت کے جس طبقہ کا ذکر کرتا چاہتا ہوں یہ وہ بیکس مرحوم طبقہ ہے جس کو کسی زمانہ میں حکومتی یا انفرادی ہمدردی کا مستحق نہیں ٹھہرایا گیا اور ذائقہ کے ساتھ نیکی کرنی بھی بھی گئی۔ میری مراد مفروضوں سے ہے۔ یہ دنیا کا وہ مظلوم گروہ ہے جس کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک تو بڑی بات ہے اس وقت تک دنیا کی حکومتوں نے ان کے مسئلے والوں اور ان پر ظلم و تشدد کے ہاتھ توڑنے والوں کی طرف زبانی نہیں بلکہ قانونی امداد و اعانت کو اپنا فریضہ قرار دے رکھا ہے۔ ہر حکومت کی فوجی اور دھرمی قوت اس لئے تیار رہتی ہے کہ مفروضوں کے ذمہ قرض خواہوں کا جو دین اور مطالبہ ہے صرف اصل بھی نہیں بلکہ سود در سود کے ساتھ اس سے وصول کر دیا جائے خواہ اس راہ میں اس کی ممانعت جائز و غیر جائز کیوں نہ نظام ہو جائے۔ یہ ایک فاقہ ہے اور جملہ تہذیب کی ترقی اور روشنیں میں یہ اندھیر کھلم کھلا اور دم چھائے ہوئے ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا فہرست کی کو تمام دونوں کے ساتھ دنیا کی حکومتوں نے بیکس کسی بانٹا بلٹیک کا ادارہ نہیں کیا لیکن یا ضابطہ علم ہی ان حکومتوں نے روانہ رکھا تھا۔ آٹا ایک یہ پھر مفروضوں کا طبقہ ہے کہ خدا جانے کس شکست میں مبتلا ہو کر مرضی کے لوجہ کو لادے پر یہ آزاد ہوتا ہے اور پھر ان شکست سے بچنے کیلئے کوئی اور سود در سود کی دھیموں میں پھرتا اس کو جلا جلا جاتا ہے اور حکومتوں کے سارے سوار و پیادے توپ اور بندوق سے ہلنے پھرنے کے جلتے ہیں اس کے معاویہ و مددگار بنے ہوئے ہیں۔ حکومت بیکس کے لئے ہے بلکہ بیکس ہی کے لئے ہے اس دھوی کے دھول کا بیکس ہی کے ایک طبقہ کے ساتھ طرزِ عمل قابلِ حور ہے۔

پھر حال جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے قرآن نے قرض کو دینا ہی کاروبار معاملہ کی مدد نکال کر ایک تو یہ لایا ہی اس کو ایک اہم ترین انسانی ہمدردی کا منظر قرار دیا اور بیکس مفروضہ کے قرض دینے والے کے سامنے خدا نے خود اپنا ہاتھ پیش کیا جس سے اس نیکی کی باندی کا اندازہ ہوتا ہے اور اس سے بھی عجیب تر یہ ہے کہ بالآخر اسی فہرست میں غلاموں کے قتل کے ساتھ ملک کے قرض و رابطہ کے مسئلہ کو حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

اگر خدا کا اتفاق ہے کہ غلامی جہت سے مراد وہ لوگ ہیں جو مفروضہ ہیں یا ذراعت و تجارت یا اسی قسم کے کاروبار میں ان کو قصاص لیتے ہیں بیت المال میں ایک دہر سال انکار میں کی بھی رکھی جاتی تھی، خصوصاً مفروضوں کے مسئلہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہاں نہ لیا ہی نہیں یہ اعلان فرمایا تھا

میں ترک مالا  
میں ترک  
میں ترک مالا  
میں ترک



اس کی ذمہ داری ہم پر ہے (مراد حکومت ہوتی ہے)

حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دوسری روایت یہ بھی ہے،

فتاں سا حصول اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مسلمی : اللہ علیہ و  
نے فرمایا کہ میری امت

سَلَامٌ مِّنْ جَمَلٍ مِّنْ

مستی دینا سرحد پر ہائے اور وہ اس

فیضی کے خیالات      قرض کے ادا کرنے کی کوشش

کریا اور ادا کر کے

السیفانہ

میں نے اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ اپنے عطا کردہ ہر شے اور

میں جب مواصلات کے ذرائع اتنے وسیع اور سہل نہ تھے۔ بری مر لہائی لوگوں سے ہے جو مختلف کاروبار کے سلسلے میں اپنے ملک یا شہر یا گاؤں سے پردہ میں جاتے ہیں ان لوگوں میں بس بھوتا مختلف حالت کے تحت کبھی ایسی صورت پیش آ جاتی ہے کہ وطن میں خواہ کئے ٹرے امیر بھی کیوں نہ ہوں۔ لیکن پردہ میں وہ باطل بنے دست دیا ہو کر رہ جاتے ہیں۔ چونکہ پردہ میں جاتے ہیں اس لئے کسی سے زانی لکائی جاتی ہے نہ پہچان، ایسی صورت میں ان کی حالت نہایت قابل رحم ہو جاتی ہے۔ یوں تو پہلے زمانہ میں لوگ ایسے پردہ میں لوگوں کے ساتھ انفرادی طور پر اچھے سلوک کرتے تھے۔ خصوصاً بعض قوموں میں اس نیکی اور ہمدردی کا خاص ذوق تھا۔ جس میں عرب کا بھی نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ لیکن جن اقوام و ممالک میں ذات پات یا قومیت و ذہنیت کا مرض شدت پذیر ہو جاتا ہے۔ ان کے کچھ ہاں تو اس غریب مسافر کی سخت درگت بنتی ہے۔ جہاں جہاں اپنے ملک اپنے وطن اپنی نسل اپنے رنگ کے سوا ہر دوسرے آدمی کو بھائے گوی کے کسی جانور کو کچھ خیال کیا جاتا ہے وہاں کے باشندوں سے کوئی پردہ بھی کیا توخ رکھ سکتا ہے اور یہ مرض گھومو جودہ مغربی تمدن کی راہ سے بہت عام اور پھلک ہو گیا ہے۔ لیکن تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف قریں اس کا شکار رہی ہیں۔ مثلاً ہمارے ملک ہندوستان ہی کی حالت پہلے کیا تھی بلکہ اب بھی یہی ہے کہ اس ملک کے بعض طبقے اپنے سواد و مروت کو کتنی سے بھی زیادہ ناپاک قرار دیتے ہیں جس میں بہتوں اور گاؤں میں صرف اس قوم کے لوگ آباد ہیں اب بھی جا کر جس کا بھی چاہے کچھ کر سکتے ہیں کہ کس

الماصل مزاج و جذبہ وغیرہ کی آمدنی تو کشوری و فوجی ضرورتوں اور فلاحات عامہ کے لئے تھی، لیکن جب اسلام نے انسانیت کے مصالح عامہ اور ضروریات مشترکہ کے ساتھ بنی آدم کے اہل قابل و ذمہ طبقات یعنی الفخراء و الساکین و العادیین و ابن المسکین کے مابین اختلاف کے مسئلہ کو ہی اپنے اہل بیت میں روبا اور اسلامی حکومت کے جمیع (موازنہ) میں مصارف کی فہرست میں ان کا بھی اضافہ کیا تو ظاہر ہے کہ مصارف کی پابجائی کس حد سے چھوٹی۔ اس کا سوال صرفاً طور پر پیدا ہونا چاہیے تھا سو ہوا۔

مگر جب مالی یہ ہے کہ دنیا کی حکومتوں کی آمدنیں فوجی اور کشوری سیٹیل اور فوجی ضرورتوں کے لئے بھی بسا اوقات ناکافی ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ مصالحو عامہ کی مدد کا اضافہ جب سے حکومتوں نے اپنے مصارف میں کیا ہے۔ اس وقت سے نئے نئے ناموں اور نئی نئی تجزیوں سے رہا یا ہر معمولی جی عالم ہونے لگے اور تجربہ بنا تا ہے کہ ان جدید محسوسوں اور ملکیات کا خواہ کچھ بھی نام رکھ دیا جائے لوگ آسانی سے دینے پر آمادہ نہیں ہوتے ہوتا جو بھی دیتے ہیں جبراً حکومت کے خون سے دیتے ہیں۔ لیکن اکثریت حب دلی سے مل کی کوئی پرلواہ نہیں لاتی۔ صفائی بہت عام، تعلیم عام و غیرہ کے فوائد کا لاکھ فلسفہ پر و فیسروں اجنار فزیوں کتب سازوں کے ذریعہ سے بیان کرایا جائے۔ لیکن عام طور پر یہی اکثریت ان کو حکومت کا جبر ہی قرار دیتی ہے۔ اس تجربہ کے چوتھے ہوئے ذکر وہ بالا طبعات کی اعداد کے نام سے ہینک پر اگر کوئی جدید ٹیکس عالم کیا جائے گا تو کوئی تعجب نہیں کہ باشندوں کے ممبر کا پورا نہ چھلک پڑے اور خود حکومت کی جان کے لئے لڑ جائیں۔

اسلام کے سامنے سبھی ساری مشکلات میں ہر اس نے ان کے حل کی راہ کیا پیدا کی  
اب میں اس کی کچھ تفصیل کرتا جا رہا ہوں۔

پہلی بات خود ہی ہے کہ حکومت کی آمدنی میں اسلام نے حاکم و قو قون کا حصہ قدر فزوت سے زیادہ نہیں رکھا۔ خود پیمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلامی حکومت کے پہلے نام اور امیر تھے جیسا کہ بیان کر دیا ہو۔ حکومت کی پہلی آمدنی سے بحیثیت انام یا امیر آپ کو جس کے نام سے جو حقہ ملا جس جس سے بھی منسلک کو خدا عز و جل اُسے قرآن میں "الانسانی والہا کیسہ و اہلہ" کے لئے مخصوص فرما دیا باقی دو حصوں میں سے ایک حقہ آپ کے اقربا کا تھا اور اس جس جس کا

ایسی پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ صرف ہے مرقع خاص مبارک کے لئے مخصوص تھا۔ لیکن اس کا حال بھی یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ضروریات سے جو کچھ نکال جاتا تھا وہ آپ کی ذاتی ضرورتوں کا میاں ہی کیا تھا جو پچاس کو بھی آپ مسلمانوں ہی کے عام مصالح میں صرف فرمایا کرتے تھے۔ علامہ سیرت مجسوں میں اعلیٰ فرماتے کہ

ما يصل الى هذا الله عليه  
مثل هذه الاموال الخس  
مکمل ہے اس میں خود میرے لئے بجز اس جس پر پانچویں حصہ کے اور کچھ  
بچا جائے نہیں۔

جب پیغمبر کے لئے شخص کے سوا کچھ مال نہ تھا تو اس سے دوسرے افراد کا اخذ نہ ہو سکتا ہے۔ پھر اس کے بعد فرماتے اور

والا الخس من دود فیکم  
تم ہی لوگوں پر واپس کر دیا جاتا ہے۔

مطلب یہ تھا کہ اس پانچویں حصہ کی بڑی مقدار مسلمانوں کی عام ضرورتوں میں صرف ہو جاتی ہے۔ اس فقرہ کی شرح امام شافعی رحمہ اللہ سے یہ منقول ہے،  
یعنی بالخص حقہ من الخس یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس  
نے آپ کا وہ حصہ تھا جو جس سے آپ کو نہ تھا۔

جہ کہ آپ کے راشدین خلفائے جو عملی ثروت خود اپنی اور اپنے حوالہ کی زندگی کی مثالوں سے پیش کی ہیں تاریخ کے اوراق ان واقعات سے بھر پور ہیں اور اس حال بعض چیزوں کا ذکر آچکا ہے اور اسی کو میں اسلام کا ایک ہندوستانی کا نام خیال کرتا ہوں بنی آدم کے اس کس پر سر پرانہ ملے جو ہمیشہ دوسروں کے سینہ کے جوہر بنے رہے بلکہ مختلف زبانوں میں مختلف اقوام میں مختلف حتیٰ کہ کہیں کہیں قانونی اور اخلاسی و حریت مفروضات دائم الریضی غلامی وغیرہ اتفاقی غیر منتہی مناسب کو جو ہم اور سرانجام صدر سوانی و غوراری قرار دیا گیا۔ حقاقت و ذلت کے ہر تری ملو کوئی کے جو ہمیشہ مستحق شیرائے غنی کی با ضابطہ منظم شکل میں صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ واقعی ملکی انتظام کے لئے حکومت کا اپنی تمام سرکاری اور فوجی قوتوں کے ساتھ کہہ سکتے ہو جانا اور اس کو حاکم کہہ سکتے۔

خاتم انسانیت کی تہذیب و دنیا کی سکون میں اس کی لکیر نہیں پیش کر سکتیں۔  
اور صرف یہی نہیں بلکہ اسلامی ہیئت (سوانہ) میں جدید مصارف کی ان غیر معمولی دلوں کی تکمیل و پابجائی کے لئے عطا و جس کے حصول کے آمدنی کے جو ذرائع اسلام نے اختیار کئے اور

مصدق الامازی کے اس سلسلہ میں بھی یکساں نراکتوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے وہ بھی یہاں سے خود کچھ کم مقبہ انگیز نہیں بلکہ اسلام کی صداقت یا قدرتی قانونی ہونے کی وہ ایک ہی دلیل ہو سکتی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ موازنہ میں مصارف کی متعدد دندوں کا جو اضافہ کیا گیا یہ معمولی نہیں ہے۔ مذکورہ بالا حقائق میں سے تقریباً ہر ملک میں ہر طبقہ کے ہزاروں اور لاکھوں افراد رچے بستے ہیں ان کی افرادی مالی اجانت کا بڑا اٹھانچہ آسان کام نہ تھا۔ معمولی رقوم سے مقصد مل نہیں ہو سکتا تھا ضرورت و غیر آمدنی کی تھی۔ اسلام نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا ہے یوں تو سب ہی جانتے ہیں۔ لیکن شاید ان کی اکثریت خود نہیں کیا گیا ہیں ان میں سے بعض نکات اور مصالح کو ہم دہرایا کرتا ہوں۔

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ موازنہ کے ان مصارف کی تکمیل کے لئے اسلام جس لوگوں پر حصول جائز کرنا چاہتا تھا ان کے لئے اس نے اس عیب و خریب رعایت کا اعلان کیا کہ جو لوگ اس حصول کے ادراک کے ذمہ داری اپنے اوپر لیں گے ان کو ان تمام مالی مصارف سے بکدوش کر دیا جائے گا جو عموماً دنیا کی حکومتیں اپنی رعایا پر عائد کرتی ہیں۔ ایک تو اسلام نے اپنی اپنی رعایا کو رومی و عجمی مسابحات کے ناجائز مصارف سے بکدوش کر ہی دیا تھا۔ لیکن ان لوگوں کے ساتھ رعایت کی حد کر دی گئی یعنی زمین کا خراج جو ہر حکومت کا ایک قانونی اور فطری حق ہے اس سے بھی اس مد کے حصول ادا کرنے والوں کو مستثنیٰ کر دیا جائے گا۔

(۲) حکم نہ لایا کہ جس طرح ہر قوم و ملک کے لوگ خصوصاً جو کسی نہ کسی قسم کا مذہب رکھتے ہیں، منجملہ دیگر مذہبی امور کے آخری و خیرات بھی ضرور کرتے ہیں، پس غیر خیرات کی بھی عیسے ہر حال ہر مذہبی زندگی رکھنے والا آدمی اپنی آمدنی سے ضرور نکالتا ہے۔ لیکن اب تک اس کو لوگوں نے جہم خیرتیں شکل میں رکھا ہے۔ آمدنی سے نکالی ہوئی اسی رقم کو اسلام ذرا متین و شخص شکل دے کر لوگوں سے وصول کرے گا اور بجائے اس کے کہ حاجت مندوں تک اپنی آمدنی سے پہاڑی ہوئی اس رقم کو لوگ افرادی طریقہ سے پہنچاتے تھے۔ حکومت اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہے اور اپنے عوام پر سے مستحقین تک پہنچا دے گی جس کے مستحق ہی ہونے کی ایک طرف حکومت کے تمام مطالبوں سے بکدوشی بھی ہوئی اور لوگوں کی مالیات اور آمدنی پر مزید کوئی بار بھی نہ پڑا۔ بلکہ وہی چیز جسے غیر غمگنوں میں لوگ اور حرا و حرا ت دیا کرتے تھے اب منظم شکل میں تقسیم ہو کر۔

(۳) آمدنیوں سے پس باغنا زہرتے والی اس رقم سے جو کچھ ملک کے مذکورہ بالا اتفاقی آفات و مصائب کے حکار طبقات کی امداد کی جائے گی۔ اس لئے یہ ہو سکتا ہے کہ خود ان رقوم کے جمع کرنے والے یا ان کے خاندان میں سے کوئی آدمی کسی وقت گداغراستہ ان مصائب و آفات کا حکم جو خود بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے گویا جس اتفاقی مصائب و آفات کی تصویریں کھینچ کر ہر کمینہ و احوال کے ایجنٹ آگے رکھ دیتے ہیں کہ ان کا خیال کر کے اپنی آمدنی سے فی سدی کچھ رقم ان کی کمینوں میں جمع کی جائے یا انہیں ہائے اتحاد دیا بھی کے سبب جس اتفاقی ضرورتوں کے لئے

قرض و دام وغیرہ کا چول دل میں پیدا کر کے انہیں کسی شے سے متعلق ہونے کی تلقین کرتے پھرتے ہیں۔ ان ساری ضرورتوں کی کمالات خود بخود چو جاتی ہے۔ ملک کے مقامی، فقراء، مسکین، بیویاں مسافر جب سب بھی کام میں آتی ہے تو خزانہ کا روبرو ان تمام خطرات کے وقت پیسے دوسروں کی مدد کرنے کا، خدا نخواستہ اگر دینے والوں پر یا ان کے خاندان والوں پر کسی وقت بھی عین آجائے تو اس کی اعانت سے کہے گزر کیا جاسکتا ہے۔ البتہ فرق صرف اس قدر ہے کہ جیسا انہیں اعتماد بھی یا دوسری امدادی پینشن جو ان ہی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر قائم ہوتی ہے، ان کی جمع شدہ رقم سے اتفاقی حوادث کی صورت میں جمع کرنے والے یا ان کے خاندان والوں ہی کو نقص پہنچ سکتا ہے اور اسلامی تنظیم کی شکل میں اگر ان کے خاندان پر کوئی حادثہ پیش آئے تو ان کی امداد بھی وہ کرے گا اور اگر ان کے سوا ملک کے دوسرے باشندوں کو اگر ان حادثات میں مبتلا ہوا ہے تو ان کی بھی وقت پر مدد کی جائے گی۔

۱۰۰۰ اس کے پہلی صورت میں ایک بڑی خزانہ ہے کہ اندرون سے رقم اس لئے پس انداز کر لی جاتی ہے کہ اتفاقی حوادث کے موقع پر کام آئے گی۔ لیکن اگر اتفاقاً کسی اکثریتی چتا ہے کہ ان رقم کے جمع کرانے والے میں منہجہ منقہ جو حوث سے محفوظ رہتے ہیں اور خواہ ان کا بکریاں بلکہ حیثیت جیسی بھی کسی اتفاقی حادثہ میں مبتلا ہو گیا تھا اس کی بھی امداد ان رقم سے نہیں ہو سکتی گویا ملک کی یہ رقم جو باشندگان ملک کے ان حوادث کو پیش نظر رکھ کر جمع کر لی جاتی ہے عموماً ان اغراض میں بہت کم کام آتی ہے اور جمع کرنے والے ان کو برآمد کر کے عموماً غیر ضروری مصارف میں پیونگ دیتے ہیں۔ گویا یہ حیران کن بات ہے اتحاد باہمی یا ازیر قبیل دوسرے ادارہ جات الی سب کا قرضی الفاظ میں دولتہ بین الاغنیاء منکم۔ تو مگر وہی جتنی کھاتی ہے

(دولت)

ہی کی شکل میں زیادہ تر انجام دیتا ہے یعنی گھوم گھبرا کر امیروں ہی کے دائرے میں وہ ملوے گشت کرتا رہتا ہے۔ غریبوں کے مزاج اس کی ایک ٹھیک بھی نہیں ہو سکتی ہے۔ وہی جمال ملک کے اس سرمایہ کا ہوتا ہے جسے گو ملک کے اکثر افراد میں بٹا کر دیا جاتا ہے۔ لیکن گھوم پھر کر ہاتھ اصل میں اپنے تمام بیٹوں پر توں پر توں کے الاغنیاء یا سرمایہ داروں کے جیسوں میں اپنا آخری ٹھکانا بناتا ہے۔ یہ اشارہ سود اور بیدار کی طرف ہے۔

لیکن اسلام ملک کی آمدنیوں سے جو کچھ پس انداز کرتا ہے وہ بہر حال ان ہی اغراض میں خرچ ہوتا ہے جس کے لئے وہ جمع کیا جاتا ہے خواہ ان اغراض کے لئے خود جمع کرائے والے اور اس کے خاندان کو ضرورت پیش آئے خواہ ملک کے کسی اور دوسرے باشندے کو ان کی ضرورت ہو۔

(۱۱) اسلام یہ معمول ملک کے ہر باشندے سے پر جائز نہیں کرتا۔ بلکہ یہ تمام مطالبات محض ان لوگوں تک محدود رکھے گئے ہیں جو اپنی اور اپنے زیر پرورش شخصیت کے روزمرہ معمولی مصارف کی

اسلامی مسائل  
تجربوں کے بعد اپنے پاس کچھ پس انداز کر سکتے ہوں۔ اصطلاحاً اس کا نام نصاب ہے اور ہر چیز کا نصاب اسلام نے جدا جدا مقرر کیا ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں پڑھی جاسکتی ہے۔ عموماً لوگوں کو معلوم بھی ہے۔

(۱۲) اس کے بعد بھی یہ مطالبات ہر قسم کے ملوکات پر عائد نہیں ہوتے بلکہ صرف ان چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں جو میں عموماً بڑھنے بڑھانے کی صلاحیت ہو۔ مثلاً تجارت، زراعت، بعض افزائش نسل جن مویشیوں کی پرورش کی جاتی ہے یا نقد سرمایہ یا فیکل سونا چاندی، غلہ برہم کر دی ان کو بڑھا سکتا ہے اور ان سے آمدنی پیدا کر سکتا ہے۔ بلکہ آمدنی پیدا کرنے کے عام ذرائع دنیا میں عموماً یہی نقدیں (سونا چاندی) اور ان کے سکے ہیں۔

(۱۳) اس معمول خزانہ میں اس کا بھی خاص طور پر بڑی احتیاط سے خیال کیا گیا ہے کہ جن چیزوں کے حصول میں زیادہ محنت اور کدو کاوش ہوتی ہو۔ اس قیمت سے مطالبہ میں شخصیت کی جانے اور جس حد تک اس کی پیدائش میں محنت کم اور قدرتی وسائل کو زیادہ دخل ہو، حصول میں اضافہ ہوگا یعنی تجارتی اموال یا سونا چاندی یا ان کے سکے جو کہ ان سے آمدنی حاصل کرتے ہیں پورا وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ بیکر سرمایہ کے سارا بار تاجر ہی پر پڑتا ہے۔ اس لئے اس قسم کے احوال سے چالیں روکے ہیں ایک رو پر یہ کیا جاتا ہے۔ بھلائی کا شت کے کا اگر اس کی سیریلی وغیرہ میں مصروف ذرائع مثلاً ریش چرس وغیرہ سے کام لینا نہیں پڑتا بلکہ قدرتی بارش یا نہروں کے پانی سے سیرابی ہوتی ہے۔ تو مثلاً دس من سے ایک من یعنی دسواں حصہ اور اگر آبپاشی کے مصنوعی ذرائع دہت، موٹا چرس وغیرہ سے بھی کام لینا پڑتا ہے تو بیسواں حصہ اسی طرح اگر کسی کو خزانہ مل جائے جس کی محنت ٹھیکیں ہیں، بہر حال خزانہ پانے کی جن صورتوں میں پانے والا قانونی طور پر اس کا مالک قرار دیا گیا ہے جو کہ یہ ایک غیر متعلقہ شخص اس طور پر حاصل ہوتی ہے کہ اس میں محنت کا حصہ بہت ہی کم ہے۔ اس لئے حکومت یا پنچاں حصہ اس سے لے لیگی اور یہی حکم سولے چاندی ہو ہے۔ یہی پھیل وغیرہ کے معدنیات کا ہے یعنی حکومت یا پنچاں حصہ لیگی۔ البتہ ایسے مویشی (مثلاً اونٹن گائے، بکریاں وغیرہ) جن کا زیادہ وقت چراگا ہا اور بیل میں گزرتا ہو، یعنی عموماً جن سے افزائش نسل کا کام لیا جاتا ہے اصطلاحاً انہیں انسواں حصہ ملتا ہے، اور دنیا کے مختلف علاقوں میں لوگ اس کا مستقل روزگار کرتے ہیں، ہندوستان کے آہل علاقوں میں اس کا رواج کم ہے درجہ صحرائی علاقوں کی آبادی کے ایک تہ حصہ کی گذراوقات مویشیوں کی اسی قسم کی پرورش سے ہوتی ہے اور یہی ان کی آمدنی کا سبب بننا ذریعہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں ان میں ہر قسم یعنی اونٹ کا مالک گائے بیل کا مالک، بکریوں دیوں بیلروں کا مالک، مالک نصاب اور جو کچھ حصول میں لیا جائے ان کی تعداد مقرر فرمادی۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی وہی چالیسویں حصہ کا عمل ہو رہا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ

اس میں حاجات  
عرب میں زیادہ تر مذکورہ بالا باغیوں ہی کی پرورش بطور ذریعہ معاش کے گھوں اور ریوڑوں کی  
فصل میں کی جاتی تھی۔ لیکن جب ایسے مالک بنے جو نے جہاں بھی کاروبار گھوڑوں کا بھی جاری تھا  
جیسا کہ ابھی ہم لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حیدر مبارک میں۔

لکھن اکھاب الخیل اسامہ  
من المسلمین بل اهل الابل  
وما تفقد ما ذل اصحاب حدک  
انما هم اهل المذخر والذبح  
والنحر واما ما فتنحت  
بلادهم في زمن محمدي عثمان  
(ص ۱۵۰-۱۵۱)

یا ترکمانی ترک گا چوں دایوں میں اس کاروبار ہے اور ایسی حالتوں پر رسولوں کا  
قبضہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حیدر میں ہوا۔

بہر حال جب گھوڑوں والی رعایا بھی اسلامی عہد میں داخل ہوئی تو سوال پیدا ہوا کہ ان گھوڑوں پر  
بھی محصول عائد کیا جائے جیسا کہ دوسرے جانوروں پر ہے۔ لیکن محصول کی مقدار کیا ہو تو عقلی  
فتوا لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا۔

ما جہا یا یخیر من ان شاء  
وعلی من کل فرس دینار  
وان شاء قومہا وعلی من  
کل ما شئ دس حصہ حصہ  
دس حصہ (ہاں)  
زکوٰۃ ادا کریں۔

جب دو سو درہم کی قیمت سے پانچ درہم کا ہوا بھی حضرت عمرؓ نے حکم دیا تو وہی چالیس درہم میں  
بھی ہوا اس لئے قیاس کیا جاتا ہے کہ غالباً موشیوں میں بھی چالیس درہم کے اصول کو محفوظ  
رکھا گیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۷) عام طور سے جن اموال پر محصول عائد کیا جاتا ہے۔ عموماً محصول اسی وقت تک  
وصول نہیں کیا جاتا جس وقت مالک کی ملک میں وہ چیز آئی ہو بلکہ مالک ہونے کے کال ایک سال  
(عمرانہ مول) گزرنے کی ضرورت ہے عام دستور ہے۔ زراعت میں کچھ تربیم بھی ہوتی ہے۔

(۸) نہایت شدید تاکید و احکام اس باب میں بھی ہیں کہ حکومت کی خواہی وغیرہ دونوں  
کی آمدنیوں کو اس آمدنی سے بالکل الگ رکھا جائے۔ یعنی مذکورہ بالا معیبت زدہ طبقات کی اداوار

۴۹  
اس میں حاجات  
کے لئے جو آمدنی حاصل کی جاتی ہے اس کا خاص نام الصدقات ہے اور الصدقات کے متعلق یہ  
حکم ہے کہ اس فنڈ کی رقم کو حکومت کی دوسری آمدنیوں میں نہ ملایا جائے اور زان بھی معاش پر  
اس آمدنی کا کوئی حصہ (بجز خاص صورتوں کے) ایک جہ خرچ ہو سکتا ہے۔ قاضی ابو یوسف  
نے ہارون الرشید کو مخاطب کرتے ہوئے بڑے سخت تمہیدی لکھے ہیں بار بار پلٹ پلٹ کر  
یہ فتویٰ صادر کیا ہے کہ

لا یبغی ان یجمع مال الخراج  
الی مال الصدقات والعشور  
لا یخرج فی تجبج السلی  
والصدقات لمن حصی اللہ  
عز وجل فی کتابہ۔  
(الخراج ص ۱۰۱)

ابھی کتاب میں فرمایا ہے۔

حق اگر انھوں نے تو یہاں تک تاکید کی ہے کہ دونوں دواول (خراج و صدقات) کے تفصیل پر  
الگ الگ ہونے چاہئیں فرماتے ہیں،

ولا یؤت لاھا عمال الخراج  
فان مال الصدقة لا یبغی  
ان یدخل فی مال الخراج  
(کن الخراج ص ۱۰۱)

خراج کی آمدنی میں خرچہ کی جائے۔

(۹) جس علاقہ یا ضلع یا مکتع سے الصدقات کی آمدنی وصول کی جائے سب سے پہلی  
صدقات کے مستحق اسی مکتع کے مندوب یا طبقات کے اہل حاجت ہیں۔ ہاں میں ہے،  
دیکھو نقل از کوثر ص ۱۵۵  
ان بلک واما قس صدقة  
کل فرق فی حد ۱۵۵۔

ابن ہمام نے بھی لکھا ہے کہ

ولا یستجری الزحف  
مکان العال۔

جس مقام سے وصول ہوتی ہے اسی مقام کے مستحق ہیں تقسیم ہونے

اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث مشہور ہے کہ

توسن من اغنيا لهم وقرء  
علی فقر المسک  
(بخاری و مسلم)

حضرت عمران بن حصین صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کسی جگہ وہ الصدقات کے تقصیر اور  
بیکار کیجے گئے، کچھ دن کے بعد جب واپس ہوئے تو لوگوں نے پوچھا اے ابن ابی نعل قال کہاں ہے بچے  
للسال اسرا فقونی اخذناھا  
من حیث کما ناخذھا علی  
ھذا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم وروضاھا  
حیث کنا نضعھا  
(سنن بیہقی)

دوسرے بچے نے اسے بانٹ دیا۔  
ابتداء اگر وہاں کی ضروریات سے بچے جائے تو پھر باقی ماندہ حصہ کو مرکز کے خزانے میں جمع کر دیا جائے  
اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیت اور قیود کے تقسیم تک کے صدقات  
آتے تھے، پھر مال کیلئے بھی ہے کہ الصدقات پہلے اس مقام کے متفقین میں تقسیم کیا جائے جہاں  
کے ارباب حیثیت سے وصول کی گئی ہر خواہ وہ کسی شکل میں ہو بعض فقہاء نے تو مختلف اصولی سرخیوں  
کی بنا پر اس قانون میں یہاں تک تفصیل کی ہے کہ

۱۔ الا فضل ان یصلھا فی  
اخوتہ الفقراء وانشاء فی  
اولادھم وشداء عیالہ  
۲۔ الفقراء وشداء عیالہ ذوی  
۳۔ عیالہ وشداء عیالہ ذوی  
۴۔ عیالہ وشداء عیالہ ذوی  
۵۔ عیالہ وشداء عیالہ ذوی  
(فتح الباری ص ۲۵۳)

اور اگر نہ دلا رہا ہو پھر اس کے شہر والے،  
جس کے یہ سنی ہوئے کہ صرف مقام ہی کو ترجیح حاصل نہیں ہے بلکہ دینے والوں کے رشتہ داروں کو  
خیر رشتہ داروں پر اور رشتہ داروں میں بھی جو رشتہ زارہ رشتہ میں قریب ہو وہ اگر مذکورہ بالا مصائب و  
آفات میں گرفتار ہو گیا ہے تو اس مال کا وہ زیادہ مستحق ہے۔  
الصدقات کے متعلق ان نازک مکیمانہ اصولوں کے ساتھ رعایت ان کو جو مسلمان اس

حصول کو ادا کرے گا اس کو دوسرے حکومتی ملاقات سے سبکدوش کر دیا جائے گا۔ اس کا قدرتی اثر  
یہ تھا کہ رضا و رغبت و لگن اس الصدقاتی مطالبہ کو قبول کر رہے تھے یہی وہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کسی کسی عربوں کو مخاطب فرما کر ارشاد فرماتے

یا معشر العرب اھل دین اللہ  
اذ فرغ عنکم العتوسا  
(طبری ص ۳۱۲)

لوگوں کو اس حدیث کے سمجھنے میں دشواری پیش آئی۔ حالانکہ صاف مطلب یہی تھا کہ حکومتیں اپنی  
رعایا پر جو دیکھیں (عشر) وغیرہ کے نام سے ٹیکس اور رینٹ مانگ کر قتی تھیں۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو  
اس سے صاف فرما دیا ہے اس لئے آپ کسی یہ فرماتے کہ  
لیس علی المسلمین عتوسا  
انما العتوس علی اهل الذمۃ  
(طبری ص ۳۱۲)

مطلب یہ ہے کہ اہل اسلام جو نیک الصدقات ادا کرتے ہیں اس لئے حکومتی دھیک باج و خراج وغیرہ  
سے مستثنیٰ ہیں اور اب خارجی آدمی صرف اہل ذمہ پر رہ جاتی ہے حکومتی ٹیکسوں سے استثناء ہی کا شرف  
تھا جسے بسن مسلمان کو دینا نہیں چاہتے تھے اور اسلام کے اس قانون کی بنیاد پر کسی غیر مسلم رعایا کی  
ملک و خراجی زمین اگر مسلمان ہی خریدے گا تو اس سے بھی خراج ہی لیا جائے گا۔ بہت سے مسلمان ابتدا  
میں خراج کی اس ذلت کو برداشت کرنا پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ ابن آدم انقرضی نے اپنی کتاب الخراج  
میں یہ سوال اٹھا کر خارجی زمین خرید کر کہ اس کا خراج اپنے ذمہ کو فی مسلمان لے سکتا ہے۔ مختلف  
کا برا اسلام کا یہ فتویٰ جواب میں نقل کیا ہے۔

لا تجعل فی عتقک معاسرا  
(ابن ابی شیبہ ص ۱۵۵)

اپنی گردن میں ذلت کا طوق کیوں ڈالے  
جو (یعنی باوجود خراج) کی ذلت کیوں  
برداشت کرتے ہو۔  
الفرض الصدقات کے خفیہ حصول کو قبول کر لینے کے بعد اتنی قیمت آرا دی کا حصول، پھر الصدقات  
کے نام سے مسلمانوں کے مال و جائیداد و مویشی پر جو حصول حال کر کیا گیا وہ کوئی نئی چیز کسی بھی نہیں  
ہے۔ ہر مذہب والے اپنی آمدنی کا ایک حصہ خیر و خیرات میں صرف ہی کیا کرتے تھے۔ اسلام نے اسی  
بہم خیر منکم خیرات کو صرف منکم اور باقاعدہ شکل میں تبدیل کر دیا اور قاعدہ تو یہ ہے کہ اس تعلیم کی وجہ  
سے اگر نسبتاً عام خیرات سے کچھ رقم بردہ ہو گئی ہو، جب بھی ہر قسم کے ملاقات سے مستثنیٰ کرنے کی وجہ  
سے الصدقات کے فنڈ میں شریک ہونے والے قطعاً فتنہ ہی میں رہتے ہیں۔ کہاں پیداوار کا نصف  
حصہ کہاں دسواں اور چھوٹا حصہ دواؤں میں کوئی نسبت بھی ہے اور اس پر لکھ رہا ہے کہ جس

علاقوں کے لوگوں سے لیا جاتا تھا زیادہ تر اس کی کوشش کی جاتی تھی کہ اسی علاقہ کے باشندے  
 میں تقسیم کر دیا جائے جو ان اتفاقی مصائب کے شکار ہو گئے ہوں، بلکہ ان کے اعزاء اقربا یا مذہبی  
 والوں کو جب ترجیح دی جاتی تھی تو گویا قریب قریب الصدقات میں شریک ہونے سے ہی غرض  
 حاصل ہوتی جس غرض سے آدمی آج کل بیکینیوں یا انجی ہائے اتحاد یا ہی میں شریک ہوتا ہے  
 پھر حصول حاکم کرنے میں اتنی زمینوں کو اپنے اور خاندان بھر کے روزمرہ مصارف سے بچانے اور  
 فراغ بانی کے ایک خاص میاں کے بعد اس حصول کا مطالبہ کیا جاتا ہے، وقت رسمی کے تمام  
 اصولوں محنت و جانکاهی کی تمام نراکتوں کا خیال کرتے ہوئے سال بھر کے استفادہ کا موقع دینے  
 کے بعد اسی کو وصول کرنا اور مرضی نہیں بلکہ اس کو خدا کی خوشنودی کا ایک بہترین ذریعہ قرار دینا  
 قرآن وحدیث جس کے فضائل سے معمور ہیں اس کے بعد ملک کے ان داخلی حاجتوں کی اعانت  
 ارادہ کر کے حکومت کا اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لینا اور اپنی تمام فوجی وحکمرانی قوتوں کو اس کی  
 وصولی کے لئے مختص کر دینا حتیٰ کہ ایسے خطرناک وقت میں جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد  
 عرب کے ایک بڑے حصہ میں بغاوت پھیل گئی ہو، لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا  
 حکومت کے خراج کے لئے نہیں جیسا کہ اکثر مغربی مؤرخین کو دھوکا ہوا ہے بلکہ عربوں کے ان  
 حقوق کی حفاظت کے لئے اپنی آخری قوت تک مقابلہ کا چیلنج دینا کہ

لو منعونی عفا لامبا  
 اعطوا رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم لجاہد ہم  
 میں ادا کرتے تھے تو ان سے میں جہاد کروں گا۔

جیسا کہ صحاح کی ہر کتاب میں مذکور ہے، حضرت حمزہ کی مخالفت کے باوجود اس پر ہمارا کرنا اس  
 سے بچا جاسکتا ہے کہ اسلام نے حکومت کے موازنہ میں جہاں ان جدید مصارف کا اضافہ فرمایا ہے  
 وہیں اس کی وصولی کی کتنی آسانی اور کتنی قلیل و یقینی راہیں اس نے اختیار کی تھیں خود الصدقات کا  
 ایک مذہبی فریضہ ہونا اور کیسا مذہبی فریضہ کہ صحابہؓ میں جہنوں کا خیال تھا،

ما صا خ الفزکوة بسلامہ ومن  
 لہم وہا خلا صلوة لہ۔  
 (الفرزہ ابی یوسف ص ۱۱۱)

قرآن اور صحیح حدیث میں اس مقابلہ کے نادر کرنے والوں کے متعلق اتنی شدید تاکیدیں مقرر نہیں کی  
 بیشنی اس کے پہلو قیامت میں داغ دینے جائیں گے (قرآن) قیامت کے دن اس کا مال  
 جس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوئی ہو اس شخص کے سر پر یہ شکل اندر دیا جائے ہوئے اونٹ اور بکریوں کی  
 شکل میں آنا اور ان سب پر فریضہ برائے حکومت کی نوا کا اس کی وصولی کی ضمانت لینا کون

کہہ سکتا ہے کہ دینے والے کے پاس اس ملک کا ایک پیرسہ ہی باقی رہ سکتا ہوگا۔ پھر سوچنا چاہیے کہ میں حکومت  
 کے خزانے میں ملک کے ان پیرسہ اصل صدقات کے لئے ایسا انتظام کیا گیا ہو اس ملک کی امن و محافطت  
 کیا حال ہو سکتا ہے۔ نہ کوئی باپ اپنے مرنے سے اس لئے خون زدہ رہ سکتا ہے کہ اس کے بچے  
 یتیم ہو جائیں گے، چوٹی جو ہو کر لاوارث ہو جائے گی۔ نہ کسی کو اس کا خطرہ رہ سکتا ہے کہ میں اگر  
 اتفاقی طور پر کسی مصیبت یا مرض کا شکار ہو اور میرا تھو خالی ہو گیا تو علاج کون کرے گا میرے  
 بچے کیا کمائیں گے، اگر کسی تاجر کو تجارت میں خسارہ آجائے۔ کسان کو زراعت میں نقصان  
 پہنچے۔ کوئی فنکار ہو جائے، اندھا ہو جائے، بڑھا ہو جائے سب کو اچھا لگے کہ میری امداد  
 کے لئے سرکاری خزانہ میں مستقل کافی رقم موجود ہے جس ملک کے مقروضوں کو قرض تولنے کے لئے  
 زسودی قرض کی حاجت نہ جائے نہ ادائیگی کی ضرورت کہ ان کے قرض کی ادائیگی کا سامان حکومت  
 کے خزانے میں موجود ہے۔ پھر پارکار دیار کرنے والے مسافر جو ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے  
 رہتے ہیں نہ ان کو اس کی فکر کہ کس جگہ جا کر میرا تھو خالی ہو جائے گا کہ ہر شے ہر وقت کے مقامی خزانہ  
 میں اس کی امداد کا فنڈ موجود ہے، شاید صاحب حیثیت مسافروں کو خیرہ ہو کر اس کا تعلق ہم سے  
 نہیں ہے، نہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر مطمئن کر دیا کہ

لا تھل صدقة الا فی سبیل اللہ  
 و ابن السبیل (مسند بیہقی)

بلکہ مسافروں کے لئے تو اسلام نے ایک جدید ہیئت کا بھی اضافہ کر دیا ہے کہ یوں تو ہر مسافر پر  
 واجب ہوتا ہے کہ

ان تزلتہ بقرو فان ادا الکلم  
 ینا ینقی الضیعت فاقبلوا فان لم  
 یفعلوا فخذوا منہم حوز الضیعت  
 (رواہ ابن ماجہ ص ۱۱۱)

کہ آمدنی کے مناسب حال ہو وصول کر لیا کرو۔  
 اسی طرح غیر اقوام جب اسلامی حکومت کی رعایا بنے پر آمادہ ہوتی تھیں تو اس وقت ان سے  
 جو معاہدہ لیا جاتا تھا اس میں یہ بھی ہوتا تھا کہ

ضیاقۃ من من معہ من  
 المسلمین (ابن ماجہ)

اگرچہ فقہاء نے اب "نیفاقت" کے مسئلہ کو بجائے واجب کے مستحب قرار دیا ہے۔ لیکن  
 جب بہ کثرت حدیثوں میں

من اجمع الضیعت بفنائہ نفو  
علیہ حق او قال دین ارشاد  
اقضناہ ان شاء ترکہ  
(ایضاً)

ہے چاہے اس دین کو ہمارے دین کے ساتھ چھوڑ دے۔

دوسرے الفاظ میں آئے ہیں تو مسافروں کے لئے اسلام کی ہمتا کر وہ مہارت کو آسان کیوں نہ کیا جائے  
گھر میں رہنے والے کے لئے کسی باہر سے آنے والے مسافر کا کھانا خانا باعث مشقت نہیں ہو سکتا۔  
واقعہ ہے کہ اسلام نے ابتدا میں جو نقطہ قائم کیا تھا کاش کہہ دیں بھی مسلمان اس نکتہ کو  
باقی رکھتے قرآن مجید اگر نہ دنیا چھوڑ کر اور انشورش کے واسطے میں پناہ ڈھونڈتی نہ غریب مخلوق اور  
کاشکاروں کی مشکلات کا حل باہمی اتحاد والی سود خوار انجمنوں میں سوچا جاتا، گویا پیڑھ کرگ  
(سامجہ کار) سے نکال کر اس کے حق پر ان انجمنوں کی چھری چلائی جاتی ہے۔ مسلمان علماء کو مجبور  
کیا جا رہا ہے کہ سود اور جبر و غیرہ کی خشکوں کے جواز کی صورت پیدا کریں۔ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام  
کے نظام میں ان مشکلات کے حل کی کوئی تدبیر نہ تھی اور گویا اب یورپ کا دہریہ پہلی دفعہ ان مسائل  
کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن کیا کبھی کسی تصور کے کسی ایک حصہ کے دیکھنے سے پوری تصویر کا حال  
معلوم نہیں ہو سکتا۔ صرف زندگی کا یہی ایک شعبہ ہے جس میں اسلام کی ان نکتہ فرائضوں کا کوئی شک نہ  
ہے۔ اسی یورپ اور اس قسم کے دوسرے مفکرین کو دت چاہیے جو اللہ کے جلے ہوئے نظام  
میں ات کو خود تو کیا بنا سکیں گے سمجھ لیں تو غیبت ہے۔

اصدقات کے متعلق اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس جدید اسلامی نظام زندگی کی جوش دہلی و توتاریکی  
ایک تاریخی تغیر اور جدوجہد میں تھی وہ بعد کو باقی نہ رہی لیکن اس معاشی نظام  
پہلی اینٹ لگا جائے کہ اسباب کے تحت کچھ ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے زمانے  
میں اپنی جگہ سے سرگئی آپ نے اصدقات کی اور تمام مدوں (یعنی موشی کاشت کردہ گری) کا  
شکل میں جو وصول ہوتی تھی ان کو توبائی رکھا۔ لیکن روپیہ اور اشرافی سونا چاندی کی شکل میں  
اندوختہ مسلمانوں کے پاس تھا اس کی زکوٰۃ کو بجائے حکومت کے پھر انفرادی طور پر دینے کی  
فائز دیدی۔ امام ابو بکر جصاص رازی اپنی تفسیر میں نقل میں،

امام کو حق الاموال غنی  
کانت تحمل انی رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم  
الی بکرو عن عثمان رضی  
خطب عثمان فقال هذا  
الاموال (سونا چاندی) کی زکوٰۃ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر  
رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد تک ان ہی  
بزرگوں تک پہنچائی جاتی تھی۔ یعنی  
حکومت میں یہ امانی داخل ہوتی تھی

شعبہ زکوٰۃ فتمت حسان  
علیہ دین فلیودہ شہ  
لیترک بقیۃ مالہ۔  
(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۰۰)

اور اگر دے اور اپنے باقی مال کو چھوڑ دے۔

جصاص کہتے ہیں کہ اس مال کے بعد سے

فجعل لخصا داء حیا  
المساکین وسقط من اجل  
ذلک حق الاموال فی اخذھا  
(حکومت) کا جو حق اس مال کی وصولی کا مشاورہ سا قفا ہو گیا۔

مالا کہ چند سطر پہلے جصاص ہی نے آیت قرآنی،

خذ من اموالھم صدقہ

کے تحت یہ لکھا تھا کہ،

یدل علی ان اخذ الصدقات  
الی الامام و نہ من حقھا  
من وجبت علیہ المساکین  
لعمین لان حق الامام  
قائم فی اخذھا فلا یسبل  
الی اسقاطہ۔

اب تک باقی ہے اس کے سا قفا ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

جب یہ قرآنی قانون ہے اور ہم میں کا قرآن نے ادا دیکھا تھا اس کا اقتضا بھی ہے کہ ہم میں نہیں آج کہ  
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے یہ کیسے اخذ کر لیا گیا کہ اللہ ہمیشہ کے لئے مالی زکوٰۃ کی حد  
ہ قانون نہیں ہے اگر حضرت عثمان کے قول سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ خصوصیت کے  
ساتھ اس سال حضرت نے کسی خاص وجہ سے اموال کی زکوٰۃ کا اختیار خود مالکوں کو عطا کر دیا  
تھا اور یہ ہو سکتا ہے کہ امام کسی سال اپنی مرضی سے اپنے کسی اختیار کو دوسرے کے ہر دیکھے  
لیکن اس کو دوامی قانون بنا دینا اور حضرت عثمان کے بعد ہر امام سے اس حق کو چھین لیا جاتا ہو  
قرآن کا عطا کیا ہوا حق بلکہ ہر دیکھے کی خدمت ہے۔ آخر کس بنا پر جائز ہو سکتا ہے۔ مگر باوجود  
اس ایک کے انفرادی ہونے کے اصدقات کی اور دوسری مرس جو کم نہیں اور بلاشبہ اللہ  
کہا جاسکتا ہے کہ خلافت جابہ تک ان مدوں کی آمدنی کو ڈروں سے منجاؤں چھٹی چھٹی ہونے







مخفی تھے مزارع نہیں ہے کہ وہ ہزاروں اور لاکھوں کاماگ ہو، بلکہ ملک کا ہر ایسا باشندہ جو اپنی اور اپنے اہل و عیال کے روزمرہ مصارف کے سوا دوسو درہم یا ساڑھے چار سو توپ یا گندمی یا اس کے مساوی کسی سرمایہ کا مالک ہو اس کے لئے اس آمدنی کا ایک چوتھائی حرام ہے اس معاملہ میں کتنی شدید احتیاط کی ضرورت ہے اس کا آغاز اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک آدمی آیا جس کے گلینے میں دو دودھ خند حضرت عمر کو بھی ایک پیالہ اس دودھ کا ملا دودھ کچھ مزید ارتقا آپ نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے لائے ہو یہ لاکھ ظالماؤں کی چراگاہ پر میرا گذر ہوا وہاں انا صدقات کے اونٹ چر رہے تھے ایک اونٹنی کا لوگ دودھ دودھ رہے تھے میں نے بھی خود اس مالک کو اپنے چھاگل میں رکھ لیا یہ سننا تھا کہ حضرت عمرؓ پر موجب حالت ظاری ہو گئی، راوی کا بیان ہے،

قد دخل السبعه في فيه دستقا  
ابن ابي منير قال اورثت كرت  
(نيسابور) جاتے تھے

بہر حال قافوئی آغوش کے لئے تو قلعہ اس مال کا ایک ایک پیہر حوام ہے لیکن جو قافوئی غنا نہکتا  
ہر جگہ شب و روز کی خوراک سے زیادہ اس کے پاس سامان چھو ایسے آدمیوں کے لئے یہ حوام  
تو نہیں ہے۔ لیکن تصدقات کے شعبہ سے مانگنا اس کے لئے بھی ناجائز ہے۔ اس سے سبب بھلائی کا  
ہے کہ ایک طرف ملک کے ان مصیبت زدہ طبقات کے لئے اسلامی حکومت نے اپنے خزانے میں ہر  
یہ سارا انتظام بڑی طاقت سے کر رکھا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ اس کی نظر اس پر بھی تھی کہ کہیں  
خزانے کی اس مدد پر جو وہ کر کے اپنے حق کے خوش باشوں کی طرح بے کاری اور بیکار وقت گزار دے  
کے لوگ جلائی نہ ہو جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر خاص نظر تھی۔ جب کوئی کس  
مدد سے مانگنے والا آتا تو آپ ایک خاص نظر سے اس کو دیکھتے اور نرمی سے محکم الفاظ میں  
ان کو سمجھاتے جس کا مطلب بھی ہوتا تھا کہ حق ابوسعہ تصدقات کے مال سے صاحب استطاعت  
لوگوں کو پرہیز بھی کرنا چاہئے۔ حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ مجھ پر اور میرے اہل و عیال  
ایک وقت میں تنگ کی دھڑکی گئی مگر انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا کہ تصدقات کی رقم  
کو میری مدد فرمائی جائے۔ کہے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے عرض کرنے پر ارشاد فرمایا،

من استغنى اخفاء الله من  
جو بے نیازی کا راز یہ اختیار کرے گا، علیٰ

استغفر الله۔  
اسے بے نیاز کے گا اور مردوں سے

پہلے میں احتیاط کرتے تھا، خدا بھی اس کی آپہنک حنا نکلت کرے گا۔

حضرت ابوسعید پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کا، اگر ہم اگر  
لاستمعن فی غننی اللہ و  
لاستمعن فی فقری اللہ۔  
اور میں اپنے کو غنور قریں سے بے نیاز رکھوں گا خدا مجھے بے نیاز رکھے گا۔  
کہتے ہوئے واپس ہوئے ان کا بیان ہے کہ اپنے اس استغناء و امتناع کے نتائج کو بالآخر میں  
نے اپنی آنکھوں سے اس شکل میں دیکھا کہ

سالت علیہا اللہ یا فخر قننا  
الارض من حصصہ لک -  
(العلما)

ہم پر دنیا کا سیلاب چھا گیا اور  
اور جس اس لئے ڈر رہا۔ لیکن وہ  
جنہیں اللہ نے محفوظ رکھا جو۔

اس کا بچہ اور بے عملی کے خطرے کے انداز کے لئے تقریباً خام جہلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
جہاں چننا اور بائیں فرماتے ان میں ایک فقر و عیسا ہی ہوتا تھا،  
الید، العلیا خیر من الید، اور والا ہند (بچے والا ہند) غیہ و لک  
السلطان (مسلح) ہند سے بہتر ہے۔

پیشی مار شاو چوتا

۱۰۱  
 ۱۰۲  
 ۱۰۳  
 ۱۰۴  
 ۱۰۵  
 ۱۰۶  
 ۱۰۷  
 ۱۰۸  
 ۱۰۹  
 ۱۱۰  
 ۱۱۱  
 ۱۱۲  
 ۱۱۳  
 ۱۱۴  
 ۱۱۵  
 ۱۱۶  
 ۱۱۷  
 ۱۱۸  
 ۱۱۹  
 ۱۲۰  
 ۱۲۱  
 ۱۲۲  
 ۱۲۳  
 ۱۲۴  
 ۱۲۵  
 ۱۲۶  
 ۱۲۷  
 ۱۲۸  
 ۱۲۹  
 ۱۳۰  
 ۱۳۱  
 ۱۳۲  
 ۱۳۳  
 ۱۳۴  
 ۱۳۵  
 ۱۳۶  
 ۱۳۷  
 ۱۳۸  
 ۱۳۹  
 ۱۴۰  
 ۱۴۱  
 ۱۴۲  
 ۱۴۳  
 ۱۴۴  
 ۱۴۵  
 ۱۴۶  
 ۱۴۷  
 ۱۴۸  
 ۱۴۹  
 ۱۵۰  
 ۱۵۱  
 ۱۵۲  
 ۱۵۳  
 ۱۵۴  
 ۱۵۵  
 ۱۵۶  
 ۱۵۷  
 ۱۵۸  
 ۱۵۹  
 ۱۶۰  
 ۱۶۱  
 ۱۶۲  
 ۱۶۳  
 ۱۶۴  
 ۱۶۵  
 ۱۶۶  
 ۱۶۷  
 ۱۶۸  
 ۱۶۹  
 ۱۷۰  
 ۱۷۱  
 ۱۷۲  
 ۱۷۳  
 ۱۷۴  
 ۱۷۵  
 ۱۷۶  
 ۱۷۷  
 ۱۷۸  
 ۱۷۹  
 ۱۸۰  
 ۱۸۱  
 ۱۸۲  
 ۱۸۳  
 ۱۸۴  
 ۱۸۵  
 ۱۸۶  
 ۱۸۷  
 ۱۸۸  
 ۱۸۹  
 ۱۹۰  
 ۱۹۱  
 ۱۹۲  
 ۱۹۳  
 ۱۹۴  
 ۱۹۵  
 ۱۹۶  
 ۱۹۷  
 ۱۹۸  
 ۱۹۹  
 ۲۰۰  
 ۲۰۱  
 ۲۰۲  
 ۲۰۳  
 ۲۰۴  
 ۲۰۵  
 ۲۰۶  
 ۲۰۷  
 ۲۰۸  
 ۲۰۹  
 ۲۱۰  
 ۲۱۱  
 ۲۱۲  
 ۲۱۳  
 ۲۱۴  
 ۲۱۵  
 ۲۱۶  
 ۲۱۷  
 ۲۱۸  
 ۲۱۹  
 ۲۲۰  
 ۲۲۱  
 ۲۲۲  
 ۲۲۳  
 ۲۲۴  
 ۲۲۵  
 ۲۲۶  
 ۲۲۷  
 ۲۲۸  
 ۲۲۹  
 ۲۳۰  
 ۲۳۱  
 ۲۳۲  
 ۲۳۳  
 ۲۳۴  
 ۲۳۵  
 ۲۳۶  
 ۲۳۷  
 ۲۳۸  
 ۲۳۹  
 ۲۴۰  
 ۲۴۱  
 ۲۴۲  
 ۲۴۳  
 ۲۴۴  
 ۲۴۵  
 ۲۴۶  
 ۲۴۷  
 ۲۴۸  
 ۲۴۹  
 ۲۵۰  
 ۲۵۱  
 ۲۵۲  
 ۲۵۳  
 ۲۵۴  
 ۲۵۵  
 ۲۵۶  
 ۲۵۷  
 ۲۵۸  
 ۲۵۹  
 ۲۶۰  
 ۲۶۱  
 ۲۶۲  
 ۲۶۳  
 ۲۶۴  
 ۲۶۵  
 ۲۶۶  
 ۲۶۷  
 ۲۶۸  
 ۲۶۹  
 ۲۷۰  
 ۲۷۱  
 ۲۷۲  
 ۲۷۳  
 ۲۷۴  
 ۲۷۵  
 ۲۷۶  
 ۲۷۷  
 ۲۷۸  
 ۲۷۹  
 ۲۸۰  
 ۲۸۱  
 ۲۸۲  
 ۲۸۳  
 ۲۸۴  
 ۲۸۵  
 ۲۸۶  
 ۲۸۷  
 ۲۸۸  
 ۲۸۹  
 ۲۹۰  
 ۲۹۱  
 ۲۹۲  
 ۲۹۳  
 ۲۹۴  
 ۲۹۵  
 ۲۹۶  
 ۲۹۷  
 ۲۹۸  
 ۲۹۹  
 ۳۰۰  
 ۳۰۱  
 ۳۰۲  
 ۳۰۳  
 ۳۰۴  
 ۳۰۵  
 ۳۰۶  
 ۳۰۷  
 ۳۰۸  
 ۳۰۹  
 ۳۱۰  
 ۳۱۱  
 ۳۱۲  
 ۳۱۳  
 ۳۱۴  
 ۳۱۵  
 ۳۱۶  
 ۳۱۷  
 ۳۱۸  
 ۳۱۹  
 ۳۲۰  
 ۳۲۱  
 ۳۲۲  
 ۳۲۳  
 ۳۲۴  
 ۳۲۵  
 ۳۲۶  
 ۳۲۷  
 ۳۲۸  
 ۳۲۹  
 ۳۳۰  
 ۳۳۱  
 ۳۳۲  
 ۳۳۳  
 ۳۳۴  
 ۳۳۵  
 ۳۳۶  
 ۳۳۷  
 ۳۳۸  
 ۳۳۹  
 ۳۴۰  
 ۳۴۱  
 ۳۴۲  
 ۳۴۳  
 ۳۴۴  
 ۳۴۵  
 ۳۴۶  
 ۳۴۷  
 ۳۴۸  
 ۳۴۹  
 ۳۵۰  
 ۳۵۱  
 ۳۵۲  
 ۳۵۳  
 ۳۵۴  
 ۳۵۵  
 ۳۵۶  
 ۳۵۷  
 ۳۵۸  
 ۳۵۹  
 ۳۶۰  
 ۳۶۱  
 ۳۶۲  
 ۳۶۳  
 ۳۶۴  
 ۳۶۵  
 ۳۶۶  
 ۳۶۷  
 ۳۶۸  
 ۳۶۹  
 ۳۷۰  
 ۳۷۱  
 ۳۷۲  
 ۳۷۳  
 ۳۷۴  
 ۳۷۵  
 ۳۷۶  
 ۳۷۷  
 ۳۷۸  
 ۳۷۹  
 ۳۸۰  
 ۳۸۱  
 ۳۸۲  
 ۳۸۳  
 ۳۸۴  
 ۳۸۵  
 ۳۸۶  
 ۳۸۷  
 ۳۸۸  
 ۳۸۹  
 ۳۹۰  
 ۳۹۱  
 ۳۹۲  
 ۳۹۳  
 ۳۹۴  
 ۳۹۵  
 ۳۹۶  
 ۳۹۷  
 ۳۹۸  
 ۳۹۹  
 ۴۰۰  
 ۴۰۱  
 ۴۰۲  
 ۴۰۳  
 ۴۰۴  
 ۴۰۵  
 ۴۰۶  
 ۴۰۷  
 ۴۰۸  
 ۴۰۹  
 ۴۱۰  
 ۴۱۱  
 ۴۱۲  
 ۴۱۳  
 ۴۱۴  
 ۴۱۵  
 ۴۱۶  
 ۴۱۷  
 ۴۱۸  
 ۴۱۹  
 ۴۲۰  
 ۴۲۱  
 ۴۲۲  
 ۴۲۳  
 ۴۲۴  
 ۴۲۵  
 ۴۲۶  
 ۴۲۷  
 ۴۲۸  
 ۴۲۹  
 ۴۳۰  
 ۴۳۱  
 ۴۳۲  
 ۴۳۳  
 ۴۳۴  
 ۴۳۵  
 ۴۳۶  
 ۴۳۷  
 ۴۳۸  
 ۴۳۹  
 ۴۴۰  
 ۴۴۱  
 ۴۴۲  
 ۴۴۳  
 ۴۴۴  
 ۴۴۵  
 ۴۴۶  
 ۴۴۷  
 ۴۴۸  
 ۴۴۹  
 ۴۵۰  
 ۴۵۱  
 ۴۵۲  
 ۴۵۳  
 ۴۵۴  
 ۴۵۵  
 ۴۵۶  
 ۴۵۷  
 ۴۵۸  
 ۴۵۹  
 ۴۶۰  
 ۴۶۱  
 ۴۶۲  
 ۴۶۳  
 ۴۶۴  
 ۴۶۵  
 ۴۶۶  
 ۴۶۷  
 ۴۶۸  
 ۴۶۹  
 ۴۷۰  
 ۴۷۱  
 ۴۷۲

اگر تمہارے پاس ہر توہم قابلِ طاعت نہ ہو اور تمہیں جب تک فیہ الامان نہ  
 پہنچے کہ اس کو اپنے اور غائبانہ کرد  
 مستحق اور سب لوگوں کو واقعی مستحق کے اس حق سے بچنے اور کنہ کفر کے حکم دیا جائے اور  
 اس پر کیا جاتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو اپنی خداداد قوتوں سے روزی حاصل کرنے میں کوشش  
 کی جائے (۱) قبر میں تشنگ کا یہی مطلب ہے) اور زیادہ امیر نہ ہونے کو کوئی جرم نہ خیال کرے اور  
 اس جرم سے بڑی ہونے کے لئے الصدقات کی رقم سے امیری نہ پیدا کی جائے (۲) شکر عطا اپنی طرف  
 کی شادی میں نہ اپنی مصارف کے لئے لوگ کنیا وان مانگا کرتے ہیں کہ سوسالی میں ورنہ بے غری ہوگی  
 (۳) دوسری بات اس سلسلہ میں جہاں قابل ذکر ہے وہ الصدقات کی ایک خصوصیت بھی ہے کہ

مقصود ہے کہ جس وقت مسلمانوں سے "الصدقات" کا مطالبہ کیا گیا۔ بدگمانوں کو خایہ اندیش ہو سکتا تھا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (الیہذا بائعہ) خود اپنی اور اپنے اہل خاندان کی معاشی مشکلات کے حل کیے یا وہ تو نہیں بنائی ہے۔ خصوصاً جب اس زمانے میں بھی اکثر ممالکیہ اس وقت تک خیر و خیرات کی رقم یا مصارف و محنت وغیرہ کا استحقاق انہیں لوگوں کے ساتھ زیادہ مخصوص سمجھا جاتا ہے جن کی زندگی مذہبی ہو اور جو مذہب کی غائندگی کرتے ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہبی غائندہ ہونا اس بنا پر آپ کے بعد مسلمانوں میں مذہبی غائندگی کا قدرتا زیادہ استحقاق آپ کی اہل اور آپ کے خاندان والوں ہی کو ہو سکتا تھا۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ جو اسلام سے پہلے مذہبی غائندگی کے لئے صفات سے زیادہ ذاتی اور شخصی خصوصیات کو ملحوظ رکھتا تھا۔ ہندوستانی میں یہ عہدہ صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو برہمنوں کی نسل سے ہوں اور یہی حال تقریباً اکثر غیر اسلامی سوسائٹیوں کا ہے میرا خیال ہے کہ غالباً یہی ایک مصلحت تھی جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے اہل خاندان والوں پر خواہ وہ غربت و فقر کے کسی حال میں ہوں "الصدقات" کی آمدنی کو قطعی طور پر حرام فرما دیا۔ اس سلسلہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اتنا نازک احساس رکھتے تھے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام بچے تھے سابقہ الصدقات کے مدعی کھجوروں کا ایک ڈھیر بنا ہوا تھا۔ سرگتے ہوئے ڈھیر کے پاس پہنچ گئے اور صرف ایک کھجور نہیں اٹھا کر ڈال دیا جس پر صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پر گئی جیٹ کر ڈھیر اور بے قرار ہو کر فرماتے گئے۔

خود خواہ سے پیسہ دو۔

کچھ کچھ اڑ رہا تھا۔ اور فرماتے گئے۔

اما شعرت ان لا تاكل الصدقة

(رواہ البخاری)

تم نہیں کھجے کہ ہم لوگ مسدود نہیں کھاتے۔

بعض روایتوں کے الفاظ ہیں،

ان لا تحمل لنا المصدقة

ہم لوگوں کے لئے صدقہ کا مال جائز نہیں ہے

اسی بنا پر فقہاء اسلام نے بھی بالاتفاق اپنی قانونی کتابوں میں اس دفعہ کو قانون کی شکل میں داخل فرمایا اور اب تک اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ مسادات اور آئی خاطر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین رشتہ داروں پر الصدقات کی آمدنی حرام ہے۔

آخر میں ایک شبہ کا ازالہ فرماتا ہے کہ کیا حاکم الصدقات کے مطالبوں کو ادا کرنے والوں کو اسلام پر قسم کے حکومتی مطالبات سے مشتقی کر دیتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسلامی حکومت کی روایا مسلمانانہ ہو کر اس طرح اپنے آپ کو حکومتی مطالبات سے مشتقی کرتے رہے تو پھر حکومت کی کنٹروی و دشمنی و مخالفت حاکم کے مصارف کے لئے کہاں سے رقم آئے گی۔

لیکن اس کا پہلا جواب تو یہی ہے جو گذر چکا کہ اسلامی حکومت کی ہر وہ اراضی جو غیر مسلم رعایہ قبضہ میں ہو خارجی ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان اس کو خرید بھی لے گا اور اس کے سوا اس زمین پر قبضہ کرنے کی کوئی دوسری قانونی شکل نہیں جب بھی وہ خارجی ہی باقی رہتی ہے البتہ جزیرہ کی مدنی مسلمان نے سے ساقط ہو جاتی ہے اگرچہ اپنی امید کے حوالے سے اراکین مسلمانوں پر جزیرہ باقی رکھا تھا لیکن بہت جلد حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانے میں اس خلا قانونی کی اصلاح ہو گئی۔

بہر حال خراج کی وصولی کے لئے خارجی زمینیں پہلے تو کافی ہیں نیز الصدقات کے مصارف میں اس کا ذکر وہ بالاحقیات کے لوگ قرآن نے بتائے ہیں ان ہی کے تحت اس آمدنی کو خود مختار بنانے کے لئے خروج سے ایک اور مدد الصدقات کے مصارف میں قرآن ہی نے اضافہ کر دیا ہے یعنی اسی میں جہاں یعنی جو لوگ صدقات کے تحصیل وصول کا کام کرتے ہیں وہ بھی خواہ امیر ہوں یا غریب اپنی تنخواہ "الصدقات" کے دستے بخوشی لے سکتے ہیں اس لئے حکمران کے مصارف کی ادائیگی کی گنجائش تو خود "الصدقات" میں ہے۔ نیز ایک مدرس میں فی سبیل اللہ کی بھی ہے یعنی تبلیغی و دفاعی قوتوں پر بھی یہ آمدنی خرچ ہو سکتی ہے۔ یہ بھی حکمران کو سوا اسلام میں قضا کا کام دراصل ایک قسم کی عبادت ہے اگر قاضی غیر مستطیع ہے تو اس کو بھی تنخواہ اس دستے دلائی جا سکتی ہے اور حکمران کیلئے عین شہ کے بھی فقہائے بصورت امتیاج اس آمدنی کے مصارف میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔ جیسا وہی نے عین شہ کے ذریعہ میں انصار و انصانیہ بھی لکھا ہے گویا اس بنا پر مواصلات پر جو مصالح مسلمین ہی کی ایک چیز ہے یہ آمدنی خرچ ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے "الصدقات" کے مصارف انکے تو وہ رکھے ہیں جن کا تعلق معیشت زدہ طبقات سے ہے۔ لیکن اس لئے کہ اگر کسی وقت اسلامی حکومت کے پاس بجز "الصدقات" کی مدد کے اور کوئی آمدنی نہ رہ جائے تو چند ایسے مصارف کا اس کی ذیلی میں اضافہ کیا ہے جن کے بعد ایک حکومت کے قیام کے لئے جس امور کی ضرورت ہے سب کی تکمیل ہو جاتی ہے حتیٰ کہ ان ہی مصارف میں ایک مدد ان لوگوں کی بھی ہے جو محض مالی کمزوریوں کی وجہ سے اسلامی حکومت اور اسلام کی مخالفت کرتے ہیں جیسا کہ اس زمانے میں سیاسی شورش پسندوں کے ایک گروہ کی یہی حالت ہے ان لوگوں کو چپ کرنے کے لئے بھی "الصدقات" کے مصارف میں قرآن نے "مؤلفۃ القلوب" کی ایک مدد رکھی ہے۔ اگرچہ عام طور پر فقہاء کہتے ہیں کہ یہ معروف صرف مبتدع اسلام کی حد تک محدود تھا اور اب ساقط ہو گیا۔ دلیل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے "مؤلفۃ القلوب" کے بعض افراد کو دینے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ اب اسلام آتا تو خرمی ہو چکا ہے کہ ان لوگوں کی تابعدار قلب کی ضرورت نہ رہی حالانکہ صرف اس قدر ہے کہ چند خاص لوگوں کو حضرت عمر نے دینے سے فرماتے ہوئے انکار کر دیا تھا کہ

ان الله اعز الاسلام ما ذبحا

ابن عبد اسلام کو عزت و شرف ملے گا

پس تم دونوں جاؤ رکھ دے گا



کتاب ہے جس میں بیس اس کے الفاظ ترجمہ کے ساتھ نقل کرتا ہوں

و اهل العصيان لا يتبايعون  
 بدلا بناس ولا درهم وجمع  
 ما يحصل لبلالا وجمود في ملك  
 يسكونه قطعاً كما ذكرنا  
 واما بيعهم وشلهم بقطع  
 كاعذ كل قطعة منها بغير  
 الكنت مطبوعة لطابع السطا  
 ونسي المحسن والمعتز  
 بالشت وحي يعني الدنيا  
 عندنا واذ اتممت تلك الكواخذ  
 في يد انسان حصلها اتي  
 داس كذا واد السكة عندنا  
 فاخذ هو منها جدا وادفع  
 تلك ولا يعطى على ذلك اجرة  
 ولا سواها لان الله لا يبدل  
 عملها لعمد الارزاق الجارية  
 من السلطان واد كل من كان له  
 امير من كمال الامور واذ  
 منى الانسان الى الحق  
 بل وصحة او ديسار  
 شلاء شين لم يرخد حنه  
 ولا يلتفت اليه حتى يعرضه

اور اس کے دو گزیرہ فروخت نہ فرما  
 سے کرتے ہیں اور نہ درہم سے اور اس  
 ملک میں جب چیزیں آتی ہیں (یعنی ہم  
 یا اشراف) تو اسے کچھ کر کے لے کر  
 بنا لیتے ہیں مای لوگوں میں باہم خرید  
 فروخت کا ذریعہ۔ کاخذ کے لکڑیوں  
 پر لکھا اس کاخذ کو کتب دست کے برابر  
 ہوتا ہے اور اس پر حکومت کی ہوتی  
 ہے۔ ان لکڑیوں کے کہیں کاخذوں کے  
 مجموعہ کو باشت کہتے ہیں۔ باشت ہر  
 یہاں کی اخڑی کے برابر ہے۔ جب یہ  
 کاخذ پٹ جاتے ہیں تو جس کے ہاتھ  
 میں پٹا ہوا کاخذ ہوتا ہے اسے دیگر  
 وہ ایک کوٹھی میں لے جاتا ہے یا کسی  
 قسم کی کوٹھی ہوتی ہے۔ جیسے کھل  
 ہمارے یہاں ہے اور ان پٹے جوئے  
 کاخذوں کو داخل کر دیتا ہے۔ ساتھ  
 میں اس کوٹھے کاخذل جاتے ہیں۔  
 اور اس کی کوئی اجرت اسے نہیں ملتا  
 کرتی پڑتی ہے کیونکہ جس لوگوں کے  
 ہاتھ میں اس کا اس کام ہے وہ حکومت  
 سے تگڑا ہاتھ ہیں۔ ان سات کا

۱۵۔ میں نے متعلق اس سترہ پر یہی ملاحظہ ہے کہ مولانا اور میں دہلی کے ایک نامور  
 کی شے سے لیتے ہیں، پتھروں، لادلاؤں، شہر میں دھلائی جاتی ہے، اسے توڑ کر کوٹھے کے برابر کھینچ لیتے ہیں، اس سے  
 میر جوتے ہیں، انہی بزرگ اس سے پیدا ہوتی ہے کہ کوٹھے کو لگائی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ اس کے بعد بھی  
 اس کو بٹاتے ہیں، لکھا ہے کہ اس کی راکھ میں دوسرے پتھروں کا سفوف کا کوڑا دیا کرتے ہیں، اس سے میر جوتے جوتے  
 دوسرے کو صاف جوتے، انہی بزرگ کوٹھے کا کوڑا دیا جوتے، انہی بزرگ کوٹھے کا کوڑا دیا جوتے، انہی بزرگ کوٹھے کا کوڑا دیا جوتے

و مشائخنا رحمهم الله لم يقتوا  
 بجواز ذلك (كتاب العرف)  
 ویرہ لکھی ہے کہ

خوایم المتفاضل فیہ بنفتم  
 بامبالوہ۔  
 (کتاب العرف)  
 ہر میں مسابقت میں زیادہ گیری کی  
 اجازت دیدی جائے گی تو سود کا  
 ویرانہ کھل جائے گا۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ جواز کی بعض قانونی شکلیں پیدا ہو رہی ہیں۔ لیکن اس وقت سے کہ سود کا ویرانہ  
 کھل جائے گا۔ علماء ان سوراخوں کو بھی بند کرتے تھے، جن سے مسابقتی لوگوں میں ایسے زہر پڑنے لگا  
 کے داخل ہو جاتے کا اندیشہ ہوتا، آج یہ حال ہے کہ جواز کی حرکت اور دانت بلکہ بین الاقوامی  
 شکلوں تک کے متعلق بعض علماء نے جواز کی کوشش کی مدد ہو گئی کہ قرض ہی کے سود کے متعلق  
 ایک بڑے عالم صاحب نے فتویٰ دیا کہ قرآن نے اس کو حرام نہیں کیا ہے بلکہ حرب کے کسی گناہ  
 مبادرت سے اس حکم کا متعلق ہے۔ عربی میں کتاب لکھی گئی اور علماء کی خدمت میں پیش ہوئی،  
 فانما شر وانا لیراجعون۔

(۵) کھوٹے کھرے اور آمیزش کے اعتبار سے سکوی کے متعلق ایک اور اصطلاح بھی  
 ہے یعنی ہفتوں کو زریون (ای خاص کر ان کھوٹے سکوں کو کہتے ہیں جنہیں حکومت کا خزانہ ستر کر دیتا  
 ہے) جیسے جیسے کے جنہیں کاروباری لوگ بیو پار میں لینے سے انکار کرتے ہوں، اسی نوعیت کے سکوں  
 میں ایک قسم کا سترہ دستور بھی تھا۔ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ یہ فارسی کے سترہ کا سرب ہے اور نیچے  
 تو پاؤں کا پتھر جابجا تھا اور بیک میں آٹا بھر دیا جاتا تھا۔ یہ المودہ (فلس کے ہونے سکوں) سے  
 ایک الگ چیز تھی۔ مختلف قانونی ابواب میں ان کے نام آتے ہیں اور حالات کے لحاظ سے ان پر حکم  
 لگایا گیا ہے۔

باقی اس زمانے میں مسعودی زری کی ایک شکل جو نوٹ کی پیدا ہو گئی ہے۔ اگرچہ  
 عام طور پر تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ مغربی تمدن کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے  
 لیکن جہاں تک تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، ابن بطوطہ نے

۱۵۔ جیسے سترہ کو سترہ کا سرب کہتے ہیں، شہرہ بھی کہ ہندوستان کے زنجیرہ ہاتھ کی کوئی بگڑی ہوئی  
 صورت ہے، کیونکہ جیسے کہ اصل ہندی شکل میں آٹا بھر دیا جاتا ہے۔ تجنبت کے متعلق اس وقت اصل ہندی شکل  
 موداب لکھا جاتی ہے، ہندوستان اور قدیم عرب کے تجارتی تعلق سے یہ موداب مدینہ منورہ کی کتاب ملاحظہ فرمائی جاتا  
 اسلام کے بعد بروکی ہندو کا نام ہی باب الہند تھا اور دارا کی جودیش کی ستر کتاب ہے اس سے معلوم ہے کہ  
 کوڑوں میں ایک علامت کی ڈاڈا ہند کے نام سے موسوم تھا ۱۶

یادداشت و پیشتری بہ  
ماہنامہ -

(مسفر: ر.م. ۹۵، ج ۴)

(سنہ ۱۹۵۷ء) دہلی میں جیسے کہ بازار میں چاندی یا سونے کے تھلے سے کچھ خریدنا چاہے تو لوگ ان مکانوں کو نہیں جیتے ہیں۔ یہ ان کی طرف توجہ دہانے میں جب تک کہ باشندے ان کو جتنا نہ لے تب جس چیز کو خریدنا چاہا وہ اس کے لیے خریدنا ہے۔

تاکہ ہرے کا اہل بلوط نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں اور آج کل کے فزوں میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے  
اہل بلوط جس زمانے کا حال چین کے متعلق بیان کر رہا ہے اس وقت وہاں پیگمیاں کی اداوار  
کی حکومت تھی۔ تاکہاریوں کی تمام تاریخوں میں اسی بافت کا ذکر آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے  
کہ مثل اور تاکہاریں زیادہ تر اسی کاغذی کے کاروانج تھا۔

محمد تقی کے متعلق بھی یہیاد رکھام طور پر مشہور ہے چڑی کے کوہندوستان میں  
اس بادشاہ نے ترویج کیا تھا کیا تعجب ہے کہ مغلوں اور تاتاریوں ہی سے اس خیال کو  
اس نے اخذ کیا ہو،

لیکن اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے جسے ہفتکان نے جنس کانپوں سے نقل کیا ہے۔

حضرت عمرؓ و خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الحریق والجلود مکان النقره  
ورق اور چڑے کا غود کی چٹھوں کے

الحاجۃ کنیا (ترتیباً) دین میں ۱۵۱

وقت متبادل کرتے ہیں۔

پھر شاعر اس کا ایک شعر بھی اس کے ثبوت میں پیش کیا ہے جو ہے۔

الصفوۃ تالیف محمد لایلی مجملی من  
کیا حضرت نے اس کا حکم نہیں دیا تھا کہ

جلودھا الفتوحین عشرۃ الذہب

کتبہ قریشیہ (ادایہ ص ۱۱۷) جب مولانا ایب جوگیا تھا۔

وہ حکم یہ روایت کہاں تک لکھا ہے۔ یہی دواچ میرے نزدیک بات محل موجب نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ میں  
بہت اس کا رواج عام طور پر پایا جاتا ہے اور عرب و چین میں جو تجارتی تعلقات تھے کیا امید ہو  
کہ ایسی تاجروں سے یہ خبر حضرت محمدؐ تک پہنچی ہو اور بغزوت آپؐ نے کسی وقت اس طریقہ کو اختیار  
کیا ہو۔ البتہ نام کے شرعے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوت ہی کے موقع پر حضرت عمرؓ نے اس کو  
انتہا فرمایا تھا۔ بہر حال چونکہ اس کی تفصیلات کا حکم نہ ہو سکا اور اس جارت کے سوا اور کسی دہان  
میں اس کی تائید جوتی ہے ہم اس پر زیادہ بحث نہیں کر سکتے۔

پس چنگ کارواج | ابنت نوٹ ہی کے قریب قریب بنگوں کے چنگ کی جو کیفیت ہے یہ قرابت اسام  
یعنی مہر صحابہ و تابعین کی عام بات معلوم ہوتی ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ چنگ دیکھ کر عام بنگوں کی

مراوی خزانے سے روپیہ برآمد کرانے کا حکم رولرج معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جاری خزانہ  
بلکہ خود ملک کا رولرج عربی کے حکم کے تحت ہی سے بنا ہے۔ اس موقع پر ایبٹنی کی ایک دل چسپ  
روایت کا تذکرہ مناسبت معلوم ہوتا ہے۔ شیخ ابو یوسف القدر تالیفی حضرت ابو داؤد غنی اس حقہ کے  
راوی ہیں مفرماتے ہیں۔

استقامتی ابن خزیاد علی بیت

مجھے بیت الخلا پر بہت زیادہ زبردستی تھی

المال فاقا في سراج بصفته

کونی گورہ حضرت امام حسین علیہ السلام

اعط صاحب المطبع ثمانية

کے شہادت میں مشہور رہنا مآں آف افسانہ

درم "فقلت مكاك

نے مقرر کیا تو میرے پاس ایک آدمی

و دخلت علي ابن زياد

چکے کرہ پیٹا جس میں تھا باورچی خانہ

فقد شته

کے داروغہ کو آٹھ سو روپے ادا کرو۔

میں نے اس شخص سے کہا دراپنی جگہ ٹھہر جا اور میں اجازت دے کے پاس پہنچا اس سے گفتگو کی۔

اس کے بعد اپنی پوری گنتگو انہوں نے فق کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں تین مہینے افسروں کے درمیان روزانہ صرف ایک بکرے کا راضی مقرر تھا اس پر بھی حضرت عمر فرماتے تھے کہ جس مال سے روزانہ ایک بکرایا جائے گا وہ جلد ختم ہو جائے گا۔ ابوہریرہؓ کا مطلب یہ تھا کہ تم لوگوں کو سورہ پے خزانے سے صرف مٹلج کے دارودھ کو دلاؤ گے تو بیت المال کا آخر انجام کیا ہو گا۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں میں جب یہ کہہ چکا تو دیکھا کہ ابن زیاد مجھ سے کہہ رہا ہے۔

ضع المفتاح راذهب حيث

خزائن کی گنجی رکھ دو اور جہاں جہاں

شہادت (سفوفہ ہستی میں ۱۶۵۵ء)

۴۴۴

میری فرض اس قصہ کے نقل کرتے ہیں کہ ”چمک“ کے رواج کو بتانا تھا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ رواج کے بچوں اور اس زمانے کے ”چمک“ میں کسی قسم کا کوئی فرق نظر آتا ہے۔

(۶) جیسا کہ میں نے عرض کیا، زرق و برق اور زرق و برق کی اصطلاح تو چارے فقہاء کے ہاں ہی مروج ہے، ہدایہ وغیرہ عام فقہ کی کتابوں میں سونے اور چاندی کے متعلق انہی لفظوں میں لکھنا خلقہ (خارج حقیر میں) ۳۲۰ ج ۱ کتاب العرق جس کا مطلب یہی ہے کہ وہاں کی ان دونوں قسموں کے متعلق یہی طے کیا گیا ہے کہ پیدا کرنے والے نے ان کو خشن (دام لوطیت) بننے کے لئے پیدا کیا ہے، اب یہاں اسی کتاب العرق میں ایک موقع پر کہتے ہیں،

ويعلم ان الامور تنقسم الى قسمين

اسلام ہر تہذیب و ملت کے لیے ایک واحد اور جامع مذہب ہے۔

کون حال کے لئے براہِ عملہ نکالیں گے؟

جس پر ایک قسم تعالیٰ کی دوسری جہیز ملتی ہے

(میں نے) یہی کہنے کی جیت نہ تھی کہ اللہ عز و جل ہم کو دیا ہے۔



الدرآئم سے مراد چاندی کے تختے ہیں اور والد تائیر سے سونے کے، پھر آگے چل کر چند سطروں کے بعد کہتے ہیں۔

وینقسم باعتبار الاصل	پروان کی وہ قسم جو شریعتی نام اور
حق الثقیۃ وهو فی الاصل	جستہ کی حیثیت رکھتی ہے اس کی ایک
سلطۃ خات کانت سلطۃ	قسم وہ بھی ہے کہ فی الحقیقت ہے قوت
فعلی ثقی لا تقیین بالتقیین	سلطہ لیکن لوگوں نے بغور نہیں اور نام
وان کانت کاسلۃ فعلی	کے اس کو چاندی کا قرار کیا، پھر جب تک
سلطۃ کاغذوس۔ (ص ۱۱)	وہ رائج نہ ہے تو اس وقت وہ شریعت

پہنچا جائے گا یعنی میں کہنے سے میں نہ ہوگا۔ لیکن اگر والد تائیر زراہی ہو تو پھر وہ معمولی سلطہ کی حیثیت اختیار کرے گا۔ مثلاً انفس یعنی بیویوں کا بھی مال ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ الدرآئم والد تائیر کے سوا اور میں چیزوں کو بطور سکہ کے لوگ چلاتے ہیں ان کی حیثیت مصنوعی زراہی ہے۔ بہت ایک سوال یہ کہ بعض چیزوں کو تو پہلے بطور سکہ کے چلا دیتی ہے مثلاً کوڑیوں کا رواج ہندوستان میں کچھ دن پہلے اسی حیثیت سے تھاپنی حکومت کی طرف سے مقررہ سکہ کی حیثیت کوڑیوں کو نہیں دی گئی تھی اور غالباً سب کے چکرورنگے جو اب بھی کوڑیوں کے ساتھ ہندوستان میں فروغ تھے۔ ان کی حیثیت بھی یہی تھی یعنی حکومت سے ان کا تعلق نہیں تھا۔ پھر غیبہ بھی ان کو پہلے ہی کی چلائی چوٹی چیز کہتے ہیں۔ شرح ہایہ میں ایک موقع پر انفس کے بعض احکام کا ذکر کرتے ہوئے امام محمد کی طرف ان الفاظ کو منسوب کیا گیا ہے۔

الثقیۃ فی النفس ثبت باصطلاح	پیسے میں خود (۱۴) چمکے کی حیثیت
افکل۔ (ص ۱۲)	نئی (عام حقوق) کی اصطلاح سے

پیدا ہوتی ہے۔ لیکن حکومت اگر کسی سکہ کو الدرآئم والد تائیر کے سوا مروجہ کر دے تو یہ فیری قسم کے کی ہوگی گویا زراہی و مصنوعی کی دو قسمیں ہوں گی۔ ایک تو وہ جنہیں لوگ باخود بطور سکہ کے چلاتے ہوں۔ اور دوسری قسم ان سکہوں کی چوٹی جو سونے یا چاندی کے توڑیوں میں حکومت نے ان کو چلا یا جو بہر حال ان کی حیثیت و فنی اور مصنوعی سکہ ہی کی ہوگی اگرچہ نام نے انفس کا ذکر کرتے ہوئے ایک موقع پر لکھا ہے کہ

لے تختے سے جو چیزیں خریدی جاتی ہیں، عرب میں ان کو سکہ کہتے ہیں مثلاً کڑے گھوڑے وغیرہ اور وہیں کوئی سکہ سکہ کے لئے نہیں لے لیا۔ اس سے مراد ان سکہوں کا زراہی ہونا یا کہ انہوں میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔ لیکن پھر بھی دل اس تجربے سے مطمئن نہیں ہے۔ اس لئے اصل عربی لفظ تجرب میں رکھ دیا گیا۔ سعودی کو فلپا کہیں عوض بھی کہتے ہیں یعنی عداوت کے عام حربہ استعمال اور برتے کی چیزیں ۱۲

انفس فی الاصل معروض۔ (فتح القدیر ص ۱۲۸) پیسے اپنی اصل حیثیت کے اعتبار سے عروض ہی ہیں یعنی سکہ ہونے کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک اور چیز کا ذکر بھی فرمادیا ہے اپنی کتاب تاریخ التقدیر الاسلامی میں لکھا ہے کہ بے اوقات بڑی رختوں کی و کثیر ایما لیتقد صحت جو اھل حق من الکثیرۃ فاذا من مر لحد حم علی سفر لیل لیسترق فنتقہ عشرۃ الاف وینا و مثلاً فیل لا من انہ یحصل ذلک ذہبا او فضۃ مستقداً جو حق او عداً جو اھل حق۔ حملہا فی الجیب فاذا وصل الی اللہ لافقوہ لایراھم اھل حق غنھا۔ مسلمانوں کے اس طرز عمل کو بیان کرنے کے بعد پھر خود لکھتا ہے کہ

یہاں اس کو بیان کرتے ہیں کہ	یہاں اس کو بیان کرتے ہیں کہ
یہاں اس کو بیان کرتے ہیں کہ	یہاں اس کو بیان کرتے ہیں کہ
یہاں اس کو بیان کرتے ہیں کہ	یہاں اس کو بیان کرتے ہیں کہ

لیکن اس تحریر کے سوا بھی ایک اور طریقہ مسلمانوں میں جاری تھا جو دوسری قوموں کے میل و جول سے انہوں نے بھی قبول کر لیا تھا۔ فقہ کی اصطلاح میں اس کو مستقر کہتے ہیں۔ جس کی کتب السفاک ہے۔ فہما یہ کس فارسی لفظ کا عرب ہے۔ چونکہ یہ تمام لکھنؤ کی چیز تھی۔ اس لئے مستقر التجدد کے نام سے بھی اس کو موسوم کرتے ہیں اور یہ وہی تھنڈی ہے جو اب بھی دنیا میں اس لئے فروغ ہے کہ وہ یہ کی منتقلی میں اس سے آسانی بھی ہوتی ہے۔ نیز نواسہ کے خطرات سے بھی مال محفوظ ہوتا ہے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابہ بھی میں اس کا رواج ہو گیا تھا۔ یہی نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ اثر نقل کیا ہے کہ

ابن عبد اللہ بن زبیر کا بیان ہے کہ	ابن عبد اللہ بن زبیر روگوں سے کہیں کہیں
تو یہ بیکہ دس لاکھ تم بکتب بھاٹی	لے لے اور مصیب بن الزبیر کے نام اس
مصیب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	کی چوٹی لکھ کر دیتے جو ان کے گورنر تھے
اور وہ شخص اتنی رقم مصیب سے عرق پہنچ کر وصول کر لیا کرتا تھا۔	

لے سند دیا ہے۔ یہی مذکور ہے۔ شاید چوٹی کے کاغذ فروکش کرنے میں اس نے مستقر نام لیا۔

اسی طرح ایک روایت ابن عباس کے متعلق بھی ہے درج کیے کہ

مسئلہ ابی عباس میں ذلک  
ابن عباس سے ہنڈی کے متعلق پہنچا  
فلاں عریہ باس۔  
مناذہ نہیں ہے۔

یہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ

درجی ذلک یسنا عن علی رضی اللہ  
فتاویٰ عنہ (سنن ترمذی کن بابہ)۔  
ہنڈی کے متعلق منقول ہے فتاویٰ ذلک  
بعض روایت بیان کی گئی ہے۔

مگر باوجود ان تمام باتوں کے فقہاء و محدثین اور مفتی فقہاء و خصوصاً کچھ اس شکل کے متعلق مذہب کا انحصار کرتے رہے تریذیب کے اسباب کیا تھے کیا ان کو اس کا اندیشہ تھا کہ ہندو کی مذہبی کی یہ شکل نوٹ کی صورت شاید اختیار کرے اور نوٹ کے جن نشانات کو باوجود مناسبت کے لگا دینا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے کیا یہ خطرات ان کے سامنے آگئے تھے۔ یہ کیا شکل ہے جہاں تک کہ ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے ہنڈی میں ان کو گڑا رہا کی جو آتی تھی، کیونکہ پچھلے زمانے میں بلکہ شاید اب بھی اس میں زیادہ تریذیب کیا جاتا تھا کہ لوگ ایک شہر میں روپیہ بطور قرض کے لیتے تھے اور ہنڈی لکھ کر قرض حواء کو دیتے تھے کہ وہ دوسرے شہر میں ان کے نمائندے سے وصول کرے۔ قرض دینے والے اس ذریعے اپنے روپوں کو ماہ کے خطرات اور بار برداری کے مصارف سے محفوظ کر لینا تھا مگر قرض دے کر مقروض سے فتح اٹھاتا تھا۔ گو حقیقی سود کی قور شکل نہیں ہے لیکن ایک قسم کا خیرا وی فتح قرض دینے والے کو ضرور پہنچتا ہے۔ چونکہ فقہاء میں وصول اگر مسلم شریعہ و مسلم کی ایک حدیث مشہور ہے کہ

کل قرض جہر شفعہا خور ہوا

وہ سود ہے۔

اس حدیث کی بنا پر مشہور ہوئی انہوں نے کہ وہ قرار دیا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مذہب بالحدیث خواہ فقہاء میں جس قدر بھی مشہور ہو مگر محدثین کے اصول سے کچھ نہیں ہے اس کے راویوں میں سوار میں مصعب ایک ایسا شخص ہے جس سے حدیث روایت کرتی محدثین نے ترک کر دیا تھا۔ اسی طرح ایک اور روایت بھی ہے جسے مشہور صحابی حضرت عمرو بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے بیان کیا جا رہا ہے یعنی حضرت عمرو بن عبد اللہ کہتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

السننجات حسرا۔

ہنڈیاں حرام ہیں۔

ابن جوزی نے اس روایت کا شمار موقوفات میں کیا ہے اور واقعہ بھی کچھ ہی معلوم ہوتا ہے کہ جہر بنوت میں منفقہ کے قطعاً سرخ نہیں ملتا۔ نیز اس کے راویوں میں عمر بن موسیٰ اشجری درج کا غیر معتبر آدمی ہے اور یہ کہ امت ان بھی کی معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال روایات کی بنیاد پر منفقہ کی حرم

معاہدہ تک کا فیصلہ مشکل ہے البتہ روایات کی قواعد کے تحت چونکہ کل قرض جہر شفعہا خور ہوا کے اصول کو جہر تا بعین میں تسلیم کر لیا گیا تھا۔ جیسا کہ مشہور تابعی حضرت حطا سے مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول ہے۔ اس نے ایسے تسبیح جو قرض لینے کے بعد کسی کو دیئے گئے ہوں ان کو مکروہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اپنا روپیہ کسی رنگ یا شیشہ سا جو کار کی دوکان پر بیچ کر دے اور رنگ سے چمک لے کر یا سا جو کار سے ہنڈی لے کر دوسرے شہر میں وصول کرے یا جیسے آج کل منی آرڈر کا اصول ہے کہ آدمی ڈاک خانے میں روپیہ جمع کر دیتا ہے ڈاک خانے اس کے اس منی آرڈر کو مقام مطلوب میں بھیج دیتے ہیں۔ وہاں کا ڈاک خانہ روپیہ ادا کر دیتا ہے۔ یہ ظاہر اس کے ناجائز ہونے کی کوئی دہ نہیں ہو سکتی۔

فقہاء و مفتی کے متعلق فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ قرض بھی روپیہ دیا جائے لیکن قرض دینے میں ہنڈی کی شرط نہ ہو اور جہر کو ہنڈی لکھی جائے کہ اس قرض کو فلاں شہر میں فلاں شخص کو دکھا کر وصول کر لینا تو جائز ہے۔

ابن ہام نے الاوقات وغیرہ فتاویٰ سے نقل کیا ہے کہ

ان اقراضہ بغیر شرط و کتب  
جانس (فتح القدیر ص ۵ ص ۵)۔  
اگر کسی قرض کے قرض دے ہر  
ہنڈی لکھی جائے تو جائز ہے۔

کفایت الیہم حق سے ابن ہام ہی نے ہجریہ بھی نقل کیا ہے۔

ان یقرض مطلقاً نہ کتب  
المسقیہ فلا باس بہ۔  
اگر مطلق قرض لے ہر ہنڈی لکھ کر  
قواس میں کوئی مشائخہ نہیں۔

اور جب قرض کی صورت میں بھی غیر شرط ہو جانے کے بعد منفقہ جائز ہے تو جہاں قرض نہ ہو وہاں اسے بدرجہ اولیٰ جائز ہوتا چاہیے۔

ذریعہ مباحث میں جس کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ مشرق یا تبتلی یا ہساری حکومت کی اصطلاح میں جس کا نام کردگری ہے۔ اگرچہ اس مسئلہ کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے لیکن جبرجی زبان نے اپنی کتاب التمدن الاسلامی میں اس مسئلہ میں ایسا طرز تفسیر اختیار کیا ہے جس سے مقالہ کا اندیشہ ہے مسئلہ کو صاف کرنے کے لئے اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ جبرجی زبان نے اسلامی حکومتوں کی آمدنیوں کا ذکر کرتے ہوئے مذکورہ بالا داخل کے سوا چند جہر چیزوں کا اضافہ تواریخ التراج کے حوالہ سے کیا ہے۔ جس میں اس نے مسیحا اجماع (نیشاپور) وغیرہ کے حصوں کے ساتھ جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر میں کر چکا ہوں اعشار السنہ (چاندنی کی چمک) اعشار الماسد (دکانوں کی چمک) کو بھی درج کیا ہے۔ یہ ظاہر خیال گذرتا ہے کہ عام مشرک سوا شکر مسافروں پر اسلامی حکومتیں کوئی بدیدہ سمجھنے لگیں

میں سہ ماہیات جاند کرتی تھیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنی عشق سے جس کا ذکر میں پہلے کرتا یا ہوں۔ مسلمانوں سے دوسری چیزیں یعنی مویشی و کاشت سے الصدقات کے دکان وصول نام زکوٰۃ و حشر لیا جاتا تھا۔ اسی طرح تجارتی اموال سے زکوٰۃ بحساب چالیس فی صد وصول کی جاتی تھی پھر کسی زکوٰۃ دکانوں سے وصول ہوتی تھی اور کسی بری یا بکری گزرگا ہوں سے۔ جب کوئی تجارتی مال گزرتا تھا اس سے چالیسواں حصہ لیا جاتا تھا۔ اور پھر سال بھر تک اس مال سے کوئی جدید محصول وصول کرنا ناجائز تھا۔ اسی طرح غیر مسلم کی دکانوں کے تجارتی اموال تو محصول سے مستثنیٰ تھے لیکن باہر سے جب وہ اسلامی ملک میں مال لاتے تھے تو اس سے بھی زکوٰۃ کے چالیس فی صد کے حساب سے خراج کے طور پر محصول لیا جاتا تھا۔ اسی طرح غیر مالک کے غیر مسلم تجارتی اسلامی علاقوں میں تجارتی مال لے کر آتے تھے تو قاعدہ یہ مقرر تھا جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا کہ جس ملک کے وہ باشندے ہوتے اس ملک کی حکومت مسلمانوں کے تجارتی مال پر جتنا محصول عائد کرتی تھی اسی قدر اسلامی حکومت بھی ان سے وصول کرتی۔ اگر مسلمانوں کے تجارتی مال کو محصول سے مستثنیٰ کر دیا جاتا تو اس ملک والوں سے اسلامی حکومت بھی کچھ نہیں لیتی ہے۔ البتہ اگر ان کی حکومت طرز عمل معلوم نہ ہوتا تھا۔ مثلاً وہاں مسلمان تجارت کے لئے کسی نہ کئے ہوں تو ان کے تجارتی اموال سے خواہ کسی نوعیت کے ہوں، دس فی صدی کے حساب سے محصول کیا جاتا تھا لیکن غیر مسلموں سے جبراً آدنی جوتی تھی اس کو خزانے میں خراج کے تحت عید جمع کیا جاتا تھا۔ بخلاف مسلمانوں کے تجارتی اموال کی آمدنی الصدقات کے مجموعہ ہوتی تھی کیونکہ وہ دراصل ان کے تجارتی مال کی زکوٰۃ ہوتی تھی قاضی ابویوسف کتاب خراج میں لکھتے ہیں۔

وکل ما اخذ من السابین	مسلمانوں سے	مشورہ ذکر و گیری
عن العشور فضیلہ سبیل	کے نام سے جو محصول وصول کیا جاتا ہے	
الصدقات و سبیل	اس کا خیر زکوٰۃ کی دین ہوگا اور	
سایوخذ من اهل الذمة	اسلامی حکومت کی غیر مسلم ذریعہ کیا کہ	
ما حصل الحرب جیسا سبیل	مال سے مشورہ وصول کیا جاتا ہے	
الخروج (س ۱۰)	یا غیر اسلامی حکومت کی جو مسلم علاقہ	

میں حصوں سے جو مشورہ وصول ہوا ان میں سے ایک حصہ خراج کی وجہ ہوگا۔  
نہ صرف یہ کہ انہوں نے تجارت اسلامی ملک میں کسی راستے سے آئیں دوسری ہوں یا بکری ان سے دہی دیکھ عشر مال لے کر محصول سال بھر میں ایک دفعہ وصول کیا جاتا ہے جسے زیدان کا حشر اسن حشر الزامہ و غیرہ کہانہ ملک کے بیان کرنا ایک قسم کا منہ لاد ہے نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی اس کا خاص طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ سال بھر میں ایک ہی مال پر دو دفعہ قرض محصول وصول کیا جائے مشہور ہے کہ ایک جیسا فی تاجروں سے کہو گیری کے حامل نے دو دفعہ محصول وصول کر لیا۔

میں سہ ماہیات جیسا فی حضرت عمر کے پاس میرا دوڑا ہوا پہنچا۔ آپ اس وقت بہ قریب چاک میں تھے بل طاکر حکایت کی۔ اس وقت آپ نے حال کو سخت ڈانٹ کر کہا جیسی اور اس کا مال داپس دلا گیا۔ مدت کے بعد جیسی حضرت عمر کی خدمت میں پہنچا اور اپنا تھراوت کرتے ہوئے بولا کہ  
انا الشیخ الفخرو فی السنی  
کلیسک فی شہر یاد۔  
حضرت عمر نے اسی بھر میں جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

وانا شیخ الخفیف السنی  
قضیت حاجتک (کتاب الخزانہ)  
میں بھی خود ہی خفی بول رہا ہوں جس نے  
جبری ضرورت پوری کی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ غیر مالک کے تاجروں کے ساتھ اسلامی حکومت رواداری اور انصاف کا عہد کرتا تو کرتی تھی کہ دور دراز ممالک کے باشندے خصوصاً مسند پر ممالک جاتے ہوئے ایک تک گھبراتے تھے محصول فاروقی کا شہرہ سن کر انہوں نے اسلامی ممالک میں پہنچ کر تجارت کرنے کی خود درخوست کی۔ قاضی ابویوسف نے کتاب خراج میں لکھا ہے کہ

۱۔ اهل جنین قور من اهل	جنین کے لوگ جو غیر اسلامی قوروں کے
الحرب و ساء البصر کنوا الی عمر	باشند تھے انہوں نے منہ بند ہے
من الخطاب و منی اللہ صالحہ	حضرت عمر کے پاس دو سو سے بھی بڑا
عنا مذخل اسر فک تجارتا	دیکھ کر آپ کے ملک میں سودا گری کے فہم
وقششا۔	دست لہوں اور ہم سے بھی حشر و سبیل کے

جبرجی زیدان نے لکھا ہے کہ

فقل کا ی عیال الیمن یلخند	یہ کہ حال ذکر و گیری و احاء اس
عن الفریقۃ من السفلیق	محصول کو ان جہانوں سے وصول کرتے
تہا یسوا حلہم قادمۃ من الخند	جوان کے سالوں پر ہندوستان سے
تمل الازواد الخلفۃ و لیسک	آتے ہوئے گزرتے ہیں جو خند و اور
والکافور و العنبر و العسل و	کلاباں مختلف قسم کی شک کا فور
والعیسی (س ۱۰)	جزیرہ تنجینی و غیرہ جوتے۔

یہ خیال ہے کہ جبرجی زیدان کو جو یہ سارا ہو کر محصول وصول ہو تجارتی اموال پر مسلم غیر مسلم قسم کے سودا گروں سے بلکہ انہوں نے حشر اسن کوئی الگ چیز تھی اس کا منہ لاد ہے کہ اسلامی ممالک میں اسے دامن کی فراوانی، عام فراخی و فروت کی وجہ سے ہر قسم کے اموال کے طلب کا نتیجہ تھا کہ بکثرت غیر مالک کے تجارت مسلمانوں کے ملکوں میں تجارت کے لئے آتے جاتے رہتے تھے اور اس سلسلہ میں بڑی کافی آمدنی حکومت کو ہو جاتی تھی۔ جبرجی زیدان ہی کا بیان ہے کہ



قدرت کی ایک ایسی نعمت جس کے ساتھ ہمارا قیام وابستہ ہے ضرورت ہے کہ ہم اس کے مروت کرنے میں پوری احتیاط اور بیداری سے کام لیں، اگرچہ یہی بھی قدرت نے انسانی فطرت میں مال کی حفاظت و حیانت کا جذبہ منحوس کر دیا ہے قرآن ہی میں ہے،  
 و احضرت الا نفس الشخ  
 نفوس انی لک کے سامنے  
 مابزک لگی ہیں۔

# مروت دولت

حدیث میں ابن کثیر کی تفصیل کے بعد فیہدہ کے نکلنے کی اب تو سچا ہائی رہ جاتی ہے اور اب آئندہ صفحات میں ہم اس کے متعلق مختصر مباحثوں اسلام کے نفاذ و نفاذ کرنا چاہتے ہیں۔

مختصر ہے کہ گو عام مذہب و ادیان میں مال و دولت کی بہت کچھ خدمت کی گئی ہے چنانچہ اسکی بنیاد پر مذہب اور دنیا کی عزت و فخر کی قرب پر ایک دوسرے کے مروت چمکے ہیں اور اسلامی مستورات میں بھی اس قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں لیکن مروت و مروت کے مشہور و معروف و دنیا والے نے فکر بنا کر ہر پڑے کے مسلمان نگہ اس دنیا کا سبب طلب پہنچا دیا ہے جس کی اسلام نے خدمت کی ہے اور نہ کیا ہے اگر دولت کلمے میں آدمی خدا سے غافل نہ ہو اور کتاب دولت کے جن قوانین کا تذکرہ گذشتہ اوراق میں کیا گیا ہے مگر ان قانونی جائزہ دینے سے مال حاصل کیا جائے اور خدا کے قائم کئے چھوٹے حدود سے لاپرواہی نہ کرے جو مروت حدیثوں میں ہمیں ملے بلکہ قرآن میں بھی

اموالکم الذی جعل لکم  
 قیسا ما۔  
 تہا مال جہ نہ دے رہے تہا  
 اور قیام کا ذکر نہ کیا ہے۔

کے عجیب و غریب جامع مانع الفاظ میں ثانی قوت کی حقیقت بیان کی گئی ہے جو مروت و مروت کی ذات جس طرح سمات و اوصاف کی قیوم ہے اسی قیومیت اور تہا و کا ایک حصہ اس عالم ہمارے گواہوں کو روایا ہے یعنی نبی آدم کے شیر اور قیام کا ذکر یہ مال ہے یہ قرآن کا فقر ہے۔

انسانیت کی ہر آرزو اور اس کی تمام نیکیاں زیادہ تر مالی قوت ہی کے ساتھ وابستہ ہیں

اس لئے بعض روایتوں میں آیا ہے کہ  
 والہ را حرم مال دنیا و آخرت  
 فی ارضہ من جاء بخت مولد  
 قضیت حاجتہ۔  
 بزرگانی اور مولا  
 دہم و دایرہ و دیو و خرقی، انشک  
 ہوں ہیں، جو اپنے مالک کی ہر  
 لے کر آئے گا اس کی حاجت  
 پوری ہوگی۔

افسانہ کا یہی فطری رخ (اور دولت کی) ہے جس کا یہ نتیجہ ہے کہ مروت دولت میں لوگ اتنی لاپرواہی نہیں کرتے جتنی حصول دولت میں مروت برتی جاتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ مروت دولت پر اسلام نے اتنی پابندیاں نہیں عائد کی ہیں جتنی حصول دولت میں عائد کی گئی ہیں۔ مگر پھر بھی مروت دولت کے سلسلے میں اسلام کا جو ہدایت نامہ ہے گو وہ مختصر ہی ہے، تاہم جو کچھ بھی اس باب میں ہدایتیں دی گئی ہیں دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ عقل کی دامن سے آدمی اس وقت تک ان نکات تک نہیں پہنچا ہے۔  
 مروت دولت کے متعلق اسلامی نقطہ نظر کو سمجھنے کے لئے ہمیں اپنے سامنے چند سوالات کو رکھنا چاہیے مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس جب جائز اور قانونی ذریعے سے دولت جمع ہوگئی تو قدرتا اس کے سامنے دو سوالات آتے ہیں یا ان کو آنا چاہیے۔

کن کن چیزوں پر اس دولت کو نہ صرف ہونا چاہیے جب اس سوال کا جواب معلوم ہو جائے تب اس کے بعد دوسرا سوال یہ پیدا ہوگا کہ پھر کن چیزوں پر اس کو مروت کرنا چاہیے، اور یہی دوسرا سوال ہے گویا پہلے سبب پھر سبب اب کی حقیقت ہونی چاہیے۔

پہلے ہم سوال اول کو لیتے ہیں یعنی اسلام کن چیزوں پر مروت دولت سے آدمی کو منع کرتا ہے  
 تہا مال جہ نہ دے رہے تہا  
 اور قیام کا ذکر نہ کیا ہے۔  
 پھر ہر جائز و ناجائز خواہش کی تکمیل میں بھی مروت دولت کی وہ کیسے اجازت دے سکتا ہے یعنی  
 قانوناً جن افعال و اعمال سے اسلام نے روکا ہے۔ ان راہوں پر مروت دولت کا نام قرآن کی اصطلاح میں تہا مال جہ نہ دے رہے تہا،

ولا تہا مال جہ نہ دے رہے تہا  
 اور غلام معاف ہر گز نہ کر۔

میں مروت دولت نے اساسی اجتماعی قانون کا اعلان کیا گیا ہے، اگرچہ عام طور پر تہا مال جہ نہ دے رہے تہا  
 ہوگا ہم معنی خیال کر کے دونوں کا ترجمہ فضول خرچی کر دیتے ہیں لیکن جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا کہ مروت دولت کے یہ دو مستقل دفعات ہیں فضول خرچی کے معنی تو یہ ہیں کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے شفا اگر کسی کا پیٹ جو کی روٹی سے بھر سکتا ہے گھوٹ کی روٹی کھا نا اس کے لئے باس  
 معنی فضول خرچی ہوئی۔ پھر کیا اسلام میں یہ جرم ہے اگرچہ کیا کہ اسلام جب زیب و زینت و آرائش ملک کی عادت نہیں کرتا تو سبب بجا ہے جو کہ گھوٹوں کی روٹی کھاتا ہے اس کو مروت کیسے اسلام میں قرار دیا جاسکتا ہے خصوصاً جب ہم اس آیت کے بعد دیکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے تہا مال جہ نہ دے رہے تہا کو

ان المذنبین کا نوازا خواہ ان  
اعتیادین وکان الشیطان  
لوربہ کفر و کفر

قرار دیا ہے۔ شیطان کا جالی ہوتا اور اس کی صفت گنہگاریت میں مبتدین کو خلیفہ کرتا یہ سزا کیا اس  
شخص کی قرآن مقرر کر سکتا ہے جو جالی کے باوجود قدرت کے گہوں کی روٹی کھا ہے۔  
اصل یہ ہے کہ تہذیب کا انہذا ہے، ہذا کے سنی حکم کے ہیں، تہذیب ختم ہونے کے کو کہتے ہیں  
پھر جیسے کہ ان اپنے کھیت میں دانے لڑا ہے اور نیز اس خیال کے چھڑکنا چلتا ہے کہ دانے  
کیاں گریں گے کہاں زگریں گے وہی حال اس شخص کا ہے جو اپنی دولت خرچ کرتا چلتا جاتا ہے  
لیکن اس میں اس کو اس کی رعایت نہیں ہوتی کہ بیخود ہونے پر خرچہ کرے یا اسے خواہشوں پر خرچہ کرے جو ان کی تکمیل  
قانونم ہے یا ان کے مذہب کے شایعہ لیکن آگے کے کسان کے دانے تو ایک سے سو پیدا کرتے ہیں  
اس معاملہ میں مبتدین اس سے جدا ہو جاتا ہے بلکہ شیعہ جو حال شیطان کا ہے وہی حالت اس کی  
ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ شیطان جیسا کہ اس قوت کا نام ہے جو بھائے خیر کے ہمیشہ خیر اور برائی پر  
صرف جوتی ہے۔ یہی حال مبتدین کا ہے کہ خدا کی دی ہوئی مالی طاقت کو وہ بھی بُرائی اور شر کے حصول  
میں صرف کرتا ہے اسی لئے اس کا بھائی ہے اور جس طرح شیطان اپنی قوت کے غلط استعمال سے  
خدا کا ناشکر قرار پایا یہی حال اس کی ناشکری کا ہے۔ اصل تہذیب کے صحیح معنی جو خود قرآن  
سے پیدا ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ مال جو جائز خواہشوں کی تکمیل کے لئے انسان کو دیا گیا ہے اسے  
تاجائز خواہشوں اور غیر قانونی احوال و افعال پر خرچ کرنا، مشغول ہونا، بازی، حرام کاری، خراب کاری  
وغیرہ قانونی جرائم پر جو دولت کو صرف کرتا ہے وہ مبتدین ہے۔ پس تہذیب کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ  
امران وہ اس سے بالکل جدا لہذا ہے، اپنے عمل پر اس کا ذکر آئے گا تعجب ہے کہ سورتہ نبی  
امرائیل میں جہاں تہذیب کی یہ آیت ہے اسی کے بعد امران کے قانون کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، اگر  
دونوں ایک ہی چیز ہیں جو ہیں تو پھر اس کو دہرانے کی کیا ضرورت ہوتی۔ جب تہذیب کی حقیقت  
واضح ہوگئی تو اب اس کا پتہ چلنا کہ مصارف کا کون سا سلسلہ تہذیب کے تحت میں داخل ہے اس  
کے لئے اسلامی جرائم کی فہرست اپنے سامنے رکھ کر دیکھنا چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے کہ ان جرائم میں  
سے ہر چیز پر دولت کا صرف کرنا تہذیب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تہذیب کی یہ تفسیر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے  
ولو دافقا۔ اگرچہ ایک ہی کیوں نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ جرائم پر ایک چیز بھی خرچ کرنا ایسا ہے جیسے کوئی ایک روپہ خرچ کرے اور اس سے بھی

یہی معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب کے معنی فضول خرچی کے نہیں ہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ ضرورت سے زیادہ  
ایک چیز بھی خرچ کرنا شیطان کا بھائی بنتا اور خدا کے کھنڈر بدوں میں خرچہ ہوتا ہے۔ حالانکہ یہاں دنیا  
میں کون ہے۔

تہذیب کے بعد صرف دولت کے متعلق اسلام میں اور بھی دو مقامی قانون ہیں جن میں  
ایک کی تفسیر امران سے اور دوسری کی تفسیر بایاالتاس سے کی جاتی ہے۔ طبی ترتیب کا اقتصاد تو  
یہی ہے کہ ان دونوں قانون کی تشریح بھی اسی وقت کر دی جائے۔ لیکن جہاں تک میں نے خوراک  
ان دونوں قانون کی صحیح حقیقت جیسی کر دی ہے اسی وقت سمجھ میں آسکتی ہے جب ہم پہلے صرف  
دولت کے ایجابی سوال کے جواب کو سمجھ لیں اس لئے خلاف ترتیب میں اس وقت ان دونوں  
سے الگ ہو کر دوسرے سوال کو چھوڑ دیتے ہیں جیسا کہ میں نے کہا تھا سبلی سوال کے بعد ظہر  
مرتبہ ایجابی سوال کا ہے۔

کن چیزوں پر دولت کو اسلام کے لئے یہ بڑا دل چسپ سوال ہے یعنی اس باب میں دنیا کے  
صرف کرنا چاہیے۔ دیگر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام نے اپنے خاص فطرتاً نظر پیش کئے  
ہیں پہلی خصوصیت تو اسلام کی اس باب میں وہی ہے جس کا ذکر مختلف فرقوں سے پہلے بھی چکا  
ہے یعنی اس نے فطرتاً ضرورت کی حد تک مصارف کو محدود کرنے کا حکم نہیں دیا ہے جیسا کہ ہونا  
دنیا کے تمام مذاہب کے عام رجحانات ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو ضرورت میں بھی کمی کی جائے  
تھی کہ کھانا پختہ دن آدی چھوڑ دے، پانی ترک کر دے، اسانس بنگ نہ لے، پکڑے  
بھی جہاں تک بدل سے اتار سکتا ہو اتار دے، گویا ان ہی چیزوں کو مذہبی جذبے کے اخراج کا  
ثبوت قرار دیا گیا ہے لیکن جیسا کہ میں باریادہ ہراتا چلا آ رہا ہوں کہ ضرورت تو بہر حال ضرورت ہے  
اسلام زینت و آرائش کے حدود تک بھی جانے والوں کو مذہبی دائرے میں بند سے بندہ تمام حلال  
کرنے کے لئے تیار ہے، ایسا ہی تحت پر بھی مذہبی مدارج کا سب سے بلند ترین درجہ یعنی ثبوت تک  
لی سکتی ہے۔ رسول علیہ السلام کے فیض برحق بھی "الغنی" کے لقب کو اپنے لئے باعث فخر قرار دیتے  
ہیں اور یہ بات اسلام کی ایسی خصوصیت ہے جس پر بحث کرنے کی بھی چندان ضرورت نہیں جو  
کچھ اب تک اس مسئلے میں کہا جا چکا ہے وہی کافی ہے۔

دوسری خصوصیت اس سے بھی عجیب تر ہے کہ ہونا مذاہب نے دولت کے جائز مصارف  
کے بھی دو حصے کر دیئے ہیں، ایک دینی مصارف دوسرے دنیوی مصارف۔ لیکن اسلام نے اس  
تقسیم ہی کو مذہب کر دیا۔ اسلامی فقہاء نے دولت کے سارے ایسے مصارف جنہیں عام طور پر  
دنیوی مصارف میں شمار کیا جاتا ہے وہ دینی مصارف بن سکتے ہیں اسی طرح ایسے تمام مصارف  
جنہیں عام طور پر دینی مصارف خیال کیا جاتا ہے دنیوی بن سکتے ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ صرف دولت یا خرچ کے متعلق قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ

اسوای مسائیات  
لوگوں نے دو دفعہ ماذا ینفقون (کیا خرچ کریں) کے الفاظ میں استفسار کیا۔ اس سوال کے جواب میں جو پہلا جواب قرآن نے دیا ہے وہ یہ ہے  
قل ما انفقتم من شیء  
یعنی "خیر اور نیکی کی راہ جسے عموماً دینی مصارف بھی کہتے ہیں اگر اس کے متعلق تمہارا سوال ہے تو اب تک جو یہ سمجھا جاتا تھا کہ صرف غریبوں اور مسکینوں کو دینا یہ خیر اور خیرات ہے۔ قرآن کہتا ہے یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یتیموں اور مسکینوں کو دینا یہ بھی دینی خرچہ ہے اور اپنے خاندان و اقارب و والدین یا اقربا و اقارب پر خرچ کرنا یہ بھی خیر ہے۔ خیر کے معنی عربی میں "مال" کے بھی آتے ہیں، اور عموماً لوگوں کا ذہن اس آیت میں بھی اس معنی کی طرف متقل ہو جاتا ہے، حالانکہ آیت کو ختم کرتے ہوئے

وما تنفقوا من خیر فان  
اللہ بہ علیہ۔  
اور نیکی کی راہ سے جو کچھ تم خرچ کرو گے تو خدا اس سے باخبر ہے۔

میں خیر کے جو معنی یہاں مراد ہیں اس کو متنبہ کر دیا گیا ہے کہ "خیریت" اور نیکی کا ماواں ہر جہاں حق تعالیٰ تمہارے اس خرچ کے متعلق کیا جانتے ہیں، یعنی اگر تم نے اپنے اقربا و درخانیان و اقارب اس لئے خرچ کیا ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ حکم ہے تو تمہارا خرچ جو کچھ دنیوی خرچ سمجھا جاتا ہے دینی خرچ ہے اور یہی مایوسا کہیں پر جو تم صرف کر رہے ہو اگر اس سے خدا کی مرضی کا اتباع منظور نہیں ہو تو گناہ ہر وہ کہتا ہے بڑا دینی صرف سمجھا جائے لیکن پھر بھی وہ دنیوی خرچ ہی ہے قرآن میں تو اس کی طرف کیلانی رنگ میں اشارہ کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے اسی اصول کو پیش نظر کر کے جو تفصیلات اس باب میں ارشاد فرمائے ہیں حدیث کی کتابوں میں اس کا ایک ذخیرہ پایا جاتا ہے۔

اس اصول کی تشریک میں کہ عام طور پر جو دنیوی خرچ سمجھا جاتا ہے صرف نیت اور نیکوئی کے نتیجے سے وہ بھی دینی خرچ بن جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ان المسامذ انفق علی  
اھلہ نفقۃ وھو یکتسھا کانت  
لہ صدقۃ (بخاری کا مسلم)  
اپنی بیوی پر آدمی جو خرچہ کرے اس کی  
زکوٰۃ خرچہ کرتا ہے۔ اس کی  
طرف سے صدقہ ہے۔

صرف یہی نہیں کہ وہ دینی خرچ بن جاتا ہے بلکہ تمام دینی مصارف میں دنیوی خرچ کو برتری حاصل ہے، فرمایا جاتا ہے،

دینا مسامذ انفقہ فی سبیل اللہ  
دینا مسامذ انفقہ فی ساقۃ  
دینا مسامذ انفقہ بہ علی  
وہ آخری جہاں اللہ کی راہ میں  
تم نے خرچ کیا اور وہ آخری جہاں  
ختم آزاد کرانے میں صرف کی

مسکین دینا مسامذ انفقہ  
علی اھلک اعطیہ اجر اللہ  
انفق علی اھلک (مسلم)  
اور وہ آخری جہاں مسکین پر تم نے  
صدقہ کیا اور وہ آخری جہاں تم نے اپنی  
بیوی پر خرچ کیا، ان تمام اشرافیوں  
میں قرآن اور اجر کے حساب سے سب سے بڑا وہ ہے جسے تم نے اپنی بیوی پر خرچ کیا  
اور جو بیوی کو تو خیر ایک حد تک غیر بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے  
بھی آگے بڑھ کر ارشاد فرمایا کہ آدمی خود اپنی ذات پر جو دولت صرف کرتا ہے یہ بھی صدقہ ہے۔ منہاج  
کی حدیث ہے،

ما اطعمت نفسک فھو لک  
صدقۃ ما اطعمت ولذک  
فھو لک صدقۃ ما اطعمت  
من ویک فھو لک صدقۃ  
ما اطعمت حاد مک فھو لک  
صدقۃ۔  
تم نے خود اپنے کو جو کھلایا یہ بھی  
تمہاری طرف سے صدقہ ہے جو کچھ  
اولاد کو کھلایا یہ بھی تمہاری طرف سے  
صدقہ ہے اور اپنی بیوی کو جو کھلایا  
بھی تمہاری طرف سے صدقہ ہے اور  
اپنے نوکر کو جو کھلایا وہ بھی تمہاری  
طرف سے صدقہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ احتساباً یعنی حق تعالیٰ کی مرضی مبارک کو اپنے دھیان میں سامنے رکھ کر  
تین چیز کے سوا دولت کے تمام مصارف صدقہ اور دینی خرچ ہیں، گو یا مشہور حدیث آنا لا اعمال  
بالنیات "کلامیک مصداق یہ بھی ہے لیکن صدقہ کے باب میں احتساب کا مفہوم کتنا وسیع ہے  
اس کے سمجھنے کے لئے ہمیں اپنے سامنے منہاج کی اس حدیث کو رکھ لینا چاہئے جس میں حضرت  
ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ

ما صنعتک اھلک صدقۃ  
یہاں صدقہ ہے۔  
تیرا اپنی بیوی کے سامنے ہر چیز

حضرت ابو ذر نے اس پر سوال کیا کہ

انفسیبا شھوشتا و فحیر  
اور قرآن بھی دیا جاتا ہے؟  
ہم اپنی خواہش بھی پوری کرتے ہیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا

لو صنعتہ فی غیر حقہ  
کان علیہ وسارہ  
تم سمجھتے ہو کہ اگر اس خواہش کو  
یہ صدقہ تم پوری کرتے تو کیا ہوتا  
معاذہم کو ضرر ہوتا۔

ابو ذر نے فرمایا بلی رنگوں نہیں، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احتساب کے اس



معنی کو بیان فرمایا جس کے بعد تقریباً ہر مسلمان کا جائز فضل صدقہ بن جاتا ہے ارشاد ہوا کہ  
تحتسبون بالشیئ ولا تحتسبون  
بالخیر۔

آنحضرتؐ اپنے مال کو جو ائمہ میں نہ استعمال کر کے جو خود اپنے اور اپنے حوالہ خاندان پر خرچ  
کرے گا یہ سارے مصارف صدقہ اور دینی مصارف میں شمار ہوں گے۔

ریاء الناس | لیکن ٹھیک جس طرح دنیوی مصارف احتساب کے قانون کی بنا پر دینی مصارف  
بن جاتے ہیں۔ جیسے ہمارے تمام دینی مصارف دنیوی بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ یعنی تہذیب  
کے تحت داخل ہو جاتے ہیں، کیسے ہوتا ہے؟ قرآن مجید نے اس کو ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے۔

الذین ینفقون اموالهم  
سبیل اللہ والیوم والآخرین  
یا للہ ولا یالیوم والآخرین  
لیکن الشیطان لہ قرینا  
فما وقرینا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی چیز کے بہتین کام ہی میں کیوں نہ خرچ کرے۔ لیکن اگر اس نے یہ سارا خرچ  
انسانوں (لوگوں) کو دکھانے کے لئے کیا ہے اور اس کے سامنے نہ خدا ہے اور نہ روز جزا ہے بلکہ صرف  
پسند لوگوں پر اپنی دولت کی دھونس مہانا، حملہ، ٹوٹے، بستی یا شہر، ملک یا دنیا میں نام آوری  
حاصل کرنا یا اپنی بڑائی اور کبریائی کا اعلان مقصود ہے تو جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا اس شخص  
کے ساتھ وہی بر خود غلط طاقت یعنی شیطانی قوت ساتھ لگ گئی ہے، اپنی مالی طاقت کو غلط مل پر  
اسی طریقے سے خرچ کر رہا ہے جیسے شیطان نے اپنا استعمال غلط کر دیا۔ دوسری جگہ انکی یاد میں  
وائے خرچ کے متعلق ارشاد ہے کہ

مثله کمثل صفوان علیہ تراب  
خاصیہ واصل فخرکھ صلہ لا  
یتقدرون علی شیئ مما کتسبوا  
واللہ لا یغنی عنکم الکافرین  
آئی علامت

ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ اور اس کے انعام کے دن کو چھڑ کر صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے  
وہ یہی کرتا ہے کہ اپنی امیری اور دولت مندی کے نشانات لوگوں کے سامنے اوزدوں پر قائم  
کرنا چاہتا ہے، اپنے پیسوں کی شا دیوں میں دھوم مچانے والے تقریبات پر پروٹے پٹنے والوں کا  
مقصود اس کے سوا اور کیا ہوتا ہے۔ لیکن تجربہ شاہد ہے کہ ان لوگوں کی یہ ساری مالی زندگیوں کا

اثر عوام کے قلوب پر چند دنوں سے زائل قائم نہیں رہتا۔ ٹھیک اس کی مثال وہی ہے جو قرآن نے  
بیان کی ہے کہ چنان پر گرد جیسی پانی کا ایک چھینٹا آیا اور سب صاف ہو گیا اور وہ بھی یہی ہے کہ  
چاندی اور سونے کے گزروں اور لاشیوں سے یہ لوگ عوام کے دل و دماغ میں جو اپنے بڑے کی  
نقد یا شادی کی یاد ٹھونستا چاہتے ہیں خواہ مخواہ کسی کے پاس اتنا وقت، کہاں ہے جو اپنے  
سامانوں کو ان بد العقولوں کے مصارف کی یاد کے لئے ہمیشہ بیدار رکھے، تماشا جوا دیکھ کر یگانہ  
اور لوگ بھول گئے۔

الہامی انسان میں گو چہی نظر رکھ کر جو دکھاوے کا خرچ کرتے ہیں، اپنے تمام مصارف  
خواہ بہ ظاہر وہ کتنے ہی دینی نظر آئے ہوں، مثلاً کسی مدرسہ کو دیں، مسجد بنائیں، بیلک و کرسیں  
دیں، ہیپتالوں پر خرچ کریں، کچھ بھی کریں، قرآن کی رو سے یہ سب دنیوی، بلکہ شیطانی  
خرچ بن جاتا ہے۔

اور یہی میرا دعویٰ تھا کہ اسلام نے دینی اور دنیوی مصارف کی ان دو قسموں کو قائم  
کر کے صرف دینی یا صرف دنیوی خرچ میں دولت کے مصارف کو ضم کر دیا ہے۔

یہاں ایک نکتہ کا ذکر ضروری ہے اسلام نے جہاں اس قسم کے عجیب قوانین پیش کئے  
ہیں ان ہی میں اس کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ انسانی فطرت کے طبی رجحانات اور  
جلی خواہات و میلانات کی بھی ساتھ ساتھ رعایت کرتا جاتا ہے اور کوئی ایسی تدبیر نکال دیتا ہے  
جس کے ذریعے اصل مقصد جو اس کا ہے وہ بھی قوت نہ ہو اور عوام انسانی کمزوریوں کا بھی نہا چھٹکا  
یہی تیار انسان والا قانون ہے۔ حلقہ اس کے بے نتیجہ ہونے اور غلط مصرف ہونے  
میں کیا شبہ ہے جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا۔ مگر کیا کیجئے کہ انسان میں دولت کی نمائش کا جذبہ  
بھی تقریباً فطری ہے۔ دولت کمانے والے بہر حال کچھ اس کی نمائش بھی چاہتے ہیں، اسی جذبہ  
کی رعایت ہے جس کا تراغ ان حدیثوں سے ملتا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض  
دولت مندوں کو چٹے اور ٹہرے حال میں دیکھ کر دریافت فرمایا کہ

الک مال (کیا تمہارے پاس مال ہے) جواب میں کہا گیا نعم (ہاں) آپ نے فرمایا  
من اعی المال (کس قسم کے اموال تمہارے پاس) جواب ملا من کل المال (ہر قسم کا مال) اسکا  
اونٹ، گھوڑے، بکریاں، غلام سب ہی کچھ ہیں، یہ اس شخص نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
نے تب اس سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا

فاذا تاک اللہ صالا فلیو  
اقرضہ اللہ علیک کرامتہ  
(نشان)

جب خدا نے تمہیں مال دیا ہے تو  
چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور  
جو تمہیں عطا فرما دیا ہے وہ

دکھایا جائے۔

عالم پر ہے کہ دکھایا جائے گا تو ان میں ہی کو دکھایا جائے گا جس کے معنی یہی ہونے لگے کہ لوگوں کو اپنی مالی حیثیت دکھانی چاہیے اس کا حکم چھہ نیکی برائی کی تشخیص کے لئے احتساب کا ایک پہلو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکال لیا وہ یہ ہے کہ اپنی دولت و نعمت کو خدا کا عطیہ قرار دے کہ اور اس نیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر دولت کی نمائش کی جائے گی تو یہ دکھانا اور باریک بینی سے ہی حق تقاضی ہی کے لئے ہوا۔ اس لئے جس بربادی یا دولت کے خفا استعمال کا جو خطرہ متبادہ جائے گا وہی اسی فقط تو کہ ایک اور حدیث میں اور زیادہ واضح الفاظ میں ظاہر فرمایا گیا ہے کہ

ان الله يحب ان يذكر امره  
ان الله يحب ان يذكر امره  
نعمتہ علی عبیدہ -  
اپنی نعمت کے شانات کو اپنے بندے پر دیکھیں۔  
(ترمذی)

ان اللہ یحب ان یرى اثر  
نعتہ علی عبدہ -

نعتہ علی عبدالہ - اپنی نصیب کے شائمان کو اپنے

بند ہے پر دیکھیں۔

ارتقاء

مکویا انسان کو یہ دکھانا انسان کو دکھانا نہیں ہے بلکہ اپنے مالک ہی کو دکھانا ہے کہ وہی اس کو پسند فرماتا ہے کہ جس پر اپنی بخشش نازل کروں وہ دوسروں کو یہ دکھائیں کہ پھر اسے عطا کی یہ بخشش ہم پر بہرہ خلاصہ ہے کہ وہی انسان احوال باطنیات کے قانون سے تریاوان اس میں بہرہ فطرت شیطانی فعل بھی ملوکتی صفت ہیں جانتے ہیں اور ان سارے مہالامات کا خلق باطن اور اندر سے ہے۔ کون کس لئے کیا کر رہا ہے۔ اس کا فیصلہ خود مرتبی <sup>الشیخ</sup> عریضی کے دن جو گا کہ وہ ایک سائنس کسی ایسے آکر کی ایسا دینا کامیاب نہیں ہوئی ہے جس کے ذریعے سے لوگوں کی فتنوں کا حال معلوم ہو سکے۔

خیرات اور صدقات | ہر حال دولت کے مصارف میں اسلام کی دوسری خصوصیت یہی ہے کہ اس نے دینی و دنیوی دو قسم کے مصارف کا باب حدت کر دیا۔ اور اب باب صرف دنیوی مصرف دولت کا رہ گیا ہے یا صرف دینی کا اور صدقہ کی وسعت دانی کا حاصل جب ہے کہ بائز مصارف سے بہرہ کرنا صرف اسلام میں خرفہ کرنا بھی اسلام میں خیرات اور صدقہ ہے تو ظاہر ہے کہ مسلمان کا شائد کوئی بائز خرچ ایسا نہیں نکل سکتا جو خیرات اور صدقہ کی مد میں داخل ہو کہ دینی خرچ نہ بن جاتا ہو البتہ ان دینی مصارف میں ہر اسلام نے اپنا ترتیب قائم کی ہے۔

سب سے پہلے تو آدمی کا غور کیا ہے اور اس کے اسلام نے یہ ناجائز قرار دیا ہے کہ کوئی اپنے کو قتل کر دے یا اپنے کسی عضو کو ضائع کرے یا بگاڑ دے جس کی اسلامی قانون کی رو سے کسی کو اس جی حق نہیں ہے کہ کھائیا اس حد تک چھڑائیے کہ اس کی جان باقی نہ رہے اس کا کوئی عضو خواب ہو جائے زلیحی میں ہے،

هلاک النفس و العشو      با آزاد مال چیز کو چور کر اپنی

چائے اور سال چیز کو چھوڑ کر اپنی

بالاتفاق سے البیاح حرام ہے  
جای ضائع کرنی یا کس جس کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔  
(شامی ص ۱۵۶)

(شعبی مس ۱۵۶۱)

بہر حال دولت کا سب سے پہلا معرکہ خود کمانے والے کی ذات سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے  
محکم حدیث مروی ہے۔

۱۲ کان ۱۶ حد کہ فقیر  
قلیل بنفہ (مستحق) (مسکین)  
دوسری حد ۱۷۔

اذا كان احدكم فقيرا

فَلْيَجِدْ فِيْ نَفْسِهِ (عَقْلِي مِنْ ٢٥٠)

گھر سے کی ابتدا خود اپنی ذات سے کرے۔

دوسری حدیث ہے۔

ایں مہینک توہیں مقول۔  
پچھ اپنی ذات سے شردار کو، پھران پر۔

جو تیار ہے نہرو پر ارفی پیرا۔

والله اعلم

ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے آکر پوچھا کہ میرے پاس ایک عسکری ہے کیا کروں پہلا جواب اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی دیا کہ  
تصدق دے علیٰ غنمک۔  
دوسری ذات پر اسے غلام کو بیچنے فرما کر۔

اپنی ذات پر اسے غیرت کہہ لیجئے غرہ کرو۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے اوپر خرچ کرنا جیسا صدقہ ہے، غلامیہ ہے کہ پہلا مصرف اسلام نے خود دکھائے والے کی ذات کو قرار دیا ہے اس کے بعد ان لوگوں کے مصارف کا درجہ ہے جن کی یہ ورثہ کا وہ قانوناً ممدار ہے مشہور حدیث ہے

و امید بهمن قبول۔ شربت کرد خرقہ کرنا ان لوگوں سے جو

تھا یہ نرپر پرورش میں۔

(صباح مش)

فقہاء نے اس مسئلہ میں بیوی سے اور ان کے خمنکات قانونی حالات کو تفصیل کے ساتھ طویل دفعات کے تحت بیان کیا ہے جن کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں ہے۔

ان لوگوں کے بند پر ایسے ماں باپ کے مصارف واجب ہیں جو فقیروں - اہل قناد  
کہتے ہیں کہ

اجمع اہل العلوم علی : دین  
علم والوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسے

خواجہ ابوالحسن علی بن ابی حمزہ

مذاہب کے پاس مان چو، الی کا حریف  
 ہمارے گھر کے لئے ہے

اعلیٰ مرتبہ پر مشتمل دانشور

فئة الوالدان الفقيرين الذين

فإن السبب لها والأمال واجبة

مصارف، قوانین، نظم و ترتیب

والدین کے مصارف قانونی طور پر تو اسی وقت واجب ہوتے ہیں جب = واقعی مصارف ہوں یعنی حکومت جہود کے لئے کے مال سے والدین کے مصارف کی پابھالی کرے گی۔

لیکن خیر قانونی طور پر فیض حکومت جبر تو نہیں کر سکتی لیکن اخلاق و الدین کی خدمت اپنے  
مال کا سب سے بڑا مصرف ہے۔ خصوصاً اس مسئلہ میں ہاں تاکہ حق کو آشاعت صلی اللہ علیہ وسلم نے



اصول معاشیات  
یعنی غنہ خرچ کریں، یہ غنہ کیا چیز ہے اس کا جواب بعد کر دیا جائے گا۔ پہلے دوسری آیتوں کو بھی نقل کروں۔ سورہ اسرائیل میں ارشاد ہے

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ  
عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ  
فَتَقْنَطَ مِمَّا كَسَبْتَ  
مَالٍ لِّكَ وَلِكَ لِكَوْنُكَ تَوْبَةً لِّكَ  
مَالٍ لِّكَ وَلِكَ لِكَوْنُكَ تَوْبَةً لِّكَ

پھر سورۃ الفرقان میں ہے

الَّذِينَ إِذَا أَفْتَقُوا لِمَ سِرُّوا  
وَلَمَّا بَقَرُوا وَاكُنَّ بَيْنَهُمْ  
ذُكْرًا وَقَوْمًا  
لِّمَا نَزَعُوا مِنْهُ

کے امانہ کے ساتھ۔

مومن سمجھا جاتا ہے کہ غنوں آیتوں میں قریب قریب ایک ہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ "الغنوا" عام طور پر مطلب یہ لیا گیا ہے کہ جو باسائی ہو سکے اور کھلی دوا آیتوں میں تو ظاہری ہے کہ خرچ کے باب میں اعتدال کی فہمائش کی گئی ہے۔ امام مازنی اور ان کے سوا بھی عربی لغتوں کا مطلب یہی کہتے ہیں کہ اس کا تعلق

فَمَا يَفْضُلُ عَنْ حَاجَةِ الْوَسْطَىٰ  
فِي نَفْسِهِ وَعِيَالِهِ  
یعنی اپنے اور اپنے اہل و عیال و ورثہ و ورش لوگوں کے معاش سے جو کچھ باقی رہے

یعنی اپنے اور اپنے اہل و عیال و ورثہ و ورش لوگوں کے معاش سے جو کچھ باقی رہے

گرا بس حدیث گذر چکی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت کے ساتھ سونے کے ڈلے والے آدمی کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ

خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ  
نَهْمٍ غَنِيٍّ (ابن ماجہ)

مشہور شارح حدیث امام خطابی "نہم غنی" کا یہ مطلب بیان فرماتے ہیں۔

ایسی غنی یعنی غنی علیہ و  
مستطعم بہ علی النوازل الخ  
منوبہ۔

مستطعم اور عمارت کا نیکار ہو۔  
خطابی نے اس مطلب کو بیان کرتے ہوئے اپنی تائید میں دوسری حدیث پیش کی ہے جس میں

اصول معاشیات  
خیر الصدقة ما اقبلت  
من غنی۔  
بہترین صدقہ وہ ہے جو آدمی کی  
تو گری کو باقی رہے۔

جس کا معنی مطلب یہی ہے کہ "صدقہ" یا "انفاق" یا "خرچ" کرتے ہوئے اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس سے سرمایہ آدمی کے پاس رہ جائے جس سے وہ آئندہ آمدنی حاصل کرے یا معاش پیش آئے میں مدد لے۔ خطابی کے الفاظ فہم طور پر (یعنی جس سے پشت پناہی حاصل کر سکے) کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

اسو اس کے بعد میں نہیں آتا کہ خود قرآن نے جب یہ ممانعت کی ہے کہ آدمی کل البسط کے طور پر یوں خرچ نہ کرے کہ گھر میں جا کر ذیل در سوا احتکامندہ بن کر اسے بیٹھا پڑے حدیث میں بھی حضور نے یہی فرمایا کہ لوگوں کے سامنے اس کے بعد ہاتھ پھیلاتا چہرے۔

حدیث ابن ابی وقاص کی حدیث بھی گذر چکی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منع فرمایا کہ تم اس کو پسند نہ کرو کہ تمہاری اولاد تمہارے بعد ہاتھ پھیلاتی ہو۔

حلی الخوص جب ہم دیکھتے ہیں کہ مسکینوں کا ذریعہ معاش کوئی سرمایہ مستطعمت کی پونہ یا زمین یا باغ یا مکان وغیرہ ہوتا ہے اور بعض لوگ محنت و مزدوری تو کریں گے کہ وہ غنہ گدائے

ہیں۔ ثانی الذکر طبقہ اگر روز جو کچھ کمائے خرچ کر دے تو جو کہ دوسرے دن یا دوسرے مہینہ اس کو پھر آمدنی کی توقع ہے اس لئے اس کو تو شکر کسی کا دست نگر نہ ہونا پڑے لیکن اولاد کو

عقبہ اگر "الغنہ" کا وہی مطلب سمجھ کر جو عام طور پر سمجھا گیا ہے اپنی پونہ یا زمین و مکان باغ کو بھی ختم کر دے۔ کیونکہ بال بچوں کے کھانے پلانے کے بعد اس کا سرمایہ تو باقی ہی رہ جاتا ہے

تو کیا اس کو دوسرے دن خوم و محسور ہو کر اسے بیٹھا پڑے گا۔

پھر یہ خیال ہیں اسی لئے "الغنہ" کا مطلب یہی ہے جو آدمی سے امام رازی نے نقل کیا کہ

اصل الغنی في زيادة  
قال الله تعالى هذا الغنى  
اي الزيادة قال ابن حنبل  
غنوا اي كثروا

مطلب یہ ہے کہ گذشتہ بالا طبقوں میں سے وہ طبقہ جس کی گذر بسر کسی سرمایہ یا آبادی زمین مکان وغیرہ کی آمدنی پر ہے یا معاشی اصلاح میں یوں کیجئے جو شغل اصل کے مضاف سے اپنی معاشی مزوریں پوری کرتا ہے ان کے متعلق قرآن آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ وہ "الغنہ" یا "الزادۃ" کی حد سے

آگے نہ بڑھیں یعنی اصل کو محفوظ رکھتے ہوئے جو زائد آمدنی ہو اس کو خرچ کرتے رہیں کہ ان کا

بھی خرچ غنی ہو سکتا ہے۔  
مشہور امام لغت الفراء سے منقول ہے،

قوله تعالى قل العفو وهو  
الشفقة في كل العفو وهو  
الشفقة في كل العفو وهو  
الشفقة في كل العفو وهو

جس سے مانع معلوم ہوتا ہے کہ العفو مال کی زیادتی اور آمدنی کو کہتے ہیں۔ پھر صاحب مسائل العرب ہی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔  
روا عنی کل بعد اخذ الدین  
یعنی والوں نے حضور کیا۔  
پھر احنی کے نسخہ کا ترجمہ کرتے ہیں،

ای لا کفر مالہ ولا استغنی  
اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ کی آمدنی یا اصل کے متعلق کو العفو کہتے ہیں پس اس قسم کے لوگوں کے لئے میرے خیال میں ادائے فرائض کے بعد عام مصارف والفاق میں اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ حتی الوسع اصل کو ضائع نہ کریں۔  
یہ حدیث جو مسند احمد ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
لا یبیکسک فی فتن ارض ولا  
داسلا یجعل فی ارض ولا دار  
(مسند احمد)

ابن ماجہ کے اضافہ ہیں،  
من باع دارا وعقارا فله  
یجعل فتنہ فی مثله کان  
فتنا ان لا یبارک فیہ۔  
وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کے مال میں برکت زدہ ہو جائے۔  
یہی ابن آدم القرظی نے اپنی مشہور مستند کتاب الترمذی میں بھی اس حدیث کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔  
لا یبیکسک فی فتن ارض او دار ولا  
ان یجعل فی ارض او دار۔  
زمین یا گھر ہی میں لگا دیا جائے۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسی چیزیں جو اصل کی حیثیت سے کام کرتی ہیں اولاً ان کو الگ ہی نہ کرنا چاہیے اور اگر کسی ضرورت (مثلاً تبدیل مقام یا اور کسی وجہ سے) آدمی ان کو الگ کرے بھی تو چاہیے کہ ان کے روپے کو پھر کسی ایسی چیز میں لگا دے جو اصل کا کام دے سکیں۔  
یہ حکم قاتن لوگوں کے لئے ہوا جن کے مال میں اصل اور العفو کی صورت میں پیدا ہونے کے

باقی جس کی گذراوقات کسی اصل کی آمدنی پر نہیں ہے مثلاً قرضہ رگ جیہ ضروری وغیرہ کرتے ہیں  
ان کو اپنے مصارف میں کس قانون کی پابندی کرنی چاہیے اسی کا جواب سورہ بنی اسرائیل کی آیت  
لا تجعل یدک الی عنقک ولا  
تبطا کل البسط۔  
نہ ڈرا اپنے ہاتھ کو اپنی گتہ اور نہ  
کھول اس کو ہر دے طور پر کھول دینا

اور سورہ الفرقان کی آیت  
الذین اذا انفقا لم یسرفوا  
ولم یفتروا وکان بین  
ذالک قواما۔  
جو لوگ کرب غم نہ کرتے ہیں نہ مبالغہ  
کرتے ہیں اور نہ کئی کرتے ہیں نہ مبالغہ  
کرتے ہیں ان کے درمیان قوام۔

قوام کی تفسیر کرتے ہوئے ابن ابی شیبہ نے قوام یعنی قاتن کے زیر کی صورت میں اس کا ترجمہ دیا  
کیا ہے۔ وجہ یہ لکھی ہے کہ  
لاستقامۃ الطریقین۔  
اور قوام قاتن کے زیر سے اس کا ترجمہ  
ما یقامر بہ المحاسن ولا الخسائر  
جس سے ضرورت پوری ہو جائے اور  
قدراجت سے نہ رہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ درمیان بیانات اختیار کرنی چاہیے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ کوئی سبب بات نہ ہوئی  
جس کا مطلب یہی ہوا کہ ہر شخص کے اختیار و تمیزی کے پروردگار کے اپنے مصارف کو حد اعتدال سے  
متجاوز نہ ہونے دے نہ دیکھنے میں نہ خراج کرنے میں اور واقف یہ ہے کہ جس لوگوں کی آمدنی کا  
ذریعہ کوئی اصل نہیں ہے بجز ان کے اختیار و تمیزی کے اور اس کے سوا چارہ کار یہی کیا ہے کہ خود  
ان ہی کے پروردگار کا ساتھ دیا جائے اور یہی کیا گیا ہے۔



# کتاب قصص و اسلامی حکایات وغیرہ

قصص القرآن	مولانا محمد رفیع	شہادۃ القیامیہ اور انبیاء علیہم السلام کی حیات و حیات کی وصیت کی کہ سنند
قصص الانبیاء	حضرت آدم علیہ السلام کی حضرت وطفائے ماشرین و ان کے حالات	
قصص الانبیاء	(انگریزی) مسند ربیع با و کتاب کا انگریزی ترجمہ	
حیۃ الصحابہ	صحابہ کے حالات میں تبلیغی جماعت کی مشہور کتاب	
مضرت تعانوی کے پسندیدہ واقعات	حضرت قمری کے برائے حکایات سے چھ کر دہ ماہنامہ کے چھ	
لطائف علیہ ترجمہ کتاب الاذکیا	ذات حسن وصال اور حاضر و بال و غیرہ کی دلچسپ کتاب، امام ابن جوزی	
ارواح شلالتہ بدید	شاہ ولی اللہ کے خاندان اور ملنے دیوبند کی دلچسپ حکایات۔	مولانا اشرف علی
حکایات صحابہ	صحابہ کی کہانی اور مسند و دلچسپ حکایات۔	مولانا محمد زکریا
علمی کشکول	علمی انسانیت کی تاریخی دلچسپ مضامین۔	علیق محمد شفیع
فسانۃ آدم	حضرت آدم و حوا علیہ السلام کا بچا دلچسپ قرآنی قصہ	ماہنامہ اسحاق دہلوی
جلوہ طور	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بچا قرآنی دلچسپ قصہ	۔ . .
داستان یوسف	حضرت یوسف اور دنیا کا بچا قرآنی دلچسپ قصہ	۔ . .
تاج سلیمانی	مشہور پتھر حضرت سلیمان و ملکہ بلقیس کا بچا قصہ	۔ . .
ملت ابراہیم	مشہور پتھر حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل کا بچا قصہ	۔ . .
معجزات مسیح	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچا قصہ اور معجزات	۔ . .
معراج رسول	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا قصہ	۔ . .
صبر ایوب	حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا دلچسپ بچا قصہ	۔ . .
طوفان نوح	مشہور پتھر حضرت نوح علیہ السلام کا دلچسپ بچا قصہ	۔ . .
قصہ یونس	مشہور پتھر حضرت یونس علیہ السلام کا دلچسپ بچا قصہ	۔ . .
قصہ جرجیس	حضرت جرجیس علیہ السلام کا دلچسپ بچا قصہ	۔ . .
قصہ اصحاب کف	ان دینداروں کا قصہ جو کئی سو سال تک غار میں سوتے رہے	۔ . .
موت کا منظر	شہاد اور اس کی حقیقت اور عبرت ناک انجام	۔ . .
بستان اولیاء کامل	اولیاء اللہ اور مقبول بندوں کے دلچسپ حالات	۔ . .
روز محشر	میدان حشر جنت و دوزخ صاب کتاب کا قصہ	۔ . .
مشاہدات حسنینہ	حضرت حسین و حسن رضی اللہ عنہم کے حالات	۔ . .
عشق الہی	اللہ تعالیٰ سے عشق کے اولیاء اللہ کے حالات	۔ . .
نیکی میدی	نیکی و بدی کے متعلق دلچسپ کتاب	۔ . .
آنحضرت کے تین سو معجزات	آنحضرت کے تین سو معجزات قرآن و حدیث سے۔	مولانا احمد سعید
مسلمان فاتحین	تاریخ اسلام کے مشہور فاتحانہ	احمد علی حسینی دہلوی